ہماری ویب ڈیجیٹل بک

سمیع اللہ خان

SAMI ULLAH KHAN

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Sami Ullah Khan"
at Hamariweb.com

قلم گوید کہ من شاہ جہانم

حدیث شریف کا مفہوم ہے: "جو شخص علم حاصل کرنے کے لیئے گھر سے نکلتا ہے اور سفر کرتا ہے اللہ تعالیٰ جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لیئے اس پر اپنے پروں کا سایہ کر دیتے ہیں۔ معلم کے لیئے ہر وہ چیز جو آسمانوں زمین میں ہے استغفار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی اس کے لیئے مغفرت کی دعا کرتی ہیں (ترمذی شریف)۔اس حدیث سے ہمارے دین میں علم کی افادیت و اہمیت کا روشن پہلو اجاگر ہوتا ہے۔ لیکن قیام پاکستان سے ہی تعلیمی نظام کی جانب کوئی خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی ۔جو ہماری فاش غلطی ثابت ہوئی۔اور اسکے منفی نتائج سے پوری قوم کو ہمکنار ہونا پڑا۔ مشہور مفکر بقراط کہتا ہے "خامیوں کا احساس کامیابیوں کی کنجی ہے"۔ ہر دور کے اپنے اپنے تقاضے ہوتے ہیں ۔جو اقوام یا حکمران وقت کی بے رحم چابک سہنے سے قبل ہوش و حواس میں آ جائیں وہ ترقی کا سالہا سال کا سفر مفر لمحوں میں طے کر لیتے ہیں۔ کئی دہائیوں سے غربت زدہ ' بے سہارا و مہنگائی کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہتے ہوئے افراد کے شانوں پر سوار بے حمیت آقاؤں نے طوق لا علمی ان کی گردنوں کی زینت بنا رکھا تھا۔ فقط کاغذی اعداد و شمار میں معیشت جھلکارے مارتی تھی ۔لیکن نادار و مفلس طبقہ علم کی افادیت جانتے ہوئے بھی اس کے گونا گوں اخراجات سے گھبرا کر اے

محض رئیسوں کا مشغلہ کہہ کر دل بہلاتا تھا۔ جدید تعلیم کے زیور سے اولاد کو فیض یاب کرنا تو درکنار دو وقت کا کھانا ملنا ہی دشوار گزار تھا۔ ایسے میں دانش سکول سسٹم ایک ایسا قابل دید اقدام ہے جو سرمایہ کاروں' جاگیرداروں' پر تعیش سیاستدانوں' وڈیروں اور بیش بہا زر رکھنے والوں کے نظریات کی یکسر مخالفت کرتا ہے۔ رحیم یار خان و حاصل پور میں پایہ تکمیل کو پہنچنے والے یہ عالشان و دیدہ زیب سکول اس بات کی عین غمازی کرتے ہیں کہ چیتھڑوں میں لتھڑے ہوئے' بے کس' بے نوا و ستم رسیدہ بچے جن کے والدین امیروں کا اترن پہننے اور ان کے بچے کھچے ٹکڑوں پر انحصار کرنے میں ہی عافیت سمجھتے تھے آج دانش سکول کی شان و شوکت ہیں جس میں قارون کی وراثت پانے والوں کی آل کو ہمیشہ کے واسطے بے دخلی کا سرٹیفیکیٹ جاری کر دیا گیا ہے۔ داخلے کے مسودے کے مطابق اولاً ترجیح ان بچوں کو ملے گی جن کے والدین اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہوں۔ پھر وہ بچے جن کے سر پر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا ہو اور بیوہ ممتا کی گود ان کا واحد آسرا و آشیانہ ہو۔ اسکے بعد ان بچو ں کو اہمیت دی جائے گی جن کے والدین علم جیسی نادر دولت سے نابلد ہوں۔ اور زر و زمین جیسی آفات کی وراثت سے محروم ہوں۔ یا جن کے والدین کی کل آمدنی چھ ہزار سے کم ہو۔ یا ان میں سے کوئی ایک جسمانی طور پر معذور ہو۔ ان شرائط و ضوابط کی روشنی میں کسی بھی امیر طبقے کے سپوت کا داخلہ ممنوع ہے۔ محض حسرت و یاس میں کڑھتے وہ بچے جو ذہانت میں کسی رئیس زادے سے کم نہیں اس چمنستان کی زینت ہیں۔ ایک بچے کے

دوران تعلیم کل اخراجات کا تخمینہ پندرہ ہزار ہے جو ادارہ برداشت کرے گا۔طعام وردی کاپیاں کتابیں سب ادارے کے ذمہ ہوں گے۔علاج معالجے کی ذمہ داری بھی ادارے پر ہوگی۔طعام و قیام کا خرچ بھی ادارے کے خصوصی فنڈ میں سے منہا کیا جائے گا۔داخلے سے قبل بچے کو تحریری امتحان اور اپنے سرپرست کے ہمراہ انٹرویو کے مراحل سے گزرنا ہوگا۔معلم حضرات کے لیئے کم از کم معیار تعلیم متعلقہ مضمون میں ماسٹر ڈگری کا حامل ہونا ہے۔نیز دیدہ زیب کلاس رومز'الیکٹرانک بلیک بورڈ'ڈائننگ ہال'ایڈمن بلاکس'اعلی تعمیری معیار کے مطابق اساتذہ کی رہائش گاہیں'بہترین لیب'سپورٹس کے حسین گراؤنڈ اور بہت سی مثبت چیزیں اس سسٹم کی منہ بولتی شان وشوکت ونزاکت کی گواہی دے رہی ہیں۔خدا کرے یہ تعلیمی نظام ہوس اقتدار کی زد میں نہ آئے۔تعلیمی درسگاہیں کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں۔لیکن ارض وطن کی کوکھ میں فلاح وبہبود کے نجانے کتنے منصوبے فقط اقتدار کی بھینٹ چڑھتے ہوئے معدوم ہوگئے۔اللہ تعالیٰ اس سسٹم کو نظر بد سے محفوظ رکھے۔ایوان کی قومی مفاد میں مفاہمت پالیسی اس کے لیئے سازگار ثابت ہوگی۔طالب علم ہی وہ سرمایہ ہیں جنھوں نے آگے چل کر اپنے ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔کرپٹ لوگوں کا کڑا احتساب کرنا ہے۔فارسی کا مصرعہ ہے

قلم گوید کہ من شاہ جہانم (ترجمہ : قلم نے کہا میں دنیا کا بادشاہ ہوں۔اس بات میں رتی برابر بھی شائبہ نہیں۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں "علم حاکم ہے اور

دولت محکوم"۔ لیکن اس نظام کے تحت قلم غرباء کے ہاتھ میں ہو گا تو انشااللہ عدل کا بادشاہ ہوگا)

اگر یہ نظام کسی خواہش بیمار کا نشانہ نہ بنا تو انشااللہ ارض پاک کے لیئے بہترین خادم 'اعلیٰ دفاعی حصار اور بہترین کردار کے حامل افراد پیدا کرے گا۔ جس سے ملک بدامنی و انتشار کی فضا سے پاک ہو جائے گا۔۔ بل گیٹس کہتے ہیں پاکستان کا تعلیمی نظام درست ہو جائے تو آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ گو کہ ان کی اور ہماری نصابی ترجیحات میں فرق ہے۔ مگر بات دل کو لگتی ہے۔ شرح خواندگی و نظام تعلیم پر توجہ دینا ہو گی ۔ قومی جریدے میں چھپنے والے ایک سرکاری سروے کے مطابق پرائیویٹ سکولوں میں 27 فیصد جبکہ سرکاری سکولوں میں 71 فیصد بچوں کی تعداد زیر تعلیم ہے۔ سرکاری سکولوں پر بھی خاطر خواہ توجہ دی جارہی ہے ۔ لیکن حالات مزید توجہ کے متقاضی ہیں۔ایک قومی جریدے کی رپورٹ کے مطابق 31 فیصد سکولوں میں بنیادی ضروریات کا فقدان ہے۔ مبادا کے ایسے ہی سنجیدہ حالات کی نزاکت کا ادراک کرتے ہوئے بلاتامل بے تاب فیض کہ اٹھا

اب بھی دلکش ہے تیرا حسن مگر کیا کیجئے

لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجئے

یہ رائے کہ ان سکولوں کہ اساتذہ کی حوصلہ افزائی کی جائے گی جن کے زیادہ بچے دانش سکول کے لیئے کوالیفائی کریں گے۔اس تجویز کے زیر اثر سرکاری سکولوں کی سطح پر بھی تبدیلی آئے گی۔آخر میں تمام صاحب اختیار صاحبان سے اپیل ہے کہ ان اشعار کو اپنا منشور بنالیں وگرنہ دانش سے فارغ تحصیل بچے خوب احتساب لیں گے۔۔بقول جناب عطاء الحق قاسمی

خوشبوؤں کا اک نگر آباد ہونا چاہیئے
اس نظام زر کو اب برباد ہونا چاہیئے
ان اندھیروں میں بھی منزل تلک پہنچ سکتے ہیں ہم
جگنوؤں کو راستہ تو یاد ہونا چاہیئے
خواہشوں کو خوبصورت شکل دینے کے لیئے
خواہشوں کی قید سے آزاد ہونا چاہیئے
ظلم بچے جن رہا ہے کوچہ و بازار میں
عدل کو بھی صاحب اولاد ہونا چاہیئے

ریگستان میں گلستان کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ تیس دانش سکولوں کی تعمیر کا بے ہنگم خواب حقیقت میں ڈھلنے لگا ہے۔فی کس سکول کی مد میں کم و بیش تریسٹھ کروڑ کی خطیر رقم خرچ ہوگی۔یقیناً اربوں کی کرپشن کرنے والوں ٗجمہوریت کے

مخالفوں اور حقائق سے عاری ضمیر فروشوں کے لیئے یہ فضول خرچی ہو گی۔ کیونکہ اس سے ان کے خادموں میں جرائت پیدا ہو گی۔ ہم قائداعظم کا پاکستان بنانے چلے ہیں ۔جس میں اب مستقبل کے واسطے سینکڑوں سالوں پر محیط پالیسیاں مرتب ہونے لگیں ہیں۔ صحافت کافی حد تک آزاد ہے۔ تعلیم میں بے کسوں کی شمولیت ہونے لگی ہے۔ محمود وایاز کی تفریق ختم ہونے چلی ہے۔ تعلیم ہماری ترجیح بننے لگا ہے۔اور صوبوں کو بھی چاہیئے دانش یا اس سے ملتی جلتی کوئی تعلیمی نظام متعارف کروائیں ۔اور وسیع تر قومی مفاد میں شامل ہو جائیں۔ ایک چینی کہاوت ہے "اگر آپ 1 سال کی منصوبہ بندی کرنا چاہتے ہیں تو آپ مکئی کاشت کریں' اگر آپ دس سال کی پلاننگ کرنا چاہتے ہیں تو درخت لگائیں لیکن اگر آپ صدیوں پر محیط منصوبہ بندی کرنے کا عزم رکھتے ہیں تو آپ لوگوں کو اچھی تربیت دیں"۔

نگاہ سلطان شناس

روئے زمین پر زمانہ قدیم سے ہی بشری مخلوق نے ایک دوسرے کو مختلف معاملات و مسائل سمجھانے کی غرض سے حکایات کو اپنا رکھا ہے۔ صدیوں تک یہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں۔ان کی بنیاد کس نے رکھی اور انھیں ضبط تحریر میں کب لایا گیا اس حوالے سے کوئی حتمی رائے تاریخ کے اوراق پر نظر نہیں آتی۔البتہ یہ بات طے ہے کہ خطہ زمین پر موجود تمام ممالک 'براعظموں 'اور معاشروں کے ادب میں حکایات موجود رہیں ہیں اور بنی آدم ہزارہا برس سے ان حکایات ہی کے سہارے اپنی نسلوں کی روحانی 'اخلاقی و ذہنی پرورش کرتا آیا ہے۔

حکایات کا قیمتی ذخیرہ فارسی ادب کی زینت ہے۔ جن میں حکایات رومی کو گراں قدر مقام حاصل ہے۔ مولانا روم نے حکایات رومی میں بت شکن کا لقب اختیار کرنے والے عظیم مسلم فاتح سلطان محمود غزنوی کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔ایک دفعہ محمود غزنوی اپنی رعایا کا حال دریافت کرنے کی غرض سے سادہ لباس میں گشت کے لیئے روانہ ہوئے۔ دوران گشت انھیں چوروں کا ایک دستہ ملا جنھیں دیکھ کر بادشاہ سلامت نے کہا میں بھی تمھی میں سے ہوں۔ پس چوروں نے انھیں شامل کر لیا۔ پھر مشاورت کا آغاز ہوا (پرانے وقتوں کے تو چور بھی قدرے بھلے معلوم

ہوتے ہیں کہ اپنی اپنی عقل پر غرور کے بجائے مشاورت کیا کرتے تھے جب کہ خیر سے ارض وطن میں تو جس کس و ناکس کے ہاتھ میں عنان اقتدار آیا اپنے آپ کو مختار کل سمجھ بیٹھا۔ عربی کی مثل مشہور ہے: جس نے اپنی عقل پر غرور کیا گمراہ ہوا) اور ہر چور اپنا ہنر بیان کرنے لگا۔ ایک نے کہا میرے کانوں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ میں کتے کی صدا کو سمجھ لیتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ دوسرا گویا ہوا کہ میں شب تاریک میں جسے دیکھ لیتا ہوں دن کے وقت بھی اس کی پہچان کر لیتا ہوں۔ تیسرے نے اپنا ہنر بتلاتے ہوئے کہا کہ میں اپنے ہاتھوں سے توانا و مضبوط دیوار میں قدغن لگا لیتا ہوں۔ چوتھے نے کہا میری ناک میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ میں سونگھ کر بتلا سکتا ہوں کہ زمیں کے کس حصے میں خزانہ دفن ہے۔ پانچویں نے کہا میں بلند و بالا قلعہ و محل میں اپنے پنجہ کے زور سے کمند کو قلعہ کے کنگرہ میں مضبوط گرہ لگا لیتا ہوں اور پھر اس کی مدد سے قلعہ کے اندر داخل ہو جاتا ہوں۔

ان میں سے ایک چور نے تجسّس کے ساتھ بادشاہ سے پوچھا کہ آپ کی ذات میں کون سا ہنر پنہاں ہے۔ بادشاہ نے کہا میری داڑھی میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ پھانسی کی سزا پانے والے مجرم کو اشارہ کر کے بازیاب کروالیتی ہے۔

قصہ مختصر تمام چور شاہی محل میں داخل ہوئے' اپنا اپنا کرتب دکھلایا اور

چوری کا مال آپس میں بانٹ لیا۔ سلطان نے ہر ایک کا حلیہ خوب جانچا خود شاہی محل میں واپس آگیا۔ بادشاہ نے اس شب کی سحر ہونے پر گزشتہ شب کا قصہ عدالت میں سنایا اور محافظوں کو حکم دیا کہ سب کو گرفتار کرکے پھانسی کی سزا سنا دو۔ جب تمام چور ہتھکڑیاں پہنے حاضر ہوئے تو ہر ایک موت و خوف کے زعم میں تھر تھرانے لگا۔ لیکن وہ چور جو تاریکی میں دیکھ کر دن کو پہچان لیا کرتا تھا اس کے چہرے پر طمانیت کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ اس پر بھی خوف تو تھا ہی لیکن امید کی کرن کا سایہ بھی بہر طور موجود تھا۔ سلطان نے حکم نامہ جاری کرتے ہوئے کہا کہ سب کو جلادوں کے سپرد کر کے ان کا سر تن سے جدا کر دیئے جائیں۔ یہ سنتے ہی دیدہ معرفت رکھنے والے چور نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا ہم میں سے ہر ایک مجرم نے اپنے مجرمانہ ہنر کی تکمیل کر لی ہے اب خسروانہ ہنر کا حسب وعدہ ظہور فرمایئے۔ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ للہذا اپنی داڑھی کو جنبش دے کر ہمیں نجات دلوایئے۔

محمود غزنوی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تم میں سے ہر ایک کے کمال ہنر نے تمہاری گردنوں کو قہر و غذب میں مبتلا کر دیا۔ بجز اس بشر کے کہ یہ سلطان کی معرفت والا تھا۔ اس کے دیدہ نے شب کی ظلمت میں مجھے دیکھ لیا تھا۔ اب اس نگاہ سلطان شناس کے بدلے تم سب کی گردن زدنی کے بجائے معافی کا اعلان کرتا ہوں کہ مجھے اس معرفت والی نگاہ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ اپنا ہنر ظاہر نہ

کروں۔ مولانا روم رقمطراز ہیں کہ اس واقعے سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ بادشاہ حقیقی (اللہ) جہاں کہیں بھی جرم کا ارتکاب کیا جائے وہ ساتھ ہوتا ہے اگرچہ کسی مصلحت کی بناء پر فوری سزا عمل میں نہ لائی جائے۔

اور اس سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ جب تلک نگاہ سلطان شناس میسر نہ ہو گی ہم (عوام پاکستان) اپنے آپ کو قہر' بدامنی' دہشت گردی' متزلزل معیشت' گروی خارجہ پالیسی' بے روزگاری' مہنگائی' توانائی کے بحران اور کوڑیوں کے عوض بکتی قومی ناموس کے عذاب میں مبتلا پائیں گے۔ چھ دہائیں گزر گئیں ہمیں سلطان شناسی کا ہنر نصیب نہ ہوا (یا نہ آزمایا؟؟)۔ بیشتر ہم نے اپنے حق رائے کے ذریعے لٹیروں' جاگیرداروں' راہزنوں اور قومی ناموس سے نابلد لوگوں کی ایوان تلک رسائی ممکن بنائی۔ جب تلک ہم معمولی مفادات' نوکریوں کے مذموم جھانسوں' تھانہ کلچر' اور وڈیرا شاہی کے عتاب سے اپنی سوچ کو آزاد نہیں کروا لیتے تب تلک ہم بکتے رہیں گے' کرپشن' مہنگائی اور لاتعداد مسائل کا شکار رہیں گے۔ وہی قومیں سنبھل پاتی ہیں جو حکمرانوں کا انتخاب کرتے وقت اپنی ذات سے ماورا ہو کر فقط قومی مفاد کو ترجیح دیتی ہیں۔ یاد رکھیئے اچھے حکمران ہی اچھی قوم بناتے ہیں۔ مشہور فرانسیسی فاتح نپولین بوناپارٹ جس کا شمار دنیا کے پانچ بڑے وائیر میں ہوتا ہے کہتا ہے: "اچھے حاکم بری قوموں کو سنوارتے ہیں' اگر بھیڑوں کے ریوڑ کو شیر کی قیادت مل جائے تو وہ معمولی ریوڑ کو لشکر میں بدل دیتا

ہے اور اگر شیروں کی باگ ڈور کسی بھیڑ کے ہاتھ میں تھما دی جائے تو وہ شیروں کو گھاس کھانے پر مجبور کر دیتی ہے اور جو قوم اپنے لیئے اچھے رہنما منتخب نہیں کرتی وہ کبھی اچھی قوم نہیں بن سکتی "۔دوسرا اس نے کہا تھا: "اگر تم کسی بری قوم کو اچھا بنانا چاہتے ہو تو اس کے صحافیوں اور جرائد (اخبارات) کو اچھا بنادو وہ قوم اچھی بن جائے گی"۔ہمیں رہنما کے انتخاب کے ساتھ ساتھ مفاد پرست ،محکوم و اخلاقیات سے عاری ذرائع ابلاغ کی جہاں بیخ کنی کرنا ہو گی وہاں حق پرست و آزاد اظہار رائے کرنے والوں کا ساتھ بھی دینا ہو گا۔اور یہ سب اسوقت ہی ممکن ہو گا جب ہم دیدہ معرفت (نگاہ سلطان شناس) سے کام لیں گے اور دیدہ معرفت حاصل کرنے کے لیئے ہمیں اپنے آپ کو بدلنا ہو گا۔۔لازماً بدلنا ہوگا۔اپنے آپ کو اس اسلام کے سانچے میں ڈھالنا ہو گا جس کا وجود آج سے چودہ سو برس قبل اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر تھا۔جب مسلمانوں کی تہذیب خالص اسلامی تہذیب تھی ۔اس اسلام میں جس میں برداشت ،حب الوطنی جذبہ ایثار ،خدمت خلق اور احترام انسانیت کا پہلو نمایاں تھا۔جس میں کسی بھی سطح پر ، انتہا پسندی کا شائبہ تک نہ تھا۔مسلم تو کجا غیر مسلم بھی مسلمانوں کی چھتری تلے عافیت محسوس کرتے تھے۔جب بریلوی ،دیوبندی ،اہل حدیث کی اصطلاح کا وجود ہی نہ تھا۔فقط مسلم لفظ تھا فقط مسلم ۔جب گلی گلی ندا لگانے باوجود زکوۃ لینے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔جب اسلام کا دائرہ کار محض عبادت گاہوں تلک محدود نہ تھا بلکہ ہر مسلمان نے اپنے

اوپر لاگو کیا ہوا تھا۔ مشہور ضرب المثل ہے

charity begins at home

ترجمہ: درویش گھر سے شروع کرو۔

جب ہم تبدیلی کا آغاز اپنی ذات سے شروع کریں گے تب ہی انقلاب کی راہ ہموار ہوگی۔ اور پھر انقلاب آ کر رہے گا۔

عجب فٹ پاتھیا ہے وہ

میں آج ایک دلچسپ 'ولولہ انگیز اور جرات مند فٹ پاتھیے بشر کا ذکر کرنے چلا ہوں۔جو نہایت بزدل ہونے کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز حد تک بہادر بھی ہے۔یقیناً یہ آپ کے لیئے اچنبھے کی بات ہو گی۔لیکن میں ان برعکس باتوں کو اپنے ناقص علم کے مطابق دلائل سے ثابت کروں گا مگر دلائل انشاللہ مضبوط تر ہوں گے۔پہلے بات بہادری کی کر لی جائے تو قدرے بہتر ہو گا۔کسی کے پوچھنے پر اس نے کہا"مجھے موت سے خوف کیونکر آئے کہ جو رات قبر میں آنی ہے وہ باہر نہیں آ سکتی"۔جبکہ ہم ہی میں سے بہت سے ایسے ہیں جو نجانے موت روکنے کے لیئے کیسے کیسے پاپڑ بیلتے پھرتے ہیں۔حیدر کرار'شیر خدا حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا آپ نے محافظ کیوں نہیں رکھا تو آپ نے برجستہ جواب دیا"موت میری حفاظت کر رہی ہے جب تک اس کا مقرر کردہ وقت نہیں آتا وہ کسی کو میرے قریب پھٹکنے ہی نہیں دے گی"۔لیکن ایمان سے خالی لوگ کیا جانیں؟؟۔لیکن وہ شخص اللہ کے آسرے پر کسی سے نہیں ڈرتا۔اور خوف کھائے بھی کیوں؟کہ وہ مادی وسائل کے بجائے خالق حقیقی سے آس ولو لگائے ہوئے ہے۔اس مضمون میں آپ کو لفظوں کی سادگی کے ساتھ ساتھ حقیقت کی چاشنی بھی ضرور میسر آئے گی۔ادھر ادھر کا ذکر کرنے اور تعریف و توصیف کے بجائے ہم اپنے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔جس طرح وہ شخص مقاصد حق کی طرف

لپکتا ہے۔اس بشر کو سیاست میں دو عشرے بیت گئے' خودی کا دامن نہیں چھوڑا' حقیقت سے کبھی منہ نہیں موڑا۔ کسی نے خوب کہا ہے

تخت سکندری پر وہ تھوکتے ہی نہیں

بستر لگا ہو جن کا تیرے در کے سامنے

کسی نے آسائش کی بات کی تو بلا تامل چلا اٹھا میں کیسے پر سکون رہوں جب خلق خدا بے گھر' بے آسرا' بے روزگار اور ذلیل و خوار ہے'مفلسی میں جنم لینے والے انتہائی مفلسی کی لکیر سے بھی نیچے کاروان حیات گزارنے پر مجبور ہیں۔تریسٹھ برس بیت گئے عوام بکتے رہے'نیلام ہوئے'بدنام ہوئے'ان کا خون ناحق بہایا گیا'لیکن حد ہوتی ہے ہر شہ کی ایک حد ہوتی ہے۔اسی طرح ظلم و جور وزیادتی کی بھی۔۔

کسی نے خوب کہا ہے

ظلم جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو مٹ جاتا ہے

داماد رحمت اللعالمین 'صحابی رسول ﷺ مولا علی فرماتے ہیں"کفر کی حکومت قائم رہ سکتی ہے ظلم کی نہیں"۔وہ نیک فطرت بشر ظلمت کی تاریکی میں روشنی کی کرن پھیلانے کو بے تاب ہے۔کمزور' ناتواں و بے نام لوگوں میں حق گوئی و بے باکی لہر دوڑانے کا ہنر خوب جانتا ہے۔دروغ گو لوگوں کو کہتے سنا گیا کہ اس کے

ساتھ تو چند گنتی کے لوگ ہیں اور وہ بھی کمزور تر' اس کی سیاست بھی پائیدار نہیں۔ ان کے لئے نہایت ادب سے التماس ہے وہ کسی یزید کا تابعدار نہیں' کسی فرعونیت کا طلب گار نہیں' قارون کی طرح اس کے پاس دولت کے انبار نہیں۔ جذبہ ہے اس کے پاس فقط پر خلوص جذبہ۔ کئی صدیاں بیت گئیں مشہور فرانسیسی جنگ جو و عظیم نظم و نسق رکھنے والے نپولین (جس کے بارے میں یورپی مورخین کا خیال ہے کہ یورپ میں اس سے بڑا فاتح جنم نہیں لے گا' ہم اسے نپولین پڑھتے ہیں جبکہ فرانس کے لوگ اسے نیپولین کہتے ہیں۔ اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ انتہائی قوی یاداشت کا مالک تھا۔ اسے اپنے سپاہیوں کے اسم' گھر کے پتے کوائف حتیٰ کہ ان کے بچوں کے نام اور تعداد بھی یاد ہوتی تھی۔ فوج اور ملک کے بجٹ کے اعداد و شمار بھی زبانی بیان کر سکتا تھا۔ جسمانی طور پر ان فٹ ہونے کے باوجود نہ صرف فوج میں بھرتی ہوا بلکہ آرمی چیف بن کر دو تہائی یورپ فتح کر ڈالا۔ اسے اتنا بھی معلوم ہوتا تھا کہ یورپ کی سرزمین پر کتنے فاصلے پر کونسا مقام آتا ہے۔) نے کہا تھا "اگر شیروں کی باگ ڈور کسی بھیڑ کے ہاتھ میں دے دی جائے تو وہ ان شیروں کو گھاس کھانے پر مجبور کردے گی جبکہ اگر بھیڑوں کے ریوڑ کی باگ ڈور کسی شیر کے ہاتھ میں دے دی جائے تو وہ اسے لشکر میں بدل دے گا"۔ رہنما ہونا چاہیئے مگر اچھا رہنما۔ اچھے رہنما ہی اچھی قوم بناتے ہیں۔ یہ فٹ پاتھ پر سونے والا بے کسوں کا ہمدرد' درد مندوں کا مداوا شیر کی سی قیادت کرنا جانتا ہے۔ یہ بات آپ بھی جانتے ہیں' میں بھی جانتا ہوں۔ اور

ساری دنیا بھی بخوبی جانتی ہے۔فٹ پاتھ پر بغیر کسی آہنی رکاوٹ و بلٹ پروف جیکٹ سے نابلد یہ بشر اب گلی کوچوں میں بسنے والے نادار لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بننے لگا ہے۔تاریخ گواہ ہے جسے غریب چاہنے لگیں وہی عزت پاتا ہے۔ عزت و کامیابی جدا جدا چیز ہیں۔یزید کو ظاہری کامیابی تو ملی لیکن ایسا بے عزت ہوا کے تاریخ میں مبادا ایسا بد قسمت نہ ہو۔ مسلمان تو مسلمان کافر بھی نفرت کرتے ہیں اس کے نام سے اس کے کام سے۔اگر امام عالی مقام سیدنا حسینؓ سے الفت ہے تو یزید کے نام سے عداوت رکھنے کے ساتھ ساتھ اس جیسے کام کرنے والوں کا دامن بھی چھوڑنا ہوگا خواہ وہ کوئی بھی ہو۔فٹ پاتھ پر اپنی محبوب عوام کے ساتھ چین کی رات گزارنے والے کی جماعت اب تکمیل کے مراحل میں ہے۔احتیاط اب احتیاط۔اب اسے بھی احتیاط کرنا ہے (تنظیم سازی کرتے وقت' پارٹی ٹکٹ دیتے وقت' اتحاد کرتے وقت' کسی کا ذکر کرتے وقت)اور ہمیں بھی احتیاط کرنا ہوگی۔چند ماہ گزرے اک صاحب حال نے اس سے مخاطب ہو کر کہا"ہمیں تیری نیت پر کوئی شک نہیں"۔وہ سچا تھا' سچا ہے اور انشاللہ سچا ہی رہے گا۔اور نہیں تو ڈرون حملوں سے بچنے کے لیئے ہی اس کا ساتھ دینا ہوگا۔جو ہمارے لیئے تو زہر قاتل ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان حملوں سے امریکا کو خود بھی منہ موڑنا ہوگا وگرنہ اس کی حمایت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔اس نہتے شخص کا ڈرون حملوں کے لیئے نکلنا ہم پر اس کا احسان عظیم ہے۔اور حدیث مبارک کے مفہوم میں ہے"جو اپنے محسن کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اپنے رب کا بھی شکر

ادا نہیں کرتا"۔اب آپ کو اس انسان کی بزدلی کے بارے میں بتاتا چلوں کہ وہ موت کے سوا کس سے خوف کھاتا ہے۔ایک دفعہ سردار جنت' نواسہ رسول ﷺ' جگر گوشہ بتولؓ امام حسینؓ کے والد حضرت علیؑ کے جسم مبارک میں تیر پھنس گیا جو نکلتا نہیں تھا۔کیونکہ آپ مضبوط جسم اطہر کے مالک تھے۔چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جب میں حالت نماز میں ہوں تو تیر نکال لینا۔اور جب آپ حالت نماز میں تھے تو ساتھیوں نے باآسانی وہ تیر نکال لیا کیونکہ دوران نماز آپ کا جسم اللہ کے خوف سے موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔آپؓ دنیاوی تکالیف و مصیبتوں کو یکسر بھلا دیتے۔حالت نماز میں فقط خالق حقیقی سے لو لگا لیتے۔ حتیٰ کہ جسم اطہر سے ظاہری رابطہ بھی منقطع ہو جاتا۔اور مومن ہی وہی ہے جو اللہ سے خوف کھائے اور اس کے سامنے بندگی بجا لائے۔اپنے آپ کو مختار کل نہ سمجھے۔قوی امید ہے کہ خدا سے ڈرنے والے اس بشر کو موقع دیا گیا تو اپنے آپ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے رب کائنات کے احکام کلی طور پر بجا لائے گا۔اس سے پہلے اسلام کے نام پر ووٹ لینے والوں کے دور میں میراتھن ریس بھی ہوئی' مسجدوں کی حرمت بھی پامال ہوئی' مبادا اس بار عوام کا رخ یکایک تبدیل ہو۔۔دین و سیاست کا فہم وادراک رکھنے والے ایک صاحب بصیرت نے کہا" (ع) عجب طرز کا فٹ پاتھیا ہے وہ اس نفسا نفسی کے دور میں بھی بے لوث 'مکمل بے لوث۔اگر عوام اس کے علاوہ بھی کسی حق پرست و بے باک شخص کو مسند اقتدار پر بٹھا دیں تو اسے پھر بھی خوشی ہو گی اور شکرانے کے نوافل ادا کرے گا' کسی سے گلہ 'شکوہ نہیں

کرے گا۔ حقوق انسانیت' خدمت خلق' معاشرتی انصاف' اقلیتوں کے حقوق ۔۔اور عدل کے سوا کسی شے کا تقاضا نہیں کرے گا۔ لیکن لیکن ۔۔شاید آپ (عوام) کو اس کے سوا سچا بشر اس مادی دور میں نہیں ملے گا"۔آخر میں ایک شعر پیش خدمت ہے۔جو ایک کمسن بچے نے کہا تھا جسے سن کر داغ دہلوی نے کہا تھا یہ بچہ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے گا۔ان کی دور بینی درست ثابت ہوئی اور کچھ ہی عرصے بعد یہ بچے اپنے آشیاں میں آگ لگنے کی وجہ سے مر گیا۔اس کے دل کی آواز تھی

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگی اس گھر کے چراغ سے

ارض وطن نے جب سے ہندوؤں سے چھٹکارا پایا ہے (سفید فاموں کا لکھ کر آپ کو کنفیوز نہیں کرنا چاہتا کیونکہ بٹ احباب' کشمیری' پٹھان اور اہل کتاب سب کی رنگت گوری ہے۔۔۔)۔ماضی و حال تو نجانے کیسی کیسی اصطلاحوں یعنی نظریہ ضرورت' مصلحت' پردہ پوشی (کوشی یا نوشی)' میں گزرا۔خدا کرے مستقبل قریب میں عوام پر امن طریقے سے فضا میں تبدیلی لائیں۔اور یہ تبدیلی ہمیں راس بھی آجائے۔کیونکہ بسا اوقات راہزن اتنا نہیں لوٹ سکتا جتنا رہبر لوٹ لیتا ہے۔

اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

پروفیسر آرنلڈ نے اپنی کتاب "دعوت اسلامی" میں تذکرہ کیا ہے کہ اسلام سب سے پہلے برصغیر کے ساحلی علاقوں میں تاجروں کے ذریعے پھیلا۔اس کے علاوہ انڈونیشیا، ملائیشیا اور دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی اشاعت اسلام میں مسلم تاجروں کا اہم کردار رہا ہے۔اس زمانے کے تاجر نہایت ہی بلند کردار کے حامل ہوتے تھے۔ مقامی افراد ان کے افعال و اقوال میں ہم آہنگی دیکھ کر متاثر ہوئے بناء نہ رہ سکتے تھے۔ان کا نصب العین محض دولت کا حصول ہی نہیں بلکہ اسلام جیسا بیش قیمت خزانہ اولاد آدم کے سپرد کرنا بھی ہوتا تھا۔ اس کے برعکس دور حاضر میں معاشی رسہ کشی عروج پر ہے۔ ہم اس قدر اخلاقی پستی اختیار کر چکے ہیں کہ معاشرے میں عزت و وقار نیک طینت اشخاص کے بجائے مال و زر کے پجاریوں کو ملنے لگا ہے۔آدم کی اولاد ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہے۔ مسلم، مسلم کا معاشی استحصال کرنے پر تلا ہے۔ تجارت میں اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں۔فریب، دھوکہ دہی، خیانت، بلیک مارکیٹنگ، اسمگلنگ، راہزنی، اور منشیات نے انسانی حیات کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔انسان سائنسی ترقی و آسائش کے باوجود بے چین و بے سکون ہے۔ان سب مسائل کا حل پیش کرتے ہوئے آئر لینڈ کا عظیم مصنف جارج برنارڈ شا کہتا ہے "اگر دنیا میں امن چاہتے ہو تو محمد ﷺ کا قانون نافذ کر

دو"۔ نیز کسی نے حق و باطل، اچھے اور برے کی تمیز کرنے کیلئے یہاں تک کہہ دیا" دنیا میں فقط دو ہی مذہب ہیں۔ ہندو اور مسلمان نہیں بلکہ نیک اور بد"۔اس کی بات حقیقت کے قریب تر نظر آتی ہے۔کم و بیش دنیا کے تمام مذاہب میں گناہ سے نفرت اور نیکی کی طرف رغبت کی تعلیمات مشترک نظر آتی ہیں۔چند ادیان کے علاوہ تمام مذہبی پیشواؤں نے اخلاقیات و فلاح انسانیت کی پر کشش مذہبی پالیسی اپنائی۔لیکن اسلام جیسی ابدی تعلیمات جو فطرت بشر کے عین مطابق ہیں کی مثال لانے سے دنیا قاصر ہے۔اگر آج ہم بے وقعت و بے وقار ہیں، اگر آج ہم معاشی غلام اور اقتصادی طور پر بد حال ہیں، اگر آج مسلمان کی حیات ارزاں ہو گئی ہے، اگر آج مومن کی عزت اچھل رہی ہے جو رب کریم کو حرمت کعبہ سے بڑھ کر عزیز ہے) ، اگر آج دنیا کا چوتھائی حصہ اور) معدنی وسائل سے مالامال ہونے کے باوجود عالمی تجارت میں ہمارا حصہ کم و بیش صرف 5٪ ہے، اگر آج ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود ہم اپنے آشیانوں میں محفوظ نہیں اگر آج اندرون ملک و بیرون ملک ہماری مصنوعات کی قدر نہیں تو اس کی وجہ دین حق، سے دوری ہے۔بقول شاعر

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

مٹھی بھر خائن ٹولے نے اسلامی معاشی نظام کو لاغر و برباد کر دیا ہے۔دولت

کے پجاری قیادت کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں۔افلاطون نے کہا تھا" قیادت تاجروں کے ہاتھ میں نہیں دینی چاہیے کیونکہ وہ محض اپنا مفاد مد نظر رکھتے ہیں"۔"۔امت مسلمہ کو اس کا ادراک ہی نہیں۔عوام بار بار خائن افراد کو حق نمائندگی عطاء کرکے بہتری کی امید رکھتے ہیں۔اور اس سے بڑی خام خیالی کیا ہو سکتی ہے۔جس کی مثال تیونس کے زین العابدین'مصر کے حسنی مبارک 'لیبیا کے معمر قذافی ہیں۔بھیڑوں کی نگہبانی اگر بھیڑیئے کے حوالے کر دی جائے تو بھیڑیں کسی طور بھی باحفاظت نہیں رہ سکتیں۔معاشی نظام کسی بھی قوم کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتا ہے۔جن ممالک کے بزنس مین دروغ گو'کرپٹ'بے ایمان و بد دیانت ہوں ان ممالک کی اقوام در در بھیک مانگنے پر محض مجبور بنا دیئے جاتے ہیں۔خائن افراد کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:"بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والے کو پسند نہیں کرتا (سورہ انفال۔آیت نمبر58)"۔ذخیرہ اندوز کے بارے میں سرور کائنات ﷺ کا فرمان عالیشان ہے"تاجر کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ کرنے والا لعنتی ہے"۔اسی ضمن میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں"جو شخص 40دن تک غلہ روک کر رکھتا ہے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے"۔ھل من مزید کا نعرہ لگانے والوں کیلئے ارشار نبوی ﷺ ہے"سب سے برا شخص وہ ہے جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اگر خدا نرخ کم کر دیتا ہے تو غمگین ہوتا ہے اگر نرخ زیادہ ہو تو خوش ہوتا ہے (بیہقی)"۔بنی آدم زیادہ سے زیادہ زر اینٹھنے کی سعی میں معاشرے کو جہنم کدہ بنا دیتا ہے۔جس سے اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتے

ہیں۔ نیز مارکیٹس اور منڈیاں ذخیرہ اندوزی کی بھینٹ چڑھ کر ویران ہو جاتی ہیں۔ مہنگائی عروج پر پہنچ جاتی ہے اور اشیائے صرف عام آدمی کی پہنچ سے دور ہو جاتی ہیں۔ راہزنی اور جرائم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جو کہ پر سکون معاشرے کیلئے زہر قاتل سے کم نہیں۔ ذخیرہ اندوزی کے ساتھ ساتھ دور حاضر میں عیب دار اشیاء کی فروخت کو بھی فن تصور کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے نیک نام لوگ بظاہر اس میں ملوث نظر آتے ہیں۔ عوام الناس کے بقول "یہ کاروباری تکنیک ہے اس کا دین سے کیا تعلق"۔ حدیث مبارک ہے "جو شخص کسی عیب دار چیز کو فروخت کرے اور اس کا عیب نہ بتائے وہ ہمیشہ اللہ کی ناراضگی میں رہتا ہے یا فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے ہیں (ابن ماجہ)"۔ ایک مرتبہ ایک اونٹ بغیر عیب بتائے فروخت ہو گیا۔ تو رحمت اللعالمین ﷺ نے خریدار کو ڈھونڈ کر عیب سے آگاہ کیا اور خریدار کو واپسی کی پیشکش کی۔ اس نے محبوب خدا ﷺ کی دیانت سے متاثر ہو کر اونٹ کی واپسی سے انکار کر دیا۔ مسلم امہ کی اقتصادی بدحالی کی بڑی وجہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے۔ جس کے باعث باہمی اعتماد پارہ پارہ ہو گیا ہے۔ وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا۔ جب ہم خود اس کو بھگتتے ہیں تو زمانے کی بے رحمی کا ذکر کرتے کرتے ہماری زبان ہی نہیں تھکتی لیکن جب ہمیں بددیانتی کا موقع میسر آئے تو بلا تامل اپنے بھائی کو لوٹ لیتے ہیں یہی ہمارے زوال کی حقیقی وجہ ہے۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ایک ایسے انسان کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا جس نے مال غنیمت میں سے معمولی نوعیت کی انگوٹھی رکھ لی

تھی۔ایک انگوٹھی کی بددیانتی پر اس کو اتنی بڑی سزا سے ہمکنار ہونا پڑا۔اگر آج بددیانت اور خائن افراد کے جنازوں کا عوام اور علماء حق بائیکاٹ کریں تو کرپٹ لوگوں کو عبرت حاصل ہوگی۔عین ممکن ہے کہ پھر تاجر اسلام کے زریں تجارتی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کو دوبارہ جنت کدہ بنا دیں۔۔نیک تاجر کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے "سچا اور ایمان دار تاجر (روز محشر) انبیاء' صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا"۔اس سے نہ صرف ان کی آخرت سنوریں گی بلکہ کاروباری سطح پر بھی انقلاب آئے گا۔(واللہ اعلم بصواب

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

واصف علی واصف کہتے ہیں: "زندگی وقت کھاتی ہے زمانے نگل جاتی ہے کبھی کبھی صدیاں ہڑپ کر جاتی ہے اور ٹس سے مس نہیں ہوتی اور کبھی کبھی ایک لمحے میں کئی انقلاب برپا کر دیتی ہے"۔ازل سے تاریخ کے صفحات پر عروج وزوال کے قصے ثبت ہوتے آئے ہیں۔کائنات میں بسا اوقات تو بھڑکتے الاؤ بھی یک لخت سرد پڑ جاتے ہیں اور شاذونادر چنگاری سے جنم لینے والے بھانبڑ بھی آتش فشاں سے بڑھ کر لاوا اگلتے ہیں اور آن کی آن میں بھاری تجوریوں کے حامل پرشکوہ عمارات و محلات کو خس و خاشاک کی طرح جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں۔جو اہل نظر کے لیئے عبرت بن جاتے ہیں لیکن لیکن شاید جابر حکمران کو ذوق دید ہی نہیں ملتا کہ سبق حاصل کر سکے۔عبرت جس کا مقدر ہو وہ صدائے حق کو کچلنے میں ہی عافیت سمجھتا ہے۔حق گوئی و بے باکی سے خوف کھاتا ہےاور انہیں نیست ونابود کرتے کرتے بالاآخر خود تباہ برباد ہو جاتا ہے۔
چند روز قبل افریقی ملک تیونس میں ایسا ہی ہوا۔ 64 ہزار مربع میل پر محیط تیونس کی آبادی ڈیڑھ کروڑ ہے۔ تیونس کی تاریخ پر سرسری نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں مسلمان پہلی بار ابن ابی

سارہ کی قیادت میں اس سرزمین تک پہنچے۔ان کا مقصد مقامی آبادی کو بازنطینوں کے مظالم سے نجات دلوانا تھا۔670ء عیسوی میں عقبہ بن نفع کی رہنمائی میں مجاہدین کا لشکر اسلام پھر اس سرزمین تک پہنچا۔اسکے بعد یہ سرزمین سامراج کی قیام گاہ بن گئی ۔
1951ء میں حبیب بورقیہ نے فرانس کے خلاف صدائے آزادی بلند کی ۔یہ صدا رفتہ رفتہ تیونس کے گوشے گوشے کا نصب العین بن گئی ۔1954 میں گوریلا جنگ شروع ہوئی جو بالاآخر تیونس کی آزادی و خودمختاری پر منتج ہوئی۔لیکن سامراج سے چھٹکارا حاصل کرنے کے باوجود تیونس کے عوام وہ آزادی نہ دیکھ پائے جس کے وہ منتظر تھے ۔تیونس کے بانی وجدوجہد آزادی کے قائد حبیب بورقیہ نے صدارت سنبھالی ۔1959 میں تیونس کا آئین بنا۔لیکن شہرآزادی ؛جمہوری نظام ؛آزادانہ اظہار رائے ؛شفاف الیکشن سے لیس آئین کے باوجود حبیب بورقیہ کے زیر تسلط رعایا کو جبری نظام کے آہنی شکنجے نے آدبوچا۔تیونس بھی مثل وطن صدا دیتا رہا۔بقول شاعر

راہزنوں سے تو بھاگ نکلا تھا
مجھے رہبروں نے آگھیرا ہے

1987 میں حبیب بورقیہ کے وزیراعظم زین العابدین نے حبیب کی حکومت کا تختہ الٹ کر مسند اقتدار پر قبضہ کر لیا۔اپنے پیش رو کی پیروی کرتے ہوئے زین العابدین بن علی نے کرپشن کا بازار گرم کر دیا۔اگر تیونس کی حالیہ صورتحال

کا مختصر جائزہ لیا جائے تو وہ تسلی بخش ہے مگر۔۔اعلیٰ تعلیمی نظام میں تیونس کا 17 نمبر ہے۔ معاشی ترقی کی شرح نمو پانچ فیصد سے تجاوز کر گئی۔ شرح خواندگی اسی فیصد ہے۔ باقی ماندہ عرب ممالک کے برعکس تیونس کی پارلیمنٹ میں خواتین کی تعداد بیس فیصد سے زائد ہے۔ اور بہت سے ایسے مثبت اعداد وشمار جو ہمارے ہاں دہائیوں سے ناپید ہیں۔ تیونس مغربی دنیا کی آنکھ کا تارا تصور کیا جاتا رہا۔ کنڈولیزا رائس نے تیونس کو عالم اسلام کے لیئے روشن خیال مثال کہا۔ لیکن پچھلے چند سالوں میں تیونس کی سرکار کی بے مہار روشن خیالی و اسلام بیزاری نے عوام کو حکومت سے دور کرنا شروع کر دیا۔ زین العابدین نے اپنے پیشرو کی مانند کرپشن کا بازار گرم کر دیا۔ پڑھے لکھے افراد ڈگریاں ہاتھ میں تھامے مارے مارے پھرتے رہے لیکن کوئی پرسان حال نہ بنا۔ زین العابدین نے قومی اثاثہ جات کو لوٹ کر اربوں ڈالر غیر ملکی بینکوں میں جمع کروا دیئے۔ ایک عرب تجزیہ کار مروان الاسمر کے مطابق زین العابدین کے غیر ملکی اثاثہ جات کی مالیت پندرہ ارب ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ اس خون آشام کرپشن میں زین العابدین کی اہلیہ لیلیٰ طرابلسی جو کہ ان سے بیس برس چھوٹی ہیں ان کے شانہ بشانہ چلتی رہیں۔ لیلیٰ نے چند سالوں میں اپنے نیم خواندہ خاندان کو نہایت عیاری کے ساتھ صدر پر حاوی کر دیا۔ اپنی بہن بالحسین اور بھائی عماد کو اہم سرکاری منصب عطاء کروائے۔ انھوں نے صدر سے رشتہ داری کو خوب کیش کروایا اور تیونس کے نہتے عوام سے لوٹ کھسوٹ جاری رکھی۔ لیلیٰ مختلف حیلوں

بہانوں سے پولیس کے ذریعے سرمایہ کاروں کو ہراساں کرتی اور ان سے رقم بٹورتی ۔سرکاری املاک کو کوڑیوں کے بھاؤ خرید کے بھاری داموں فروخت کرکے اربوں کی مالک بن گئی۔حکمرانوں کی اس بے رحمی پر بھی تیونس کے عوام صابر و شاکر رہی اور حرف شکوہ تک زبان پر نا لائے۔لیکن سترہ دسمبر کو پیش آنے والے سانحہ نے تیونس کے مفلوک الحال بھوک سے بلکتے عوام کے صبر کے پیانے کو لبریز کر دیا۔یکایک عین اسوقت غلغلہ اٹھاجب سدی بوزید قصبے کے ایک نوجوان محمد بو عزیز نے چوراہے پر خود سوزی کر لی۔دراصل محمد بو عزیز ایک گریجویٹ بے روزگار جوان تھا۔اس نے اپنے عزیز و اقارب سے کچھ رقم مستعار لے کر سبزی کا ٹھیلہ لگا لیا۔سرکار کے بندوں نے لائسنس فیس ادا نہ کرنے کے جرم میں اس کا واحد ذریعہ معاش ضبط کر لیا جس پر دلبرداشتہ ہو کر محمد بو عزیز نے خود کشی جیسے قبیح فعل کا ارتکاب کیا۔کیونکہ اب اسکے پاس آتش شکم کو بجھانے کے لیئے کوئی راہ نہ بچی تھی ۔ جنگل کی آگ کی طرح یہ شنید عام ہو گئی۔اس چنگاری نے تیونس کے عوام کے سرد جذبات کو حرارت دی۔آن کی آن میں اس چنگاری نے وہ بھانبڑ بھڑکایا جس نے بھاری تجوریوں کو خاکستر کرنا شروع کر دیا۔صدر نے ہمیشہ کی طرح رعایا کی صدا کو دبانے کے لیئے طاقت کا استعمال کرنا چاہا۔مگر چیف آف آرمی سٹاف رشید عمار نے عوام پر گولیاں برسانے سے انکار کر دیا۔اسے برطرف کر دیا گیا۔پھر گولیاں برسنا شروع ہوئیں اور برستی چلی گئیں۔ان گولیوں نے بپھرے ہوئے عوام کے زخموں پر نمک چھڑک دیا۔مشتعل عوام نے

محل کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔زین العابدین کی لیلیٰ مرکزی بینک سے ڈیڑھ ٹن سونا نکلو کر راہ فرار اختیار کی۔اسکے بعد صدر نے بھی چودہ جنوری کو سعودی عرب رخ کیا۔دنیا میں بنائے انقلاب دو ہی باتیں بنیں ایک دین اور دوسرا افلاس۔انیسویں صدی کی آخری دہائی میں فرانس میں غربت و بے روزگاری سے تنگ عوام کے دامن میں .برداشت نامی عنصر ختم ہوگیا۔لیکن رعایا سے بے بہرہ حکمرانوں کو خبر تک نہ ہوئی ۔عوام کے احساسات سے عاری حکمران اپنی پر تعیش زندگی میں ہی مگن رہے ۔فرانس میں جب ایک بچے کو ریستوران میں بم پھینکنے کے جرم میں عدالت میں پیش کیا گیا تو جج کے استفسار پر وہ گویا ہوا" وہاں لوگ اچھا کھانا کھاتے ہیں جب کے مجھے شکم کی آگ بجھانے کے لیئے میلوں پیدل چل کر زمین پر پھینکے گئے ٹکڑوں سے استفادہ کرنا پڑتا ہے"۔جب فرانس کے عوام سڑکوں پر نکل آئے تو عوام جذبات و حالات سے آنکھیں موندیں ملکہ کے حیرت میں مبتلا الفاظ تاریخ کا حصہ بن گئے۔ششدرہ ملکہ نے کہا" اگر عوام کو روٹی نہیں ملتی تو کیک کیوں نہیں کھاتے"۔کچھ اس سے ملتے جلتے الفاظ پاکستان کے عظیم رہنما بننے کے خواہش مند حاکم نے اس لمحے ادا کئے جب اس سے شکوہ کیا گیا کہ دالوں کی قیمتیں فلک کو چھو رہی ہیں تو رعایا کے حقوق سے نابلد اس بشر نے کہا" اگر دال نہیں ملتی تو مرغی کیوں نہیں کھاتے"۔حالات و واقعات اور غربت وافلاس کے آئینے میں ارض پاک کے حالات فرانس سے کافی حد تک مماثلت کرتے ہیں ۔اگر کڑوے کسیلے ماضی پر نظر دوڑایئے تو بے ذوق پالیسیوں ،فلک شگاف

نعروں' دگرگوں معیشت' اخلاقی حدوں سے ماورا سیاسی حکمت' محظ کاغذ پر لکھے تابناک منشوروں' غریب کش پلاننگ' رجعت پسند بگولوں' حد نگاہ تک پھیلے مظاہروں اور محکوم خارجہ پالیسی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ بلند و بانگ دعوے جو صحرا میں اٹھنے والے بگولوں کی مانند خود بخود معدوم ہو جاتے ہیں۔ ان بگولوں سے گلستان میں کوئی پھول نہیں کھلتا۔ درخت بے ثمر ہی رہتے ہیں۔ بقول شاعر

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

ہزار ستم کھا کر اب کچھ بلوغت آئی ہے۔ در حقیقت ہم تماش بین و ہنگامہ پسند کلچر کے عادی ہو چکے ہیں۔ مبادا اس ہی لیئے ہر لمحہ قلم کی جولانیاں و گفتار کے تلاطم سے جمہوریت پر زہر سے بجھے تیزے برسانا ہمارا شعار بن گیا۔ اسوقت ارض وطن میں 4 کروڑ افراد غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ 4 کروڑ 90 لاکھ فقط ایک کمرے کے گھر میں پناہ گزیں ہیں۔ 31 فیصد سکولوں میں بنیادی ضروریات کا فقدان ہے۔ غربت کی شرح 37 فیصد تک جا پہنچی ہے۔ اس سب میں ہم برابر کے شریک ہیں۔ ہمہ وقت ووٹ کو کیش کرواتے رہے۔ قومی مفاد کو اپنے چند مذموم مقاصد کی خاطر کوڑیوں کے عوض بیچتے رہے۔ فقط ماضی کے حکمرانوں کو موردالزام ٹھرانا درست نہیں۔ مگر موجودہ صورتحال کسی بھونچال کی آمد آمد کی غمازی

کرتی ہے۔ہے کوئی دور بیں دیدہ' ہے کوئی وقت شناس ؟ہے کوئی معاملہ فہم ؟ہے کوئی درد مند ؟ہے کوئی اہل نظر جو عروج کی زوال کی جانب پیش قدمی کا ادراک کرے ؟اگر نہیں تو ہمارا حال بھی اٹھارویں وانیسویں صدی کے انقلابات کی جانب تیزی سے گامزن ہو جائے گا۔اگر اس ملک کے باسیوں کی صدا رد کر دی گئی' جن کے نام پر دہائیوں سے ایوان اقتدار میں قبضہ جاری ہے تو اس ارض وطن کو خون آشام شاموں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

جہیز کی دونوں قسمیں لعنت ہیں

اس حقیقت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ جہیز اک معاشرتی و اخلاقی ناسور ہے۔ملک وملت کی بقاء اسی میں ہے کہ اس کی ہر شکل کو ناپید کر دیا جائے۔جہیز اس مال وزر کو کہتے ہیں جو والدین اپنی دختر نیک اختر کو رخصتی کے وقت عنایت کرتے ہیں۔

اگرچہ والدین کی جانب سے تحائف دینا اک مستحسن عمل ہے۔لیکن موجودہ دور میں جہیز اک معاشرتی خرابی بن کر ابھرا ہے۔در حقیقت یہ ایک ہندوانہ رسم ہے۔جسے مسلمانوں نے اس حد تک قبول کر لیا ہے کہ یہ فرسودہ رسم ہماری رگوں میں سرایت کر گئی ہے۔شرع نے جہاں دوسرے مذاہب کے بر عکس صنف نازک کے مقام و مرتبہ کو بلند کیا ہے وہاں جائداد میں بھی ان کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔مسلم طبقہ (بر صغیر) کے 99/ لوگ اپنی بیٹیوں کو جائداد میں ان کا مقرر کردہ حصہ دینے کے بجائے جہیز کے ذریعے اسکی تلافی کرتے ہیں۔جو کہ ایک اخلاقی و شرعی جرم ہے۔اس قبیح رسم کے ہولناک نتائج وقتاً فوقتاً ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں۔مثلاً

1۔ایک نجی چینل کے مطابق کم جہیز لانے کی پاداش میں خاوند نے اپنے ماموں کے ساتھ مل کر بیوی کو کوئیں میں گرا دیا۔جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

۔لاہور کے نوجوان نے کوشش کے باوجود بہن کا جہیز نہ بنا سکنے کی وجہ سے دلبرداشتہ 2 ہو کر خودکشی کر لی۔

۔معمولی جہیز کی بناء پر بیوی پر تیل چھڑک کر جلا دیا۔3

(۔کم جہیز لانے کی پاداش میں بیوی کو زہر پلا دیا۔ (اخباری رپورٹس 4

۔جہیز نہ لانے کے جرم پر شادی کے دوسرے روز دلہن کو قتل کر دیا گیا۔5

(IMF) رسموں' رواجوں کے آہنی شکنجے میں جکڑے والدین بسا اوقات بھاری قرض لے کر اس انسانیت سوز رسم کا دم بھرتے ہیں۔اور پھر سالہاسال قرض اتارتے رہتے ہیں یا پھر اگلی نسلوں کو منتقل کر جاتے ہیں۔ تضنع و بناوٹ سے بھرپور زندگانی میں عوام جہیز کی ادائیگی کو فریضہ دین سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ بعض لوگ اسے بنت رسول ﷺ خاتون جنت حضرت فاطمہؓ کی رخصتی سے منسوب کرتے ہیں ۔جو کہ پرلے درجے کی لغو بات ہے۔چونکہ شیر خدا' حیدر کرار'حضرت علیؓ رحمت اللعالمین ﷺ کی کفالت میں تھے۔ اسلیئے رخصتی کے وقت چند اشیائے ضرورت دی گئیں۔اور ان میں سے بیشتر حضرت علیؓ کی زرہ مبارک فروخت کرکے خریدی گئیں۔اور مولا علیؓ نے مہر بھی اسی رقم میں سے ادا کیا(آج کل بھاری مہر کی شرائط قائم کرکے نکاح میں رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہیں)۔عرب میں اس قسم کی زہریلی رسم کا تصور ہی مفقود ہے۔بلکہ سسرال والے ہی ضرورت زندگی کی جملہ اشیاء کا بندوبست کرتے ہیں۔ویسے منطقی اعتبار سے بھی یہی طرز عمل درست

معلوم ہوتا ہے کیونکہ دلہن تو مہمان ہوتی ہے اور اہتمام کرنا میزبان کا ہی حق بنتا ہے۔ بھاری بھر کم جہیز کے پس پردہ جذبہ نمود و نمائش بھی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔اور اکثر دیہی علاقوں میں تو جہیز کا سامان بکھیر کر اپنی دولت کے جاہ وجلال سے مرعوب کرنے کی انتہائی سعی روا رکھی جاتی ہے۔تاکہ گاؤں کے گوشے گوشے میں ان کی جاہ وحشمت کی شنید ہو اور سسرالی گھر میں بیٹی کی شنوائی بھی ممکن ہو سکے۔جہیز کے محرکات میں لالچی دامادوں کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔

بقول شاعر

ہے جستجو کہ خوب (قیمتی جہیز) سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں؟

جن کی فرمائشیں پوری کرتے کرتے لڑکی کے والدین غربت کی گہری کھائی میں جا گرتے ہیں۔اگرچہ بھاری جہیز کے خلاف کچھ قوانین بھی موجود ہیں لیکن اس قہرآلود رسم کے خاتمے کیلیے ہمیں اپنا انداز فکر درست کرنا ہو گا۔

اس امر کی طرف بھی توجہ دلانا ضروری ہے کہ بیٹیوں کی قدر و قیمت جہیز سے نہیں

بلکہ ان کی اخلاقی و معاشرتی تربیت سے عیاں ہوتی ہے۔جو اکی باقی ماندہ زندگی میں اپنا گہرا اثر چھوڑتی ہے۔والدین کو چاہیے کہ اپنی بچیوں کو امور خانہ داری ‘طبی معلومات اور شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے فنی و دینی تعلیم دلوائیں تاکہ ان کا مستقبل درخشاں ہو سکے۔لاکھوں کی تعداد میں بے جرم وخطاء لڑکیاں اب بھی کنواری بیٹھی ہیں۔اور ہزارہا لڑکیوں کے بال تو والدین کی چوکھٹ پر ہی سفید ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے والدین کے پاس جہیز بنانے کیلئے خطیر رقم موجود نہیں ہوتی۔شاذونادر چند لڑکیاں جوش جوانی میں آکر بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہیں۔"زنا" جیسا قبیح جرم جس سے دین حق کو سخت چڑ ہے بسا اوقات جہیز کی ہی مرہون منت ٹھہرتا ہے۔اور نتیجتاً لڑکیاں عدالتوں کا رخ کرتی ہیں‘ بے گھر ہوتی ہیں یا پھر قتل ہو جاتی ہیں۔اور صدیوں تک نسلیں طنز و تشنیع کے سلسلہ وار گھناؤنے زخم سہتی ہیں۔

جہیز کی دوسری قسم پہلی قسم کے بالمقابل کہیں زیادہ درد والم کا باعث ہے۔یہ قومی سلامتی و معیشت کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔اس قسم میں والدین "گزشتہ حکومت" کو اور سسرال موجودہ حکومت کو کہتے ہیں۔جہیز کی دونوں قسموں میں کافی مشترک باتیں پائی جاتی ہیں۔ہماری بیشتر حکومتیں یہی تجزیہ پیش کرتی آئی ہیں کہ پچھلی حکومت نے ہمیں جہیز میں : دگرگوں معیشت‘خالی خزانہ‘حساس اداروں میں نالائق افراد کی بھرتی‘اقرباء پروری‘آئین کی پامالی و

لاقانونیت' سورج مکھی کے پھول کی مانند ایک ہی محور میں گردش کرتی خارجہ پالیسی
غربت وافلاس' فاقہ کشی' عدم مساوات' لوڈ شیڈنگ ' درآمدات و برآمدات میں'
سرعت کے ساتھ کمی' کالا باغ ڈیم کا ناکام منصوبہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وغیرہ دی تھیں۔ لیکن
ہم نے دن دگنی و رات چگنی محنت کرکے حالات کا رخ کافی حد تک بدل دیا ہے اور اب
ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔حالانکہ صورتحال اسکے برعکس ہوتی ہے جس کا اظہار اسکے
بعد آنے والی حکومت واشگاف الفاظ میں کر دیتی ہے۔ درحقیقت ہر حکومت نے جہیز
میں قدرے اضافہ ہی کیا ہے۔ اگر کسی فوجی حاکم نے بنیاد فراہم کی تو جمہوریت میں
موجود مفاد پرست عناصر نے (اپنی حکومت میں)اسے رنگ و روپ بھی ضرور
عطاء کیا۔ جمہوریت کے دلدادہ بعض تجزیہ کار صرف فوجی حکمران کو ہی آمر تصور کرتے
ہیں جبکہ فی الحقیقت نفسیاتی آشوب میں مبتلا' طبع حلیم و روشنی طبع سے محروم ہر وہ
مطلق العنان حاکم جو بے توقیر معرکے رقم کرے' جو اصولوں' آدرشوں اور نظریوں کے
بجائے ذرا ذرا سی اناؤ ں کے پھریرے لہرائے' قومی وسائل و قومی اثاثے نیست و نابود
کرے' آئین و قانون کو اپنی جاگیر بنالے' اور جس سے خدافروش و خود پرست فرعونوں
کی رعونت جھلکتی ہو "آمر" ہی کہلائے گا خواہ وہ کسی جمہوری طرز عمل یا چھڑی کے
جادو سے تخت سجائے۔ ملکی تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ (جہیز میں)
کسی نے رائفل کا کلچر عطاء کیا' کسی نے خود کش بمبار (عدلیہ پر تو قریباً سب نے ہی اپنے
اپنے انداز میں ضرور وار کیا)' کسی نے فرقہ واریت کو عروج دیا تو

کوئی ذاتی مفاد کی خاطر نسلی و لسانی جماعتوں کی حد بندی میں مصروف عمل رہا۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ کسی کے چہرہ انور پر وقت نے نشان ثبت کر دیا تو کوئی مجرم ہونے کے باوجود ملزم ٹھہرا۔ صرف موجودہ جمہوری دور ہی ایسا ہے کہ جس میں کوئی سیاسی قیدی نہیں ہے وگرنہ ماضی کی حکومتوں کا مقدم مشغلہ ہی سیاسی مخالفوں کو سبق سکھانا ہوتا تھا۔ موجودہ دور میں اگر اپوزیشن مثبت کردار ادا کرتی رہی اور وفاق بھی اپنی پالیسیوں پر نظرثانی کرتا رہا تو قوی امید ہے کہ جہیز کی اس گھٹیا روایت سے خلاصی ممکن ہو جائے گی۔

حاصل گفتگو یہی ہے کہ جہیز کی فرسودہ روایت کی ہر نوعیت کو ناپید کر دیا جائے اور معاشرے و ملک کی بقاء بھی اسی میں ہے۔

سچا خادم

کل انسانی تاریخ میں آج تلک فقط پانچ ایسے فرمانروا گزرے ہیں جنہیں تاریخ عادل کے نام سے پکارتی ہے۔ان میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ پہلے نمبر پر جلوہ فرما ہیں جبکہ ایرانی فرمانروا نوشیروان کا دوسرا نمبر ہے۔جس کا تعلق ایران کے ساسانی قبیلہ سے تھا۔لیکن فی الوقت انسانی تاریخ کے پہلے عادل کا اک واقعہ پیش خدمت ہے جسے ہسٹری نے اعظم کے نام سے بھی پکارا ہے۔دنیا میں اعظم کا لقب بھی گنے چنے اشخاص کے مقدر میں آیا جن میں جناب فاروق اعظمؓ۔اکبر اعظم ۔اشوک اعظم ۔سکندر اعظم کے نام بالعموم قابل ذکر ہیں۔

امیر المومنین فاروق اعظمؓ کا دستور تھا کہ جب کوئی قافلہ باہر سے آکر نواح مدینہ میں اترتا تو آپؓ تمام رات نگہبانی کیا کرتے۔ایک رات معمول کے مطابق آپ گشت کرتے ہوئے ایک بدو کے خیمے کے قریب سے گزرے۔بدو اپنے خیمے کے عین سامنے سر جھکائے کسی گہری سوچ میں گم بیٹھا تھا۔فاروق اعظمؓ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے سفر وغیرہ کے حالات پوچھنے لگ گئے۔بدو نہایت ہی مغموم و شکستہ حال نظر آرہا تھا۔فاروق اعظمؓ نے اس سے پریشانی کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ اس کی بیوی کو دردزہ ہے۔وہ خیمے کے اندر

موجود ہے اور اسے گھمبیر صورت حال کا تن تنہا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔کیونکہ اس مصیبت کی حالت میں بھی مجھ میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ کسی دایہ (لیڈی ڈاکٹر) کو بلاؤں۔

حضرت عمرؓ یہ درد و الم و غریبی کی روداد سنتے ہی واپس شہر کی طرف لوٹے اور گھر آئے۔آپ کی زوجہ محترمہؓ ام کلثومؓ جو نیکی، حلم، خدمت خلق اور محبت کی مجسم تصویر تھیں۔آپ فوراانہیں اپنے ہمراہ لے کر اس بدو کے خیمے کے پاس آئے اور بدو سے مخاطب ہوئے: "آپ میری بیوی کو خیمے کے اندر داخل ہونے کی اجازت دے سکتے ہیں" (آج کے ترقی یافتہ دور میں ریاستی محافظ چار دیواری کا اور عالمی دہشت گرد خود مختاری کا تقدس پامال کرتے ہیں جبکہ آج سے کم و بیش چودہ سو برس قبل کے خلیفہ یعنی بادشاہ اپنی زوجہ کے لیئے بھی ایک غریب تر بدو سے اجازت طلب کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں)۔

اس نے اجازت دے دی تو حضرت ام کلثومؓ اندر تشریف لے گئیں۔پہلے دیا روشن کیا اور پھر زوجہ خلیفہ وقت تیمارداری میں مصروف ہو گئیں۔بدو کو اس وقت یہ بات معلوم نہ تھی کہ جو میری خدمت میں اس قدر دل و جاں سے مصروف ہیں۔یہ امیر المومنین حضرت عمرؓ ہیں۔جس وقت ام کلثومؓ تیماداری کے فرائض انجام دے رہیں تھیں، بدو اس دوران فاروق اعظمؓ کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور کہا:

سنا ہے حضرت عمرؓ انتہائی سخت گیر حاکم ہیں۔کیا تم انہیں جانتے ہو؟"
حضرت عمرؓ نے فرمایا" واقعی وہ سخت گیر ہیں "۔
میں حیران ہوں مدینے کے افراد نے انہیں اپنے امیر کیونکر بنا لیا؟ بدو نے حیرانی کے عالم میں کہا۔
حضرت عمرؓ نے فرمایا" یہ مسلمانوں کی منشاء ہے۔ مبادا ان کی نظر میں عمرؓ بھلا فرد ہو گا۔اور کثرت رائے نے انہیں اپنا امیر منتخب کر لیا"۔
وہ تو بڑے لذیذ اور پر تکلف کھانے کھاتا ہو گا"۔بدو نے تجسس کے انداز سے پوچھا۔"
ہاں نہایت لذیذ کھانے کھاتا ہے"۔عمر فاروقؓ جواباً فرمایا"
آپ بدو سے اسی قسم کی گفت وشنید کر رہے تھے کہ اتنے میں ام کلثومؓ کی آواز آئی۔
مومنوں کے امیر :اپنے دوست کو خوشخبری سنایئے خداوند بزرگ و برتر نے اسے" فرزند عطاء کیا ہے"۔
بدو امیر المومنین کا نام سنتے ہے گھبرا کر آپ کے برابر سے اٹھ کر آپ کے سامنے آ بیٹھا اور نہایت عاجزانہ انداز میں اپنی گستاخی کی معافی کا طلب گار ہوا۔
امیر المومنینؓ نے فرمایا: "کوئی مضائقہ نہیں ۔قوم کا سردار قوم کا سچا خادم ہوتا ہے۔ کل صبح میرے پاس آنا۔ میں بیت المال سے تمہارے فرزند کا وظیفہ

مقرر کر دوں گا"۔
اگلے روز وہ بدو صبح سویرے آپؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔فاروق اعظمؓ نے اس بچے کا وظیفہ مقرر فرما دیا۔اور اس کو کچھ مال دے کر روانہ کیا۔
جبکہ ہمارے ہاں امراء کی آمد کے موقع پر بچے رکشوں اور کاروں میں جنم لیتے ہیں ۔روڈ کراسنگ ناممکن بنا دی جاتی ہے۔ایمر جنسی بھی کالعدم قرار پاتی ہے۔البتہ شاذونادر سیاسی جوش میں آکر اس طرح جنم لینے والوں کیلئے وظیفہ کا اعلان کر دیا جاتا ہے ۔اب وظیفہ انہیں ملتا ہے یا نہیں اس ضمن میں پورے وثوق سے کوئی بات نہیں کی جا سکتی ۔۔۔بہر حال بچہ بشمول والدین دو چار روز خبروں میں ضرور رہتا ہے ۔اور یہ بات ہر بچے کے مقدر میں کہاں ۔ جو حاکم خدمت خلق کی نعمت سے آراستہ ہو وہ کبھی اپنی عوام سے خوف نہیں کھاتا۔ عوام دل و جاں سے اس پر فریفتہ ہو تی ہے۔ محض مسند اقتدار و جاہ و حشمت سے عزت نصیب نہیں ہوتی۔ قارون کی وراثت کے حقدار معاشرے میں جلد ہی معدوم ہو جاتے ہیں ۔ قارون مر گیا اور نوشیروان آج بھی زندہ ہے۔خدمت خلق کا جذبہ رکھنے والے ساٹھ ستر برس کی حیات جینے سے انکار کر دیتے ہیں ۔اور ہمیشہ لوگوں کے دلوں پر راج کرتے ہیں ۔حاتم طائی کا ذکر لوگ آج بھی رشک کے ساتھ جبکہ قارون کا عبرت و ناپسندیدگی کے ساتھ کرتے ہیں۔

مشہور فارسی مصرع ہے

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

ترجمہ: خدمت میں عزت و سرداری ہے۔خدا کرے دور حاضر کے تمام رہنما سچا خادم بننے کیلئے میدان عمل میں اتریں۔فقط زبان سے الفاظ ادا کرنے سے کوئی نہ مخدوم بن سکتا ہے نہ خادم ۔نہ ولی بن سکتا ہے نہ حاتم طائی۔حکمران تو کجا عوام کے دل بھی خدمت خلق سے عاری ہو چلے ہیں ۔نفسا نفسی کے اس دور میں حقوق اللہ تو کجا حقوق العباد کا قحط ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: 'ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے ۔اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ترین وہ بشر ہے جو اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کرتا ہے۔" رنگ و نسل 'لسانی و علاقائی حدود حتیٰ کہ جذبہ خدمت تو حلقہ دین سے بھی ماورا ہے۔لیکن دین کی خاطر افضل ترین ہے۔انگریزی مثل ہے

charity begins at home

یعنی درویشی گھر سے شروع کرو۔جب کوئی معاشرہ خدمت کے جذبات سے عاری ہو جاتا ہے تو وہاں سے رحمت اٹھ جاتی ہے۔نفسا نفسی 'کسمپرسی 'غربت و عفریت 'جرائم باہمی ریشہ دوانیاں 'بے راہ روی 'خود سوزی 'متزلزل معیشت کی بنیاد پڑتی ہے ۔ظلم 'بربریت اور گروہی نظام تشکیل پاتا ہے۔قومیں لسانی و علاقائی بنیادوں پر تقسیم در تقسیم ہوتی چلی جاتی ہیں جیسے مشرقی پاکستان ۔۔۔بغض 'عناد

کینہ پروری کا بول بالا ہوتا ہے ۔جو انسانیت کی عظمت کیلئے زہر قاتل ہے۔اور بالآخر'
معاشرہ اخلاقی پستی کا شکار ہو جاتا ہے جس کی مثال ہمارے گردو پیش عیاں کر رہے
ہیں۔بجز اس کے کہ ہم شاخ نازک پہ آشیاں بنائیں ہمیں اور ہمارے تمام امراء کو
نفسا نفسی و ہوس کے حصار سے آزاد ہونا ہوگا۔اگر انسانوں کی فلاح کا جذبہ مکمل طور پر
ناپید ہوگیا تو پھر مبادا انسان تو زندہ رہے لیکن انسانیت ابدی نیند سو جائے گی۔

آخر کب تلک

ایک خاتون ایک عالم کے پاس گئی اور اس سے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے کہنے لگی کہ "مجھے کوئی ایسا وظیفہ یا تعویذ عطاء کیجئے کہ میرا خاوند مجھ سے جھگڑا و فساد نہ کرے 'میرا مطیع و فرمانبردار بن جائے اور میری ہر بات کو بخوشی قبول کرے"۔

عالم فہم و فراست رکھتا تھا اس نے خاتون سے مخاطب ہو کر برجستہ کہا "کسی پاک برتن میں تھوڑا سا پانی لے آؤ میں کچھ کلام پڑھ کر پانی دم کر دوں گا' جب تمہارا مجازی خدا غیض و غضب میں مبتلا ہو تو اس دم شدہ پانی میں سے ایک گھونٹ منہ میں لے کر بیٹھ جانا مگر یاد رہے کہ کسی بھی صورت میں پانی حلق سے نیچے نہ اترنے پائے وگرنہ کلام بے اثر ہو جائے گا"۔الغرض اس بنت حوا نے من و عن وہی عمل شروع کر دیا جو اسے عالم نے بتلایا تھا۔جب بھی اس کا خاوند غصے میں ہوتا یا حالات نا ساز ہوتے تو وہ منہ میں ایک گھونٹ لے کر مؤدب بیٹھ جاتی۔اب وہ گفت و شنید تو کر نہیں سکتی تھی ۔لہٰذا اس کو چپ لگ گئی اور اس کا غصہ رفتہ رفتہ مکمل طور پر ناپید ہو گیا۔

یہ فطرتی بات ہے کہ اگر ایک فریق یا گروہ تکرار و بحث سے کنارا کش ہو جائے

اور خاموشی میں ہی عافیت کا ہنر جان جائے اور پلٹ کر کوئی جواب نہ دے تو جھگڑا بالشت بھر بھی نہیں بڑھ سکتا اور اس قسم کی صورت حال میں دوسرے فریق کے واسطے نرم پڑ جانے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ فار مولا بھی فطرت کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔ کیونکہ شیر خدا حیدر کرار حضرت علیؓ فرماتے ہیں "کمین آدمی کی یہ نشانی ہے کہ جب تو اس سے نرم گفتگو کرے گا تو وہ سخت جواب دے گا اور جب تو سخت لہجہ اپنائے گا تو وہ نرم پڑ جائے گا"۔

اس طرز عمل (دم شدہ پانی) کے جہاں معاشرتی زندگی میں بے پناہ فوائد ہیں وہاں ملکی معاملات میں منہ میں گھونٹ لے کر گم صم بیٹھے رہنے سے ملکی مفادات پر ایسی کاری ضرب لگتی ہے جس کا خمیازہ آنے والی کئی نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے جو بھی مسند اقتدار پر براجمان ہوا وہ کبھی ہوس حکمرانی کے زعم میں تو کبھی مال وزر کی خاطر باباجی کا دم شدہ پانی استعمال کرتا آیا۔ نتیجتاً ہر اہم ایشو پر ہمیں پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ امریکہ نالاں، طالبان بھی ناراض۔ کشمیر بھی نہ ملا اور مشرقی پاکستان بھی گنوا بیٹھے۔

یک نہ شد دو شد

اسی مضمون کو کسی شاعر نے یوں بھی بیان کیا ہے

نہ ہی خدا ملا نہ ہی وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

محض قراردادیں پاس کرکے اس ابتلا کے دور میں عوام کو مطمئن نہیں کیا جاسکے گا۔ قوم میں تھی اب تو ہم فقط جم غفیر ہیں۔ لسانی ٬علاقائی ٬ذہنی طور پر منقسم ہیں 1947 ۔ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاست دان قومی مفاد میں اکٹھے ہو کر مشترکہ لائحہ عمل تیار کریں ۔القاعدہ اور طالبان سے متعلق حقائق ان کے سامنے لائیں۔تاکہ قراردادیں پاس کرنے کے بعد اس پر عمل درآمد بھی ممکن ہوسکے۔ ہمہ وقت سرحدیں اور شہر بدامنی کا شکار ہیں۔50 ارب سے زائد کا نقصان اٹھا لینے کے باوجود ہماری فضائی حدود کی خلاف ورزی جاری ہے۔ڈرون وقرون (قارون) حملے جاری ہیں۔ جب تک ہمارے تمام سیاستدان اپنے رویوں میں تبدیلی نہ لائیں غیر سے گلہ مناسب نہیں ۔مارٹن لوتھر کنگ کہتا ہے "کوئی شخص تمہاری پیٹھ پر سوار نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ جھکی ہوئی نہ ہو"۔

کشکول رکھنے والی قوم قوم نہیں رہتی ۔اور نہ ہی اس کے سیاستدان آزاد خارجہ پالیسی مرتب کرسکتے ہیں۔وہاں اسمبلی کے اجلاس محض اس فارسی جملے کی تائید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نشستند گفتند برخاستند

کب تلک محض بیانات سے عوام کو مطمئن کیا جاسکے گا؟آخر کب تلک؟

روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا

روم کا ظالم و سنگدل بادشاہ گہری سوچ میں گم تھا۔دربار میں اس قدر سناٹا چھایا تھا کہ سوئی گرنے پر بھی گونج سنائی دیتی۔درباری اس خوف میں مبتلا تھے کہ نجانے اب کونسی آفت آنے والی ہے۔کیونکہ جب بھی حاکم روم سوچ کی وادیوں میں گم ہوتا اس کے بعد ضرور کوئی انسانیت سے عاری ،ظلم کا کھیل اہل روم کا مقدر بن جاتا۔

یکایک محل میں گرج دار و بے رحم آواز گونجی "میں روم کو تعمیر کرواؤں گا۔کیا؟درباریوں ششدہ رہ گئے؟

ایک درباری نے جسارت کرکے پوچھا" جناب عالی روم تو پہلے ہی فن تعمیر کا شاہکار ہے جس پر دنیا رشک کرتی ہے،مزید تعمیر کا کیامطلب ؟

"مزید تعمیر نہیں ،اس کو تہس نہس کرکے روم کو از سر نو تعمیر کرواؤں گا" بادشاہ نے اپنی بات واضح کرتے ہوئے جواب دیا

ایک دربان نے سرگوشی کی "عوام کہاں جائے گی"۔الغرض تمام مصاحبوں نے بادشاہ کو اس خونی کھیل سے روکنے کی ازحد سعی کی۔لیکن بادشاہ اپنی ضد پر قائم

رہا۔اور درباریوں کو دھمکاتے ہوئے کہا"اگر کسی نے اس بات کی مخالفت کی تو اسے بغاوت تصور کیا جائے گا"۔

اس کے بعد بادشاہ نے اپنی خصوصی آرمی کو ہدایت کی کہ شب کی تاریکی میں روم کے گلی کوچوں میں آگ لگا دی جائے۔تاکہ روم جل کر خاکستر ہو جائے۔

بادشاہ کے حکم کی من وعن تعمیل کی گئی۔آگ لگنے کے بعد چند ہی لمحات میں عوام بدحواس ہو گئی۔لوگ عمر بھر کا سرمایہ بھلا کر اپنی اور اپنے پیاروں کی جان بچانے کی سعی ناکام کرنے لگے۔ہر سو نفسا نفسی کا عالم چھاگیا۔آہ و بکااور چیخ و پکار نے روم کواپنی لپیٹ میں لے لیا۔کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔شاید اس سے بڑی خونی رات اہل روم نے نہ دیکھی ہوگی۔کسی کا باپ ،کسی کا بیٹا،کسی کا سہاگ،کسی کی بہن اور کسی کے معصوم بچے آگ کی نذر ہوگئے۔اپنی آنکھوں کے سامنے اپنوں کو تڑپتے اور جلتے دیکھا گیااور لوگ فریاد کے سوا کچھ نہ کرسکے۔ہر آشیاں لٹ گیا،ہر بستی برباد ہوئی۔ادھر روم میں قیامت صغریٰ بپا تھی اور ادھر محل میں تاریکی کا راج تھا۔محل کے تمام دروازے کھول دیئے گئے تھے۔تاکہ بادشاہ روم کی بربادی اور لوگوں کی اذیت سے لطف اندوز ہوسکے۔منظر کے لطف کو دوبالا کرنے کیلئے محفل موسیقی بھی سجی ہوئی تھی۔اور بادشاہ خود بانسری بجارہا تھا۔

آگ جب محل تلک پہنچی تو بادشاہ خفیہ راستے سے فرار ہوگیا۔اور روم جل کر راکھ ہوگیا۔

روم کی تباہی کے بعد بادشاہ نے از سر نو تعمیر کے لیئے خزانہ پانی کی مانند بہایا۔ لیکن اب باقی ماندہ رعایا بپھر چکی تھی ۔اس میں مزید ظلمت سہنے کی سکت نہ تھی۔

ظلم جب حد سے بڑھتا ہے تو مٹ جاتے ہیں

عوام نے علم بغاوت بلند کیا۔ بادشاہ کو یونان میں بغاوت کی شنید ملی تو وہ روم واپس آیااور عوام کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی۔ لیکن اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ عوام نے محل کا محاصرہ کر لیا۔ بادشاہ بمشکل جان بچا کر اپنے غلام کے ساتھ اس کے گاؤ ں جا پہنچا۔ مگر باغی وہاں بھی پہنچ گئے اور مکان کا گھیراؤ کرلیا۔ موت سر پر منڈلاتی دیکھ کر بادشاہ کے اوسان خطاء ہوگئے۔ محض اپنی اذیت پسند فطرت کی تسکین کی خاطر بادشاہ نے "میکسم تھیٹر"کی بنیاد بھی رکھی۔ جہاں فقط کرب ناک مناظر سے تسکین حاصل کرنے کے جذبے کے تحت روزانہ کئی انسانوں کو زندہ ذبح کیا جاتا تھا۔ ظلم و بربریت کے ذریعے تسکین پانے والا یہ انسان نما بشر خود کشی پر مجبور ہوگیا۔ لیکن انسانوں کے جسموں کو

اذیت پہنچا کر کیف حاصل کرنے والا جب خنجر اپنی گردن کے قریب لے گیا تو ہاتھ کانپنے لگ گئے۔جان دینا دشوار ہوگیا۔

بالآخر بادشاہ کا وفادار غلام آگے بڑھا اور اپنے ہاتھوں سے اپنے حاکم کی گردن میں خنجر پیوست کر دیا۔اس بادشاہ کا نام نیرو تھا۔ مشہور انگریزی مقولہ "روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا" اسی واقعہ کی یاد دلاتا ہے۔نیرو تو مرگیا لیکن اس کے گدی نشین آج بھی دنیا میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

عراق،فلسطین،بوسنیا،افغانستان ،چیچنیا،کشمیر،یہ سب نیرو ہی کی تسکین کی خاطر اجاڑے گئے ہیں)۔ موجودہ حالات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ اگر خودکش دھماکوں،ٹارگٹ کلنگ،اغوا برائے تاوان، غربت،مہنگائی،صوبوں کے غصب شدہ حقوق،ملک کے طول و اطراف میں خود سوزیوں اور 2011کے عوام دوست بجٹ کے بعد اگر عوام بچ گئ تو پھر تمام بانسریوں کے سر ادھورے رہ جائیں گے۔

کالم برائے فروخت

انتہائی اقدام عمومی حالات میں نہیں اٹھائے جاتے ہرگز نہیں اٹھائے جاتے۔ کوئی دنیا سے تنگ ہوتا ہے یا کسی سے دنیا والے تنگ۔ سچ کم ہو جاتا ہے یا جھوٹ کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگتا ہے۔ تب تین ہی صورتیں بنتی ہیں۔ اس قوم میں سے اچھے دماغ ہجرت کر جاتے ہیں' مارے جاتے ہیں' یا خرید لیئے جاتے ہیں اور وہ قوم محکوم ہو جاتی ہے۔ اور پھر بھی جو قوم نہیں جاگتی اس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔
میں نے اپنی زندگی کی خاطر میں نے ایسا کیا ہے۔ اور کروں بھی کیوں نہیں ہر کسی کو اپنی زندگی عزیز ہوتی ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد مجھے اپنے آپ پر حیرت ہو رہی ہے۔ کیونکہ مولا علیؓ کا فرمان ہے "موت زندگی کی حفاظت کرتی ہے"۔ لیکن ہمارے ایمان کمزور ہو گئے ہیں۔ عجب دوراہے پر آ کھڑے ہیں۔ رعایا بھوک سے مر رہی ہے۔ رعایا سے خطاب کیئے جاتے ہیں فقط خطاب۔ اور خطاب میں بیشتر رہنماء ایک دوسرے کو مطعون کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ صدیوں پہلے خلیل جبران نے کہا تھا "اگر بھوکے کو گانا سناؤ گے تو وہ اپنے پیٹ سے تمہارا گانا سنے گا"۔ رعایا کے راہنماء بلٹ پروف جیکٹوں اور بلٹ پروف شیشوں کے پیچھے اپنے آپ کو محفوظ کرکے غیر محفوظ رعایا سے مخاطب ہوتے ہیں "ہمیں آپ سے محبت ہے"۔ حیف ہے ایسے

انسانوں پر' حد ہوتی ہے ہر شہ کی ایک حد ہوتی ہے دروغ گوئی کی بھی اور اس پر یقین کرنے کی بھی۔ہم اب شاید قوم نہیں رہے ہجوم کی شکل اختیار کرتے جارہے ہیں ۔اور جب قوم ہجوم میں بدلتی ہے تو اس کے پاس اچھے صحافی نہیں ہوتے یا بہت کم ہوتے ہیں۔آٹے میں نمک کے برابر۔ صحافت ایک مقدس پیشہ ہے لیکن اپنوں کی بے نوائی نے اسے کھوکھلا کر دیا ہے۔ سقراط نے حق کی خاطر زہر کا پیالہ پیا تھا۔لیکن اصول شکن نہیں بنا۔ پنجابی کا ایک خوبصورت شعر ہے

میں زہر پیالہ پیتا بن کے ویلے دا سقراط
سچ نوں زندہ رکھن لئی میں جندڑی دتی ہار

سقراط جان دے کے امر ہوگیا۔لیکن اس کے بعد یونان میں سقراط پیدا نہیں ہوا۔ہمارے ہاں صحافی جان دے دیتے ہیں لیکن خلا باقی رہ جاتا ہے۔ محض اہل صحافت ہی ہیں جن کے قاتل پردے میں رہتے ہیں۔۔ صحافتی دنیا کی نگہداشت کرنے والی عالمی تنظیم 'comitte of protect journalists کی رپورٹ کے مطابق اکیسویں صدی کے ابتدائی عشرہ و مابعد دنیامیں 450 جرنلسٹ متشدد واقعات میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔جن ممالک میں صحافیوں کو خطرات درپیش ہیں ان میں وطن عزیز ۴۳ صحافیوں کی جانی قربانی دے کر تیسرے نمبر پر ہے۔148 صحافیوں کے ساتھ پہلے نمبر پر عراق اور 63 صحافیوں کے ساتھ دوسرے نمبر پر فلپائن فائز ہے۔ صومالیہ چوتھے' افغانستان پانچویں' روس چھٹے اور میکسیکو' سری

لنکا' کولمبیا' بھارت بالترتیب ساتویں' آٹھویں' نویں اور دسویں نمبر پر ہیں۔ اگر عوام کو حقیقی صحافت درکار ہے تو یہ گھروں میں بیٹھنے سے نہیں ملے گی۔ ساتھ دینا ہوگا۔ آواز بلند کرنا ہوگی۔ جو آپ (عوام) کے حقوق کی خاطر لڑتے ہیں ان کی خاطر احتجاج کیجئے صدا دیجئے پرامن طریقے سے مسلسل مگر مسلسل۔ بلاجواز ایجنسیوں کو موردِ الزام' ٹھہرانے کے بجائے آزادانہ سپریم کورٹ کی سطح پر تفتیش کے لیئے مطالبہ کیا جانا چاہیئے۔ وگرنہ صحافی ازم کو ناقابل تلافی زک پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ ہمت و جاں نثاری اور اتحاد کا وقت ہے۔ پوائنٹ سکورنگ اگر ہم نہ بھلا پائے تو مبادا (خدا نہ کرے) دنیا ہمیں بھلا دے۔ جس قوم میں حدت نہیں ہوتی' جاں نثاری نہیں ہوتی وہ قوم کہلانے کی ہرگز حقدار نہیں ہوتی۔ پھر اس کا تذکرہ عبرت آموز واقعات کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ عبرت بننے سے پہلے نصیحت پکڑ لینا بدرجہا بہتر ہے۔

وگرنہ صحافت بکنا شروع ہو جائے گی۔ میں نے بھی اپنی بقاء کی خاطر کالم فروخت کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ کیونکہ میں ساٹھ ستر برس نہیں جینا چاہتا۔ یہ کالم آپ نہیں خرید سکتے۔ کیونکہ یہ پہلے ہی شہید صحافت کے ہاتھوں فروخت کر چکا ہوں۔ میں بھلے حقیر صحیح مگر سودا انمول گاہک کے ہاتھوں فروخت کرتا ہوں۔ شاید یہ میرا انتہائی اقدام ہے۔

انتہائی اقدام عمومی حالات میں نہیں اٹھائے جاتے ہرگز نہیں اٹھائے جاتے۔ کوئی دنیا سے تنگ ہوتا ہے یا کسی سے دنیاوالے تنگ۔ سچ کم ہو جاتا ہے یا جھوٹ کا جادو سرچڑھ کر بولنے لگتا ہے۔ تب تین ہی صورتیں بنتی ہیں۔ اس قوم میں سے اچھے دماغ ہجرت کر جاتے ہیں' مارے جاتے ہیں' یا خرید لیئے جاتے ہیں اور وہ قوم محکوم ہو جاتی ہے۔ اور پھر بھی جو قوم نہیں جاگتی اس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔

ہاتھ باندھ کر اور گردن جھکا کر

میرا عنوان ایسا ہے کہ آپ محسوس کر رہے ہوں گے کہ جیسے میں کسی تیسری دنیا کہ سر براہ کی ترقی یافتہ ملک کے ناخدا سے ملاقات یا بھیک مانگنے کا منظر پیش کر رہا ہوں۔ایسا ہر گز نہیں ہے۔میں بھلا ایسی جسارت کیوں کر کر سکتا ہوں۔جبکہ میں نے بچپن سے سن رکھا ہے "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"۔اور غریبوں کے ہاتھ میں تو پچھلی عمر میں ہی لاٹھی آتی ہے اور وہ بھی صرف اپنی چارپائی پر بیٹھ کر کسی کٹھ پتلی حاکم کی طرح چھڑی لہراتے اور للکارتے ہیں جبکہ ان کی پکار کا کسی پر اثر ہی نہیں ہوتا۔اس لیئے آج آپ کی پیشن گوئی غلط ثابت ہوئی ہے۔ویسے تو ہمہ وقت اس ملک کے باسی پیشن گوئیاں کرتے رہتے ہیں۔اور آج کل تو یہ فیشن بن گیا ہے۔ہر سات دنوں میں کسی نہ کسی چینل پر کوئی پامسٹ یا نجومی اپنے علم کے تفاخر میں شیخی بگھارتے ہوئے نظر آتا ہے۔اپنے اگلے لمحے سے نا آشنا لوگ اپنی چند گی لپٹی باتوں میں آپ کی زندگی کے مستقبل کے بارے میں نہایت مفصل انداز میں آپ کو بتلا دیتے ہیں۔

حکومت کے ردوبدل اور نجی زندگی کے تمام شعبہ جات پر تقریر جھاڑنے والے آج تک قیامت کی حتمی تاریخ نہیں بتا پائے۔عجب ہے اپنی ہی موت سے نابلد لوگ غیب

کی باتیں کرتے ہیں۔بہرحال ہمیں محترم نجومی صاحبان سے کوئی بغض و کدورت نہیں ہے۔ہم ان کا تہ دل سے احترام کرتے ہیں کیونکہ وہ بھی ہماری مانند بنی آدم ہیں۔مزید بات کرنا ان کی روزی پر لات مارنے کے مترادف ہے۔کہتے ہیں "کسی کے روزگار کا خاتمہ کرنا یا کروانا آسان ہے جبکہ اس کا بندوبست کرنا دشوار ہے"۔اسی ہی لیئے تو ہمارے امراء (خواہ فوجی ہو'نیم فوجی یا سول) یہ مشکل کام لفظوں'ہندسوں اور فگرز میں انجام دیتے ہیں۔کیونکہ پریکٹیکل لائف میں بے روزگاری کے اختتام کیلئے حکمت عملی اور کفایت شعاری کی اشد ضرورت ہے۔اشد ضرورت تو ہمیں اخلاقیات کی بھی ہے۔جسے ہم نے اپنی عملی زندگی میں سے دیس نکالا دے دیا ہے۔جبکہ سرور کائنات محبوب خداﷺ کا فرمان عالیشان ہے (مفہوم) "قیامت کے دن مومن کے نامہ اعمال میں سب سے بھاری چیز اس کا اعلیٰ اخلاق ہوگا"۔اب یہ بھی بھلا کوئی کہنے کی بات ہے۔ایک صاحب کو میں نے کہتے ہوئے سنا "عوام میں عدم برداشت'کرپشن'دورخاپن ودروغ گوئی' لوڈشیڈنگ'بے روزگاری' اور بادشاہوں کے زیر اثر پایہ تکمیل کو پہنچی"۔ہم اپنی تمام تر کوتاہیوں کا بوجھ بیچارے سیدھے سادے'نرم مزاج'خوش گفتار'بلند کردار'عالی ظرف'انمول'غریب نوااور دردمند سیاستدانوں پر ڈال دیتے ہیں۔جو کہ بہتان کے زمرے میں آتا ہے۔اور اسلام نے بہتان کی شدید مذمت فرمائی ہے (اور بہتان لگانے والوں کی آئندہ کے واسطے گواہی بھی قابل قبول نہیں رہتی)۔اس سے ہمیں کنارہ کش رہنا چاہیئے۔لیکن ہم اسے ڈرون حملوں والی مذمت جتنی اہمیت دیتے

ہیں۔استغفراللہ ایسا ہر گز نہیں ہے۔بلکہ دین فطرت نے اس کی نفی کی ہے۔اور نفی تو ہمارے امراء مہنگائی اور سرحدوں کی خلاف ورزی کی بھی کرتے ہیں۔ حتی کہ بسااوقات نہایت اہم امور میں ملکی مفادات کی بھی نفی کرتے ہوئے نہیں ہچکچاتے (تاریخ گواہ ہے خصوصا سابقہ دور)۔جبکہ آج کل فقط ذاتی مفادات کی خاطر اپنے ہی جاری کردہ بیانات کی نفی جاری ہے۔اگر ملکی مفادات کی خاطر ہمارے لیڈر اپنی ذات و پارٹی مفادات کی نفی کردیں تو تاریخ انہیں اچھے الفاظ سے یاد کرے گی۔باتیں تو بہت ہیں لیکن عمل درآمد ندارد۔انتہا تو یہ ہے کہ جمہوری پارٹیاں وراثتی روپ دھار چکی ہیں۔جو کہ ملوکیت ہے۔انہیں وجوہات کی بناپر پارٹیوں کی تقسیم در تقسیم جاری ہے۔جبکہ مضبوط حزب اقتدار کے ساتھ اگر طاقتور ترین حزب اختلاف موجود ہو تو یہ بات ملکی مفاد میں جاتی ہے۔جمہوری پارٹیوں میں نمائندگان کے چناؤ کے لیئے نچلی سطح تک کے کارکن کی رائے کو بھی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔تب ہے رائے عامہ کا بھی احترام باقی رہتا ہے۔رائے تو ہمارے علماء بھی بہت دیتے ہیں۔لیکن آج کل حسن ظن کے بجائے سوئے ظن سے زیادہ کام لیتے ہیں۔فرمان رسول ﷺ ہے"میں ایسا دین لایا ہوں جس میں دن ہے رات نہیں"۔لیکن شدید اختلاف نے ہمیں اس نہج پر پہنچادیا ہے کہ مسلمان مسلمان کی گردن زنی کو راہ جنت تصور کرتاہے۔درحقیقت یہ سب کچھ دین کی دوری یا حسن اختلاف کی کمی ہی ہے۔حدیث مبارک ہے"وہ وقت بھی آئے گاجب لوگ اللہ کے کلام کو کئی قرائتوں سے پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے بھی نہیں

اترے گا"۔ ہم لوگ عملی طور پر اس دور میں شامل ہو چکے ہیں۔آج ہمارے ستر فیصد سے زائد دفاتر اور تعلیمی اداروں کا آغاز قرآن مجید کی تلاوت سے ہی ہوتا ہے۔اور ہم پاک کلام کو چند لمحات ہاتھ باندھ کر اور گردن جھکا کر سننے کے بعد یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم نے اپنا حق ادا کر دیا۔اور اپنی عملی زندگی میں اسے یکسر بھلا دیتے ہیں۔ جبکہ قرآن کا سننا اور اس پر عمل کرنا لازم و ملزوم ہے۔اخوت 'رواداری' جاںثاری اور انسانی جان کی عظمت تب ہی ہمارے قلب سے ناپید ہوئی ہے جب سے ہم نے دین حق سے دوری اختیار کر کہ مادی زندگی کو اپنے اوپر سوار کر لیا ہے۔ذہنی پریشانی سے نجات اور قلبی سکون اسوقت تک ہمیں میسر نہیں آئے گا جب تک ہم قرآن و سنت کی ابدی تعلیمات کو اپنی ذاتی زندگی پر بغیر کسی حیل وحجت کے لاگو نہیں کریں گے۔

ہم سب سرفراز شاہ کے مجرم ہیں

" تمہاری دو ازواج کار کے ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہوئیں "

جج نے کمرہ عدالت میں موجود ملزم سے پوچھا

جی "ہاں"ملزم نے جواب دیا

"دونوں مرتبہ ایکسیڈنٹ کی وجہ یہ بنی کہ کار کے بریک فیل ہو گئے تھے۔ جبکہ تمہاری تیسری اہلیہ کی موت کا سبب زہر خورانی بنا؟کیا میں اس کی وجہ تسمیہ پوچھ سکتا ہو ں؟"

جج نے استفسار کرتے ہوئے بات کو آگے بڑھایا

ملزم نے معصومیت سے جواب دیا

" عالی جناب !اس لیئے کہ میری تیسری بیوی ڈرائیونگ نہیں جانتی تھی"

27 سالہ سرفراز شاہ کی موت کسی خود کش بمبار دہشت گرد یا کسی انتہا پسند کی موت اس لیئے نہیں بن سکی کہ سرفراز شاہ ڈرائیونگ نہیں جانتا تھا۔ یہ دل دہلا دینے والا اندوہناک منظر اگر کیمرے کی آنکھ محفوظ نہ کرتی یا جائے واردات پر موجود صحافی رینجر والوں کی مانند اپنے پیشہ وارانہ فرائض سے روگردانی اختیار کرتا تو آج سرفراز کی قبر پر کسی نامعلوم عسکریت پسند کا کتبہ

لگا ہوتا۔جس کی گواہی کراچی سے خیبر تک (بشمول بلوچستان) کئی بے گناہوں کی قبریں دے رہی ہیں۔باوردی قاتلوں پر انعام واکرام کی برسات جاری ہوتی۔عوام بے خبر ہوتی اور امراء کے آرام میں بھی خلل نہ پڑتا۔اور سرفراز شاہ کے ورثاء بھی اس خوف سے بیٹے کی میت تک پہنچنے سے گریزاں رہتے کہ مبادا ان کا تعلق بھی کسی عسکریت پسند گروہ سے جوڑ کر انہیں بھی پابند سلاسل نہ کردیا جائے۔اور سرفراز شاہ کا جسد خاکی خلق خدا کے بیچ گلتا' سڑتا اور پکارتا رہتا مگر کوئی پرسان حال نہ ہوتا۔ایک سرفراز شاہ نہیں بلکہ ہزاروں سرفراز شاہ جن پر ہونے والے مظالم کیمرے کی پہنچ سے دور ہیں اور وہ جرم بے گناہی کی سزا پاتے ہیں۔لیکن بشکرے خدا اب میڈیا کا دور ہے۔

بقول شاعر

زمانے کے انداز بدلے گئے

نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

دراصل عوام کی اوقات اپنے ہی وطن میں خس و خاشاک سے بھی کم تر ہو گئی ہے۔جس بےہمانہ و سفاکانہ انداز میں سرفراز شاہ کو موت کے گھاٹ اتارا گیا' کونسا بدن ہے جس پر لرزہ طاری نہیں ہوا' کونسا دل ہے جو پگھلا نہیں' کونسی آنکھ ہے جو اشکبار نہیں ہوئی'ظلم انتہاؤں کو چھو گیا لیکن بااختیار لوگ بے حس ہی رہے۔ایک نہتا بشر کبھی ہاتھ باندھ کر تو کبھی رب ورسول ﷺ کا واسطہ دے کر جان

بخشی طلب کر رہا تھا۔ لیکن اسے نہیں اسکے ساتھ پوری قوم کو دھتکارا گیا۔ سفاک قاتلوں کی طرز پر جسم کے ایسے حصوں میں گولیاں اتاری گئیں کہ اس نے تڑپ تڑپ کر جان دی۔ اتنا ظلم تو بے رحم قصاب جانور پر بھی روا نہیں رکھتا جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے محافظوں نے کیا (لیکن اس ضمن میں پوری پاک فوج کو مطعون کرنا قرین انصاف نہیں)۔ کونسا قانون ہے جس نے انہیں ماروائے عدالت قتل کی اجازت دی۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے تلوار کی زد میں آ کر کلمہ پڑھ لیا تھا اور پکارتا رہا میں مسلمان ہو گیا میری جان بخشی کر دی جائے۔ لیکن اس صحابیؓ نے اسے قتل کر دیا۔ جنگ سے واپسی پر معاملہ آپ ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ ﷺ نے اس سے باز پرس کی تو صحابیؓ نے جواباً کہا "اس نے تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا" یہ جواب سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟"۔ اور پھر رسول خدا ﷺ نے آسمان کی جانب رخ انور کر کے فرمایا "اے اللہ میں اس شخص (صحابیؓ) کے عمل سے دستبردار ہوں۔ لیکن آپ ﷺ نے اسے صحابی سے قصاص نہیں لیا۔ مگر تنبیہ ہو گئی کہ پھر ایسا نہیں کرنا۔ لیکن ہم امت رسول ﷺ کو بغیر کسی حجت کے کاٹ پھینکتے ہیں اور خود غازی کہلواتے ہیں۔ خدارا ہوش کیجئے۔

حضرت عمرؓ کا فرمان ہے (مفہوم) "اگر فرات کے کنارے بکری کا بچہ بھی بھوکا مر گیا تو عمرؓ اس کا جواب دہ ہوگا"۔ تو پھر سرفراز شاہ اور اس جیسے ہزاروں واقعات کا کون ذمہ دار ہے؟ یقیناً ہماری تمام حکمران و بااختیار جماعتیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے گریبان میں بھی جھانکنا ہوگا کہ جب قدرت ہمیں موقع و اختیار دیتی ہے تو کیا ہم اس کا منفی استعمال نہیں کرتے۔ تعلقات' تھانہ' کچہری' لسانی' نسلی' علاقائی بنیادوں پر کو ایوان تک نہیں پہنچاتے؟ یہ سب mna اور mpa ووٹ دے کر کرپٹ و بے حس ہمارا کیا دھرا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ عنان اقتدار سنبھالنے والے معصوم ہیں لیکن ان سے پہلے ہم میں سے ہر وہ شخص جس نے اپنے حلقے کے کرپٹ و بے ایمان شخص کو (خواہ اس کا تعلق کسی بھی جماعت سے ہو) بااختیار بنایا وہ مجرم ہے۔ اگر چار سو نظر دوڑائی جائے تو سینکڑوں نہیں ہزاروں سرفراز شاہ ہیں جن کے ہم مجرم ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنے اطوار بدلنا ہوں گے۔ یاد رکھیئے عدالتیں نہیں معاشرے انصاف فراہم کرتے ہیں۔ زندہ قوموں کی عدالتیں بھی بااختیار ہوتی ہیں اور مردہ قوم کے عالی ظرف منصف بھی بے اختیار۔

ہمارا معاشرہ اخلاقی پستیوں کو چھو رہا ہے۔ اخوت' رواداری' معاشرتی انصاف' جذبہ حب الوطنی' مساوات' شرم وحیاء الغرض وہ سب کچھ جو کسی قوم کی حیات کیلئے ضروری ہوتا ہے ہمارے اندر قریبا معدوم ہو چکا ہے۔ اور ہماری پیش قدمی قدرت کے بنائے

ہوئے اصولوں کی مخالف سمت میں جاری ہے۔اور جب ایسا ہوتا ہے تو قومیں اللہ کے عذاب کو دعوت دیتی ہیں۔بقول واصف علی واصف "عذاب کا لمحہ وہ لمحہ ہے جب کرنیں سورج کو چاٹنے لگیں جب شاخیں درخت کو کھا جائیں ۔جب اعضاء اپنے وجود سے کٹ جائیں "۔اگر مندرجہ بالا قول ہمارے معاشرے پر پورا اترتا ہے تو پھر توبہ کا وقت ہے۔ذہن نشین رکھیئے توبہ آخری سانس سے پہلے تک قابل قبول ہے۔اس سے پہلے کہ ہماری مہلت ختم ہو اور ہمارا نام ونشاں مٹے ہمیں اور ہمارے تمام ارباب اختیار کو استغفار کرنا چاہیئے ۔کرپشن و ظلم کے خلاف تب ہی کوئی راہ ہموار ہوگی۔اور سرفراز شاہ اور سانحہ خروٹ آباد کے مظلوموں کی روحوں کو سکون پہنچے گا۔وگرنہ سب کچھ غارت۔الامان الحفیظ۔

عورت کی خوبی دو باتوں میں ہے

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد خلیفہ دوم فاروق اعظمؓ نے ان کی دختر ام کلثومؓ کا رشتہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مانگا۔
سیدہ عائشہؓ نے جواباً کہا امیرالمومنین آپ کی طلب پر کیسے انکار ممکن ہے"۔جب عمر بن خطابؓ تشریف لے گئے تو ام کلثومؓ نے حضرت عائشہؓ سے سخت احتجاج کیا اور کہا:
"آپ اچھی طرح جانتی ہیں عمرؓ سخت مزاج ہیں اور ان کی حیات حد درجہ سادہ و بے کیف ہے۔میری تو خواہش ہے کہ کسی ایسے نوجوان سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوں جو دنیا کی ہر نعمت میرے پیروں میں لا کر رکھ دے۔
زوجہ رسول ﷺ نے اپنی بہن کی بات تسلی سے سنی اور خاموش رہیں۔پھر حضرت عمرو بن العاصؓ کو بلوا بھیجا۔جب وہ آئے تو انکے سامنے درپیش صورتحال کا تذکرہ کیا ۔انھوں نے کہا "امی جان آپؓ پریشان نہ ہوں میں اس مسلئے کا حل نکالتا ہوں"۔
حضرت عمرو بن العاصؓ امیرالمومنین کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور پوچھا

کیاامیر المومنین کوئی نیا نکاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"۔"

فرمایا

ہاں عنقریب"۔"

پوچھا

کس خاتون کو آپؓ نے منتخب کیا ہے"۔"

جواب دیا

ام کلثومؓ بنت ابو بکرؓ"۔"

انھوں نے کہا آپؓ کیلئے یہ رشتہ موزوں نہیں ہوگا۔ وہ لڑکی نازو نعمت میں پلی ہے۔آپؓ کے ہاں کی سخت زندگی کا خود کو عادی نہ بنا سکی تو مشکل حالات پیدا ہو جائیں گے۔وہ صدیق اکبرؓ کی بیٹی ہیں اگر انھوں نے کبھی اپنے والد کا حوالہ دے کر اپنی تکالیف و پریشانیوں کا اظہار کیا تو ہم سب کے واسطے باعث رنج و غم ہوگا"۔

: خلیفہ مومنین صحابی رسول ﷺ ذہین و فطین شخصیت کے مالک تھے فرمایا

معلوم ہوتا ہے (حضرت) عائشہؓ نے تجھے میری طرف بھیجا ہے"۔"

کہا جی ہاں: آپ نے بجا فرمایا ہے"۔"

حضرت عمرؓ نے ام کلثومؓ سے شادی کا ارادہ ترک کر دیا اور ایک اور جگہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

شادی کیلئے گھر والوں اور سربراہ مملکت دونوں نے لڑکی کے جذبات کو ملحوظ خاطر رکھا اور اس کی امنگوں کا احترام کیا۔ لیکن ہمارا معاشرہ آج تلک قدیم فرسودہ روایات میں جکڑا نظر آتا ہے۔ ہم مسلمان تو کہلواتے ہیں لیکن اسلام کو اپنی ذاتی زندگی میں کوئی اہمیت نہیں دیتے یا بہت کم دیتے ہیں۔ ایک ملت ہونے کے باوجود نسلی تعصب میں مبتلا ہیں۔

اس ضمن میں ڈاکٹر محمد خلیل لکھتے ہیں "قوم پرستی کی بیماری نے مسلمانوں کے زوال میں اہم کردار ادا کیا۔ مثلاً مسلیمہ کذاب کا ساتھ بنو حنیفہ نے اس کو جھوٹا جانتے ہوئے بھی محض قبائلی عصبیت میں دیا۔ بنو امیہ کے دور میں مضری اور یمنی قبائل آپس میں ٹکرائے۔ اسی طرح بنو عباس کے دور میں بھی قومی منافرت نے اہم کردار ادا کیا۔ اس کے بعد عربوں اور ترکوں کو قوم پرستی نے لڑایا اور کفار کے غلام ٹھہرے۔ اس خطرناک مرض میں برصغیر کا معاشرہ حیرت انگیز طور پر مبتلا ہے۔ یہاں راجپوت' جاٹ گجر' آرائیں وغیرہ کی منافرتیں قائم ہیں اور مسلمان ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو برا' سمجھا جاتا ہے۔ باہمی رشتہ داری کو کفر خیال کیا جاتا ہے۔ اس طرح کمی اور چودھری کی بحث جاری ہے"۔

اسکے ساتھ ساتھ لسانی و علاقائی بنیادوں پر بھی نفرتوں کی بڑی خلیج ایسے ہی نظر آتی ہے جیسے شدید زلزلے کے بعد (ایک ہی سیارے) زمین کا سینہ پھٹ کر دو

حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔اور یہ کس قدر بھیانک صورتحال ہوتی ہے یہ وہی جانتا ہے جس نے یہ ہیبت ناک منظر اپنی برہنہ آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہوتے دیکھا ہو۔حیف ہے ایسے مسلم پر۔

اس کے شدید تر نتائج کے باوجود ہمارے معاشرے کے والدین کی ہٹ دھرمی زور شور کے ساتھ جاری ہے۔ کہیں صنف نازک کو ونی کیا جاتا ہے تو کہیں بے جرم و خطاء کاروکاری کی ضرب تلے بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔روز بروز کورٹ میرج کیسز کی تعداد میں خطرناک حد تک اضافہ ہوتا جارہا ہے (لیکن بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ بنت حوا یہ انتہائی اقدام اٹھانے کے باوجود ظلم کی چکی تلے پستی رہتی ہے کیونکہ اب اس کے دامن میں میکے نام کا لفظ ناپید ہو چکا ہوتا ہے جو خاوند کیلئے کھلی چھٹی کا پروانہ ثابت ہوتا ہے۔ کورٹ میرج کرتے وقت نشہء الفت میں علیحدگی کی ناگہانی صورتحال کی شرائط قریبا نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں اور نتیجتا وہ خاوند اور سسرالیوں کے رحم و کرم پر بے کیف زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے)۔اس کی وجوہات (کورٹ میرج کیسز) میں جہاں نسلی ،لسانی اور امارت کا گھمنڈ کارفرما ہے وہاں مادر پدر آزاد میڈیا،انٹرنیٹ ،غلط رسائل ،اخلاقیات سے مبرا لٹریچر اور موبائل فون کے ضرر رساں استعمال کا بھی اہم کردار ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ والدین اولاد کی اچھی تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ بیاہ کے وقت ان کی خواہش کا خیال رکھیں وگرنہ ان کی ہٹ دھرمی اور ایک جوڑے کی امنگوں کی بھینٹ پورے قبیلے کی عزت برباد ہو جاتی ہے اور صدیوں تک نسلیں طعن و تشنیع کے گھناؤنے وار برداشت کرتی ہیں اور اپنے اجداد کو کوستی رہتی ہیں۔ کیونکہ انسانی حیات میں عزت کا معیار عورت کے بلند کردار کے گرد گھومتا ہے۔

اگر جائز امنگوں کی مناسب وقت پر تکمیل نہ کی جائے تو معاشرے میں بگاڑ کا پیدا ہونا فطرتی عمل ہے۔ اور پھر اس سے معاشرے میں تعفن پھیلتا چلا جائے گا جو سمیٹنے سے بھی نہ سمیٹا جا سکے گا۔

اگر بنت حوا کے حقوق غصب کرنے کی سعی کی جائے یا اس کے جائز جذبات کو پس پشت ڈالا جائے تو اسلامی حدود میں رہتے ہوئے اسے اپنے حق کی خاطر آواز بلند کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حوا کی بیٹی کو خاتون جنت، جگر گوشہ رسول ﷺ کا یہ فرمان عالیشان بھی مد نظر رکھنا چاہیئے۔ آپؓ (حضرت فاطمہؓ) نے فرمایا: "عورت کی خوبی دو باتوں میں ہے۔ (اول) اسے کوئی غیر محرم نہ دیکھے۔ دوم) وہ بھی کسی غیر محرم کو نہ دیکھے"۔)

ڈرون حملوں سے بھی زیادہ خطرناک حملہ

اسلحہ و قوت کے بل بوتے پر کسی قوم کی زمینیں فتح کی جا سکتی ہیں ان کے جسموں پر حکومت کی جا سکتی ہے لیکن ان کے عقائد ' نظریات اور ضمیر کو مفتوح نہیں بنایا جا سکتا۔اور وہ قوم پابند سلاسل ہونے کے باوجود عروج کی جانب پلٹنے کا دم خم رکھتی ہے۔لیکن لیکن اگر کسی قوم کے افکار وخیالات 'تہذیب و تمدن' نظریات وثقافت پر گرد جمنے لگے تو وہ لوہے کی کڑیوں کے بغیر ہی طوق غلامی میں کڑی جانے لگتی ہے۔اور اخلاقی پستی کا آخری کیل جب مخالف اس کے تابوت میں ٹھونکتا ہے تو بیشتر اسے محسوس ہی نہیں ہوتا اور وہ زندہ در گور ہو جاتی ہے۔اور پھر اس کی نشاندہی محض تاریخ کے عبرت آموز واقعات کرتے ہیں۔

موجودہ دور سائنسی ترقی کے باوجود اخلاقی بے راہ روی کی جانب تیزی سے گامزن ہے ۔بے حیائی وعیاشی عروج پر ہے۔لادینیت کے طوفان نے بنی نوع انسان کا روحانی سکون تہس نہس کر دیا ہے۔اس ضمن میں ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں" بے دین آدمی ایسے ہے جیسے بے لگام کے گھوڑا' جیسے بے نکیل کے اونٹ' جیسے بے ڈرائیور کے بس' جیسے بے ریگولیٹر کے گھڑی۔۔"۔تمام تر آسائشوں کے باوجود انسان روز بروز گھٹن بڑھتی محسوس کر رہا ہے۔ قلبی سکون ندارد ہے۔یہ سب بے

دینی کے ثمرات ہیں۔زنا جیسے انسانیت کش فعل میں نمبر لینے کے بعد اب ہم جنس پرستی کا ایشو عروج پر ہے۔مادر پدر آزاد ممالک آفاقی دین رکھنے کے باوجود اس موذی مرض میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں۔اس سے قبل (اتنے ذور و شور سے)اس فعل کا ذکر قوم لوط کے حوالے سے تاریخ کے اورق پراگندہ کیئے ہوئے ہے۔جو ابلیس کے ورغلانے پر اس لعنتی فعل کی مرتکب ہوئی ۔حضرت لوطؑ کی تبلیغ کے باوجود جب آپ کی قوم باز نہ آئی اور ایک روایت کے مطابق وہ علی الاعلان فعل لواطت کرنے لگے) اور رسول اللہؑ کی) مخالفت میں شدید ہو گئے تو آپ نے اللہ سے مدد طلب کی۔پھر فرشتے آئے اور کہنے لگے ان سب پر آسمانی عذاب آئے گا۔اور انہیں انکی بدکاری کا نتیجہ دکھا دیا جائے گا۔پھر حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے ان کی بستیوں کو اٹھایا اور آسمان تک لے گئے پھر وہاں سے الٹ دیا۔اسکے بعد اُن پر ان کے نام کے نشاندار پتھر برسائے گئے اور اہل تقویٰ کے سوا سب کچھ ملیا میٹ ہو گیا۔ان کی بستیوں کی جگہ ایک کڑوے 'گندے اور بدبو دار پانی کی جھیل رہ گئی ۔جو اہل دانش کے لیئے عبرت کا ذریعہ بنی۔

آسمانی صحیفے 'آفاقی کتابوں اور حتیکے انسان کے بنائے ہوئے مذہبوں میں بھی اس فعل کو قابل نفرت قرار دیا گیا۔اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اسلام تو صنف مخالف سے بھی ناجائز تعلقات کی نفی کرتا ہے اور اسکے لیئے رجم اور کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے ۔تاکہ معاشرے کی منفی قوتوں کے پنپنے کے تمام

ذرائع مسدود ہو جائیں۔اور لواطت کے بارے میں حدیث مبارک ہے "جس کو تم قوم لوط والا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو" (سنن ابی داؤد۔ سنن ترمذی)۔یہ فعل عورت سے ناجائز تعلقات سے بھی زیادہ قبیح ہے اس لیئے اس کی سزا بھی سخت رکھی گئی ہے۔تاکہ معاشرے کی اس دیمک سے محفوظ رہا جاسکے۔

26 جون کو فاقی دار لحکومت میں موجود امریکی سفار تخانے میں ہم جنس پرستوں کی تقریب جشن منعقد کی گئی۔26 جون کو جاری کیئے گئے پریس ریلیز میں بتایا گیا کہ اس کے ارکان نے امریکی سفار تخانے (glifaa) تقریب میں ناظم لاہور رچرڈ ہوگلینڈ اور میں ہونے والی تقریب میں شرکت کی۔اسکے علاوہ تقریب میں مشن آفیسر 'غیر ملکی سفار تکار اور پاکستان می گے لیسبین' ہائی سیکسوڈل اینڈ ٹرانس جینڈر (جی ایل بی ٹی) ایڈوکیسی گروپ کے نمائندوں سمیت 75 افراد نے شرکت کی۔جس میں امریکی سفار تخانے نے ان بد کردار لوگوں کو اپنی حمایت کی یقین دہانی کرائی۔اول: تو یہ سفارتی اصولوں کی کھلی خلاف ورزی ہے کیونکہ کوئی بھی سفار تکار جس ملک میں اپنے فرائض انجام دے رہا ہوتا ہے توسفارتی قانون کے مطابق وہ اس ملک کے آئین و قانون کا پابند ہوتا ہے۔دوم: جیسے تیسے بھی لیکن آخر ہم امریکہ کو اپنا حلیف تصور کرتے ہیں ۔اور اتحادی کی جانب سے اخلاقیات سے مبرا یہ زخم دینا دوہرے معیار کی پالیسی نہیں تو اور کیا

ہے؟؟۔ ہمارے امراء نے اس پر احتجاج تو کیا لیکن اسلامی جمہوریہ ہونے کے ناطے جس قدر توقع کی جارہی تو وہ ممکن نہ ہوا۔ ملک میں گرینڈ الائنس بنائے جارہے ہیں (جن اتحادوں کی زندگی مبادا کم ہو اور شاید ملک کو بھی اس سے قابل قدر فائدہ نہ ہو)۔ لیکن ہماری ثقافتی اقدار دم توڑ رہی ہیں 'دو قومی نظریہ ناپید ہوتا جارہا ہے لیکن کسی کو کان و کان خبر ہی نہیں۔ قریبا سب ہی نشہ اقتدار میں دھت ہیں۔ کب تلک ایسا ہوتا رہے گا آخر کب تلک؟ تھوڑی مہلت باقی ہے شاید بہت تھوڑی۔ مشرقی روایات کے امین ہونے کے دعویدار ہم ہیں اور عمل ہمسایہ ملک نے پیش کیا۔ کچھ عرصۂ قبل فرانس کے صدر نکولس سرکوزی اپنی گرل فرینڈ کارلا بِرونی کے ساتھ بھارت آنا چاہتے تھے۔ فرانس کی حکومت نے بھارتی حکومت کو اسکی اطلاع دے دی۔ جس پر بھارتی حکومت پریشان ہو گئی۔ کیونکہ بھارتی تاریخ میں کوئی بھی ملکی سربراہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ دورہ کرنے نہیں آیا تھا۔ لہٰذا اندیشہ تھا کہ عوام کا غیض و غضب قابل دید ہوگا۔ اسکی دوسری وجہ یہ تھی کہ سرکوزی کارلا بِرونی کو اپنی اہلیہ سے بھی زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اگر کارلا بِرونی کو سرکاری پروٹوکول سے محروم کیا جاتا تو سرکوزی کی ناراضگی کا خدشہ تھا۔ کافی سوچ بچار کہ بعد بھارتی حکومت نے ان تاریخ ساز الفاظ میں فرانسی حکومت سے معذرت کی ہم مشرقی لوگ ہیں اور ہمارے ملک میں گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کے تعلق کو" معیوب سمجھا جاتا ہے چناچہ صدر نکولس سرکوزی مہربانی فرما کر کارلا بِرونی کے ہمراہ نہ آئیں"۔ لیکن افسوس کے ساتھ

یہ بات کہنا پڑ رہا ہے کہ اس سے قبل سرکوزی اور انکی گرل فرینڈ نے نہ صرف سعودی عرب' قطر' دوبئ' مصر اور اردن کے دورے کیئے بلکہ کارلا برونی کو "فرسٹ لیڈی" کا پروٹوکول بھی ملا۔ ہم نجانے کب سدھرے گے۔ ہم جنس پرستی کا حملہ ڈرون حملوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ یہ دین حق پر کاری ضرب ہے۔ آخر کب ہمیں ہوش آئے گا جب پانی سر پر سے گزر جائے گا؟؟؟ ہم نام کے مسلمان ہیں ورگرنہ قریبا نظریاتی طور پر اغیار کی غلامی میں بندھے ہیں۔ اگر اب بھی نہ سنبھلے تو پھر شاید کبھی نہ سنبھل سکیں۔۔۔

اسلحہ و قوت کے بل بوتے پر کسی قوم کی زمینیں فتح کی جا سکتی ہیں ان کے جسموں پر حکومت کی جا سکتی ہے لیکن ان کے عقائد' نظریات اور ضمیر کو مفتوح نہیں بنایا جا سکتا۔ اور وہ قوم پابند سلاسل ہونے کے باوجود عروج کی جانب پلٹنے کا دم خم رکھتی ہے۔ لیکن لیکن اگر کسی قوم کے افکار وخیالات 'تہذیب و تمدن' نظریات وثقافت پر گرد جمنے لگے تو وہ لوہے کی کڑیوں کے بغیر ہی طوق غلامی میں جکڑی جانے لگتی ہے۔ اور اخلاقی پستی کا آخری کیل جب مخالف اس کے تابوت میں ٹھونکتا ہے تو بیشتر اسے محسوس ہی نہیں ہوتا اور وہ زندہ درگور ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کی نشاندہی محض تاریخ کے عبرت آموز واقعات کرتے ہیں۔

مخلصانِ قوم

حالیہ بحران آیا اور ٹل گیا۔ لیکن اپنے اثرات بہر طور چھوڑ گیا۔ جن کو دیکھ کر گمان گزرتا ہے کہ ابھی خاموش لہروں میں کوئی طوفان پوشیدہ ہے۔ لیکن چہرے پر طمانیت سجائے خوش پوش لوگ محوِ خواب ہیں کہ اب تاریکی کا دور دورہ ہو گا۔ ایسا نہیں ہے چونکہ وہ سینتیس صفوں کی کتاب میں سے صرف اپنے کام کا ہی نقطہ تلاش کر پائے ہیں اسی واسطے خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ بقول شاعر

قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا

حالات کی سنگینی کا اندازہ لگانے کیلئے محض تخت و تاج کافی نہیں ہوتے۔ معاملات کے فہم و ادراک کیلئے عیاری کام نہیں دیتی۔ اہل دل و اہل نظر ہونا چاہیئے۔ زورِ بازو و شمشیر کی نہیں ذوق نظر و قوت مشاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکمران نہیں رہنماء ہونا ضروری ہے۔ خدانہ کرے عدلیہ و جمہوریت (گھسی پٹی ٹوٹی پھوٹی) کو کوئی گزند پہنچے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بالا آخر یہ گزند ہر مرتبہ قوم کے ماتھے کی ہی زینت کیونکر بنتا ہے؟ تریسٹھ برس سے زائد عرصئہ گزر گیا لیکن منزل ابھی تلک سراب میں گم ہے۔ ارض وطن کے سب سے بڑے شہر کراچی میں

گھنٹوں' منٹوں نہیں سیکنڈ والی سوئی کی حرکت کے ساتھ لاشے گر رہے ہیں۔دہشت گردی عروج پر ہے۔ہر نوع کے منافرتی بیج تناور درخت بن کر پھل دے رہے ہیں۔انسان نما جنگلی درندے سرپٹ دوڑ کر زندگی کا حسن برباد کر رہے ہیں۔ایسے میں آپ ہی بتائیے کون ادھر سرمایہ کاری کرے گا؟غیر ملکی تو کجا' ملکی تاجر بھی سرمایہ نکال کر بھاگ رہے ہیں۔اس پر مستزاد یہ کہ عنان اقتدار کے رسیا خواہ وہ مسند اقتدار پر ہوں یا اس کے خواہش مند سب ہی اپنے اثاثے بیرون ملک رکھنے پر مصر ہیں۔شاید وہ اس ملک کو محفوظ نہیں سمجھتے۔۔؟اس لیئے تو بلٹ پروف جیکٹس پہنتے ہیں' بلٹ پروف جیپ چلاتے ہیں۔بیرون ملک پانچ ارب ڈالر کی جائیداد بناتے ہیں۔اور ایسا کریں بھی کیوں نہیں کہ جس ملک کی معیشت سو ارب ڈالر کی خاطر طوق غلامی پہننے پر مجبور ہو' جس کی ڈیڑھ کروڑ بچیوں کے سروں میں محض اس لیئے چاندی آ گئی ہو کہ اُن کے والدین کے پاس جہیز کے لیئے پیسے نہ ہوں' جس کے لاکھوں بچوں کے پاس پہننے کیلئے جوتے نہ ہوں' جس کے کروڑوں بچوں کے پاس تن کو ڈھانپنے کیلئے شلوار یا قمیض میں سے ایک کا انتخاب کرنا ضروری ہو' جس کے پاس بارشوں کے تسلسل میں اپنے باسیوں کی حفاظت کیلئے کوئی انتظام نہ ہو' مدت گزر جانے کے باوجود جس کے سیلاب و زلزلہ زدگان کے پاس رہنے کے لیئے سائبان اور کھانے کے لیئے دو نوالے تک نہ ہوں' جس کے پاس معتبر ترین مہینہ میں مہنگائی کی کھنڈی چھری سے ذبح ہوتی بے زبان عوام کی دردناک آہیں سننے کو سوا کوئی چارہ نہ ہو' جس کی افراط زر روز بروز دگرگوں ہوں' جس کے

ہسپتالوں میں مریضوں کو موت ملتی ہو'جس کے مسیحا کسی قصائی سے کم نہ ہوں (کم و بیش)'جس کے سکولوں میں بھیڑ بکریاں باندھی جاتی ہوں'جس کے تھانہ 'کچہری میں مجرم جنم لیتے ہوں'جس کے ہاں انصاف ناپید ہواور انتقام وافر مقدار میں'جس کے معماران قوم درسی کتب تک اٹک اٹک کے پڑھتے ہوں'جس کے بچوں کے ننھے و معصوم ہاتھوں میں قلم کی جگہ پلاس 'اینٹ اور بم ہو وہ ملک ہاں وہ ملک ان مخلصانِ قوم سیاستدانوں) کو کیسے تحفظ فراہم کرے گا؟نہیں دے سکتا ہر گز نہیں دے سکتا۔اس لیئے) یہ انسانی حقوق کے چارٹر کے مطابق اپنی جان ومال کو تحفظ پہنچانے کا حق محفوظ رکھتے ہیں (رہ گئی عوام تو اس بیچاری پر تو موروثیت کے دلدادہ صرف حکومت کرنے کے واسطے تشریف لاتے ہیں)۔پارٹی مفادات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔تب ہی تو آئین کے ٹھیکیدار ہر سو اپنی پارٹی کے مفادات کی نگہبانی پر مامور نظر آتے ہیں۔اور اس راہ میں قانون'عدالتیں 'جمہوریت'الغرض دولت واقتدار کے سوا قریبًا ہر شہ قربان کر دینے سے نہیں چونکتے۔اسی نظریے سے ملتے جلتے ان کی پارٹیوں کے منشور ہیں۔یاد رکھئے ملک قوموں کے ہوتے ہیں 'سیاستدانوں کی فقط پارٹیاں ہوتی ہیں۔سیاسی اداکار پارٹی کے جیالے ہو سکتے ہیں لیکن شہیدِ وطن ہر گز نہیں۔اسی لیئے جب تک کوئی قوم اپنے ذاتی مفادات سے مبرا ہو کر کوئی فیصلہ نہیں کرتی اسوقت تک اس سرزمین پر عدلیہ مصنفوں)اور جمہوریت (حکمرانوں) میں کسی نہ کسی صورت میں رسہ کشی جاری رہتی) ہے۔اور وہاں کے باسی من حیث القوم معاشی غلامی کے جال میں پھنستے

پھنساتے دفاعی غلامی تک چلے جاتے ہیں۔اور خدا نہ کرے ہمارے ساتھ ایسا ہو۔ سلامتی و معیشت ایک سڑک کی مانند ہیں اور عدلیہ و جمہوریت اس کے کنارے ہیں۔جس طرح روٹی کی خوبصورتی اسکے معیاری و گول کناروں سے قائم ہے۔عین اسی طرح سلامتی و معیشت کی ترقی و تنزلی کا انحصار عدلیہ و جمہوریت کی متوازن پالیسیوں سے تعلق رکھتا ہے۔جب بھی کوئی ایک کنارہ بوسیدہ یا کھردرا ہونے لگتا ہے بوجھ دوسری جانب سرک جاتا ہے اور وزن ایک ہی پلڑے میں ہونے کی وجہ سے عدم توازن لازمی امر بن جاتا ہے۔جس سے ملکی حالات نا ساز ہو جاتے ہیں ۔وفاق مخالف قوتیں سر اُٹھانے لگتی ہیں اور دشمن للچائی نظروں سے ہماری سرحدوں کی جانب دیکھنے لگتا ہے۔

ہجرتِ مدینہ ' جلتا کراچی اور عوامی ریفرنڈم

اصولِ قدرت ہے جہاں پھوٹ پڑتی ہے وہاں سے رزق اٹھا لیا جاتا ہے ' رحمت و برکت ختم ہوتی ہے اور بالاآخر وہ قوم بے رحم سرداروں اور دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو کر رہ جاتی ہے۔

آپ تاریخ عرب و عجم اُٹھا کر دیکھ لیجئے ' دنیا کے کسی کونے میں چلے جایئے نفاق اور کشادہ رزق آپ کو اکٹھے نہ ملیں گے۔ محبت و نفرت یکجا نہیں ہو سکتیں۔ پانی اور آگ ایک دوسرے کا وجود.برداشت نہیں کر سکتے۔اور موم بتی جب آگ کو گلے لگاتی ہے تو نیست و نابود ہو جاتی ہے۔جب کوئی قوم لسانی علاقائی و فرقہ وارانہ عصبیتوں کے مرض میں مبتلا ہو جائے تو پھر وہ قوم نہیں رہتی بپھرا ہوا ہجوم بن جاتی ہے۔ جس کی شکست یقینی ہو جاتی ہے اور یہ اصولِ فطرت ہے۔

محب وطن لوگوں کے سینے میں دسمبر 1971 کا زخم آج بھی ہرا ہے۔بنگلہ دیش (چونکہ یہ لفظ ایک ہی قوم کو تقسیم کرگیا) کا لفظ آج بھی ان کے دل میں بھڑکی لگاتا ہے اور رخسار تر کر دیتا ہے۔ مکتی باہنی کے الفاظ آج بھی لب پر آئیں تو قلب میں ٹیسیں اُٹھتی ہیں ۔لرزہ خیز و انسانیت سوز مناظر آنکھوں کے سامنے ہلچل مچا دیتے
ہیں۔ بہنوں ' بیٹیوں کی زخم زخم روحیں چلا اُٹھتی ہیں۔تڑپتی ماؤ ں اور

سسکتے بچوں کی آہیں فضا سوگوار کر دیتی ہیں۔ شر پسندوں کے ہاتھوں ریزہ ریزہ ہونے والے اجسام تھر تھرانے لگتے ہیں۔ ہاتھوں' پاؤں اور پیشانی میں لگے کیلوں کے باعث لٹکتی لاشیں فلک شگاف چیخیں بلند کرتی ہیں۔ بوڑھوں 'ضعیفوں کے آنسو زمین سیراب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ لیکن بے حسوں کو اس سے کیا مطلب۔

جنرل نیازی ہو یا سرنڈر کرتا ہوا کوئی اور بشر عوام کے دل کل بھی اُن کی محبت سے خالی تھے اور آج بھی اُن کے قلوب ایسے اشخاص کے لیئے الفت کا مادہ رکھنے سے قاصر ہیں ۔ مگر اس سب کے باوجود ہم معاشی غلام کیونکر بن گئے ؟ ہمارے منصف ہمیں انصاف کیوں نہیں فراہم کرتے ' ہماری عدالتیں کیوں سرنگوں ہوتی رہیں' برے لوگ مسند اقتدار پر کیسے قابض ہوئے ؟ ملک کے غدار سبز ہلالی پرچم میں لپیٹ کے کیوں دفن کیئے گئے ؟ پاکستان کے فرزند اور بیٹیاں فروخت کرنے والا صدارتی پروٹوکول کے ساتھ کس لیئے رخصت ہوا؟ ملکی خزانے پر ہاتھ صاف کرنے والے اور قومی حمیت کا سودا کرنے والے بار بار کیوں برسر اقتدار آئے ؟ آئے روز اخلاقیات سے مبرا خبریں میڈیا کی زینت کیوں بنتی ہیں ؟ ملک تقسیم کرنے والے ہیرو کیسے بن گئے ؟ القاعدہ کہاں سے آئی کیوں آئی اور کیا اسکا وجود ہے بھی یا نہیں ؟ طالبان کے نام پر قوم کیوں بٹ گئی ؟ ایبٹ آباد آپریشن کیوں اور کیسے ممکن ہوا؟ کراچی و بلوچستان میں خون کے دریا کون اور کیوں بہا رہا ہے ؟ یہ وہ سوالات ہیں جو کسی زندہ قوم کیلیئے کسی قیامتِ صغریٰ سے کم

نہیں لیکن یہ سب کچھ ہمارے ہاں اس لیئے اور صرف اس لیئے معرض وجود میں آتا رہا کہ ہم ایک سرحد کی حدود میں تو رہ رہے ہیں مگر ہم نے ان ایشوز کو اپنی اپنی ذات کے اغراض و مقاصد کے آئینے میں پرکھتے رہے' قومی سوچ پنپنے سے قبل دم توڑتی رہی' ہمارے مابین جو اخوت 'ایثار و بھائی چارے کے رشتے ناطے تھے وہ ذاتی مفاد' نفس پرستی 'ہوس پرستی 'برادر کشی اور انتشار کی صورت اختیار کر گئے۔اسی اثناء میں ریاست کے وجود کے دشمن اس کے مالک بن بیٹھے ۔فرقہ واریت 'لسانیت اور علاقائیت کا اژدھا ہمارے اتفاق کو نگل گیا پھر نتیجہ یہ نکلا کہ خون آشام شامیں اور بہتی آنکھیں ہمارا مقدر بن گئیں۔

آج چونسٹھ برس بیت گئے ہم پاکستان کے نام پر 'اسلام کے نام پر' دو قومی نظریے کے نام پر اپنے عزیز و اقارب' دولت و ثروت الغرض سب کچھ قربان کر کے آنے والوں کو اپنا نہ بنا سکے 'مکین نہ کہہ سکے ۔ہجرت مدینہ کے بعد اخوت و بھائی چارے کی وہ عظیم مثال جس کی تاریخ عالم مثال لانے سے قاصر ہے یکسر بھلا بیٹھے۔مال و زر اور جائیداد تو کجا ایک صحابی رسول ﷺ نے اپنے مکہ سے آنے والے بھائی کو یہاں تک کہہ دیا کہ میری دو ازواج ہیں اگر آپ نکاح کرنا چاہیں تو میں ایک کو طلاق دے دیتا ہوں۔ حکم محبوب خدا کے آگے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

رحمت اللعالمین ﷺ کا فرمان پاک ہے" تمہارا ایمان اسوقت تلک کامل نہیں ہو جاتا جب تک تم جو اپنے لیئے پسند کرتے ہو اپنے بھائی کیلیئے وہی پسند نہ کرو" (او کما قال)۔ انکی تعلیمات سے انحراف کرکے حُب رسول ﷺ کا دعوی کرتے ہیں کیسا بھونڈا انداز ہے ہمارا۔ اپنی اُمت سے اس قدر الفت تھی کہ فرمایا" میرے کسی امتی کے پیر میں کانٹا چبھے تو اسکی مجھے بھی تکلیف پہنچتی ہے" (او کما قال)۔ تو کیا جب ہم اُمت حبیب خدا کو ایذا دیں گے' تفرقہ پھیلائیں گے تو انہیں دکھ نہیں پہنچے گا؟ اور کیا انہیں دکھ پہنچا کر ہم سکون سے رہ سکتے ہیں؟ کیا پھر رحمت خداوندی کا رُخ ہماری جانب سے پھر نہ جائے گا؟ احادیث' سنتوں اور قرآنی تعلیمات کے محض قولی اقرار سے ہمارا ایمان مکمل ہو جائے گا؟ فرمان الہی ہے: "نیکی یہ نہیں کہ تم نے عبادت کے وقت اپنا منہ مشرق کی یا مغرب کی طرف کرلیا' بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ ایمان لائیں اللہ پر' آخرت کے دن پر' فرشتوں پر' اللہ کی کتابوں پر اور اسکے نبیوں پر اور اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کریں رشتہ داروں پر' محتاجوں پر اور غلام کو آزادی دلانے پر اور زکوۃ ادا کریں اور جب کوئی عہد کریں تو اسے پورا کریں اور کوئی مالی پریشانی ہو یا جسمانی تکلیف اور جہاد میں صبر کریں اور ایسے لوگ ہی سچے اور پرہیزگار ہیں"۔ ہم نے یہ ملک کلمہ طیبہ کی بنیاد پر حاصل کیا تھا اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کے واسطے ہمیں زبانی جمع خرچ کے بجائے صدق دل سے اسی کلمہ پر ایک ہونا ہوگا و گرنہ ابلیس اور اسکے گماشتے ہمیں تتر بتر کردیں

گے۔

ذوق نظر اور قوتِ مشاہدہ سے محروم لوگ ہمیں لسانی و علاقائی حُب کا درس دیتے ہیں جو کہ ہمارے وجود کیلئے کسی زہر میں بجھی ہوئی تیز دھار تلوار سے کم نہیں۔ بقول شاعر

اِن تازہ خداؤں میں سب سے بڑا وطن ہے

جو پیرہن ہے اس کا وہ مذہب کا کفن ہے

فارسی مصرعہ ہے" ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدای ما است "ترجمہ: مسلمان جہاں رہے وہی اس کا وطن ہے۔ لہٰذا وہ دنیا کہ کسی خطہ و نسل سے تعلق رکھتا ہو مسلمان قوم کا فرد ہے۔ اللہ سے امان طلب کرکے یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ جنابِ مرزا کا فلسفہء وطن تو خود ان کے سندھی ہونے کی حمایت بھی نہیں کرتا۔ کیونکہ ان کے اجداد بھی باہر سے تشریف لائے تھے۔ اور اگر اس سلسلے کو پسِ منظر تک دیکھا جائے تو بنی نوعِ انسان کے باپ حضرت آدم بھی تو آسمان سے تشریف لائے تھے۔ مقامی نہ تھے۔ مگر کیا کیجئے فہم و ادراک کسی کسی کے مقدر میں آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انڈیا سے آنے والے مسلمان بھائیوں کو بھی اندازِ فکر بدلنا ہوگا۔

رہ گئی بات سیاسی مفادات کی جنگ کی تو اب ہمارے امراء کو استغفار کرنا چاہیے ۔ عوام ان کے ذاتی مفاد کی بھٹی میں سلگ رہے ہیں۔ کراچی کے طول و عرض میں آگ لگی ہے۔انسان کا خون ارزاں ہوگیا ہے۔ایک سال کے اندر 14 صد افراد ظلم و تشدد کے واقعات میں دم توڑ گئے۔ صرف جولائی 2011 میں 350افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سینکڑوں موٹر سائیکلوں گاڑیوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔اور خون کی اس بہتی گنگا میں سٹاک ایکسچینج کا سانس اکھڑنا لازمی امر ہوگیا اور کراچی سٹاک ایکسچینج کی مجموعی مالیت میں 6.7 فیصد کمی واقع ہوئی۔

کراچی ملک کا 60 فیصد ریونیو پیدا کرتا ہے۔ ملکی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اگر ملک بچانا ہے تو کراچی بچانا ہوگا۔ وگرنہ سب کچھ غارت۔ مسائل کا تجزیہ کرنے بعد اب صلاح کی نیت سے چند نکات پیش خدمت ہیں۔اول: تمام سیاسی جماعتوں کو کھلے دل سے ایک دوسرے کا ووٹ بینک تسلیم کر لینا چاہیے۔ دوم: کراچی کو کسی ایک جماعت کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے بجائے انتظامی نقطۂ نظر سے مختلف یونٹس (یا اضلاع) میں تقسیم کر دیا جائے۔اور انتظام وہاں کی منتخب پارٹی کے پاس ہونا چاہئے ۔ سوم: تمام سیاسی جماعتوں خصوصاً mqm, anp, pppاور کو اپنے کارکنان کی کانٹ چھانٹ کرنی چاہیے اگر کوئی شر پسند عناصر ان کی جماعت میں شامل ہیں تو انہیں فوراً سے پہلے گرفتار کروایا جائے۔ چہارم: عدلیہ' کچہری' پولیس اور جیلوں کے نظام کو شفاف بنایا جائے۔ تمام اداروں میں سیاسی مداخلت کی بیخ کنی

کی جائے۔اگر ان چیدہ چیدہ عوامل پر بھی عمل کر لیا گیا تو ،انشاءاللہ کراچی میں امن قائم ہو جائے گا۔

آخر میں فوجی آپریشن کے آپشن کی بات ہو جائے تو بہتر ہو گا۔آرمی ایکشن کبھی کسی مسئلے کا حل نہیں نکال سکتے۔اگر اتحادی کراچی آپریشن پر ہی مصر ہیں تو قبل از آپریشن عوام سے اس کے متعلق رائے لی جائے ۔اور اس مشکل مرحلے کو دیانت داری سے انجام دینے کے ساتھ ساتھ نتائج بھی عوام کے سامنے لائے جائیں ۔کیونکہ عوامی تائید وحمایت کے بغیر آپریشن فاش ترین غلطی ثابت ہو سکتا ہے۔اور مجھے یہ عرض کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اگر عوامی امنگوں کے برعکس کوئی بھی قدم اُٹھایا گیا تو پاکستان کو فالج کا اٹیک ہو سکتا ہے (اللہ محفوظ رکھے امین)۔

آیئے ہم سب مل کر یوم آزادی کے موقع پر یہ عہد کریں کہ ہم آج کے بعد مہاجر ٗسندھی ٗبلوچی ٗپٹھان یا کچھ اور بن کر نہیں فقط مسلمان اور پاکستانی بن کر سوچیں گے ٗعمل کریں گے ۔خواہ ہمارا تعلق کسی بھی رنگ ٗنسل اور مذہب وفرقہ سے ہو۔اور کسی بھی جماعت میں اپنی شمولیت کو لسانی علاقائی ٗگروہی اور فرقہ وارانہ بنیاد پر نہیں بلکہ حُب اسلام ٗمحبتِ وطن اور انسانیت کے ساتھ مشروط کریں گے۔وگرنہ۔۔

اصولِ قدرت ہے جہاں پھوٹ پڑتی ہے وہاں سے رزق اٹھا لیا جاتا ہے' رحمت و برکت ختم ہوتی ہے اور بالآخر وہ قوم بے رحم سرداروں اور دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو کر رہ جاتی ہے۔

محرومیوں سے سرائیکستان تک‘خیبر سے بلوچستان تک

آپ تاریخ عالم کے اوراق کھول کر دیکھ لیجئے۔جس ملک کی بھی تحریک آزادی یا صوبائی تقسیم کے باب کو زیر نظر لائیں گے اس کی عمارت کی وجوہات محرومیوں ‘اداسیوں‘اور ظلم و ستم کو ہی پائیں گے۔آزادی وعلیحدگی کے جتنے بھی معتبر رہنما گزرے ہیں سب نے قوم کو پسماندگی سے نکالنے ‘غربت مٹانے ‘اور غصب شدہ حقوق حاصل کرنے کیلئے علم بغاوت بلند کیا۔فرق اتنا ہے کہ کسی نے لسانی تو کسی نے نسلی ‘علاقائی یا مذہبی بنیاد پر اپنا حق مانگا۔اگر تعصب کا چشمہ اُتار کر دیکھا جائے تو یہ بات ایک کھلی حقیقت بن کر سامنے آتی ہے کہ ہر زبان‘نسل‘یاعلاقہ کا اپنا کلچر‘تہذیب و ثقافت اور فلسفہ حیات ہے۔جسے اگر دینی سانچے میں بھی ڈھال لیا جائے (جو کہ بحیثیت مسلمان ہمارا فرض عین ہے) تو آج تک کوئی ایسا الہامی مذہب و فقہ معرض وجود میں نہیں آیا جو ان کے حقوق کو اجتماعیت کے نام پر غصب کرنے کا درس دیتا ہو‘جو ان کی محرومیوں اور پسماندگیوں کو ان کا نصیب قرار دیتا ہو‘جو ان کی خون پسینے کی کمائی (ٹیکس و دیگر ریونیو) کو ان پر خرچ کرنے میں مانع ہو۔جو آمر مرکز کی شاہ خرچیوں کو ان کی فلاح و بہبود پر ترجیح دیتا ہو۔جو ان کے بھوک سے بلکتے بچوں کو روٹی کا لقمہ دینے کی ممانعت کرتا ہو۔جو ان کے مریضوں کی حصولِ علاج کی خاطر بسوں ‘ریڑھیوں اور گدھا

گاڑیوں پر دورانِ سفر واقع اموات کو شہادت کا درجہ دیتا ہو۔ جو ان کے برہنہ بچوں کو قلم ولباس کی فراہمی پر اعتراضات کرتا ہو۔ نہیں نہیں ایسا دین و فلسفہ ماسوائے ظالم و جابر اور انا پرستوں ومفاد پرست سیاستدانوں کے دماغوں کے کہیں وجود نہیں رکھتا۔
آپ 2008 کے مابعد کے اخبارات کی شہ سرخیاں اُٹھا کر دیکھ لیجئے آپ کو سوائے شوشوں' مفروضوں' ڈھکوسلوں 'فسادات و قانون کی بکھرتی دھجیوں کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ یہ تمام بیانات مختلف شعبہء ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے ہوں گے۔ جن میں تخت نشیں و پردہ نشیں برابر کے شریک ہیں۔ اگر difference ہے تو فقط پنجوں اور چہروں کا۔ ان کی زبان 'لب ولہجہ اور منزل مقصود ایوان سے ایوان تک ہی محدود ہے۔ معاشی بقاء کے وسائل محدود کر دینا ان کی سرشت میں شامل ہے۔
بمشکل ایک ہی عشرہ گزرہ ہو گا کہ جب جنوبی پنجاب کے باسیوں کے رستے زخموں پر صرف اس لیئے نمک چھڑکا گیا کہ اس سے ڈانواڈول تخت کی بادِ مخالف کمزور و ناتواں ہو جائے گی اور اقتدار کا جہاز دو چار میل کا سفر پُرسکون طریقے سے طے کر لے گا۔ اس سیاسی شطرنج میں ہار جیت کسی کی ہو گی اس کا فیصلہ وقت ہی کرے گا۔ لیکن اس فضا سے جنوبی پنجاب کو "کُبے والی ضرور لگ گئی ہے"۔ صوبے کا

نام سرائیکی صوبہ ہو یا کوئی اور بہر طور اس کی زبان سرائیکی ہی ہو گی۔ لیکن اس فضول بحث سے بچ نظر اگر دنیا کے دوسرے ممالک کی جانب نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انڈیا میں 35 صوبے ہیں۔ چائنہ کی 1 ارب اور 35 کروڑ کی آبادی کیلئے 23 صوبے اور پانچ ریاستیں ہیں' ترکی کی 7 کروڑ اور 81 لاکھ آبادی کیلئے تقریباً 25 صوبے ہیں' بنگلہ دیش کی 15 کروڑ 85 لاکھ آبادی کے واسطے نو صوبے ہیں' افغانستان کی ساڑھے تین کروڑ آبادی کیلئے 34 صوبے ہیں' جرمنی کی 8 کروڑ آبادی کیلئے سولہ صوبے ہیں' سوئٹزر لینڈ کی 65 لاکھ آبادی کیلئے 26 صوبے ہیں' اور ہمسایہ ملک ایران کی ساڑھے چھ کروڑ آبادی کی خاطر قریبًا 34 صوبے ہیں تو پھر پاکستان کی 18 کروڑ سے زائد آبادی کیلئے چار صوبوں پر ہی کیوں اکتفا کیا جاتا ہے؟ شاید اس لیئے کہ ہماری عوام اور سیاست ابھی میچور نہیں ہوئے۔

جبکہ ماہرین کے مطابق نئے صوبوں کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن سیاسی افراتفری میں یہ تحاریک گم ہوتی نظر آتی ہیں۔ کیونکہ قانون دانوں کے مطابق حکومت کو قومی اسمبلی و سینٹ میں دو تہائی جبکہ پنجاب اسمبلی میں سادہ اکثریت حاصل کرنا ہو گی۔ جس کے لئے حکومت کو پہلے سٹیپ پر پنجاب اسمبلی میں سادہ اکثریت حاصل کرنا تھی۔ جسے حکومت ق لیگ کے ذریعے قرارداد پیش کروا کے مزاحمت کے شدید زخموں سے چُور ہے۔ لیکن مبادا اس کا مقصد پورا ہو گیا ہو۔

اگر سیاسی چال بازیوں سے ہٹ کر بات کی جائے تو یہ مشورہ دل کو لگتا ہے کہ چاروں صوبوں کے معزز افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے۔جو ملک میں کسی بھی تعصب سے بالاتر ہو کر انتظامی' سماجی' معاشی' زرعی' صحت و تعلیم اور دیگر سہولیاتِ حیات کو سامنے رکھتے ہوئے نئے صوبوں کی حدبندیوں اور قیام کے حوالے سے غور کریں اور اپنا تجزیہ پیش کریں۔تاکہ پارلیمنٹ مناسب وقت پر بالغ فیصلہ کرے ۔کیونکہ نئے صوبوں کا قیام ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔خاص طور پر بہتر نظم و نسق چلانے کیلئے پنجاب کے جنوبی اضلاع بشمول بھکر' ڈیرہ اسماعیل خان ومیانوالی پر مشتمل ایک صوبہ جس کا دار لحکومت صوبے کے وسط میں ہو' اور ہزارہ صوبے کا قیام ناگزیر ہو گیا ہے۔جبکہ بلوچستان کے دو صوبے بنانے سے وہاں نسلی فسادات میں انشااللہ کمی آئے گی۔نیز فاٹا کے عوام کی خواہش کے مطابق اسے بھی صوبے کا درجہ دینا ہو گا تاکہ خیبر سے بلوچستان تک بھی سکون کی فضا قائم ہو سکے۔اور کراچی و حیدر آباد پر بھی غور کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ وہاں کے مکین اعتراض نہ کریں۔

اِن نازک حالات میں جب ملک کو غربت' بے روزگاری' مہنگائی و لوڈشیڈنگ کے عذاب مسلسل کا سامنا ہے اور کراچی' مالاکنڈ' سوات وزیرستان' بلوچستان و خیبر پختون خواہ دہشت گردی' بدامنی اور ٹارگٹ کلنگ کی لپیٹ میں ہیں اگر سیاسی تیز ے ترکش سے باہر نکالے جاتے رہے تو ملکی سلامتی کا جنازہ نکل سکتا

ہے۔ لہٰذا عوام سمیت امراء کو اپنے مزاج میں تبدیلی لانا ہو گی۔ ہمیں نئے صوبے بنانے چاہیئے ضرور بنانے چاہیئے۔ اس سے مایوسیاں کم ہوں گی' نفرتیں دم توڑ جائیں گی لیکن ہمارا نصب العین مسائل کا حل ہونا چاہیئے نہ کہ نسلی و لسانی تعصبات۔ اس واسطے محرومیوں سے سرائیکستان تک کی تحریک کو غلط موڑ دینا ہرگز ملکی مفاد میں نہیں ہو سکتا۔ اس سے قبل کہ "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" کی مثل ہم پر صادق آئے ہمیں اور ہمارے تمام سیاستدانوں کو منافقت' مفاد پرستی' لسانیت' صوبائیت اور پارٹی نامی درندے کے حصار سے نکل کر پاکستانی اور مسلمان بن کر سوچنا ہو گا۔

سُرخ عید اور محمود غزنوی

دسویں صدی عیسوی میں جب بغداد کے خلفاء کی فوجی قوت ماند پڑنے لگی تو وسیع و عریض اسلامی سلطنت کے طول واطراف میں خود مختار ریاستیں جنم لینے لگیں۔اسی عرصئہ میں سلطنتِ سامانیہ کا قیام عمل میں آیا۔خود مختار سامانیہ ریاست کے پانچویں سلطان عبدالمالک کے پاس ایک الپتگین نامی غلام تھا۔جو بادشاہِ وقت کو بھان متی کے کرتب دکھا کر اُس کا دل بہلایا کرتا تھا۔لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔لہٰذا اس ترک غلام کی ذہانت نے عبدالمالک بن نوح کو کافی متاثر کیا۔جس بناء پر سلطان نے اُسے درباری عہدے سے نوازا۔اپنی قابلیت اور وفاداری کے بل بوتے پر سبکتگین ترقی کرتا ہوا خراسان کا گورنر بن گیا۔اسے دربار میں اس قدر عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کہ عبدالمالک کی رحلت کے بعد درباری امراء نے بذریعہ خط اس سے پوچھا کہ تخت وتاج کسے عطاء کیا جائے؟الپتگین نے کچھ وجوہات کی بناء پر عبدالمالک کی تخت نشینی کے خلاف ووٹ دیا۔لیکن اس سے قبل کہ اس کی رائے درباری امراء تک پہنچتی منصور پایہء تخت سنبھال چُکا تھا۔جب منصور کو اِس مخالف خط کی خبر ہوئی تو اُس نے الپتگین کو دربار میں حاضر ہونے کا حُکم صادر کر دیا۔دربار میں حاضری اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھی۔چُنانچہ الپتگین 3 ہزار کی سپاہ لے کر کوہ سلیمان کے وسطی علاقہ غزنی کے

مقام پر جا وارد ہوا۔اور ہرات 'سیستان اور بلخ کے علاقوں پر مشتمل ایک آزاد ریاست کی بنیاد ڈالی۔مگر دو سال بعد 963 عیسوی میں اس دارفانی سے کوچ کر گیا۔اس کی موت کے بعد اس کے فرزند ابو اسحاق کی تاج پوشی عمل میں آئی۔لیکن دو سال بعد وہ بھی فنا ہو گیا۔دو ترک غلام تخت نشیں ہوئے لیکن نظامِ سلطنت ڈگمگاتا گیا۔اس نازک موقع پر دربار کے امراء نے سلطانی کے جوہر بھانپتے ہوئے اپنی دقیق رائے استعمال کی اور سبکتگین کو اقتدار نواز دیا۔کچھ تاریخ دان رقمطراز ہیں کہ سبکتگین درحقیقت ایران کے شاہی خانوادے کا شہزادہ تھا۔جسے کسی بے رحم نے سن بلوغت سے قبل اغواء کر کے بیچ ڈالا تھا۔جسے بالآخر الپتگین بادشاہ نے بخارا کے سوداگر ناصر سے خریدا۔جو اپنی قابلیت کے عوض فوج کا سپہ سالار بنا اور پھر الپتگین نے اپنی دختر بھی اُس کے نکاح میں دے دی۔

جب سبکتگین بادشاہ بنا تو اُسوقت پنجاب پر راجہ جے پال کی حکمرانی تھی۔جس کی ریاست کی حدود بٹھنڈہ سے لے کر دریائے سندھ کو عبور کرتی ہوئی پشاور تک تھی۔ جبکہ جے پال کا دارلحکومت لاہور تھا۔

شمال مغرب میں مسلمان سلطنت کے قیام نے جے پال کے اندر تعصب کی آگ جلادی ۔وہ اس سلطنت کو مضبوط ہونے سے قبل ہی نیست ونابود کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔اسی

اثناء میں اس نے ایک عظیم لشکر تیار کیااور پشاور اور کابل کے وسط میں لمغان کے مقام پر جا ڈیرے ڈالے۔دوسری جانب سے سبکتگین فوج لے کر آیا اور دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آ گئیں۔جنگ کے دوران سبکتگین کے بیٹے محمود نے اپنی شجاعت کا خُوب مظاہرہ کیا۔اس سے پہلے کے جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوتی قدرت نے اچانک برف برسادی۔سرد و تند ہوا کا طوفان نازل ہوا۔افغانیوں کو اتنی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا کہ وہ برفانی تھے لیکن ہندوؤں نے یہ عذاب پہلے نہ دیکھا تھا۔جب لحاف اور رضائیاں نہ ملیں تو ان کے جسم اکڑ گئے۔ہزاروں کی تعداد میں ہندو لشکر کے سپاہی سردی کی تاب نہ لا کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔جو بچ گئے اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ راجہ جے پال نے پریشانی کے عالم میں صلح کا پیام بھیجا۔سبکتگین نے مشاورت کی تمام امراء نے صلح کی حمایت کی۔مگر محمود نے کہا کہ دشمن خود ہماری جانب آیا ہے اس لیئے یہ بہتر نہ ہوگا کہ اُسے اس قابل چھوڑ دیا جائے کہ وہ پھر لشکر جرار تیار کر کے ہمیں اذیت دے۔لیکن سبکتگین نے اپنے فرزند کو سمجھایا کہ حریف کی کمزوری سے فائدہ حاصل کرنا مردوں کا کام نہیں۔آخر جے پال سے صلح ہو گئی۔تاوان جنگ مقرر ہوا۔راجہ سبکتگین کے آدمی لاہور لے گیا کہ وہاں جا کر تاوان جنگ ادا کرے گا۔لیکن لاہور پہنچ کر برہمنوں نے اُسے بھڑکایا کہ تاوان دینے میں ذلت ہے اور خراج دینے سے خوب بدنامی ہوگی۔راجہ نے ان کے

باتوں میں آ کر تاوان دینے سے انکار کر دیا اور سبکتگین کے آدمیوں کو جیل بھجوادیا۔ جب سبکتگین کو جے پال کی وعدہ خلافی کی اطلاع ملی تو اُس نے اپنے ساتھیوں کو آزاد کروانے اور راجہ کی دوہری زبان کو سزا دینے کا ارادہ کرلیا۔ اور اس کے سوا کوئی راہ بھی نہ تھی۔ چناچہ مسلمان بادشاہ ہونے کے ناطے سبکتگین نے اعلان جہاد کیا۔ جری و باہمت جوان ہر کونے سے اُس کے لشکر میں آ شامل ہوئے جنھیں لے کر سبکتگین غزنی سے نکل پڑا۔ دوسری سمت جے پال کو جب اسلامی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو اس نے دہلی کالنجر' قنوج اور اجمیر کے راجاؤں سے یہ کہہ کر امداد طلب کی کہ پنجاب ہندوستان کا دروازہ ہے۔ اگر مسلمان اس پر قابض ہوگئے تو پھر تمہیں بھی ایک دن اپنی ریاستوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ یہ وطن کی لاج رکھنے کا لمحہ ہے۔ جے پال کے اِس پُر جوش پیام نے راجوں کو نرم کر دیا اور دھرم کا معاملہ بھی تھا لہٰذا انھوں نے دل کھول کر مالی امداد کی اور مشکل وقت میں فوج سمیت پہنچنے کے عزم کا اظہار بھی کیا۔ راجہ ہندوستانی لشکر لے کر اپنی سلطنت کی سرحد پشاور پر جا پہنچا اور سبکتگین کو روکا۔ راجہ کے پاس ایک لاکھ سے زائد لشکر تھا جبکہ سبکتگین کی فوج اس کا چوتھا حصہ بھی نہ تھی۔ ہندو بے جگری سے لڑے لیکن اللہ کو تکبر کو خاک میں ملانا تھا۔ لہٰذا غزنوی بہادروں کے ہاتھوں دشمن گاجر مولی کی مانند کٹنے لگا۔ ٹڈی دل فوج

ہزار ہا لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلی۔قد آور بہادر اور رحمدل سبکتگین کی افواج نے دریائے سندھ تک پیچھا کیا جس کے نتیجے میں موجودہ خیبر پختونخواہ تک کا علاقہ سبکتگین کے قبضے میں آگیا جہاں وہ فوجی چھاؤنی قائم کرکے غزنی لوٹ گیا۔ بیس سال حکومت کرنے کے بعد 997ء میں سبکتگین انتقال کرگیا۔

سبکتگین کی وفات کے وقت محمود خراسان کے مرکز نیشاپور میں تھا۔جب کہ اس کا چھوٹا بھائی اسماعیل غزنی میں موجود تھا۔اُس نے وقت سے فائدہ اُٹھا کر تخت پر قبضہ جما لیا۔ محمود نے اسے کہلوا بھیجا کہ اگر تمہاری عمر اور تجربہ اس وسیع سلطنت کی ذمہ داریاں اُٹھانے کے قابل ہوتے تو مجھے تمہاری تاج پوشی پر مُسرت ہوتی لیکن مجھے اہل خاندان اور مملکت کی فلاح اسی میں دکھائی دیتی ہے کہ تم نقد ترکہ شریعت کے بموجب بانٹ کر غزنی کو میرے حوالے کردو۔ تمہارے لیئے میں خراسان و بلخ کا علاقہ فتح کر دیتا ہوں۔ اسماعیل خوش آمدی امراء کی باتوں میں آکر محمود کے قتل پر رضامند ہوگیا۔ محمود دربار سے ہر لحہ باخبر رہتا تھا۔لہٰذا آخری حل کے پیش نظر فوج لے کر اسماعیل کی جانب آیا۔جنگ کا میدان محمود کے ہاتھ رہا' اسماعیل کی گرفتاری کے بعد محمود نے اُس سے اچھا سلوک کیا۔

سال کی عمر میں محمود تخت نشین ہوا۔اُس نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ محمود نے 24 مرکزی اسلامی حکومت سے ناطہ جوڑنے کی غرض سے خلیفہء بغداد القادر باللہ سے اپنی حکومت کی توثیق چاہی۔القادر باللہ نے سند عطاء کر دی۔

محمود کے تخت پر جلوہ افروز ہونے کی اطلاع جب تخت لاہور کو ہوئی تو راجہ پھر حسد کے حصار میں جلنے لگا۔ سبکتگین سے شکست کے گھناؤنے زخم کھانے کے بعد ایک مرتبہ پھر یلغار کی تیاری کرنے لگا۔اُس کا خیال تھا کہ سبکتگین تو تجربہ کار جرنیل تھا جس کی وجہ سے وہ قوت زیادہ ہونے کے باوجود پسپا ہوا۔لیکن چونکہ محمود کا تجربہ ناکافی ہے اور وہ تخت و میدان میں ابھی نیا ہے اس لیئے بازی اُسی کے ہاتھ آئے گی۔اپنا گم شدہ مقام اور کھویا ہوا علاقہ واگزار کرانے کی غرض سے پشاور کی جانب پیش قدمی کی۔ محمود بھی دس ہزار جانثاروں کے ساتھ سامنے آگیا۔گھمسان کا رن پڑا۔ہندو کافی تعداد میں کام آئے اور جے پال گرفتار ہوا۔راجہ کا اسلامی سلطنت سے بغض منظر عام پر آگیا۔دو مرتبہ سبکتگین پر حملہ اور تیسری دفعہ محمود کو زیر کرکے افغانیوں کو بے آسرا و بے وطن کرنے کی نیت مسلمان بادشاہ کے لیئے نہایت حوصلہ شکن تھی ۔ایسے میں تاریخ گواہ ہے کہ فاتح مفتوح کا نام و نشان مٹادیا کرتے تھے۔اور خصوصًا راجہ کی بدعہدی اور خراج نہ دینا انتہائی مذموم اقدام تھے ۔اور ایسے بدترین دشمن کے لیئے موت سے کم سزا تاج کی بقاء کے لئے خطرہ تھی لیکن اس سب

کے باوجود باپ کی اعلیٰ تربیت اور دین فطرت کے انسان دوست اصول محمود کی طبیعت پر غالب تھے ۔۔ لہٰذا جب راجہ کے فرزند انند پال نے فدیہ و خراج کے عوض باپ کی رہائی کے لیئے دست دراز کیا تو محمود نے جے پال کو آزاد کر دیا۔

جے پال سبکی کے کئی وار سہ چکا تھا۔ بار بار کی شکست نے اسے کے اعصاب کو کمزور کر دیا۔ لیکن اُس نے اپنی حیات کا خاتمہ بھی ایک چال پر کیا اور چتا میں اس لیئے جل کر مر گیا کہ ہندو دھرم کے راجے اور اس کا بیٹا محمود و اسلامی سلطنت پر بیخ پا ہو جاویں گے اور راجوں کے انتقام کی آگ میں اسلامی سلطنت جل کر راکھ ہو جائے گی۔

جے پال کی خود کشی کے بعد انند پال لاہور کے تخت پر بیٹھا۔ وہ خراج دینے کے ساتھ ساتھ جنگی تیاریوں میں بھی مصروف رہا۔ ہندو راجے بھی انند پال کے والد کی اندوہناک موت سے متاثر ہو کر اپنی فوجیں تیار کرتے رہے۔ بالآخر

مالوہ، گجرات، اجین، دہلی، اجمیر، متھرا اور گوالیار کی فوج ظفر موج کے ساتھ جے پال کا بیٹا سرحد کی جانب بڑھا۔ پشاور کے نزدیک حق و باطل کی فوجیں ٹکرا گئیں ۔ چالیس روز تلک جنگ جاری رہی ۔ راجپوت سپوت بے جگری سے لڑے ۔ محمود کی سپاہ قلیل تھی ۔ دشمن ڈٹ کر مقابلہ کر رہا تھا۔ مختلف جنگی حربے آزمانے کے بعد بھی جب دشمن کا زور ٹوٹتا نظر نہ آیا تو محمود زمین پر قبلہ رخ ہو کر سجدہ ریز

ہو گیا۔ عجز وانکساری اور نم رُخسار کے ساتھ بارگاہ رب العزت سے مدد طلب کرتا رہا۔جب دل سنبھلا اور قوت محسوس ہوئی تو جذبہء شہادت میں سرشار ہو کر اپنے زیر رکاب دستہ سمیت مخالفوں پر ٹوٹ پڑا۔مگر باطل افواج چند قدم ہٹ کر پھر سنبھل گئی۔اسی اثناء میں سلطان محمود کی نگاہ راجہ انند پال پر پڑی جو ہاتھی پر سوار
تھا۔ تیراندازوں نے سلطان کے حکم پر نیزہ ہاتھی کی آنکھ کی میں گاڑ دیا۔ہاتھی درد سے چلایا اور اپنی ہی فوج کو روندتا ہو پیچھے کی جانب دوڑا۔ہندی افواج نے سمجھا راجہ بھاگ رہاہے۔یہ منظر ان کے بلند حوصلے زمین بوس کرنے کیلئے کافی تھالہذا وہ بھی دُم دبا کر بھاگ نکلے۔

انند پال کانگڑہ (نگرکوٹ) کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ محمود بھی پیچھا کرتا ہوا یوں قلعہ تک جا پہنچا۔قلعے کے اطراف میں خندق تھی اور اس کی عمارت بھی 1010 سنگلاخ و سانپ کی چال کی مانند بل کھاتی ہوئی پہاڑیوں کے بیچ تھی۔اسی واسطے یہ محفوظ ترین قلعہ تصور کیا جاتا تھا۔مگر حق کے جانبازوں کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ گئی۔اور مجاہدین اسلام کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے۔انند پال اور نگرکوٹ کا حاکم بھاگ کھڑے ہوئے۔اسلامی لشکر 8 سو کلو گرام سونا اور چاندی لے کر مرکز کی جانب چل پڑے۔اسکے بعد سلطان نے ان افراد کا محاصرہ کیا جنھوں نے انند پال کا ساتھ دیا تھا۔ 1010 میں ملتان کے حاکم ابوالفتح کو شکست دی اور غزنی کے قلعے میں نظر بند کردیا۔پھر 1018 میں متھرا

کے راجہ کو شکست دی۔اس کے بعد قنوج پر حملہ کیا جس کا ذکر ہم آخر میں کریں گے۔ 1021 میں انندپال کے فرزند کو راولپنڈی کے قریب شکست دی جس کے بعد لاہور پر قبضہ ہو گیا اور وہاں اپنے غلام ایاز کو گورنری سونپ کر پلٹ گیا۔ان تمام علاقوں کو یکے بعد دیگرے فتح کرنے کے بعد سلطان نے سومنات کے مندر کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔یہ مندر گجرات کے علاقہ کاٹھیاوار میں تھا۔یہ ہندوؤں کیلئے مقدس مقام تھا۔ہزار پجاری ہمہ وقت موجود رہتے تھے۔دس ہزار دیہاتوں کی آمدنی سومنات کے نام تھی۔محمود بہاولپور کے بے آب وگیاہ صحرا سے ہوتا ہوا اجمیر پہنچا۔وہاں کا راجہ دوڑ گیا۔پھر انہلواڑہ پہنچا تو وہاں کے راجہ بھیم دیو نے بھی بھاگ جانے ہی میں بہتری سمجھی۔اب محمود سومنات کی جانب بڑھا جو اس کے خلاف سازشوں کا گڑھ تھا۔یہاں محمود کے خلاف حکمت عملی ترتیب دی جاتی اور پھر اسے ہند میں حکم نامے کی طرح پھیلا دیا جاتا۔راجوں کیلئے یہ حکم نامہ قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔محمود سے پہلے مندر کی محافظی فوج نے جنگ لڑی۔اور پھر آئے روز نئی کمک سے نبرد آزما ہونا پڑا۔تیسرے روز فاتح کی حیثیت سے مندر میں داخل ہوا۔پجاریوں نے ہیرے جوہرات پیش کئے مگر محمود نے کہا میں بت فروش کے بجائے بت شکن کہلانا چاہتا ہوں۔اور پھر فولاد کے راڈ سے بت کو پاش پاش کر دیا۔اسکے بعد شمالی ہند میں محمود کے خلاف سازشیں دم توڑ گئیں۔

اب آخر میں فتح قنوج کا ذکر کرتے چلیں ۔ قنوج کے راجے نے بھی محمود کے خلاف انند پال کی مدد کی تھی۔اسی وجہ سے محمود نے 1019 میں قنوج پر حملہ کیا۔ محمود کے پاس فقط ایک لاکھ سپاہی تھے۔ جبکہ راجہ کے پاس تیس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیدل فوج تھی۔ محمود غزنوی کچھ لمحات کیلئے اضطراب کی حالت میں گھر گیا۔پیشانی پر پریشانی کی شکنیں پڑ گئیں۔ مگر مرد مجاہد رات کی تاریکی میں کائنات کے مالک کے سامنے جھولی پھیلا کر گڑگڑاتا رہا۔ عزم صمیم تھا' الفاظ پرتاثیر تھے۔ بقول شاعر

دل سے جو دعا نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

صبح جب ہوئی تو اللہ کی قدرت جلوہ گر ہوئی۔ شہر سنسان ہو چکا تھا۔ مکانات خالی ہو چکے تھے۔ راجہ چند فوجیوں کے ہمراہ آ رہا تھا۔ محمود نے سجدہ شکر ادا کیا۔ پھر راجہ کے سینے سے لگ گیا۔ تخت راجا کو دیکر پلٹ گیا۔

آج جب اپنی ہی ریاست کے طول عرض میں سازشیں پنپ رہی ہیں۔ تو ایسا لگتا ہے سومنات پھر جاگ اُٹھا ہے۔جب جُھوٹ و بدعہدی کا ذکر زور پکڑتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے ہاں کوئی جے پال ہو اور برہمن اسے ورغلا رہے ہوں۔جب بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ اسماعیل خود غرض

درباریوں کی باتوں کو نسخہ کیمیا سمجھ کر محمود کے قتل اور اسلامی ریاست کو انتشار کے حوالے کرنے پر رضامند ہو چکا ہے۔آج مفتوح ہے لیکن کوئی مہربان سبکتگین یا اس کا فرزند محمود نہیں موجود۔ اعداد و شمار کے مطابق کراچی کی آبادی ایک کروڑ اسی لاکھ ہے۔جس میں 32ہزار پولیس اہلکار ہیں ۔اور 112 تھانے ہیں۔اور اس سب کے باوجود جولائی 2011 سے 24اگست تک 306 قتل ہو چکے ہیں ۔جن میں سے سترہ بوری24 بند لاشیں اور آٹھ افراد کے گلے کٹے ہوئے تھے۔آج پھر سجدائے قنوج کی ضرورت ہے۔ اعداد و شمار واضح کرتے ہیں کہ کراچی کا چپہ چپہ اہل کراچی کے خُون سے رنگین ہو چُکا ہے۔آج جب آزردہ مائیں' بے آسرا بچے اور لُٹی ہوئی دلہنیں اپنی ہی وطن میں سُرخ عید منا رہے ہیں تو آج پھر کسی محمود غزنوی کی اشد ضرورت ہے۔جو کسی لالچ میں آئے بغیر سازشوں کے مرقع کا قلع قمع کر دے اور ارض وطن کو جے پال' انندپال کے نقش قدم پر چلنے والے اور برہمن کے اشارے پر ناچنے والے سفاک' بدعہد' اور انسانیت کے دشمنوں سے نجات دلائے۔اور ابوالفتح کو اسلام سے غداری کی سزا کے طور پر نظر بند کر دے۔

جہاں روٹی زہر سے سستی ہو

بھوک ' افلاس اور مایوسی کے سایوں تلے پروان چڑھتے زرد چہرے بسا اوقات نہ صرف اپنی راہ بھول جاتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی بھٹکانے میں ابلیس اور اُس کے حواریوں کی خاطر خواہ امداد کرتے ہیں ۔اور یوں یہ سلسلہ سینہ بہ سینہ کئی نسلوں تک پھیل کر کسی بھی ریاست کی بنیادوں کو دیمک لگانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ شاذونادر تو ایسے افراد آسمانی کتب میں غوطہ زن ہو کر ایسا مذہب نکال لاتے ہیں جو آفاقی دین کی اصل روح کو ہی مسخ کر دیتا ہے۔ریاست لحہ بہ لحہ روبہ زوال کی جانب پیش قدمی جاری رکھتی ہے۔چور' ڈکیت' اُچکے' دہریے اور اخلاقی حدوں سے کوسوں دور بیٹھے افراد مسند اقتدار پر فائز ہوتے رہتے ہیں۔ ظلم آخری حدوں کو چھونے لگتا ہے۔انسان تو کُجا جانور بھی وہاں پریشان حال ہوتے ہیں۔ کبھی زمین پر پناہ ڈھونڈتے ہیں تو کبھی فلک کی جانب مُنہ اُٹھا کرانسان کی وحشت پر نوحہ کناں ہوتے ہیں۔جس بستی 'جس شہر'جس ملک میں انسان کی سانسیں بے دریغ اکھڑ رہی ہوں'جہاں بنی آدم کا خون پانی سے ارزاں ہو'جہاں آئے روز بنت حوا کی عصمت دری کی شرح بڑھ رہی ہو'جہاں اپنے ہی جگر گوشوں کو غُربت سے تنگ آئے دست ذبح کر ڈالتے ہوں'جہاں سرِشام ودن دیہاڑے سڑکیں 'گھروہر ہنستی بستی جگہ ذبیح خانہ بنی رہتی ہو'جہاں کرپشن 'لوٹ مار'بھتہ خوری'اور دہشت گردی کی

سرپرستی "ذی حشم بڑے" کرتے ہوں'جہاں جنسی انارکی دس سے بارہ برس کے بچوں میں عود آئی ہو'جہاں ذرائع ابلاغ واحیات مناظر دکھانے میں شیر سے بھی زیادہ بہادر اور بھیڑیئے سے بھی زیادہ بھیانک ہوں'جہاں کے فلسفی ودانشور بازار میں بکتے ہوں'جہاں کے درو بام پر الزام ودشنام طرازی کی کالی گھٹا چھائی ہو'جہاں کی نیشنل اسمبلی کے ایک ممبر کے ماہانہ اوسط اخراجات 32 لاکھ سے تجاوز کر جاتے ہوں'جہاں کی قومی اسمبلی کا حجم کسی بھی ترقی یافتہ ملک کی نیشنل اسمبلی سے زیادہ ہو'جہاں کے 543 م۔این۔اے کے ایک اندازے کے مطابق (گوگل) نو ہزار کروڑ کے لگ بھگ رقم پانچ سالہ پروگرامِ جمہوریت میں ہڑپ کرنا اپنا حق سمجھتے ہوں۔وہاں جی ہاں وہاں کمینگی اور وحشت کا راج نہیں ہوگا تو کس کا ہوگا؟؟ایک محتاط اندازے کے مطابق ارضِ وطن کے آٹھ کروڑ سے زائد بشر خوراک کی کمی کا شکار ہیں۔ایس۔ڈی۔پی۔آئی کی رپورٹ کے مطابق اس مقدس سرزمین پر 48.6 فیصد انسانوں کی حیات کے چراغ غذا کی عدم دستیابی سے ٹمٹمارہے ہیں۔جب کہ عالمی بینک کے 2011 کے جاری کردہ اعدادوشمار کے مطابق دنیا میں 44 ملین باشندے غربت کی انتہائی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔اورانہیں اپنے شکم کی آگ کو سرد کرنے کیلئے گندم'خوردنی تیل اور مکئی وغیرہ جیسے بنیادی اجزائے غذا بھی دشوار گزار مرحلوں سے گزرنے کے بعد میسر آتے ہیں۔بقول نذیر اکبر آبادی

دیوانہ آدمی کو بناتی ہیں روٹیاں

خود ناچتی ہیں ، سب کو نچاتی ہیں روٹیاں

پیٹ کا جہنم ہی ہے جو جن وانس اور جانوروں کو پورا دن معاشی تگ ودو میں سرگرداں رکھتا ہے۔ بھوک مٹانے کی دوڑ میں پاکستان دن بدن پیچھے جارہا ہے۔کہنے کو توپاکستان 2025 میں اٹھارواں بڑا اقتصادی ملک بن جائے گا۔ لیکن ہمارا بھیک کا ہنر اقوام عالم میں طشت از بام ہے۔ملک کے طول واطراف میں اکثر فروٹ اور ترکاریاں کے نرخ سو روپے فی کلو گرام تک جا پہنچے ہیں۔پینتالیس فیصد سے زائد خواتین انیمیا (خون کی کمی) کا شکار ہیں۔ملک کی نصف آبادی معیاری خوراک سے محروم ہیں۔ہم وطن جا بجا محرومیوں اور ہوشربا مہنگائی کے ہاتھوں تنگ آکر اپنے ہی جسم کے اعضاء کٹوا کٹوا کر فروخت کر رہے ہیں ، چند غربت زدہ مسیحا (ڈاکٹرز) بھی اندھیرے میں مریضوں کے اعضاء کاٹ کر اسمگل کے ذریعے اپنی معاشی پسماندگی کا غم غلط کرنے میں مصروف ہیں ، سینکڑوں خواتین مایوسی کے اندھیروں میں عصمت فروشی جیسا قبیح فعل اختیار کر چکی ہیں اور یہ شرح روز بروز بڑھ رہی ہے ، لوڈشیڈنگ کا اژدھا پھن پھیلائے ہماری صنعت وزراعت کو نگل رہا ہے ' ' مگر پچاس فی صد پانی کو رائیگاں کرنے پر ہم مصر ہیں امن وامان کی ناقص صورتحال کی بناء پر ملکی سرمایہ باہر منتقل ہو رہا ہے مگر مجال ہے جو ، امراء ہوش کے ناخن لیں ۔اُن کے کان پر تک توجوں تک نہیں رینگتی۔اگر غذائی بحران کی راہیں مسدود نہ کی گئیں اور خوراک کی فراہمی کیلئے انقلابی

بنیادوں پر اقدام نہ اُٹھائے گئے اور محض دعوے لہرانے اور حلف بیچنے کا کاروبار ہوتا رہا تو ملکی سرحدیں غیر محفوظ ہو جائیں گی۔آج بچے سے لے کر جوان و ادھیڑ عمر افراد تک کی زندگی میں وہ رمق دکھائی نہیں دیتی جو ایک جیتے جاگتے انسان کی زندگی کا خاصہ ہوتی ہے۔اسی ضمن میں کسی غمگسار شاعر نے چند الفاظوں کو آگے پیچھے کرکے شاعری کا رنگ دیا ہے۔الفاظ کی نشست بدلنے سے تو بڑے بڑوں کے رنگ بدل جاتے ہیں۔جیسے مرزا کی شعلہ بیانی پر کراچی کی صاحبہ موردالزام ٹھہری ہے۔اب سچا کون ہے اور کاذب کون ؟یہ تو آپ کو اُن کے اسلوب گفتاری،طرز اداکاری،گلوکاری اور اندازِ ضرب کاری سے معلوم ہو ہی گیا ہوگا۔لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ مطعون و معدوم کون ہوتا ہے۔اور وقت کس کس سے وطن کے جوانوں کے لہو کی قیمت وصول کرتا ہے۔اچھا تو بات ہو رہی تھی اشعار کی۔قافیہ ،ردیف،اور وزن و بحر سے تو میں نابلد ہوں (لہذا اگر اشعار میں غلطی ہو گئی ہو تو درگزر کیجئے گا ویسے تو آپ دریا دل قوم ہیں امراء کے غلطان بھی جزا و سزا کے بغیر خوش دلی سے معاف کر دیتے ہیں)۔کیونکہ دین مبین میں شاعری سے رغبت کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔مثبت و حکمت سے بھرپور شاعری الگ شہ ہے مگر سب سے افضل تلاوت قرآن مجید ہے۔حدیث شریف میں ہے"تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے وہ اس کیلئے بہتر ہے کہ شاعری سے بھرے" (حدیث نمبر 5009،باب الادب۔ابوداؤد)۔مزید برآں بیہقی کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے پورا شعر کبھی نہیں پڑھا۔زیادہ سے زیادہ ایک مصرعہ پڑھ لیتے تھے۔چونکہ بیشتر شاعری میں کذب

ومبالغہ، تخیلاتی پرواز، اور فرضی نکتہ آفرینی سے کام لیا جاتا ہے اس لیئے سرورکائنات ﷺ کی ذات اقدس اس سے مبرا تھی اور یہ آپ کہ شایان شان بھی نہ تھا۔ وگرنہ قریش تو کجا ان کی لونڈیاں بھی بہترین اشعار کہنے کے ہنر سے واقف تھیں۔ عربی میں کہتے ہیں "اعذب الشعر اکذبہا" یعنی بہتر اور عمدہ شعر وہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ جھوٹ کی شمولیت ہو۔ بہر طور ہم نظم کی بحث میں اصل موضوع سے پردہ نشیں ہو گئے۔ در حقیقت شاعری کے متعلق دلائل کے لئے ایک مفصل تحریر کی ضرورت ہے جسے ہم کسی مناسب وقت کیلیئے اُٹھا رکھتے ہیں۔ فی الحال وطن کے دکھ درد اور مفلوک الحال حالات کی ترجمانی کرتے ہوئے پُرامید اشعار پیش خدمت ہیں۔

اُمید ابھی کچھ باقی ہے
اک بستی بسنے والی ہے
جس بستی میں کوئی ظلم نہ ہو
اور جینا کوئی جرم نہ ہو
وہاں پھول خوشی کے کھلتے ہوں
اور موسم سارے ملتے ہوں
بس رنگ اور نور برستے ہوں
اور سارے ہنستے بستے ہوں
امید ہے ایسی بستی کی

جہاں جھوٹ کا کاروبار نہ ہو
دہشت کا بازار نہ ہو
جہاں منصف سے انصاف ملے
دل سب کا سب سے صاف ملے
اک آس ہے ایسی بستی ہو
جہاں روٹی زہر سے سستی ہو

ہماری بربادی کا موجب کون؟ ذرا سوچیئے

کسی بھی پُرزوال اور پست جمہوریت ومعیشت کے آدرشی شکنجوں میں مقید لمحات میں ہم اس بات کا ادراک نہیں کرپاتے کہ یہ سسٹم کی خرابی کہ ساتھ ساتھ ہمارے ان شورش زدہ نظریات اور افعال واعمال کا نتیجہ ہے جس پر قدرت ہمیں ماضی میں بھی وارننگ دے چکی ہے۔
لیکن دینیات سے نابلد اور نسوانیت پرستی کی پُرخاش راہوں کے دلدادہ افراد کے دل و دماغ پر تو اپنے دنیاوی آقا کے آگے رول ماڈل بننے کی دیرینہ خواہش ٹھاٹھیں مار رہی ہوتی ہے اسی واسطے وہ قدرت کے عذاب کو فقط ماہر ارضیات و محکمہ موسمیات کی رپوٹوں تک محدود رکھنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔اگرچہ مُٹھی بھر اہل نظر اور خوف اللہ رکھنے والوں کے قلب واب استغفار میں محو ہوجاتے ہیں۔مگر مگر یہ لمحات من حیث القوم توبہ کا دروازہ کھٹکھٹانے کے ہوتے ہیں۔جب تلک ہم سیدنا محمد ﷺ کے خُدا کی جانب رُخ نہ کریں گے 'امن وسکون ندارد۔آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ عمومی حالات میں جب بھی آندھی وطوفان اسلامی ریاست کی جانب لپکے تو سرور کائنات ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور خضوع وخشوع کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں استغفار کیا اور ہمیشہ اللہ عزوجل سے ہی مدد طلب کی۔جب کہ ہم بہترین اُمت ہونے کے باوجود دُکھیوں

کے چہرے دکھا کر بیسوں خداؤں کے دروازے بجاتے پھرتے ہیں۔ بھیک ہماری پہچان بن چکی ہے۔ بقول شاعر

بُتوں سے تجھے امیدیں خدا سے نااُمیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

آج نماز جیسے اہم فریضے سے ہم ایوان سمیت کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ حرارت ایماں ہمارے اندر سُسر گباش ہو چکی ہے۔ ایک معبود کے آگے سربسجود نہ ہونے کی معذوری نے ہمیں سینکڑوں ناخداؤں کے آگے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کر دیا ہے اور شنوائی بھی نہیں ہو پاتی بس ڈومور' ڈومور۔ نمار کے متعلق فارسی میں کہتے ہیں

روز محشر کہ جاں گداز بود
اولین پُرسش نماز بود

کون مسلمان نہیں جانتا کہ روز محشر پہلا سوال نماز کا ہو گا لیکن عمل ناپید۔
لہٰذا اسلام سے دوری اور استعماری قوتوں کی سرپرستی کے زیر اثر ہم مسلمانوں کو کافر کہنے کا فلسفہ تخلیق کر چکے ہیں۔ ہمیں کسی غیر کہ غیر مسلم ہونے پر تو اتنا تعرض نہیں ہوتا البتہ اسلام کے کسی ذیلی فقہ سے تعلق کی بناء پر ہم اُسے سنگسار' مسمار' اور نیست و نابود کرنے کو عین اسلام خیال کرتے ہیں۔ جو کہ حقیقت کہ آئینے میں کذب و مبالغہ' فرضی نکتہ آفرینی اور کاذبانہء تخیل کے

ماسوا کچھ نہیں۔اسلام امن کا دین ہے مسلم ریاست میں تو اقلیتیں بھی محفوظ ہوتی ہیں جبکہ آج ہم اہل اسلام کی گردن زدنی کے واسطے پر تول رہے ہیں۔تب ہی تو اُمت کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔اور اسی واسطے آئے دن قدرتی آفات اور اسلام دشمن عناصر کی ہرزہ سرائیاں ہمارے تعقب میں رہتی ہیں۔

پچھلے برس 2010 میں پاکستان کی تاریخ کا انتہائی بھیانک سیلاب آیا جس سے پاکستان کے چار کروڑ کے قریب افراد متاثر ہوئے۔اس سیلاب کا سپریم کوٹ نے نوٹس بھی لیا' پھر فلڈ کمیشن بنا' جس نے 7 جون 2011 کو اپنی سیلاب کی روک تھام 'سیلاب کی وجوہات اور اس سے متعلق دوسرے عوامل کی نشاندہی کی' پھر کمیشن بنا دورے پہ دورے ہوئے' میٹنگز کافی تعداد میں ہوئی اور جب اس نے اپنی سفارشات پیش کیں تو اُن پر کوئی خاص توجہ نہ دی گئی۔جس کے نتیجے میں پانی کے ریلے ہمارا مقدر بنے۔ ارضِ وطن میں سندھ کے 19 اضلاع اور بلوچستان کے چھ اضلاع سیلاب کی بے رحم موجوں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔سترہ لاکھ ایکڑ سے زائد رقبہ پر پھیلی ہری بھری فصلیں غارت ہوچکی ہیں۔15 ہزار کے ق قریب جانوروں کو موت نے آدبوچا۔350 سے زائد انسانی جانیں عدم آباد ہو گئیں۔

ہم بھی امراء کی مانند سیاسی اتار چڑھاؤ میں ہی کھو گئے۔یہ سب قریب قریب ہماری عریانی کی تشہیر' ملحدانہ عقائد کا اشتراکی نتیجہ ہے۔ہم نفس پرستی

اور مسلمانوں کے لاشے گرانے میں کافی نام کما چکے اب ہمیں ستر ماؤں سے زیادہ الفت رکھنے والے رب کی جانب لوٹنا ہو گا۔قدرت بار بار وارننگ دیتی ہے اور اُس کے بعد انصاف پر اُتر آتی ہے اور یاد رہے فطرت جب انصاف کرتی ہو تو پھر رحم نہیں کرتی۔۔۔

ہر چند کہ مخلوقِ خدا کی بداعمالیاں نکتہ ہائے عروج کو چھو رہی ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ حکمران اشرافیہ اوراسکے متمنئی افراد کی اقرباپروری‘کرپشن‘ناقص پالیسیوں اور عوام کے درد سے بے اعتنائی بھی اس لامتناہی تباہی کے سلسے کو دعوت دینے میں اہم کردار ادا کر گئی۔اعتبار ساجد کے چند اشعار ترمیم کے ساتھ حکمرانوں کی نذر:

کیوں ہے شعر لہو رنگ تجھے کیا معلوم
میرے جذبات کی فرہنگ تجھے کیا معلوم
پیاس کیسی ہے لہو دل کا طلب کرتی ہے
زرد کیونکر ہے میرا رنگ تجھے کیا معلوم
موجیں اک سادہ سی بستی کی دشمن کیوں
مجھ پہ کیوں اُٹھتا ہے ہر سنگ تجھے کیا معلوم
اک طرف سیلاب ادھر بھوک کے بے انت عذاب
دو محاذوں پہ ہے یہ جنگ تجھے کیا معلوم

کس لیئے لوگ اُڑاتے تھے مرے دین کا مذاق
کس لیئے لوگ ہیں اب دنگ تجھے کیا معلوم
کتنے دکھ سہتا ہوں تب " انقلاب " کہتا ہوں
میرے دن رات کا آہنگ تجھے کیا معلوم

پیچ وتاب کھاتی تاریخ کے اوراق آج بھی اس بات پر شاہد ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں اہل مصر کو نیل کی طغیانی نے آ گھیرا اور حسین دوشیزہ کے دریا برد کرنے کے بعد لہروں کے تلاطم میں ٹھہراؤ کی خبریں جب ابن خطابؓ تک پہنچیں تو آپ نے دریائے نیل کے نام پیغام لکھ کر بھیجا جس کا مفہوم ہے "اگر تو اپنی منشاء سے چلتا ہے تو رواں رہ لیکن اگر تیری لہریں اللہ کی مرضی سے حرکت میں آتی ہیں تو تھم جا"۔
آپ کے حکم کے مطابق جب اس خط کو جب دریائے نیل میں ڈالا گیا تو اس لمحہ سے لے کر آج تک اہل مصر نیل کی ظلمت سے محفوظ ہیں۔ہے کوئی ایسا حکمران (یا سیاسی لیڈر) جس کے الفاظ میں اتنی تاثیر ہو۔اگر ہے تو سیلاب کی لہروں کو تھام کر دکھائے۔یہ وہی عمر فاروقؓ ہیں جنھوں نے فرمایا تھا "اگر فرات کے کنارے کتے کا بچہ بھی بھوکا مر گیا تو اس کا جواب دہ عمر ہوگا"۔آپ اپنی نوعیت کے پہلے حکمران ہیں جنھوں نے ریاست کو یہ فلسفہ دیا کہ آزاد جانوروں کی دیکھ

بھال کا انتظام وانصرام بھی حاکم وقت کی ذمہ داری ہونا چاہیئے۔اس عالی شان فرمان کی روشنی میں ہماری بربادی کا موجب کون ہے؟ذرا سوچیئے

اپنی صفائی مت پیش کرو پاکستانیوں

اُفق گفتگو۔ (تخلص) س۔ا۔ شجر۔

بیسویں صدی عیسوی نے انسانی تہذیب و تمدن کا ارتقاء دو طویل جنگوں سے گزر کر طے کیا۔ ریاستوں کی خودمختاری اور ان کی جغرافیائی حدود کا احترام 'ویزہ' اور غلامی جیسی بدبودار غلاظت سے کنارہ کشی جیسے اصول انسان نے کروڑوں جانوں کا ضیاع کر کے حاصل کیئے۔

پھر سوشلزم نے انگڑائی لی اور اشتراکیت کی آڑ میں دنیا کا امن تیغ تیغ کیا۔ اس کی ناکامی کے بعد چند لحظہ انسانیت پُرسکون رہی مگر پھر ایک لومڑی نما قوم نے اہل کتاب کو صلیبی جنگوں کی ناکامی کا احساس دلا کر اُن کے جذبات کو اس قدر برانگیختہ کیا کہ وہ قیود و امتیاز کے ساتھ ایک ہی قوم پر برس ایسے برس پڑے جیسے خالی شکم شیر تازہ گوشت دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا ہو۔ اور انجام کار چہرے پر سرخ دھبے لیئے اُسے دائی بدہضمی کے ساتھ غار کی جانب لوٹنا پڑے۔

1917 میں لینن گراڈ نے زار روس کے توسیع پسندانہ عزائم کو نئی جہت کے ساتھ

رفتہ رفتہ جاری رکھا۔اسی اثناء میں افغانستان میں ظاہر شاہ کا تختہ الٹ دیا گیا۔اور یہ سلسلہ اس بات پر منتج ہوا کہ روس افغانستان میں داخل ہو گیا۔جسے امریکہ نے پاکستان کی مدد سے نہ صرف نکلنے پر مجبور کیا بلکہ سویت یونین کو پارہ پارہ کرنے میں بھی ڈالر کا کمال شامل تھا۔لیکن تاریخ سے سبق حاصل کئے بغیر امریکہ خود اسی راہ پر چل پڑا جس کا خواب روسیوں نے دیکھا تھا۔محسن دشمن بنا دیئے گئے۔سورج کو چاند کہا گیا۔مشرق کو مغرب گردانا گیا۔پہاڑوں کو موم سمجھا گیا۔نتیجہ سب کے سامنے۔۔۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم وہ مومن نہیں۔اللہ تعالیٰ کی قسم وہ مومن نہیں۔اللہ تعالیٰ کی قسم وہ مومن نہیں۔صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کون ؟خُدا کے محبوب ﷺ نے فرمایا"جس کی ایذا رسانی سے اُس کا پڑوسی محفوظ نہ رہے" (بخاری شریف)۔مگر ہم نے اک بار پھر ہمسایہ کہ حقوق بھلا کر "حقیقی دست و بازو"کا کردار ادا کیا۔نتیجتاً 40 ہزار سویلین و باوردی جانوں کی قربانی اور 80 بلین ڈالر کا خسارہ برداشت کرنا پڑا۔اور اسکے ساتھ ساتھ عین وہی ہزیمت اُٹھانا پڑی جو ہمارے اتحادی کے پہلے رفقاء اُٹھا چکے تھے۔مولن کی شعلہ بیانیاں'محترمہ ہیلری کی گفتاری قلابازیاں'اور اوباما کی توثیق یہ سب ڈیموکریٹک پارٹی کی انتخابی مہم کا حصہ ہیں جس سے وہ اپنی آبشار کی مانند گرتی مقبولیت کو سہارا دینا چاہتے ہیں۔(واضح رہے کہ مولن کے

ترتیب دے گئے بیانات سے ابھی تک امریکی حکومت نے فاصلہ رکھا ہوا ہے)۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ شاید کسی نئے عالمی منصوبے کی آمد آمد ہے۔جس کی بنیاد شوشوں اور ڈھکوسلوں پر رکھی جارہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان امریکی بیانات کو بھی جواباً تندوتیز کلمات کا سامنا کرنا پڑرہاہے۔لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ نامکمل اے۔پی۔سی (جس میں غنوی بھٹو'اختر مینگل'حاصل بزنجو'عبدالمالک بلوچ اور طلال بگٹی شریک نہیں ہوئے)شاید بلانے سے پہلے ہمیں سوچنا چاہیئے تھا کہ apc کوئی قابل ذکر عملی اقدام نہیں اٹھا سکی۔ کیا اکتوبر2008 کی واضح قرارداد جس کی پہلی شق میں ہی فوری اقدامات کرتے ہو ئے قومی سلامتی پالیسی پر نظرثانی اور آزادانہ خارجہ پالیسی بنانے پر زور دیا گیا تھا۔اور اس قرارداد کے نتیجے میں قائم ہونے والی سترہ رکنی کمیٹی کی وہ سفارشات جسے 442 ارکان پارلیمنٹ کی نمائندگی حاصل تھی کس کھوکھاتے ڈال بیٹھے ہیں???کیا ہم محض قراردادی قوم نہیں بن گئے??۔اور رہ گئی اے۔پی۔سی (آئی۔پی۔سی)تو اس سے مشابہت رکھنے والے لمحات میں 1986یا87 میں روس کے خلاف افغان جنگ کو روکنے کیلئے اے۔پی۔سی کا انعقاد کیا گیا تھا۔اس وقت کے وفاقی وزیر برائے امورخارجہ نورانی صاحب اے۔پی۔سی کے فیصلے کی روشنی میں جنگ بندی کے معاہدے کو دستخطوں کی صورت میں عملی جامہ پہنانے چل پڑے تھے مگر ذرا دیر کیئے بغیر محترم ضیاء الحقؒ صاحب نے جونیجو

کے بیرونی دورے کے دوران ہی اسمبلی برخاست کردی۔جونیجو صاحب کو ماری پور کے ہوائی اڈے پراتاراگیا۔اور وہ بغیر کسی پروٹوکول مول کے گھر کی جانب چل دیئے۔یہ ہیں وہ تلخ حقائق جو ہم تلک بذریعہ قلم پہنچے۔گہرائی کیا تھی اور حکمت کیا تھی یہ توکرسی ہی جانتی ہے۔بہر طور نوزائیدہ اے۔پی۔سی خُدا کرے سچ مچ کوئی کام کر دکھائے۔

جہاں تک حقانی نیٹ ورک کا تعلق ہے تواس کے بارے میں حقانی صاحب نے اب خود کہہ دیا ہے کہ وہ خود کو پاکستان کے بجائے افغانستان میں زیادہ محفوظ سمجھتے ہیں۔مزید یہ بھی کہا ہے کہ ان کا آئی۔ایس۔آئی سے کوئی تعلق نہیں۔اور وہ ڈکٹیشن اپنے قائد ملاعمر سے لیتے ہیں اور ان کے وفادار ہیں۔رہ گئی یہ بات کہ ان حقائق کو امریکہ کے سامنے کس طرح منوایا جائے تواس ضمن میں مجھے حضرت علیؓ شیر خدا کا قول یاد آرہا ہے۔آپ کا فرمان ہے "اپنی صفائی پیش مت کرواس لیئے کہ جو تمہیں پسند کرتا ہے یا تمہارا رفیق ہے اسے تمہاری صفائی پیش کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہیں اور جو تمہیں پسند نہیں کرتا وہ تمہاری صفائی پر یقین ہی نہیں کرے گا"۔خدا کرے اب ہم سنجیدگی سے اپنے بیرونی واندرونی معاملات کے بارے میں غوروخوض کریں کیونکہ مسائل کانفرنسیں کرنے 'اجلاس بلانے یا جرگہ کا انتظام کرنے سے نہیں بلکہ سچے اور پکے جذبے کے ساتھ مثبت عملی اقدامات اٹھانے سے حل ہوتے ہیں۔

کچھ لیڈر اب بھی "تخت" کے سنہرے سپنے دیکھتے ہوئے پاکستان مخالف پالیسی کی حمایت کر رہے ہیں ۔انہیں باز آنا ہوگا۔وگرنہ قوم کے رد عمل سے ہمکنار ہوناپڑے گا۔رہ گئی بات امریکہ کہ زمینی فوج کے ذریعے حملہ آور ہونے کی تو وہ ایسی فاش غلطی کبھی نہیں کرے گا۔اور اگر کر بیٹھا تو پھر۔۔۔۔اس کی اپنی قسمت۔اور زمینی حملے سے ہی ہمیں آنچ آئے گی اور یہی وہ حملہ ہے جو قوموں کی آزادی کو مسخ کرتا ہے۔سرحد کی خلاف ورزی تصور ہوتا ہے۔وگرنہ ڈرون حملے توکچھ بھی نہیں۔کیونکہ ڈرون حملوں سے نہ تو ولی عہد مرتے ہیں'۔اور نہ ہی تخت پر لرزہ طاری ہوتاہے۔عوام پر ہوتا ہے تو یہ اُس کی اپنی بزدلی ہوئی ناں۔۔باقی ماندہ ہے خود مختاری تو وہ بیچاری کب کی مرکھپ کر گمنامی کی لحد میں گہری نیند سو چکی ہے۔

ماں

ایس ۔یو۔ شجر

ماں کے موضوع پر لکھنے کی جسارت کرنا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ میرے پاس اُن مقدس الفاظ کا ذخیرہ نہیں جنہیں ماں کی شان میں ورق پر اُتار سکوں۔اور اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کے ماں کی لازوال محبت کو الفاظ کا روپ نہیں دیا جا سکتا۔اور جذبات تو ویسے بھی لفظی کھیل سے ماورا ہوا کرتے ہیں۔ دنیا کی جتنی تہذیبوں'مذاہب اور زبانوں نے جس قدر الفاظ "ماں "کے لیئے تخلیق کیئے وہ "ماں "کی مہر و محبت'ایثار و وفا اور الفت کا بحرِ بے کنار ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ماں "جو تین الفاظ کا مخفف ہے۔"م "سے محبت'الف سے "آغوشِ مادر "اور'ن' سے دنیا جہان کی نعمتیں۔ماں ایک ایسا سایہ دار شجر ہے جو بے رحم حالات کی چلچلاتی دھوپ خود برداشت کرکے اولاد کو اس سے محفوظ رکھتی ہے۔اگر اُسے اپنے پھولوں کی آبیاری کے لیئے کولہو کے بیل کی مانند بھی زندگی کا سفر جاری رکھنا پڑے

تو پھر بھی اُس کے ماتھے پر شکن تک نمودار نہیں ہوتی اور اولاد کی پرورش کی خاطر ہر غم کو بھلا دیتی ہے' ہر تکلیف کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ پہاڑوں اور چٹانوں سے ٹکرا جاتی ہے مگر اپنی آغوش میں موجود بچے کو آنچ تک نہیں آنے دیتی۔

ماں "کسی بھی خطہ یا مذہب سے تعلق رکھتی ہو اس کے جذبات اور اولاد سے وابستگی" اور اپنے بچوں کیلئے تڑپ یکساں نوعیت کی ہوتی ہے۔ بسمل کی تڑپ ہو' ماہی بے آب کی یا زخمی مرغ کی تڑپ وہ اس "تڑپ" کا عشر عشیر بھی نہیں جو ایک ماں کی اپنے جگر کے ٹکڑوں کیلئے ہوتی ہے۔

ماں افریقہ کی ہو یا ایشیا کی' اس کا تعلق صحرا سے ہو یا کسی نخلستان سے' مندر میں جائے یا کلیسا میں اس کی دعا لمحہ بھر میں فلک تلک پہنچ جاتی ہے۔ حتی کہ ماں اگر "حیوان" کی بھی ہے تو اس کا درجہ دعا وہی ہے۔ تاریخ کہ سینہ پہ رقم ہے کہ ہرن کے بچے کو جب سبکتگین نامی غلام نے آزاد کیا تو اس کی ماں کے لبوں سے نکلی ہوئی دعا نے سبکتگین کو تخت پر جا بٹھایا۔ ماں کے ہونٹوں کی جنبش عرش ہلا دیتی ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہر مذہب' اور سماج نے ماں کی عظمت کا اعتراف

کیا ہے۔لیکن محبوب خداﷺ جو ابدی ضابطہ حیات لے کر معبوث ہوئے اُس نے اس عظیم ہستی کو دیگر تمام مذاہب و تہذیبوں سے اعلیٰ وارفع مقام عطاء کیا۔اللہ کے رسولﷺ کافرمان ہے"جنت ماں کے پیروں تلے ہے"۔

روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ جنت الفردوس میں میرا ساتھی کون ہوگا؟ میرا ہمسایہ کون ہوگا؟اللہ نے جواباًفرمایا: وہ ایک قصاب ہے جو فلاں علاقہ میں رہائش پذیر ہے۔یہ جواب سن کر حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو اس قصاب کے عمل کے متعلق تجسس پیدا ہوا کہ آخروہ کونسا عمل ہے جس کے نتیجے میں رب کریم نے اُس قصاب کو نبیؑ کا ہمسایہ ہونے کا شرف عطاء کیا ہے۔حضرت موسیٰ سے ملاقات اور اُن کی بات سن کر قصاب انہیں اپنے گھر لے گیا۔حضرت موسیٰ ہمہ تن گوش ہو کر اُس کی تمام حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہے تھے کہ اسی اثناء میں وہ اپنی والدہ کی جانب متوجہ ہوا۔اُس نے نہایت احترام سے اپنی ضعیف العمر والدہ کو سہارا دیا'ان کا منہ صاف کیا'اپنے ہاتھوں سے اپنی ماں کو کھانا کھلایا'پھر جب اس کی ماں کے لبوں نے جوش محبت میں آکر جنبش لی اور اس پیکر محبت کے ہونٹوں اور زبان کی حرکت سے یہ لفظ یکایک ادا ہوئے: "اللہ تجھے جنت میں موسیٰ کا پڑوسی بنائے"۔یہ قصاب نہ کوئی عالم تھا نہ عابد وزاہد'نہ مجاہد تھا نہ غازی بلکہ اُسے یہ عظیم مقام اپنی والدہ محترمہ سے بہتر سلوک کے صلے میں ملا تھا۔ماں سے حسن

سلوک کے ضمن میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا' یا رسول اللہ ﷺ ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟آپ ﷺ نے فرمایا" تیری ماں "اس شخص نے کہا پھر کون' آپ ﷺ نے فرمایا" تیری ماں "' اس بشر نے کہا پھر کون ؟رحمت اللعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا' تیری ماں "چوتھی دفعہ سوال دہرانے پر فخر موجودات ﷺ نے فرمایا' تیرا باپ "۔ (صحیح بخاری کتاب الادب)۔

ایک مرتبہ ایک معمر خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو سیدنا مولانا الحسینؓ کے نانا نے ان کی تعظیم و تکریم فرمائی اور ان کے بیٹھنے کے لیئے اپنی چادر مبارک بچھا دی' اس ذی شان خاتون کے تشریف لے جانے کے بعد صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! یہ عورت کون تھیں ؟ جن کی آپ ﷺ نے اس قدر عزت کی۔ حبیب خدا ﷺ نے فرمایا : یہ میری رضاعی ماں حلیمہ سعدیہؓ تھیں ۔آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی آپ ﷺ کی نظر مبارک حضرت حلیمہ سعدیہؓ پر پڑتی تو" میری ماں "" میری ماں "کہہ کر دوڑتے ہوئے اُن کی جانب تشریف لے جاتے۔

نماز دین کا رکن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اہم فریضہ بھی ہے۔ارشاد رسول ﷺ ہے کہ "اگر میری ماں حیات ہوتیں اور میں حالت نماز میں ہوتا' پھر وہ مجھے پکارتیں : اے محمد' تو میں اُن کی صدا پر لبیک کہتا' اور نماز کو توڑ کر ان کی

خدمت اور فرماں برداری میں مصروف ہو جاتا"۔

الغرض دنیا میں موجود تمام رشتوں میں سب سے عظیم اور مقدم رشتہ ماں کا ہے۔ماں وہ قوت ہے جو خود کانٹوں پر چلنا تو گوارا کر لیتی ہے لیکن اپنی آل کو پھولوں کے بستر پر سلاتی ہے۔ ماں وہ ہستی ہے جو تاعمر بے لوث رہتی ہے۔ کبھی احسان نہیں جتلاتی۔آندھی چلے یا طوفان اس کی الفت سدا بہار ہے۔آج تک کوئی ایسا پیمانہ معرض وجود میں نہیں آیا جو "ماں" کی محبت کو ماپ سکے۔انسان خواہ عمر کے کسی بھی حصہ میں ہو ہر دکھ و تکلیف میں زبان پر یا "خدا" کا نام آتا ہے یا "ماں" کا۔

معزز قارئین ہم نے "ماں" کی عظمت اجاگر کرنے کی سعی کی 'آپ نے ایک ہی نشست میں کالم پڑھ لیا لیکن ہمارا ٹارگٹ یہ فارسی مصرعہ ہر گز نہیں ہونا چاہیے۔

گفتند نشستند برخاستند

ہم نے لکھا آپ نے پڑھا۔اور اب محمد ﷺ کے خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کو اور ہمیں "ماں" کی فرمانبرداری کرنے اور اُن کی خدمت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے ۔گو کہ کسی بھی خدمت کے ذریعے ہم اُن کا احسان نہیں اتار سکتے ۔کہ ماں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ ہم پر خرچ کر ڈالا۔

آخر میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ اس موضوع پر لکھنے کی تحریک اسوقت ہوئی جب میری والدہ انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں چند دن پہلے داخل ہوئیں۔اب اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے اُن کی صحت کافی بہتر ہے۔معزز قارئین سے اپیل ہے کہ اُن کی مکمل صحت یابی کیلیے دعا فرمائیں۔اللہ ہم سب کے والدین کو صحت کاملہ عطاء فرمائے (آمین)

ایران سعودیہ تنازعات حقیقت کے آئینے میں

افق گفتگو۔ار۔ایس۔یو۔شجر

1980 سے امریکہ اور ایران کے مابین سفارتی تعلقات منقطع ہیں۔جب کہ ایران سے امریکی مخاصمت قریبًا اتنی ہی پرانی ہے۔1978 میں جب بھٹو صاحب جیل میں تھے تو انہوں نے اپنے ڈینٹیسٹ ڈاکٹر نیازی کے ذریعے ایک خط باہر بھجوایا۔جس میں انہوں نے ذکر کیا کہ میں نے شاہ ایران کو بھی مطلع کیا ہے کہ امریکہ ویتنام جنگ کا بدلہ لینے کی غرض سے روس کو افغانستان یا ایران میں "انگیج" کرے گا۔جس کے بعد خطے میں ایک بڑی جنگ شروع ہو جائے گی۔اسی واسطے میں نے شاہ ایران سے درخواست کی ہے کہ وہ آنے والے دنوں میں خود کو غیر جانبدار رکھیں۔شاہ ایران تو خیر اس کے بعد تھوڑی ہی دیر کے مہمان ٹھہرے۔اور روس افغان جنگ کا آغاز ہوگیا۔لیکن امریکہ اپنے اسوقت کے ساتھی صدام حسین کے ذریعے دونوں مسلم ممالک کو لڑوانے میں کامیاب ہوگیا۔اس جنگ کو بھی امریکی پالیسی میکرز عرب وعجم تو کبھی شیعہ سنی لڑائی کا رنگ دینے میں کامیاب ہوگئے۔نتیجتًا دونوں اسلامی ممالک نے خاطر خواہ نقصان اُٹھایا جس کا فائدہ بالواسطہ چوہدری صاحب کو پہنچا۔ایران اور عرب ممالک کے درمیان پہلے سے موجود فاصلے مزید بڑھ گئے۔

ایران کے صوبے اصفہان کے شہر کاشان میں سیدنا عمر فاروقؓکو شہید کرنے والے ابولولو مجوسی کا مقبرہ موجود ہے۔ 2007 میں دوحا میں عرب علماء کا اجتماع ہوا جس میں عربی علماء نے ایرانی حکومت سے اس مقبرہ کو گرانے کی درخواست کی۔ایرانی حکومت نے اسے لوگوں کیلئے بند کیا تو اس پر ایک طبقہ نے احتجاج کیا۔26 جون 2007 کو اصفہان کے گورنر کے دفتر کے سامنے احتجاج ہوا جس میں اس بات پر برہمی کا اظہار کیا گیا کہ مقبرے کو گرایا جا رہا ہے۔اور اسے لوگوں کیلئے کھولنے کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ ایران کے کتنے فیصد لوگوں کا مطالبہ تھا اس سے قطع نظر کچھ احباب نے اسے پوری ایرانی قوم کا فیصلہ قرار دے کر بہت سے فتوؤں کے واسطے راہ ہموار کرلی۔اس واقع کی تشہیر سے بھی دونوں ممالک کے مابین کچھ اچھا تاثر جنم نہ لے سکا۔ (یہ معلومات ایک ویب سائٹ دی سرکل آف انسینٹ ایرانی سٹیڈیز پر موجود ہیں)۔

حج کے اجتماع 'لبنان اور بحرین کے حالات سمیت متعدد ایسے واقعات ہیں جو سعودیہ اور ایران کے درمیان تناؤ کا باعث بنے۔جس سے ہمیشہ اغیار نے فائدہ اُٹھایا۔

پندرہ جنوری 2011 کے نیویارک ٹائمز کے مطابق اسرائیل کی جانب سے ایران کے

جوہری پروگرام کے متعلق کمپیوٹرائزڈ نظام پر حملہ کیا گیا۔
2010 میں جوہری سائنسدان مسعود علی محمدی اور پروفیسر مجید شہریاری کو تہران میں قتل کر دیا گیا۔ جبکہ جولائی 2011 میں ایرانی کے ایک جوہری سائنس کے طالب علم کو قتل کر دیا گیا تھا۔ ایران کی خفیہ ایجنسیوں کے بقول یہ قتل اسکے جوہری پروگرام کو تلف کرنے کی خاطر اس کے مخالفین کی طرف سے کروائے گئے تھے۔
گزشتہ پیر کو امریکہ کے اہلکار اسٹیون چو نے ایران کے جوہری پروگرام پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ یہ مسلم ملک ٹال مٹول اور جھوٹ سے کام لے رہا ہے.. امریکی اخبار کے مطابق صدر اوباما نے عالمی جوہری توانائی ایجنسی پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ہے کہ وہ ایران کے جوہری پروگرام کے متعلق خفیہ معلومات طشت از بام کر دے۔ تاکہ ایران کو عالمی سطح پر تنہا کیا جاسکے۔ نیویارک ٹائمز نے اوبامہ انتظامیہ کے سینئر حکام کی جانب سے بتایا ہے کہ ایران کو بے یارومددگار کرنے کیلئے امریکہ کے مرکزی بینک سے مالی ٹرانزیکشنز پر پابندی، پٹرولیم مصنوعات پر پابندی سمیت مختلف آپشنز پر غور کیا جارہا ہے تاکہ ایران کو مزید آگے بڑھنے سے روکا جاسکے۔

ماہرین کے مطابق امریکہ پچھلی دہائی سے عرب ممالک کو ایران سے خوفزدہ کرنے میں کافی حدتک کامیاب ہوگیاہے۔جس سے ایک طرف یہودی تاجروں سے عربیوں کی تجارت میں اضافہ ہوا ہے تو دوسری جانب ان مسلم ممالک میں موجود خلیج خاصی واضح ہو گئی ہے۔ نیز فلسطین میں ہونے والے مظالم کے خلاف عرب سے اٹھنے والی آواز میں بھی وہ دم خم نہیں رہا جو کبھی اس حوالے سے عربوں کا طرہ امتیاز ہوا کرتا تھا۔ میرے خیال کے مطابق یہ اس اُمہ کے لیئے نہایت ابتلاء کا وقت ہے۔

مزید برآں سعودی سفیر کے قتل کا منصوبہ ایک ایسا افسانہ ہے جو تاریخ کے آئینے میں تعصبات کی ان نظروں سے دیکھا جائے جسے ان دونوں ممالک کے دشمنوں نے جگر کا خون پلایا ہے تو یہ ایک خوفناک حقیقت لگتا ہے۔ لیکن اگر اسے ایران کے جوہری نظام' تہران کی اسرائیل مخالف پالیسی اور کسی حد تک اسلامی نظام کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ گوئبلز کے جانشینوں کی من گھڑت کہانی ہے۔ جسے وہ سعودیہ کے شیشہ میں اُتار کر مسلم ممالک کی رہی سہی قوتوں کو بھی چکنا چور کرنا چاہتے ہیں۔ظاہر ہے مشرق وسطیٰ کے اندرونی خلفشار سے فائدہ اسی کو ہی پہنچے گا۔ تو وہ کیوں نے ایسے منصوبے بنائے جس سے وہ ایک تیر سے دو شکار کرسکے۔ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچ جائے۔ ممکن ہے (خدا نہ کرے) کہ ایران کے ساتھ کوئی عرب ملک الجھ پڑے اور امریکی اسلحہ کی مانگ بڑھ جائے کیونکہ

اس سے اس کی معیشت کو کندھا ملے گا۔اور مستقبل میں اس کے طفیلی اسرائیل کی راہ میں بھی کوئی کانٹا نہ رہے گا۔

سعودی سفیر عدیل الجبیر پر قاتلانہ حملے کے منصوبے سے متعلق امریکہ اور ایران دونوں نے اقوام متحدہ کو مراسلے روانہ کر دیئے ہیں۔جس میں امریکہ نے موءقف اختیار کیا ہے کہ اس منصوبے کی پلاننگ ' احکامات اور سرپرستی کی ڈوریں ایران کے اعلیٰ حکومتی عہدیداران تک جاتی ہیں۔جبکہ ایرانی حکومت نے اسے کھلم کھلا بہتان اور من گھڑت قرار دیتے ہوئے سختی سے رد کیا ہے۔اقوام متحدہ کا رد عمل کیا ہوگا اسے جانچنے کیلئے آپ فیصلوں کی پرانی فہرست اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایران سعودی حکام کو اس ضمن میں اپنے اعتماد میں لے سکے گا یا نہیں اور یہی اصل امتحان ہے ایرانی حکومت کا؟تاحال سعودیہ کے وزیر خارجہ سمیت متعد داعلیٰ حکام ایران سے سخت.برہم نظر آئے ۔جسے اگر ایران کی سفارتی کمزوری یا ان ممالک کے درمیان پیدا کی گئی تلخ فضا کا نتیجہ قرار دے دیا جائے تو اس میں کوئی ابہام نہیں ۔لیکن ایران پر چونکہ الزام ہے اس لیئے اسے چاہیئے کہ سعودی حکام سے.براہ راست رابطہ کرے اور پاکستان کو اس ضمن میں اپنا کردار ادا کرن چاہئے ۔نیز تمام امت مسلمہ کو خیر

کی تمنا رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی زبان اور ہاتھ سے کسی بھی فقہ کے مسلمانوں کے دلوں کو ٹھیس پہنچانے سے گریز کرنا ہوگا وگرنہ باطل ان کی گردن پر ہی سوار رہے گا اور عموماً تمام مسلم ممالک اور بالخصوص سعودی ایران تنازعات حقیقت کے آئینے میں آنے سے محروم رہیں گے۔

چمڑے کی جھونپڑی اور وال سڑیٹ

اُفق گفتگو۔ آر۔ ایس۔ یو۔ شجر

شیر خدا' حضرت علیؑ کا فرمان ہے "اگر مفلسی مجھے انسان کی صورت میں نظر آئے تو میں اسے قتل کر دوں"۔ غربت کے ہاتھوں مفلوک الحالی اور ذلالت ازل سے ہی قدرت کے کارخانے میں موجود تھی یا انسان نے ہی اس کی ہیئت بدل کر انسانیت کی تذلیل کا بندوبست کیا؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب نوشہ دیوار ہے مگر انسان دین سے ناطہ توڑ کر کبھی اس کا علاج کمیونزم' سوشلزم اور کبھی سرمایہ دارانہ نظام میں ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ نتیجتاً کھودا پہاڑ نکلا چوہا کے محاورے سے بھی پست نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر شاید جس کے شعور پر پردے پڑ چکے ہوں اس پر کوئی نصیحت اثرانداز نہیں ہو سکتی سوا حضرت "ڈنڈا" کے۔ کیونکہ یہ وہ صاحب ہیں جو اس مصنوعی پردہ کے چودہ پرت بھی ہوں تو سب کچھ لمحوں میں آشکار کروا دیتے ہیں۔

عالمی معاشی مرکز نیویارک کو انتظامی نقطہ سے پانچ حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ جن میں سے ایک علاقہ کا نام "مین ہٹن" ہے۔ "مین ہٹن" کے جنوبی حصے کو لوئر مین ہٹن کہتے ہیں۔ لوئر مین ہٹن کے مشرق میں "مشرقی دریا" مغرب میں

دریائے ہڈسن' اور جنوب میں نیو یارک کی بندرگاہ ہے۔اس طرح یہ علاقہ ایک بندرگاہ کی سی صورت دھار لیتا ہے۔اسی لوئر مین ہٹن میں "وال سٹریٹ ہے" ہے۔اسی "وال سٹریٹ "کے سامنے امریکہ کے متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے مٹھی بھر نوجوانوں نے 17 ستمبر 2011 کو سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف احتجاج کیا۔اس احتجاج کا عنوان "وال سٹریٹ پر قبضہ کرو" (occupy wall street) تھا۔یہ تحریک اندرون امریکہ ستر سے زائد شہروں میں زور پکڑ چکی ہے۔ ٹائم میگزین کے مطابق 54 فیصد امریکی اس تنظیم کی حمایت کر رہے ہیں۔ جبکہ دنیاکے 82 ممالک یں سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف اٹھنے والی آواز کے حق میں مظاہرے کیئے جا رہے ہیں۔معاشی استحصالی کا شکار دنیا کے پانچوں براعظموں کے انسان سبک رفتاری سے اس تنظیم کا حصہ بن رہے ہیں۔

چند سرمایہ داروں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کی جانب سے امریکہ کے متوسط طبقہ کی معاشی ناکہ بندی' عراق افغان جنگ کی وجہ سے اضافی ٹیکسوں کا بوجھ' کارپوریٹ سیکٹر کی اجارہ داری اور اس جیسے متعدد مذموم محرکات اس احتجاج کی بنیادی وجہ بنے۔امریکہ نے عراق افغان جنگ میں چار کھرب ڈالر جھونک کر خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق امریکہ میں بے روزگار افراد کی تعداد ایک کروڑ

چالیس لاکھ ہے۔ روزنامہ واشنگٹن پوسٹ نے اپنی ایک تجزیاتی رپورٹ میں کہا ہے کہ سرد بازاری امریکہ میں نو سال قبل اختتام پذیر ہو چکی تھی۔ مگر اب امریکہ میں بے روزگاری کا تناسب نو فیصد ہے۔ گورنمنٹ کی مدد سے دو وقت کی روٹی کا بندوبست کرنے والے امریکی افراد کی تعداد ساڑھے چار کروڑ ہے۔ حال ہی میں منظر عام پر آنے والی ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں بھی ٹیکس دہندگان اسی طرح بٹے ہوئے ہیں جس طرح غریب ممالک میں ہیں۔ "وال سٹریٹ پر قبضہ کرو" تحریک کے حامیوں کا کہنا ہے کہ جس شرح سے ٹیکس کے نام پر غریب امریکیوں کا خون چوسا جا رہا ہے اس شرح سے سرمایہ داروں سے ٹیکس کی وصولی نہیں کی جاتی۔

غربت اور بے روزگاری سے تنگ آئے افراد پر امید تھے کہ صدر اوباما کا پیش کردہ 477 ارب ڈالر کا بل منظور ہونے سے عوام الناس کو ریلیف ملے گا مگر اسے شاید اوبامہ کی بدقسمتی کہیئے کہ سو ارکان کے ایوان میں بل کی منظوری اور اسے لاگو کرنے کی غرض سے ساٹھ ووٹ درکار تھے لیکن بل کی حمایت میں 49 جبکہ مخالفت میں پچاس ووٹ کاسٹ ہوئے۔ بل کے مسترد کیئے جانے سے عام امریکی کی رہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھر گیا اور نوجوان احتجاج کرنے لگ گئے۔ مگر اب ہمیشہ کی طرح امریکیوں کی انگلی واشنگٹن 'وائٹ ہاؤس نہیں بلکہ " وال سٹریٹ "بنی۔ شاید انہیں کسی نے عیاشی کا انجکشن لگا کر گہری نیند سلا دیا تھا۔

اعداد و شمار کے مطابق امریکہ میں سرمایہ دار افراد کی دولت کا تخمینہ 46 کھرب ڈالر لگایا گیا ہے۔جو کہ دن دگنی رات چگنی ترقی کر رہی ہے۔جبکہ اسکے بر عکس عام امریکی مسلسل تنزلی کا شکار ہے۔

وال سٹریٹ سے نفرت رکھنے والوں کی صورت میں قدرت نے بنی نوع انسان کو ایک بار پھر یہ پیغام دیا ہے کہ یہ دنیا مکافات عمل ہے۔وہ لوگ جنھوں نے دنیا کو سود جیسے نظام میں جکڑ دیا۔وہ لوگ جہنوں نے امن عالم 'خاندانی منصوبہ بندی 'مذہنی ہم آہنگی 'انسانی حقوق 'چائلڈ لیبر پروٹیکشن 'جمہوریت کے پردے میں انسانیت کو اجتماعی غلامی میں دھکیل دیا آج خود انسانیت کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔ایک وقت تھا جب یہ کہا گیا کہ "کمیونزم کو ماسکو کی دیواروں میں بھی پناہ نہیں ملے گی"۔اور پھر دنیا نے دیکھا کہ فرعونی رعونت کا زعم لیئے جو سوویت یونین افغانستان میں داخل ہوا تھا ٹھیک بارہ برس بعد اس کی قوت کا شیرازہ بکھر گیا۔اب جبکہ امریکہ کو افغانستان میں ' بارہ برس ہونے کو ہیں اس کا سودی نظام لڑکھڑا رہا ہے۔خلاف فطرت قاعدوں پر کھڑی معیشت لرزہ براندم ہے۔عرب و عجم کے مابین نفرت کے بھانبڑ بھڑکا کر ساٹھ ارب ڈالر کا اسلحہ فروخت کرنے والا چوہدری نہ جانتا تھا کہ قدرت جب چاہے 'جسے چاہے 'جہاں چاہے 'جس کے ذریعے چاہے رسوا و ذلیل کروا سکتی ہے۔چڑیوں سے باز مروا سکتی

ہے۔ یہ بہت بڑا سچ ہے کہ افغانستان امریکہ کو کھا گیا ہے۔

"وال سٹریٹ کے خلاف ابھری لہر دیکھ کر "بے خدائی معاشرہ (god less society) کے بانی تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کے سرمایہ دارانہ نظام جس کی اساس سود پر قائم ہے اس کی طرف داری نہ تو زبور اور تورات نے کی ہے اور نہ ہی اس کی حمایت انجیل مقدس اور قرآن پاک نے کی ہے۔ بلکہ یہ صیہونی طاقتوں کا نظام ہے جو انسانیت کے لیئے زہر قاتل ہے۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ عیسی ابن مریمؑ ہوں یا رحمت اللعالمین ﷺ موسیٰ ہوں یا کوئی اور نبی مجموعی طور پر ان عظیم ہستیوں کو تکالیف پہنچانے میں سرمایہ دار طبقہ ہی پیش پیش رہا ہے۔ چاہے وہ فرعون کی صورت میں ہو' چاہے قارون کی صورت یا قریش مکہ (کفار)۔

لب لباب یہ کہ "وال سٹریٹ پر قبضہ کرو" نامی تحریک نے امریکیوں سمیت پوری انسانیت کہ دشمنوں کی تشخیص کر لی ہے۔ وال سٹریٹ کے مخالف بخوبی جانتے ہیں کہ ڈالر اور یورو کیوں زوال پذیر ہے اور "شیکل" آخر کیسے عالمی اقتصادیات میں زور پکڑ رہا ہے۔

متوسط طبقے کا عیسائی ہو یا یہودی' ہندو ہو یا مسلمان قریباً سب ہی وال سٹریٹ کے خلاف مزاحمتی تحریک کی کامیابی کیلئے دعاگو ہیں۔ کیونکہ نسلی' نظریاتی ولسانی تضاد اپنی جگہ مگر اپنے حقوق کا تحفظ اور چمڑے کی جھونپڑی (پیٹ) کی آگ بجھانا ہی وال سٹریٹ کے مخالفین کا ایشو ہے۔ اگر یہ تحریک کامیاب ہو گئی تو دنیا کے معاشی نظام کی بساط پلٹ دے گی بشرطیکہ انسان نے فطرت کے قانون کو بالائے طاق نہ رکھا تو۔

مر جاؤں گا لیبیا نہیں چھوڑوں گا

افق گفتگو۔ار۔ایس۔یو۔شجر

ستمبر 642ء میں محبوب خدا ﷺ کے اصحاب نے حضرت عمر بن العاص کی سربراہی میں رومی سلطنت کے مقبوضہ علاقے لیبیا کا رخ تو ان اللہ کے دوستوں کے سامنے مضبوط ترین قلعے خس وخاشاک کی مانند سرنگوں ہو گئے۔لیبیا فتح ہوگیا مگر رومی سلطنت کی وفادار فوج پیہم مزاحمت کرتی رہی تاکہ کسی نہ کسی صورت میں لیبیا پر دوبارہ رومی جھنڈا لہرایا جا سکے۔بالآخر حضرت عبداللہ بن سعدؓ کی قیادت میں 647ء عیسوی میں لیبیا اسلامی سلطنت کا حصہ قرار پایا۔مسلمانوں کے مکمل قبضہ کے کم وبیش تیرہ برس بعد 663 میں بربروں نے کچھ قوت پکڑی اور معمولی مزاحمت کا آغاز کیا جس کا عقبہ بن نافع نے فوری سدباب کر دیا۔میرے پیارے رسول ﷺ کی اعلیٰ تربیت کا اثر تھا کہ لیبیا پر اصحاب اور ان کے زیر تسلط امراء نے اس طرز پر حکومت کی کہ لیبیا کہ باشندے اپنی زبان' تہذیب و تمدن الغرض سب کچھ بھلا کر اسلام کے سایہ رحمت میں آ گئے۔اور آج لیبیا کا شمار عرب دنیا میں کیا جاتا ہے۔تاریخ میں کسی حکمران طبقے کہ زیر سایہ ایسی تبدیلیاں بہت کم نظر آتی ہیں۔آنکھ رکھنے والوں کیلئے یہ کافی ہے۔

اس اٹھارہ لاکھ مربع کلومیٹر پر پھیلے لیبیا پر اٹلی اور یونان بھی قابض رہے اور جنگ عظیم دوم کے بعد لیبیا تاج برطانیہ کے زیر تسلط آگیا۔ جس کا قبضہ 1943 سے 1951 تک رہا۔ 1951 میں لیبیا کے بادشاہ ادریس نے خود مختاری کا اعلان کیا اور یوں لیبیا پر برسوں سے قائم استعماری قوتوں کا حصار ٹوٹ گیا۔ کسی حد تک اسلامی کے چاہنے والے اس خطہ یں پھر چھا گئے۔

اسی دوران سات جون 1942 کو سرت کے قریب ایک صحرائی علاقہ میں معمر ابو محمد منیار القذافی نے خانہ بدوشوں کے گھر جنم لیا۔ 1956 کے نہر سوئز کے تنازعہ یں مغرب اور اس کے لے پالک کے خلاف مظاہروں میں قذافی کی شخصیت سامنے آئی۔ اور پھر یکم ستمبر 1969 کو شاہ ادریس کا تختہ الٹ کر قذافی اقتدار پر قابض ہو گئے۔

میں قذافی لاہور میں ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس میں پیش پیش تھے 1974۔ مغرب اور اسرائیل کے خلاف نفرت آمیز الفاظ استعمال کرکے عوام اور مسلمانوں کے دلوں میں جگہ بنانے والے قذافی نت نئے انداز سے بھی لوگوں کو اپنی جانب راغب کرنے کا ہنر خوب جانتے تھے۔ ایک دفعہ ایک معروف صحافی خاتون ان سے انٹرویو لینے گئیں۔ کمرہ کا دروازہ کھلا اور سفید گھوڑے پر فوجی وردی

میں ملبوس قذافی نے اندر داخل ہوتے ہی ننگی تلوار لہرا کر کہا پوچھو ؟سوال کرو ؟۔ان کی زندگی کا ایک اور عجیب پہلو چالیس خواتین کو اپنی سیکورٹی پر معمور کرنا ہے ۔وہ ہمیشہ اپنی اسی سیکورٹی سے مطمئن رہے۔ بھٹو کے قریبی ساتھی تھے اور بھٹو کو ایک خفیہ پیغام بھجوانا بھی ان سے منسوب ہے ۔جس میں ان کو یہ پیش کش کی گئی تھی کہ آپ کو ایک چھوٹے سے ریسکیو ٹائپ آپریشن کے ذریعے رہا کروالیا جائے گا۔ مگر ذوالفقار علی بھٹو نے انکار کردیا۔

1984 میں قذافی نے اسکاٹ لینڈ کی فضا میں پرواز کرتے ہوئے ایک مسافر طیارے کو مار گرایا۔ جس کے نتیجے میں 270 ہلاکتیں ہوئیں ۔پھر 1988 میں فرانس کے جہاز کو تباہ کیا۔ جس میں 170 مسافر سوار تھے۔ نتیجے کے طور پر لیبیا کی سرزمین کو حددرجہ اقتصادی پابندیوں سے نبرد آزما ہونا پڑا اور لیبیا سفارتی سطح پر بھی تنہائی کا شکار ہوا۔ پھر اس کے بعد 2003 میں یک لخت قذافی کا جھکاؤ مغرب کی جانب بڑھ گیا۔ نہایت عجز وانکساری کے ساتھ معذرت کی گئی اور طیاروں کے لواحقین کو اربوں ڈالر معاوضے میں ادا کیئے گئے ۔اسکے ساتھ ہی لیبیا کا ایٹمی پروگرام زمین بوس ہو گیا۔ یہ تھا وہ لمحہ جب قذافی کا زوال شروع ہوا۔ اپنے عوام اور پاکستان کو ان مرحلات میں مشکل میں ڈالنے والے قذافی مغرب کی تقلید کرنے لگ گئے۔

رعایا آسائشوں کے باوجود قذافی کی شخصیت پرستی اور آمرانہ طرز حکومت سے تنگ تھی لیکن مغرب نوازی نے اس پر مہر ثبت کر دی۔ مکافات عمل کا بے رحم لشکر تیونس اور مصر کی دیوار پھلانگ کر لیبیا میں بھی وارد ہو گیا۔ جس اپنے اور پرائے سب نے خوب مدد دی اور اچھالا بھی۔ ایک ایک کرکے لیبیا کہ تمام علاقے اس مرد آہن کی مٹھی سے ریت کے ذروں کی طرح سرکتے گئے۔ انسانی حقوق کے کارکن کی گرفتاری سے طول پکڑنے والا یہ طوفان نہ تھما اور 27 فروری کو عبوری انقلابی کونسل قائم ہو گئی۔ نیٹو اور فرانس نے بھی اس کار خیر میں حصہ ڈالا اور انسانوں کا خون کرکے خوب ثواب کمایا۔ آخر کار اپنے آپ کو افریقہ کا رہنما کہنے والے قذافی کی قوت خزاں رسیدہ پتوں کی مانند لرزنے لگی۔ وہ قذافی جس نے حزب التحریر سمیت اپنے ہر مخالف اور باصلاحیت لیبیائی گروہوں کو کچل دیا تھا تھر تھر کانپنے لگا۔ لیکن بھٹو کے ساتھی نے اپنا کہا ہوا یہ قول سچ ثابت کر دکھایا کہ "مر جاؤں گا مگر لیبیا نہیں چھوڑوں گا"۔ یورپیین اور یورپیین نژاد میڈیا نے بارہا ڈھنڈورا پیٹا کہ قذافی لیبیا سے فرار ہو کر وینز ویلا چلے گئے ہیں ۔ لیکن سب جھوٹ ثابت ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا فرمان ہے "کفر کی حکومت قائم رہ سکتی ہے مگر ظلم کی نہیں"۔ بالاخر سرت میں ہی انقلابی فوج کے ہاتھوں قذافی اس دار

فانی سے کوچ کر گئے۔ گزشتہ بائیس برس کے دوران کرنل قذافی سمیت صدام حسین' حسنی مبارک' نوریگا' پیٹرس لومبا' الفانسو' اور چارلس ٹیلر کسی نہ کسی رنگ میں استعماری قوتوں کی ہوس کا نشانہ بنے۔ 1900 سے لے کر اب تک وہ (قذافی) طویل حکمرانی کرنے والے چوتھے ایسے رہنما تھا جن کا شاہی خاندان سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ انہوں نے 41 سال 11 ماہ اور 22 دن حکومت کی۔ ان کے دورِ اقتدار میں غیر ملکیوں سے گفت و شنید اور سیاسی گفتگو کرنے کی سزا تین سال قید تھی۔ اسلام' سوشلزم' قوم پرستی اور جدیدیت کا رنگ لیئے ایک سبز کتاب بھی انہوں اپنے عوام کی راہنمائی کے لیئے مرتب کی۔ لیبیا سے روزانہ اٹھارہ لاکھ بیرل تیل نکالنے کے باوجود لیبیا کی عوام کو جدید ٹیکنالوجی سے ہمکنار نہ کر سکے۔ اپنے ذات کے خول میں مقید رہنے والے تمام آمروں کو تاریخ نے ہمیشہ روند دیا۔ لیکن قذافی کے بے رحمانہ اور سفاکانہ قتل کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب تک وہ استعمار کے مخالف رہے محفوظ رہے لیکن جوں ہی انہیں اچھا بچہ بننے کی سوجھی وہ صفحہ ہستی سے بھی مٹ گئے۔ مبادا کہ اس کے سرپرستوں کو ابھی تک پہلی اسلام سربراہی کانفرنس نہ بھولی ہو۔ کیونکہ شاہ فیصل سے شروع ہونے والی ٹارگٹ کلنگ کا وہ آخری شکار تھے۔ وہ دنیا میں واحد آمر تو نہ تھے؟ انسانی حقوق کی پامالی فقط لیبیا میں تو نہیں کی جا رہی تھی۔ کشمیر پر ڈھائے جانے والے مظالم پر آخر دنیا کا چوہدری کیوں ایکشن نہیں لیتا۔

اب قذافی نے عدم آباد ہونے کے بعد اس کے حضور پیش ہونا ہے جو غفور بھی ہے اور رحیم بھی ۔ وہ بڑا ہی مہربان ہے۔ اللہ تعالٰی سے دعا کیجئے کہ وہ قذافی کو بخش دے ۔ اور خدا کرے کہ پھر کسی مسلم ملک میں کوئی آمر جنم نہ لے تاکہ سوا ارب مسلمان سکون کی زندگی بسر کر سکیں ۔ اسلام خوب پھلے پھولے۔ اور خدا کرے قذافی کے بعد لیبیا متحد بھی رہے کیونکہ لیبیا میں قبائلی منافرت کے بھانبڑ موجود ہیں جو کسی لمحہ بھی بھڑک سکتے ہیں یا بھڑکائے جا سکتے ہیں۔ اپنے تمام تر کوتاہیوں کے ساتھ قذافی کا یہ وصف ضرور تھا کہ وہ لیبیا کو متحد رکھے ہوئے تھے۔

اگر راستہ نہ ملا تو۔۔

افق گفتگو۔ار۔ایس۔یو۔ شجر

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "غربت اگر مجھے انسان کی صورت میں نظر آجاتی تو میں اسے قتل کر دیتا"۔ عسرت و تنگدستی ازل سے ہے اور اسے ابد تک رہنا ہے لیکن جب سے خلقت میں دولت کو معیار عزت قرار دیا جانے لگا ہے۔ کم و بیش ہر بشر اپنی پہنچ تلک اسی کی تگ ودو میں مصروف عمل نظر آتا ہے۔ غربت سے تنگ آئے افراد بھی اس معیار عزت کو حاصل کرنے کی جستجو میں لگ جاتے ہیں۔ چند افراد کا تو قسمت ساتھ دیتی ہے اور وہ غربت کے فرش سے دولت کے عرش پر جلوہ فرما ہو جاتے ہیں۔ لیکن سب کا مقدر ایک سا نہیں ہوتا۔ کئی اسی منزل کی تلاش میں کبھی خود اور کبھی میکاولی کے پیروکار سیاست دانوں کے ہتھے چڑھ کر ہر جائز و ناجائز کام کر ڈالتے ہیں' شومئی قسمت سے اگر ان کی بدنصیبی پر کچھ عرصہ تالا پڑ جائے تو پھر یہی افراد مفلوک الحال لوگوں کا ہی گلا کاٹتے رہتے ہیں۔ اور انکے بعد وہ افراد آتے ہیں جو محض رزق حلال ہی کو اپنا نصب العین قرار دے دیتے ہیں۔ اور اسی پگڈنڈی پر چلتے چلتے پاؤں میں آبلے پڑ جاتے ہیں مگر ان کے عزم میں کوئی فرق نہیں آتا۔ لیکن انھیں میں سے کچھ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جو

جلد ہی حوصلہ ہار دیتے ہیں مگر حرام رزق سے کترانے والے یہ بنی آدم حالات کی بے رحمی سے دلبرداشتہ ہو کر اللہ کے قانون کو ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اپنے ہی ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔

سندھ کے ضلع نوشہرو فیروز کا راجہ خان بھی رزق حلال کی تلاش میں سرگرداں ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ کئی سالوں کی تگ ودو کے بعد جب اس کی متلاشی نگاہوں کو بے عزتی' عدم توجہ' نفرت اور پریشانی کے سوا کچھ نہ ملا تو رزق حلال کا یہ متلاشی اپنے آپ کو جلا کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ایک نجی چینل کے مطابق راجہ خان قومی اسمبلی کے رکن اسمبلی ظفر علی شاہ کے حلقے سے تعلق رکھتا تھا اور انہی سے ملنے کی خواہش لیئے اس نے شاہی شہر کا رخ کیا۔اس سے قبل وہ بلاول ہاؤ س کراچی اور صدر صاحب کی رہائش گاہ بھی دیکھ آیا تھا۔لیکن اس کی بھوک کو مٹانے کا جتن کوئی کیا کرتا اسے ملاقات کا شرف ہی نہ مل سکا۔

راجہ خان کی شادی آج سے آٹھ سال قبل ہوئی ۔اس کی تعلیم میٹرک اور اس کی بیوی انٹرپاس تھی ۔جبکہ اس کے دو بچے تھے ۔دو سو روپے کی مزدوری کبھی کبھار اسے مل جایا کرتی تھی ۔مستقل روزگار کی تلاش نے اسے شہر خاموشاں تلک پہنچا دیا۔اس ملے ہوئے خط میں ارباب اختیار سے اپیل کی گئی ہے کہ اس کے دو بچوں

اور حاملہ بیوی کی کفالت کی جائے۔راجہ خان کے بچوں کی نگہداشت ہو یا نہ ہو لیکن راجہ کی معصومیت کا اندازہ لگایئے کہ اس کی امید پھر بھی انھیں لوگوں سے بندھی ہے جنھوں نے اسے اس حال تک پہنچایا۔کیا محض ایک ہی جماعت راجہ کی قصوروار ہے؟راجہ کے قتل کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟کیا صاحب ثروت لوگ اس ملک سے اُٹھ چکے ہیں یا بے لگام ہوتی غربت نے انکے خزانے خالی کر دیئے ہیں؟یہ اور اس سے ملتے جلتے اور بہت سے سوالات میڈیا میں آپ کو ملیں گے چند دن راجہ کی عرضی بھی اس لہر کا حصہ بنے گی اور پھر۔۔۔

یہ اس جمہوری دور کا کوئی پہلا سانحہ نہیں اس سے قبل 17 جون 2010 کو پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے دفتر کے سامنے رکشہ ڈرائیور نے اپنی ایک بچی اور بیوی سمیت گولیاں کھا لیں اور پھر ہسپتال میں یہ تینوں ملک راہی عدم ہوگئے۔پھر بیس ستمبر 2010 کو بے رحم غربت سے تنگ آکر اکرم نامی شخص نے پہلے وزیر اعظم سے ملنے کی سعی کی اور جب اس کی شنوائی ممکن نہ ہو سکی تو اس خود کو آگ لگا کر خود کشی کر لی۔پھر اسی سال 9 نومبر 2010 کو بہاولپور کے مکین خاوند'بیوی نے اپنے دو بچوں سمیت گورنر ہاؤس پنجاب کے سامنے خود کشی کی کوشش کی۔اسکے بعد بیس جون 2011 کو راجن پور کے رہائشی اسد منیر نے سپریم کورٹ کے سامنے خود کو تلف کرنے کی سعی ناکام کی۔اور پھر گزشتہ دنوں راجہ خان کی صورت میں یہ دلخراش منظر سامنے آیا۔چند بیانات'رسمی امداد اور اظہار تعزیت کیا یہ

اطوار پرانے نہیں ہو گئے؟۔کیا ان اقدام سے یہ لا متناہی سلسلہ رک جائے گا؟کیا نت نئی وزارتیں تخلیق کرنے سے مایوسی کے اندھیرے چھٹ جائیں گے ؟ہر گز نہیں جس ملک کے پچاس فیصد سے زائد لوگ معیاری خوراک سے محروم ہوں گے وہ اسد منیر اور راجہ خان ہی پیدا کرے گا۔اربوں ڈالر کے اثاثوں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے بھی اس حمام میں ننگے ہیں الغرض ہمارے ہاں تقریباً سب ہی میکاولی ہی کے پیروکار ہیں۔

راجہ خان کی خود کشی کے مناظر دیکھ کر مجھے اپنے کیمسٹری کے پروفیسر کا سنایا ہوا واقعہ یاد آگیا۔اُن کی بیگم صاحبہ نے ایک بلی پال رکھی تھی۔جو موقع ملنے پر ان کے دن رات کی محنت سے تیار کردہ نوٹس کو اپنا لیٹرین بنا لیتی اور یوں انکی محنت خاک میں مل جاتی۔بیڈ کی چادر' تکیہ وغیرہ تو وہ پہلے بھی صبر و تحمل سے بدل لیتے تھے لیکن نوٹس کے بے حرمتی کا دکھ ان سے برداشت نہ ہوتا تھا۔لیکن گھر کی ملکہ کی خواہش اور حکم عدولی بھی وہ نہ کر سکتے تھے۔کونکہ سیانے کہتے ہیں کہ" دن کو بادشاہ (حاکم) ملک پر حکومت کرتا ہے لیکن شام ڈھلے ملکہ بادشاہ پر حکومت کرتی ہے"۔بارہا بیگم سے درخواست بھی کر چکے تھے کہ یہ شوق ختم کیجئے یا کوئی پنجرہ وغیرہ بنوا لیتے ہیں۔مگر اکیسویں صدی کی عورت بھلا کیسے کسی کو قید کر سکتی تھی کیونکہ وہ تو جانتی تھی کہ اس سے قبل کی خواتین کو کیسے گھر میں قید رکھا جاتا تھا اور چار دیواری کی قید

اُف اللہ۔اور پھر وہ بھی بے زبان کو قید کرنا ایسے قبیح فعل کا ارتکاب تو کیا وہ تصور بھی نہ کر سکتی تھیں۔جب پروفیسر عبدالصمد صاحب کی بات نہ بنی تو وہ بلی کو ڈرانے دھمکانے لگ گئے۔بلی تھی کہ ہر دفعہ ان سے گھبرا کر ادھر اُدھر بھاگ جاتی تھی اور یوں کچھ لمحات کیلئے وہ اس سے نجات حاصل کر لیتے لیکن ہمیشہ کی مانند وہ پھر آ دھمکتی۔آخر کار پروفیسر صاحب نے ایک دن اسے بوری میں بند کرکے دور دراز کے علاقے میں پہنچانے کی ٹھانی۔اس کے پنجوں سے بالکل خائف نہ ہوئے کیونکہ قدکاٹھ اور قوت میں واضح فرق تھا۔اور پہلے بھی وہ ان کی معمولی سی حرکت پر دم دبا کر بھاگ جایا کرتی تھی ۔کبھی روشندان سے کبھی دروازے سے ۔مگر اب کی بار پروفیسر صاحب نے کمرے سے باہر جانے کے تمام راستے مسدود کر دیئے۔اور بلی کو نحیف مخلوق سمجھ کر اس کی جانب لپکے ،مگر بلی یہ جا اور وہ جا۔مگر بلی کی کافی دوڑ دھوپ کے بعد جب اسے بھاگ جانے کی کوئی راہ نہ ملی تو اس وہ پوری طاقت کے ساتھ پروفیسر صاحب کی گردن پر جھپٹی ،لیکن خوش قسمتی سے ان کے ہاتھ میں کتاب موجود تھی جس کو مزاحمت کے طور پر استعمال کرنے کے باوجود وہ زخمی ہو گئے۔

یقین کیجئے جب ان راجے خانوں کے پاس کوئی آپشن نہیں بچتا تو یہ خود کشی کر لیتے ہیں خدا کے قانون کو توڑتے ہیں بہت سے انفرادی طور پر قانون شکن کا روپ دھار لیتے ہیں ۔لیکن ہمارے امراء کو اس دن سے بچنا چاہیئے جب یہ راجے

تمام راہیں مسدود ہونے کے بعد خدا کے قانون کے بجائے انسان کے قانون کے در پے ہو جاویں گے' جس دن یہ سب راجے مل کر ان کی گردن پر جھپٹیں گے اور اور ان کو بچانے والا اقتدار بھی ان کا ساتھ نہ دے پائے گا۔ کیونکہ فارسی مصرعہ کا ترجمہ ہے کہ جب انسان کا تنگ آنا جنگ کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اور جنگ سے پہلے کا وقت مہلت ہوتا ہے۔ مہلت خدا سب کو دیتا ہے لیکن ہر مہلت کا ایک مخصوص وقت ہوتا ہے خدا کرے مہلت کے ختم ہونے سے پہلے ہمارے اور ہمارے ارباب اختیار کے اعمال درست ہو جائیں۔

ذرا ہوشیار رہنا بھیا۔۔۔

افق گفتگو۔ار۔ایس۔یو۔شجر

عمران خان نے تو سیاست کے اکھاڑے میں گرما گرم ماحول پیدا کر دیا ہے۔مات کھائے کھلاڑی' شکستہ پر' کم حوصلہ سب کے سب ایک ہی شہ کا پرتو نظر آرہے ہیں ۔کپتان وہی ہوتا ہے جو ہمہ قسم کے کھلاڑیوں کو کھیل کے میدان میں یک جا اور باحوصلہ بنادے۔لیکن احتیاط اب احتیاط یہ میدان سیاست کا ہے۔سچ پوچھیے تو جب سے میکاولی کی پالیسی کا نظری معائنہ کیا ہے تب سے ہی ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو اس کی مجلس ہی کا بندہ گردانا ہے۔اور کبھی کبھی سوچتا ہوں اتنی بد گمانی بھی اچھی نہیں ۔لیکن جھٹ سے خیال آتا ہے کہ میاں سیاست بھی تو کوئی شریفوں کا کام نہیں ۔چنگا بھلا شریف بھی ہو تو ایک آدھ جھوٹ منہ کا ذائقہ بدلنے کیلئے بول ہی دیتا ہے۔اکا دکا کوئی گامن سچیار ہوگا۔اب آپ سوچیں گے کہ یہ گامن سچیار کون تھا۔بھائی یہ ایسے ہی بیچ میں آگیا۔چلو خیر سے آہی گیا تو اس کا تعارف کروائے دیتے ہیں۔۔برسوں بیت گئے دنیاکے کسی کونے میں ایک سچا شخص رہا کرتا تھا اور ہر جگہ ہر موقع اور ہر لمحہ سچ کو بغیر لاگ لپیٹ کے برملا بیان کرتا تھا۔اب اسے گزرے زمانے بیت گئے۔کوئی قسمت کا مارا اگر دن میں دوچار سچ بول دے تو اس کو لوگ طعنہ دیتے ہیں کہ بھائی اتنا گامن

سچیار نہ بنا کرو یہ وہ زمانہ نہیں۔لیکن وہ ایک اور بات کہنا بھول جاتے ہیں کہ نہ ہی آپ میں چاچے گامن سچیار کی مانند سچ بول کر اس کی سزا کو جزا سمجھ کر جھیلنے کا حوصلہ ہے۔

آج کل سیاسی افق پر تیرے میرے'اپنے پرائے سب ہی گامن سچیار بننے کی سعی کر رہے ہیں ان کو مشورہ ہے کہ "کوا چلا تھا ہنس کی چال سیکھنے اپنی بھی بھلا بیٹھا" (انہیں جا کر بتا دیجئے تبدیلی چہرے بدل کر' حلیہ سنوار کر یا نعروں سے نہیں بلکہ قول و فعل کے تضاد ختم کرنے سے آتی ہے)۔خیر عقل جتنی دیر سے بھی آئے اس کے فوائد بہت ہیں لیکن ذرا اس دنیا میں کم۔اسی واسطے دنیاوی راہوں کیلئے گامن کی اصطلاح ناکافی ہے۔اور کوئی لفظ سوجھا نہیں وگرنہ مثال ضرور دیتے اب ایسے ہی خام خاں چاچے گامن کی قبر کو جنبش ضرور دینی تھی۔چلیئے اپنے موضوع کی جانب آتے ہیں کیونکہ کالم کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔اصول تو سیاست کے بھی ہوتے ہیں لیکن ہمارے ہاں تو سیاست ہے ہی نہیں۔ہم پھر اپنے موضوع سے ہٹ گئے۔جیسے سیاست دان جمہوریت کہتے کہتے اپنے موضوع سے ہٹ جاتے ہیں اور آمریت کا روپ دھار لیتے ہیں۔

تو بات ہو رہی تھی چچا گامن کی۔آج کل کپتان نے چچا گامن کے اندر روح پھونک دی ہے یا ان کے اندر واقعی گامن صاحب موجود ہیں۔اب پیدائشی سچا تو میں

انہیں نہیں کہوں گا کہ میرے بہت سے معزز قلم فروشوں کو برا لگے گا۔اور ویسے بھی میں کون سا بچپن سے ان کی زندگانی کا مطالعہ کر رہا ہوں۔حال کا ذکر کرنا چاہیئے۔لیکن مبادا کہ اسی حال سے ہی بہت سے لوگ نالاں ہے عمران کے اسی حال نے ہی تو ان کا جینا بے حال کر رکھا ہے۔بہر طور عمران خان کو سنبھل کے چلنا ہوگا۔یہ راہ عشق ہے سنبھل سنبھل کے چلنا۔۔۔یہاں منزل ہے قدم قدم پر۔

مینار پاکستان پر تو خیر سے جلسہ کر ہی لیا۔اپنے تو کیا پرائے بھی اپنے ہونے کے چکر میں ہیں۔لیکن خان صاحب کراچی کا جلسہ اتنا آساں نہ ہوگا۔کراچی تو ماشااللہ وہ مقام ہے جہاں سے بڑے بڑے لیڈر نکلے۔قائداعظم اور پھر اور بہت سے۔اور خطرناک بھی ہے کیونکہ جس شہر میں (صوبائی) حکمران جماعت کا لیڈر ہی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتا ہو وہاں خان صاحب کو بھی قدرے محتاط رہنا ہوگا۔الطاف بھائی لاکھوں۔۔ووٹرز جانثاروں کے باوجود ملک سے باہر۔پھر کچھ سوچیئے تو دماغ شل ہونے لگتا ہے۔کیا' کہیئے کیا سمجھیں کیا سمجھائیں۔بس اتنا ہی کہ سکتے ہیں ذرا ہوشیار رہنا بھیا۔۔۔

کپتان کو وہاں جانے سے قبل مشاورت کرلینا چاہیے اپنے ساتھیوں سے بھی اللہ والوں سے بھی۔میرے الفاظ قلم سے نکل کر کاغذ پر پیوست ہوئے چلے جارہے ہیں کیا لکھنا تھا کیا لکھ دیا کیوں لکھ دیا نہیں معلوم۔بس اتنا معلوم ہے کہ

راہزنوں سے تو بھاگ نکل تھا
مجھے راہبروں نے آ گھیرا ہے

میرے قارئین کے لیئے یہ اس شعر کی موزوں جگہ شاید نہ ہو لیکن واللہ جوں جوں دسمبر کا مہینہ قریب آنے لگتا ہے میرا تن من سلگنے لگتا ہے۔ نجانے کیوں 1971 کا زخم گھیرنے لگتا ہے اور پھر یکایک دشمن اور کراچی کے حالات مجھے نڈھال کیئے دیتے ہیں ۔امن ہے ان لمحات میں لیکن امن مسلسل کب آئے گا کون لائے گا یہ سوالات برسوں سے میرے ذہن پر دستک دے رہے ہیں۔ لیکن پر امید ہوں کہ اگر کپتان کہ دامن میں اسی طرح اہل نظر کی دعائیں جھلکتی رہیں تو ضرور کراچی سمیت اس ملک کے گوشے گوشے میں امن و سلامتی 'پیار و محبت جنم لیں گے اور مہاجر بھائیوں اور مقامی افراد میں تفریق ڈالنے والی قوتیں نابود ہو جائیں گی۔ایم کیوایم ہو پی ٹی آئی ہو یا پی پی ہمیں امن چاہیئے امن۔

اِسے قانون نہیں انصاف چاہیئے

افق گفتگو۔ایس۔یو۔شجر

عجب ہیں تاریخ کے پہلو بھی ۔ کہیں فقط قانون تو کہیں مکمل انصاف۔ مگر.بر عظیم کی تاریخ بھی اس امر سے خالی نہیں ۔ مسلمان بادشاہوں کو بے آئین کہنے والے اہل کتاب اگر تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو انھیں شمس الدین التمش اور جہانگیر بھی نظر آئیں گے اور ان کا پر شکوہ انصاف بھی۔

اہل کتاب کے دور میں اس.بر عظیم یعنی متحدہ ہندوستان کی سرزمین پر نت نئے قانون لاگو ہوئے۔ خصوصاً 1857کے بعد۔رہ گئی بات عدل کی تو اہل مغرب کی ہی تصانیف اس دور کی وحشت ناک سزاؤ ں کا تذکرہ کرنے کیلیئے کافی ہیں ۔ عجب ہی قلم ہے اہل یورپ کا کبھی تعصب تو کبھی حقیقت نگاری میں یکتا۔اکبر کو دین الٰہی کا موجد کہنے والے اس کا بچپن میں مسجد سے جھاڑو دینا اور اذان دینا یکسر بھلا بیٹھتے ہیں ۔بس قانون ہے ان کا اور وہ بھی خدا کے آئین کے یکسر خلاف عوام کی عملداری۔حیف ہے ایسے معاشرے پراور اس کے مریدوں پر۔

مگر ہمارے ہاں بھی تو پارلیمنٹ کو سپریم ادارے قرار دینے پر تلے ہوئے افراد

نظر آتے ہیں ۔اللہ کے بندوں اللہ کا قانون تو پہلے کا موجود ہے ۔وراثت بھی اور شادی میں رضامندی بھی۔تاریخ کے اوراق گواہ ہیں محض سزاؤں کی تجاویز سے نہیں بلکہ حکومتی ارکان اور اہل علم کے قول و فعل کی مطابقت نے معاشرت کو حسن بخشا۔خلافت کے زمانہ میں زکوتہ لینے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔آج یکم رمضان سے پہلے بینکوں سے رقم نکلوالی جاتی ہے کہ کہیں زکوتہ کی کٹوتی نہ ہو جائے۔ نتیجہ یہ کہ ہر سو خالی ہاتھ ہیں اور یہی دست کبھی چور اور کبھی ڈاکو کے ہاتھ بن جاتے ہیں۔

شراب کا حرمت کا حکم آیا تو مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی۔جو لبوں سے بوتل لگاکے بیٹھا تھا تو اس نے بھی بوتل توڑ دی۔ جسکی بھٹی چل رہی تھی تو وہ بھی نابود ہوئی۔الغرض ہر سو تکمیل ہوئی۔ عمل مگر عمل۔

ایک دفعہ پیارے رسول سے شرعی سزا میں کمی کا کہا گیا تو زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے "اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا" (او کما قال) ۔مگر لمحہ بھر کیلئے سوچیئے کہ جس جس نے اس قانون کے حق میں ووٹ ڈالا کیا ان سب نے اپنی ذاتی حیات میں بھی بہنوں 'ماؤں اور بہوؤں کو وراثت میں حصے دیئے ۔اگر ان میں سے پچاس فیصد نے بھی ایسا کیا تو یقینا اس قانون پر عمل ہوگا۔

جس دن یہ قانون پاس کیا جارہا تھا۔اسی دن مریم کی چیخیں بلند ہوئیں ۔رخصتی جنازے میں بدل گئی۔اس سے ایک آدھ دن قبل ایک اٹھارہ سالہ لڑکی کو مہندی والے دن قتل کر دیا گیا۔کیا گھر میں بیٹھی عورت اور بازار کو رونق عطاء کرنے والی مخلوق کے بارے میں سوچا آپ نے ؟

سوچیئے کیا وہ آدم و حوا کی نسل سے نہیں ؟اس معاشرے کے ستون چند روپے دے کر اس کی کل متاع ہتھیاتے ہیں اور باہر نکل کر عورت کی شرم وحیاکے قصیدے پڑھتے ہیں ۔بنت حوا کو کھلونا بنانے والے اس کے حقوق کی صدا دیتے ہیں۔کیا جس دن یہ بل پاس ہوا بنت حوا کی عصمت دری رک گئی ؟

کیا یہ سب حکومت کر رہی ہے ؟؟؟ہمیں اپنے اعمال بھی بدلنا ہوں گے وگرنہ سب تبدیلیاں خاک میں مل جائیں گی۔۔یاد رکھیئے

خواہ وہ نئے قانون ہوں یا اقتدار کی منتقلی ۔فرانس کے خونی انقلاب نے اہل فرانس کو نپولین کی صورت میں ایک ظالم عطاء کیا۔چین ترقی کرگیالیکن ماؤزے تنگ کے دور میں انسانی سروں کی جو فصل کٹتی رہی اسے آپ کیا کہیں گے ؟۔

میرے بھائیوں اس معاشرے کی خواتین پہلے بھی ذلیل خوار تھیں اور شاید آج بھی ۔انہیں ان کا درست مقام عطاء کرنا ہے تو شدت پسندی اور وسعت پسندی کے تذبذب سے نکل کر اللہ کا قانون نافذ کرنا ہوگا۔درسگاہوں کے نصاب کو بدلنا ہوگا۔عوام کو عمل کروانے کے ساتھ ساتھ جب تک ایوان میں بیٹھے لوگ اس قانون پر عمل نہ کریں گے بنت حوا بے کسی کی زندگی گزارتی رہے گی۔ظلم کی چکی میں پستی رہے گی۔اور یہ قانون اس کے دکھوں کا مداوا تو کجا اس کا ہمدرد بھی نہ بن سکے گا۔وہ کبھی بے سہارا ہو جائے گی تو کبھی کسبی کا روپ دھارے گی۔ کبھی اپنے بچوں کے گلے خود کاٹے گی تو کبھی چند ٹکوں کی خاطر۔۔۔

کاش کوئی تو ہو جو اس کی آہوں کو سنے اس کے غم کا علاج دریافت کرے۔اسے قانون نہیں انصاف چاہیئے انصاف۔۔

عمران خان گھوٹکی کے بعد

افق گفتگو۔از۔ایس۔یو۔شجر

یکم محرم الحرام کا دن اسلامی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے۔اس دن سیدنا مولا حسینؑ کا قافلہ۔یزیدیت کا مقابلہ کرنے کیلئے مدینہ سے نکلا۔یہاں سے درد کی کہانی کی ابتداء ہوئی اور پھر کربلاکے مقام نے آپ کی آخری آرام گاہ کا شرف پایا۔

ایک روایت کے مطابق ایک پیغمبر کا اس بے آب وگیاہ صحرا سے گزر ہوا۔ان کو ٹھوکر لگی اور پاؤں مبارک سے خون جاری ہوااور ساتھ ہی فلک سے آواز آئی یہ وہ مقام ہے جہاں محمد ﷺ کا نواسہ اپنے ساتھیوں سمیت اسلام کی خاطر قربانی دے گا۔یہ وادی کرب و بلاکے نام سے بھی جانی جاتی تھی'یعنی مصیبتوں کا گھر۔جب جنت کے سردار حضرت امام حسینؑ اس سرزمین تلک پہنچے تو پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے لوگوں نے کہا "کرب و بلا" آپ یہی خیمہ زن ہوگئے۔واضح رہے خیموں کی جگہ آپ نے خرید کی تھی۔ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جب آپ نے اس جگہ پہنچ کر خیمہ لگانے کیلئے زمین کھودی اسوقت تلک آپ کا ادھر قیام فرمانے کا ارادہ مکمل نہ تھا۔لیکن جب حیدرؑ کے بیٹے نے جگہ کھودی تو وہاں سے خون نکلا

فرمایا یہی مقام ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو پہلے ہی سے معلوم تھا (اللہ کی طرف سے دیا گیا علم) کہ مجھے اسی مقام پر نانا کے دین کی خاطر قربان ہونا ہے۔آپ میں جو صبر'ہمت ولولہ'اور قوت تھی یہ سب فیض محمدی ﷺ کا کرشمہ تھی۔

حسینیتؑ درحقیقت ایک وژن کا نام ہے'ایک نظریے اور ایک سوچ کا نام ہے۔ایک مکمل ضابطہء حیات کا نام ہے۔اگر یہ کہ دیا جائے کہ حسینیتؑ میں ہی اسلام ہے تو ہرگز غلط نہ ہوگا۔ حسینؑ حق کی صدا ہے۔ حسینؑ درد کی انتہا ہے۔ حسینؑ صبر و شکر کا عروج ہے۔ حسینؑ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا"جس نے حسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی"۔ مولا حسینؑ کی محبت آقا ﷺ کی محبت اور آقا جی ﷺ کی محبت اللہ کی محبت اور ان تمام محبتوں اور ان سے جڑی الفتوں سے مومن کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

یعنی جو حسینؑ سے محبت کا اقرار کرتا ہے وہ یزیدیت سے انکار کرتا ہے۔کیونکہ یزیدیت اسلام دشمنی کا دوسرا نام ہے۔ سیدنا مولانا الحسینؑ نے اقتدار کی خاطر نہیں اسلام کی خاطر اپنی اور اپنے چاہنے والوں کی قربانیاں دیں۔چھ ماہ کا پیاسا علی اصغرؑ اپنے ہاتھوں پر شہید ہوگیا لیکن صبر کا پیمانہ لبریز نہیں ہوا۔وہ ایسی ہستی تھی کہ ان کے واسطے یہ بھی مقام شکر تھا۔اور ہر قربانی کے

بعد میرے حسینؑ کا جذبہ بڑھا 'اور بڑھتا ہی گیا۔ حسینؑ کی جنگ کفر کے خلاف نہ تھی
حسینؑ کی جنگ نصرانیوں کے خلاف ہرگز نہیں تھی'ان کی جنگ ظلم کے خلاف تھی' جبر'
کے خلاف تھی' ظالموں کے خلاف تھی 'شریعت کے ترک کرنے والوں کے خلاف تھی
۔سنت کے تارکوں کے خلاف تھی۔جن ہستیوں نے ان کا ساتھ دیا وہ حسینی بن
گئے۔ان میں اصحاب رسولﷺ تھے'آل علی اور آل فاطمہؑ تھی۔حق کے چاہنے والے
تھے ۔ان کی ضرورت نہ تھی امام کو۔امام کو تو ناناﷺ کا فیض ہی کافی تھا۔ساتھیوں
سے بے نیاز تھے ۔چراغ بجھا کہ کہا جو جانا چاہے اسے اجازت ہے۔مگر کون تھا جو یہ
موقع ہاتھ سے جانے دیتا سب محمدﷺ کے دیوانے محمدﷺ کے نظریے یعنی حسینیتؑ
پر قربان ہو گئے۔اور ذرا دیکھئے۔یزیدی فوج کا ہر سپاہی سیاسی 'ذاتی'اور لالچ کی ہتھکڑیوں
میں لیس تھا۔مجرموں کا ٹولا تھا۔ناحق اور ظالموں کا جم غفیر تھا۔یعنی جو حسینؑ کا ساتھی
بنا وہ حر سے حضرت حر ہو گیا اور جو کلمہ گو یزید کی فوج کے ہم رکاب ہوا وہ بدبخت ہو
گیا وہ جبر کا سپاہی ہو گیا۔وہ ظلم کی آواز بن گیا۔واقعہ کربلا سے آج تلک مائیں اپنے بچوں
کے نام یزید نہیں رکھتیں لیکن حر تو کجا غلام حر نام عقیدت واحترام سے رکھا
جاتا ہے۔یزید پر لعنت بھیجی جاتی ہے اور حسین کا نام آج بھی زندہ ہے۔
مگر مگر آج کی دینا میں ہم حسینیؑ ہونے کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن ذرا ذرا سی باتوں پر سر
خم کر دیتے ہیں۔ظلم کے آگے گردن جھکا کے کہتے ہیں ہم حسینؑ

کے ماننے والے ہیں' چاہنے والے ہیں۔ معتبر ہستیوں کی بارے میں ہرزہ سرائی کر کے کہتے ہیں ہم حسینیتؑ کا پرچار کر رہے ہیں۔ ظلم ظلم اور فقط ظلم۔

آج ہم ان کے جان لیوا ہونے کے دعوے کرتے ہیں لیکن مگر عمل درآمد ندارد۔ شاہ محمود قریشی نے اپنے جلسے میں اپنے قافلے کو حسینیتؑ سے تشبیہ دی۔ مومنو' مسلمانو جواب دو اگر شاہ محمود قریشی اور اس کی جماعت حسینؑ کا پرچم بلند کرتے ہیں تو ان کا ساتھ دوگے؟؟ان کی اطاعت کروگے؟؟؟لیکن خیال کرناان کے نقش قدم پر یہ چلتے رہیں تو ان کے ساتھ رہنا۔ ضرور رہنا۔ اگر تم سمجھتے ہو وہ حسینیؑ لشکر کے سپاہی ہیں تو ان کے ساتھ نکلو۔ ہلکے ہو بھاری ہو نکلو۔ جیسی ہو تیاری نکلو۔

اگر یہ رہنماء بھٹکنے لگیں تو ان ہی کے سامنے دیوار بن جانا۔ تم مولا حسینؑ کے سپاہی بن کے رہنا' کسی کے نرغے میں نہ آنا۔ ان کی اطاعت اسوقت تک تم پر رہے گی جب تلک یہ دین محمد ﷺ کے مطابق چلتے ہیں۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

محرم کی دسویں تاریخ کو "عاشورہ" کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہے "دسواں دن"۔ جب تلک مسلمانوں پر ماہ صیام کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے اسوقت تک عاشورہ یعنی دس محرم کا روزہ مسلمانوں پر فرض قرار دیا گیا تھا۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو پھر عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ مگر حسینؑ کے نانا نے فرمایا" مجھے اللہ کی رحمت سے اُمید ہے کہ جو عاشورہ کے دن کا روزہ رکھے گا۔ تو اس کے پچھلے ایک سال کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا"۔ لیکن آپ ﷺ کی زندگی میں رمضان کی فرضیت کے بعد جب بھی عاشورہ آیا تو آپ نے روزہ رکھا۔ لیکن حیات مبارکہ کے آخری سال جب دس محرم کا دن آیا تو آپ نے روزہ رکھا اور ساتھ ہی فرمایا کہ اس دن یہودی بھی روزہ رکھتے ہیں لہٰذا اگر اگلے سال میں زندہ رہا تو عاشورہ کے روزے کے ساتھ نو یا گیارہ محرم کا روزہ شامل کروں گا تا کہ یہودیوں سے مشابہت کا خاتمہ ہو جائے۔ اگلے برس آپ ﷺ وصال فرما گئے اور اس بات پر عمل نہ کر سکے۔ بعد میں صحابہ اکرامؓ و اہل بیت نے عاشورہ کے ساتھ نو یا گیارہ کا روزہ ملا کر رکھا اور اسے مستحب قرار دیا۔ لیکن اگر کوئی شخص فقط عاشورہ کا روزہ رکھے تو اُسے اس کا ثواب ملے گا لیکن چونکہ آپ ﷺ نے دو روزے رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اس لیئے بہتر یہ ہے کہ دو روزے رکھے جائیں۔

اور عاشورہ کی فضیلت سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔

قرآن کریم نے بھی اس ماہ کی حرمت کا اعلان کیا ہے۔مزید سیدالشہدا کی شہادت سے قبل دس محرم کو تاریخ میں بھی مقدس مقام حاصل رہا۔دس محرم ہی کے دن حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی'حضرت موسیٰ اور انکی قوم کو فرعون سے نجات ملی (جس کے شکرانے کے طور پر یہودی دس محرم کو روزہ رکھتے ہیں)'کشتیء نوح جودی

پہاڑ پر ٹھہری'حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے'اسی دن حضرت یوسفؑ کنوئیں سے باہر نکالے گئے'اسی دن حضرت آدمؑ کی ولادت ہوئی اور اسی روز آدمؑ کو آسمان پر اٹھایا گیا'حضرت یعقوب کی بینائی واپس آئی'حضرت داؤدؑ کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ہوئی (شارح بخاری'علامہ عینی)۔اسی روز حضرت آدمؑ کو نبوت کیلئے منتخب کیا گیا'اسی روز حضرت ادریس آسمان کی طرف اٹھائے گئے'اسی روز حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا گیا (نزہت البساتین) اسی روز حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمانوں کی جانب اُٹھائے گئے۔اسی روز حضرت ابراہیم کو آتش نمرود سے نجات ملی۔قصہء مختصر کائنات کے بیشتر بڑے فیصلے اسی روز مقرر ہوئے۔یہ دن بہت سی مقدس ہستیوں کے نام سے جانا جانے لگا۔لیکن پھر کربلا نے 61ھ دس محرم کا دن دیکھا۔فاطمہؓ کا لال دس اکتوبر 680ء کو کربلا کی سرزمین پر شہید ہوگیا۔اور پھر دس محرم (عاشورہ) کی پہچان یکسر بدل گئی'حضرت محمدﷺ کے نواسہ کی شہادت کے لمحہ سے لے کر آج تک یہ دن

سیدنا مولانا الحسینؑ کا دن ہے۔پانچوں براعظموں میں اس دن کی فضا سوگوار ہو جاتی ہے'آسمان پر لالی چھاجاتی ہے'گلستان کا پتا پتا'زمین کا ذرہ ذرہ'پرندوں کی چہچہاہٹ'ہوا کی سرسراہٹ انسانوں کے چہرے الغرض ہر ذی روح اور بے جان شہ پر اداسی چھاجاتی ہے۔سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں سے یہ ایک ایسا دن ہے کہ غم کی انتہا معلوم ہوتا ہے'اور کائنات یک جان ہو کر اک درد کی بستی بن کر رہ جاتی ہے۔ہر عقیدے ومذہب کا فرد اپنے اپنے انداز میں سیدنا مولانا الحسینؑ کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔اور یہ مقام ورتبہ سیدنا حسینؑ کے حصے میں اس لیئے آیا کہ سیدنا حسینؑ نے اس دن اسلام کے جداگانہ نظریے کا احاطہ کیا کہ دنیا حیران رہ گئی۔سیدنا حسینؑ نے کربلا میں ثابت کر دیا کہ حق کے سپاہی چاہے تعداد میں تھوڑے ہوں 'چاہے ملک کا سربراہ خلافت کا دعوی کرتا ہو'چاہے شمشیر وسناں کی کمی ہو'چاہے نیزے بھالے'اونٹ'خچر نہ ہوں'چاہے تلواریں کم اور دشمن ہزاروں گنا زیادہ ہو'چاہے بچے بھوکے پیاسے ہوں چاہے مجاہدوں کے پاس ترکش میں تیر'پیٹ میں روٹی اور حلق میں نمی تک نہ ہوں'چاہے سارا خاندان قربان کرنا پڑے حق کی خاطر ہاں حق کی خاطر جبر کی قوتوں سے ٹکرا جاؤ چاہے وہ کلمہ گو ہی کیوں نہ ہوں۔اور یہی حسینیتؑ ہے۔کیونکہ کوئی شخص کلمہ گو'حاجی نمازی اور زکوۃ کا پابند ہونے کے باوجود بھی شداد ونمرود اور فرعونیت کے نظریے کا علمبردار ہو

سکتا ہے۔اسلام اس کے خلاف بھی ایکشن کی اتنی ہی افادیت بتلاتا ہے جتنی کسی کافر مشرک کے خلاف جہاد کی۔ باطل کی قوتیں چاہے جتنی بھی قوت پیدا کرلیں بالآخر پاش پاش ہو جاتی ہیں۔ حسینیتؑ پر عمل کرنے والے چاہے مٹھی بھر بھی ہوں جیت انہی کے قدم چومتی ہے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ آج یزیدیت جاہلت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں گم ہو چکی ہے لیکن حسینیت زندہ جاوید ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے

جب تک سورج چاند رہے گا
سیدنا حسینؑ تیرا نام رہے گا

امام عالی مقام تو جدوجہد 'ایمان اور جہاد کی عملی شکل ہیں ۔انہی کی قربانیوں کا ثمر ہے کہ آج تن تنہا انسان بھی وقت کے فرعونوں کے سامنے ڈٹ جاتا ہے ۔آج کے تن تنہا شخص کو فرعونیت کے آگے ڈٹ جانے کا حوصلہ 'ہمت 'ولولہ ہرگز نصیب نہ ہوتا اگر سیدنا حسینؑ اپنی اور اپنے خاندان کی قربانی نہ دیتے۔ یہ عزم وہمت ذات سیدنا حسین میںؑ فیض محمد ﷺ کا ہی سرچشمہ تھا۔جنت کے سردار حضرت حسینؑ کے متعلق حدیث مبارک کا مفہوم ہے:"حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں"۔ کسی نے آپ کی عظمت کا خاکہ ان جامع الفاظ پر مشتمل اشعار میں نہایت خوبصورتی سے کھینچا ہے۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین

دین است حسین دین پناہ است حسین

سر داد نہ داد در دستِ یزید

حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

لیکن کیا آج ہم (مسلمان) من حیث القوم وضع قطع' چال ڈھال' اعمال' اخلاق' طرز عمل وعبادات سے حسینیتؑ کا حق ادا کر رہے ہیں؟۔ کیا ہم ان کے دیئے ہوئے اس عظیم فلسفے کو اپنی زندگیوں میں ڈھال رہے ہیں؟ کیا ہم نے سیدنا حسینؑ کی مانند نظریہ ضرورت کو رد کر دیا ہے؟ نہیں ہر گز نہیں۔ تو پھر ہم کیونکر حسینیؑ ہونے یا انکے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جنرل ایوب' جنرل یحیٰ' مشرف' صدام' جمال عبدالناصر' حسنی مبارک (مصر) ک' زین العابدین' حبیب بورقیبہ (تیونس)' اور مسلم ممالک کے تمام کٹھ پتلی حکمران نظریہ ضرورت ہی کے تحت تخت پر مسلسل قابض رہ کر اسلامی دنیا کو نقصان پہنچاتے رہے۔ اور پہنچارہے ہیں۔ اسوقت مملکت پاکستان میں مہمند ایجنسی میں نیٹو حملے کے نتیجے میں اگر پاک فوج کے جوان شہید ہوئے ہیں یا فلسطین میں مسلمان ظلم سہ رہے ہیں یا بوسنیا و فلپائن میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں' یا کشمیر کے نہتے مسلمانوں پر ظلم و ستم کو بازار گرم ہے۔ اس سب کی وجہ در حقیقت یہ ہے کہ ہم حسینیتؑ سے عملاً انکار کر چکے ہیں۔ اگر مسلم ممالک کے باشندے آج بھی من حیث القوم حسینیتؑ کے سچے پیروکار بن جائیں اور پھر وہ بھوکے پیٹ ہوں یا ننگے پاؤں دینا پر غالب آ سکتے ہیں۔

آخر میں اپنی قلمی بساط کی نااہلی کے اعتراف (کیونکہ چودہ صدیاں گزر گئیں لوگوں کو سیدنا مولانا الحسینؑ کی تعریف کرتے کرتے لیکن حق تو یہ ہے کہ حق اداہی نہ ہوا) اور مسلم رہنماؤں کے واسطے چند اشعار پیش خدمت ہیں

کیسے کروں بیان میں رُتبہ حسینؑ کا
ناناﷺ کے دین کے واسطے صدقہ حسین کا
غلبہ ہے آج پھر سے غاصب یزید کا
مقصود پھر ہے آج وہ جذبہ حسینؑ کا
ظالم کے ظلم وجبر پر تڑپی تھی سرزمیں
رویا تھا کتنے درد سے کوچہ حسین کا
بچے بھی کٹ کے ہوگئے اس راہ پے شہید
تھا کس قدر دلیر وہ کنبہ حسین کا
جاتا ہے لے کہ جانب منزل یہ نقش پا
کتنا حسیں ہے دیکھئے رستہ حسین کا
طاغوتی حکمرانی مٹانے کے واسطے
لانا پڑے گا پھر وہی لہجہ حسین کا
ہو کہ شہید کرگئے دین کو وہ جاویداں
رشتہ تھا کتنا دین سے پختہ حسین کا
دعوے تھے جانثاری کے یوں تو وہاں مگر

بس آستیں کا سانپ تھا کوفہ حسیں کا
قربانی کا درس ہے اس میں چھپا ہوا
کیجئے بیان ہر کہیں قصہ حسین کا

وینا ملک کے اعزازات

فن اور فن کار' آرٹ یہ وہ الفاظ ہیں جن کے تخلیق کار درحقیقت مغرب زدہ ہیں ۔وگرنہ مشرق میں اس قدر فحش پروگرام (فیشن شوز'بگ باس اور ان کی تشہیر کا تاریخ میں ریکارڈ موجود نہیں۔اسلام تو وہ دین ہے جس نے عورت کی تذلیل حرام کر دی۔اسے وہ درجہ دلایا کہ تاریخ ایسی مثال دینے سے قاصر ہے۔طلاق کا حق مرد کو اس لیئے دیا کہ اس کے مقابلے میں عورت جذباتی اور جلد فیصلہ کرنے والی ہے۔جبکہ مغربی معاشرے نے عورت و مرد کو طلاق کا حق' جنسی آزادی'ہم جنس پرستی کی اجازت دیکر نہ صرف تورات اور انجیل کی نفی کی ہے بلکہ حوا کی بیٹی کے ساتھ بھی ظلم کیا ہے۔آج آپ عالم اسلام اور مغربی دنیا کے طلاق کے اعداد و شمار کا جائزہ لیں تو آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ عالم اسلام میں عورت کی طلاق پانچ فیصد سے کچھ زائد جبکہ مغرب میں اسکی شرح پچاس فیصد کے قریب بنتی ہے۔مغرب نے جو کانچ کا محل بنایا ہے وہ دیرپا نہیں ۔تاریخ گواہ ہے کہ جب تک رومی اور یونانی سلطنتیں عورت کی اہانت سے باز رہیں عروج پر رہیں لیکن جوں ہی انہوں نے عیش و عشرت کا اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تو فحاشی کے اس میدان میں ریت کے ذرات کی طرح بکھر گئیں اور پھر نہ سنبھل سکیں۔

میرے آقا ﷺ کی حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ "لعنت ہے ایسی عورت پر جو کپڑے پہن کر بھی برہنہ ہو"۔آج ٹاک شوز کی نمائندگی خواتین کرتی ہیں جن میں سے بیشتر سرپر دوپٹہ لینا بھی گوارا نہیں کرتیں اور ان میں سے بعض پروگراموں میں اِکا دکا نام نہاد علماء حضرات شامل ہو کر' نگاہیں اُٹھا کر اسلام کے حق میں دلائل دیتے ہوئے نظر آتے ہیں' عجب رنگ وزاویے ہیں ملا کی شریعت کے۔جبکہ میرے پاک نبی ﷺ کی شریعت تو نہایت واضح و آسان ہے۔۔فیشن شوز منعقد کیئے جارہے ہیں اور ہمارے چینلز انٹرٹیمنٹ کے نام سے انکی خوب تشہیر کررہے ہیں۔حیف ہے ایسے ملک پر جو خود کو اسلامی جمہوریہ کہلواتا ہے۔اسلام رواداری' فلاح انسانیت کے ساتھ "حیا" کا بھی تقاضا کرتا ہے۔میرے پیارے نبی ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے "جب تجھ میں حیا ختم ہو گئی تو پھر جو چاہے کرتا پھر"۔ایک اور حدیث کا مفہوم ہے "حیا ایمان کی نشانی ہے"۔لیکن شاید ہمارے معاشرے میں سے حیا اس قدر تیزی سے رخصت ہو رہا ہے کہ اب محض نام ہی رہ گیا ہے۔بلکہ اسکی تاویلیں کرنے والے تو اسے نت نئے انداز میں پیش کرنے لگے ہیں۔کسی کی حیا دوپٹہ کے ساتھ شہر شہر پھرنا ہے تو کسی کی کھلے سر پھرنا۔کوئی آدھی بازؤں کو بھی حیا کا لباس قرار دیتا ہے تو کوئی بولڈ شوٹ کو بھی حدود کے اندر قرار دینے پر تلا ہے۔نجانے کیسے کیسے دلائل کے ہضم ہی نہیں ہو پارہے۔پھر اوپر سے ملاؤں کی جنگ نے تو اس امت کا جینا حرام کر دیا ہے۔کوئی بھی زبان چھ ماہ سے ایک سال کے عرصہ میں سیکھی جا سکتی ہے۔اگر آج پہلی جماعت سے ہی اس طرز پر عربی

نافذ کردی جائے تو دس سالوں میں ہی اچھے نتائج کے ساتھ ساتھ روایتی ملا سے نجات بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اور اسکے ساتھ ساتھ پھر شاید محترمہ وینا ملک کو بھی شرم وحیا کے تقاضے اور حدود بتانے والے بہت سے لوگ میسر آ سکتے ہیں ۔اس عریاں انداز سے قبل بھی وہ بگ باس شو میں پاکستان کی عفت کو تار تار کر چکی ہیں ۔اور ایک انڈین اداکار کے ساتھ قابل اعتراض ریکارڈنگ کروانے کے بعد بڑی بے باکی سے کہہ چکی ہیں کہ جسے یہ سین پسند نہیں وہ دیکھنے سے باز رہے۔حال ہی میں جیو نیوز کی جانب سے کیئے گئے سوالات کی روشنی میں یہ بات تو سامنے آ گئے کہ بازو پر آئی ایس آئی لکھوانے میں ان کی منشاء شامل تھی۔وہ کہتی ہیں کہ میگزین کے ایڈیٹر کبیر شرما کے آئیڈیے کے مطابق یہ سب کچھ کیا گیا۔لیکن آئیڈیا ان کا تھا اور بازو وینا صاحبہ کا مگر شاید آئیڈیا غالب آ گیا۔اور ان کے بقول آئی ایس آئی کو بازو پر کھدوانے کا پروگرام مزاح کے طور پر کیا گیا۔کیا محترمہ بتا سکتی ہیں کہ یہ مذاق ایک ایسے ادارے سے کیوں کیا گیا جو پاکستانی کی سلامتی میں اہم کردار ادا کر رہا ہے (کیا سیاسی اداکار کم ہیں جو آئی ایس آئی کو کبھی سیاست میں تو کبھی کسی اور تنازعے میں پھانسنے کی سعی کرتے ہیں اور پھر بے شرمی سے کہتے ہیں ہم محبِ وطن ہیں)۔عبدالرحمٰن ملک کہتے ہیں کہ وینا کی غلطی ہوئی تو ایکشن ہوگا۔میرے معزز یہ ایکشن نہیں ری ایکشن ہونا چاہیئے۔

لیکن کیا کیا انہوں نے محترمہ کے ساتھ ؟؟۔

محترمہ کہتی ہیں وہ (ایڈیٹر میگزین) جھوٹ بولتے ہیں ۔اور تصاویر کو دیکھ کو ان کو جھٹکا لگا۔لیکن ملکی عزت کو کتنا جھٹکا لگا مبادا کہ ان کو اس کی خاطر خواہ پروانہ ہو۔لیکن اس معاملے میں دفترخارجہ کو مربوط حکمت عملی بنانا ہوگی۔اور اسلام نہ سہی مشرقی تقاضوں کی حدود پر ہی ان خواتین کو قائل و پابند کر دیا جائے ۔ایسے انسانوں کی پاکستان کی شہریت منسوخ کرنی چاہیئے جو نہ صرف پاکستان و اسلام بلکہ ملکی دفاعی اداروں کی عزت پامال کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے۔شورش کشمیری کی کوششیں کم و بیش رائیگاں گئیں۔کتاب کو سنسر کرنے والے اگر آج زندہ ہوتے تو شاید وہ پاکستانی معاشرے کی خود کشی دیکھ کر زندہ درگور ہوجاتے ۔وینا ملک صاحبہ نے شوٹ کا معاوضہ بتانے سے انکار کیا ۔اور یہ انکار اپنے اندر بہت سے پہلو پنہاں رکھتا ہے۔اگرچہ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق انہوں نے ایف ایم ایچ میگزین کو دس کروڑ ہرجانے کا نوٹس بھجوا دیا ہے لیکن پاکستان کب اپنی عزت کی پامالی کا ہرجانہ طلب کرے گا۔وینا ملک سے ہی نہیں بلکہ قوت رکھنے والے ان تمام لوگوں سے بھی جو وینا کی طرح پاکستان کی خود مختاری کی اپنی ہی بنائی ہوئی تصویر میں رنگ بھرتے رہتے ہیں۔وہ بھی تو کہتے ہیں کہ معاوضہ نہیں بلکہ عزت ؟؟ کی خاطر کام کرتے

ہیں۔

ڈھاکہ کس نے جلایا؟

سقوط بغداد اور عثمانی خلافت کے بکھرنے کے بعد سقوط ڈھاکہ ایسا روح فرسا اور دل شکن واقعہ ہے جس کی یاد تازہ ہوتے ہی نہ صرف محب وطن پاکستانیوں بلکہ اہل اسلام کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں بدن ٹوٹنے لگتا ہے اور دل میں درد کی ٹیسیں اُٹھتی ہیں۔اس اندوہناک واقعے کی تصویر کا ایک رخ اگر ہماری فوجی و سیاسی قیادت کی نااہلی 'ناعاقبت اندیشی' انا پرستی ظاہر کرتا ہے تو تصویر کا دوسرا رُخ حلیف نما دشمنوں کا تعین کرتا ہے۔لیکن آج تلک واقعہ کے اصل محرکات و مجرم کا تعین کھٹائی میں پڑا دکھائی دیتاہے۔قیام پاکستان کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم اس خطہ وطن کو اسلامی فلاحی و جمہوری مملکت کے روپ میں ڈھالتے مگر ہم نے اس جانب کوئی خصوصی توجہ ہی نہ دی اور جس کسی نے دی اسے رجعت پسند' پاگل دیوانہ کہہ کر دھتکار دیا گیا۔اور عصر حاضر میں بھی اس کی کوئی صورت نہیں نظر آتی۔ تبھی تو ایک پرجوش جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اندرا گاندھی نے فخر سے کہا تھا"ہم نے نظریے پاکستان کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا"۔ہماری قوم و دانشوروں کی عجیب منطق ہے جب اس وطن کے آئین کی بات ہوتی ہے تو نظریے پاکستان کے علمبردار کہتے ہیں کہ قائداعظم کا پاکستان مکمل اسلامی ہونا چاہیئے اور مخالفین دلائل دیتے ہیں کہ قائد آزاد خیال تھے۔ارے بھائی یہ

اللہ کے بندوں اور اُس کے رسول ﷺ کی امت کا پاکستان ہے قائد کو ہمیں وہاں تک follow کرنا ہے جہاں تک اسلام اجازت دیتا ہے قصہ ختم۔ہم اسلام کے نام پر اکھٹے ہوئے تھے جب وہ جذبہ رخصت ہوا تو ساتھ ہی متحدہ پاکستان کا اتحاد بھی رخصت ہو گیا۔اور باقی کے پاکستان کو بچانے کا بھی ایک ہی حل ہے کلمہ طیبہ بس!

اب ہم ذرا سرنڈر کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں ۔ قائداعظم کی شب وروز کی محنت اور شہیدوں کے لہو سے قیام میں آنے والے پاکستان کے 90ہزار فوجی سولہ دسمبر 1971 کو سرنڈر کرنے کی بناءپر دشمن کی قید میں چلے گئے۔جرنل نیازی تو بعد میں کہتے رہے کہ وہ نوے ہزار فوجیوں کی جانیں بچالائے اور ہزاروں عورتوں کو بیوگی سے بچایا اور لاکھوں بچوں کو یتیمی کے سائے تلے پلنے سے بھی بال بال بچایالیکن اس رقت آمیز مناظر کو ہم کیا کہیں گے جس پر تاریخ اسلام قیامت تک شرمندہ رہے گی ۔ جس پر ایک بنگالی پاکستانی نے اس ذلت آمیز تقریب میں نیازی کو جوتا مار کر کہا اس سے تو اچھے تھا تم مر جاتے ۔تاریخ اسلام میں 16دسمبر 1971 سے بڑا کوئی سرنڈر نظر نہیں آتا۔اسلام کے بنیادی سپہ سالاروں نے تو ایک ہی سبق دیا تھا کہ "واپسی کی کشتیاں جلادو"یعنی جنگ کا حاصل فتح ہو یا شہادت ۔ مخالف سراسر باطل کا پیروکار 'مشرک ہو یا وقت کا جابر حکمران سرنڈر کا ذکر کہیں نہیں ملتا تاریخ کربلا گواہ ہے۔دنیا کے سب

سے بڑے سرنڈر کا اعزاز جاپان کے پاس ہے جس کی 72 لاکھ فضائی اور بری افواج نے دوسری عالمی جنگ میں امریکہ کے آگے گھٹنے ٹیکتے ہوئے ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ لیکن جاپان کے وزیر جنگ انامی کورے چیکا نے ویسی زندگی منتخب نہ کی جیسی ٹائیگر نیازی نے کی تھی اس کا تذکرہ آگے چل کر کریں گے۔ اس سے قبل 15 فروری 1942 کو ملایا اور سنگاپور کے بارڈر پر برطانیہ کے جرنیل پرسیول نے جاپانی جرنیل یاماشیتا کے سامنے اپنی ایک لاکھ تیس ہزار سپاہ کے ساتھ ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اور اس سے پہلے سقوط اندلس کا دل اندوز واقعہ 2 جنوری 1492 کو پیش آیا اور مسلمانوں کا آٹھ صدیوں پر محیط حکمرانی کا دور اپنے اختتام کو پہنچا۔ آٹھ سو سال بعد یہ پہلی شام تھی جب اندلس نے مغرب کی اذان کے بجائے لٹتی عفتوں اور زخمیوں بچوں اور بوڑھوں کی گلوگیر چیخیں سنیں۔ اور دوسری جانب بے حمیت حکمران ٹولہ ابو عبداللہ (بادشاہ وقت) کی سربراہی میں زرق برق لباس پہنے ملکہ ازبیلہ اور شہنشاہ فرڈی نینڈس کو جب غرناطہ کی چابیاں پیش کر رہا تھا تو ابو عبداللہ کے آنکھوں سے شدت غم کے باعث آنسو بہہ نکلے اس موقعہ پر ابو عبداللہ کی ماں نے وہ الفاظ کہے جو تاریخ نے ہمیشہ کیلئے اپنے سینے میں محفوظ کر لیئے انہوں نے کہا "اگر بہادروں کی طرح لڑ کر سلطنت نہیں بچا سکے تو اب بزدلوں کی مانند آنسو کیوں بہاتے ہو"۔ سچا اور جھوٹا تو خدا جانے مگر افسوس کے جرنل نیازی کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔

یحیٰ خان اور جرنیلوں کی نااہلی کے ساتھ ساتھ برسوں پر محیط سماجی ' اقتصادی اور معاشی ناانصافی بھی اس واقعہ کی اہم وجہ بنے۔مزید مغربی پاکستان کے جاگیر دار طبقہ اور متحدہ پاکستان کی افواج میں بنگالی فوجی افسروں کی کمی نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا۔مغربی پاکستان کے سیاسی افق پر ابتداء ہی سے جاگیرداری کی چھاپ تھی جب کے اسکے برعکس مشرقی پاکستان کی نمائندگی کرنے والوں میں ایڈووکیٹ 'اساتذہ اور ریٹائرڈ گورنمنٹ افسر شامل تھے۔متحدہ پاکستان کی دوسری دستور ساز اسمبلی میں مشرقی پاکستان کے 29 ارکان میں سے 20 وکیل اور 9 ریٹائرڈ ملازم تھے جبکہ مغربی پاکستان کی نمائندگی کرنے والے 40 ارکان میں سے 28 جاگیردار تھے۔سیاست کے آسمان پر پھیلے اس تفاوت نے بھی اتحاد کو نقصان پہنچایا۔"1955 تک مشرقی پاکستان میں 62 ائیر فورس آفیسرز' 14 آرمی آفیسر اور سات نیوی آفیسر مشرقی پاکستان سے تعلق رکھتے تھے۔نیز 10 جوائنٹ سیکٹرز کا تعلق بھی مشرقی پاکستان سے تھا۔جبکہ مشرقی پاکستان میں موجود زیادہ تر سول اور فوجی افسران کا تعلق مغربی پاکستان کے مختلف علاقوں سے تھا۔1965 تک مشرقی پاکستان سے حاصل ہونے والے زرمبادلہ کی شرح 60 فیصد تک جا پہنچی جس سے مشرقی پاکستان کے لوگوں میں یہ تاثر پھیل گیا (یا پھیلایا گیا) کہ ان کی آمدنی پر مغربی پاکستان کے لوگ ہاتھ صاف کر جاتے ہیں۔نیز قومی سطح کے منصوبوں سے بنگالیوں کو دور رکھنا بھی اسکا اہم سبب بنا۔اور پھر 1971 کے الیکشن نے اسوقت آگ لگادی جب مشرقی پاکستان کی

میں سے 160 نشستیں جیت جانے کے بعد بھی مجیب الرحمٰن کو حکومت نہ بنانے 165 دی گئی" (اقتباس کیمرج یونیورسٹی رپورٹ زیر ادارت فرانس روبنس کیمرج انسائیکلوپیڈیا برائے انڈیا)۔

اردو اور بنگالی تنازعہ کا ذکر نہ کیا جائے تو شاید یہ موضوع ہی تشنہ رہ جائے۔ قائداعظم کے قولوں نے بنگالی زبان کے تنازعے کو دبا دیا مگر 1952 میں جب مرکزی حکومت کو بنگالی زبان کیلئے عربی رسم الخط اختیار کرنے کی سوجھی تو اس مسئلہ نے پھر سر اٹھایا اور پھر رفتہ رفتہ یہ مکتی باہنی کا ہتھیار خاص بن گیا جو بنگالیوں کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہوگئے کہ آزاد ہوجاؤ وگرنہ تمہاری ثقافت و وجود مٹ جائے گا۔ الغرض 16 دسمبر 1971 کو لاکھوں شہدائے 14 اگست 1947 کی قبروں کو روند کر بنگلہ دیش کا قیام عمل میں آیا۔ بنگلہ دیش میں آج بھی متحدہ پاکستان کے حامی اور تحریک بھی موجود ہے مگر افسوس ہماری سیاسی پارٹیاں بنگال کو کیا اپنائیں گی ایک بار پھر 1971 کے لقمے کے لقمانوں کی مانند پاکستان کی سیاسی و اقتصادی ابتری کی خبر لینے کے بجائے محض لقمے کے چکر میں ہیں۔ اور آج بھی پاکستان کے تین صوبوں میں مکتی باہنی طرز کی تحاریک متحرک ہیں مگر۔۔۔

اب آخر میں انامی کورے چیکا اور نیازی کے انٹرویو کے الفاظ کوٹ کرنا چاہوں

گا۔ کورے چیکا سرنڈر کے سخت مخالف تھے مگر جاپانی شہنشاہ کی اطاعت بجالاتے ہوئے انہوں نے 14 اگست 1945 کو کابینہ کے اجلاس میں سرنڈر کی دستاویزات پر سائن کر دیئے۔اور اگلے ہی دن خود کشی کرکے ذلت اور درد وکرب کی زندگی سے جان چھڑالی۔بہتر تو یہ تھا کہ ٹائیگر نیازی بھی لڑتے ہوئے جان دے دیتے لیکن ان پر سراسر الزام تھوپنے کے بجائے کچھ ان کی بھی سن لیں۔اسرار بخاری کی جانب سے کیئے گئے اس سوال کے جواب میں کہ جب 16 دسمبر آتا ہے تو آپ کیا سوچتے ہیں؟؟جنرل نیازی نے کہا"کیا سوچتا ہوں دل کرتا ہے یحی اور بھٹو کو قبروں سے نکال کر جوتے لگاؤں"پھر جذبات کے بھنور میں آکر مزید پردہ چاک کرنے لگے اور کہا"میں غدار ہوں تو میرا کورٹ مارشل کیوں نہیں کرتے'سقوط ڈھاکہ کا ذمہ دار میں ہوں تو میرے خلاف مقدمہ کیوں نہیں چلاتے' مجھے یحی (متحدہ پاکستان کے صدر) کا پیغام ملا تھا ہتھیار نہ ڈالے تو مغربی پاکستان بھی چلا جائے گا"۔سچ و جھوٹ کے اُڑتے غبار میں اب بھی معلوم نہیں ہو رہا کہ سچا کون تھا اور جھوٹ کا پیامبر کون؟لیکن حکومت پاکستان کو چاہیئے کہ اس سلسلے میں حقائق عوام کے سامنے لائے اور اسے نصاب کا حصہ بنایا جائے۔مزید عرض یہ ہے حکومت کی جانب سے یہ حکم نامہ جاری کیا جائے کہ سولہ دسمبر کو تمام نجی و سرکاری تعلیمی اداروں میں سقوط مشرق پاکستان کے حوالے سے تقاریر' بحث مباحثے کیئے جائیں تاکہ قوم اپنی بنیاد کو سمجھ سکے اور اپنے دامن میں چھپے غداروں کو بھی۔

ہمیں اگر سقوط ڈھاکہ جیسے مزید کسی المیہ سے بچنا ہے تو ایک محب وطن قوم بن کر چہروں کی تبدیلی نہیں بلکہ نظام کی تبدیلی کا عزم لے کر میدان عمل میں کوشاں ہونا ہو گا۔ان الفاظ پر تحریر کا خاتمہ کرتا ہوں کہ اگر کسی اخبار نے امن کی آشا کا سلسلہ شروع کیا ہے تو اسے لعن وطعن کرنے کے بجائے دوسرے اخبار بنگلہ دیش سے بھی" پیام محبت کے نام سے سلسلہ شروع کر سکتے ہیں چاہے نام کچھ بھی رکھیں آغاز تو کیجئے۔آپ کو" خود معلوم ہو جائے گا کہ ڈھاکہ کس نے جلایا؟؟؟

کچھ غم میرے شہر کے

سرائیکی وسیب کے لوگ اپنے معصوم بچے کو اکثر ابا اور بچی کو اماں کہہ کر پکارتے ہیں ۔اس وسیب سے نابلد لوگ یہ سن کر حیران رہ جاتے ہیں کہ معصوم بچہ کیسے ابا اور معصوم بچی کیسے اماں بن سکتی ہے۔لیکن زمینی حقائق کو جان کر بات کی تہہ تک پہنچ جانے والے جان جاتے ہیں کہ یہ لوگ بچے اور بچی کو مستقبل کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور پھر پکارتے ہیں ۔کیونکہ کم وبیش تمام بچے اس منزل پر ضرور پہنچ جاتے ہیں۔اسی طرح میں اپنے آبائی قصبے ڈب بلوچاں کو شہر کہتا ہوں ۔ڈب یونین کونسل کی آبادی کم وبیش 30,000 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔g.p.o ڈب سے تین کلومیٹر کے ایریا میں سات بوائزاور چھ گرلز پرائمری سکول ہیں۔جبکہ دو گرلز اور دو ہی بوائز ہائی سکول اس congestedایریا میں موجود ہیں (شرح خواندگی پر پھر کبھی بات کریں گے) ۔لیکن بدقسمتی دیکھئے کہ صحت کی سہولیات موجود نہیں ہیں۔بچا کھچا ایک سب ہیلتھ سنٹر تھا جسے 2004 میں بند کردیا گیا۔اور اس طرح غریب انسان کو سر میں درد یا معمولی حرارت کی صورت میں ڈھیر سارا سرمایہ لگانے پر مجبور کر دیا گیا۔غریب کا سرمایہ تین سو روپے دیہاڑی ہی ہوتی ہے وہ بھی اگر مل جائے اور پھر اسی میں سے بچوں کا پیٹ اور باقی معاملات نبھانے ہوتے ہیں۔

لیکن شاید یہ ملک 64 سال میں غریبوں سے محض ووٹ ہی لیتا رہا اور پسماندہ طبقہ پستا ہی رہا۔کہنے کو توڈب جی۔پی۔او سے رولر ہیلتھ سنٹر حافظ والا کا سفر صرف گیارہ کلومیٹر ہے۔لیکن سفری سہولیات نہ ہونے کی بناء پر غریب کو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ڈب سے حافظ والا تک پہنچانے والی واحد عوامی سواری ڈاٹسن ہی ہے جو کہ اپنی ہی مرضی سے چلتی ہیں اور دوپہر ایک بجے کے بعد ڈب شہر سے r.h.c تک جانے کا بندوبست سپیشل ہی کی صورت میں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی قابل اعتماد ڈاٹسن ٹائم روانہ نہیں ہوتا۔اور رہ گئی بات ایمرجنسی کی تو ایسے حالات میں غربت کی چکی میں پستے اس دیہی علاقے کے باسیوں کو ٹیکسی کار کی سہولت میسر آسکتی ہے جس کا کرایہ چار سو کے لگ بھگ ہے جبکہ رات کی تاریکی میں کرایہ میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔جو کہ ہر شخص کے لیئے افورڈ کرنا ممکن نہیں۔

جنوری 2010 سے لے کر مارچ 2011 تک 572 ڈیلوری کیسز سامنے آئے۔ایک کیس کے بعد جو مقامی سطح پر دائی ہی نے کیا تھا کی روداد راقم نے باوثوق ذرائع سے سنی تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔۔زچہ کی حالت اس قدر بگڑ گئی کے اس کے پاؤں سوج گئے اور بدبو آنے لگی۔راقم اور اس کے ایک عزیز نے گھر جا کر اسکے خاوند سے صورتحال معلوم کی تو افواہ حقائق پر مبنی نکلی۔اسکے معصوم بچوں نے اپنی نومولود بہن کو سادہ سے کپڑے میں لپیٹ کر خود ہی دفن کیا۔

جو (نومولود بچی) ڈلیوری سے قبل صحت عامہ کی بروقت سہولیات نہ ہونے کے باعث والدہ کے پیٹ ہی میں دم توڑ گئی تھی۔اس نازک موقع پر اس بچی کا باپ ایک طرف بیٹی کے مرنے کا غم تو دوسری جانب بیوی کی بگڑتی صحت سے پریشان تھا۔کیونکہ اس کی جیب کرایہ کی اجازت نہ دیتی تھی ۔جس باپ کے پاس بیٹی کے کفن کے لیئے روپے نہ ہوں ۔وہ زچہ کا علاج کیسے کروائے گا۔اللہ میرے کزن کو اولاد سے نوازے جس نے غربت کی چکی میں پستے اس شخص کی مدد کی ۔اور اس کی بیوی کا علاج کروایا۔یہ تو وہ کیس ہے جو ہمیں معلوم ہوا لیکن ناجانے کتنے لوگ اس بے رحم معاشرے کی لاپرواہی کی نذر ہوگئے۔

جنوری 2010 سے مارچ 2011 تک 96 اموات ڈب یونین کونسل کا مقدر بنی جن میں ایکسیڈنٹ سے ہونے والی اموات بھی شامل ہیں ۔1999 میں میرے خاندان کے پانچ افراد نے 65340 مربع فٹ رقبہ ہسپتال کی خاطر محکمہ صحت کو عطیہ کیا۔ذرائع کے مطابق 2001 میں بنیادی مرکز صحت منظور ہوگیا۔لیکن تاحال کسی نے توجہ نہیں دی گورنمنٹ کی جانب سے ایک اینٹ بھی اس رقبہ کی زینت نہ بن سکی ۔البتہ وزیر اعلی پنجاب کی جانب سے تجویز کردہ موبائل ہیلتھ یونٹ ہر ماہ میں سے ایک دن اس علاقے کو بھی عنایت کرتا ہے۔اس دن کافی سارے لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں۔یہ اپنی طرز کی ایک سہولت ہے۔لیکن اس سے میرے شہر کے زخم مندمل نہیں ہو سکتے ۔کیونکہ مصیبت کا کوئی ٹائم فریم نہیں ہوتا ۔

حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے : اگر فرات کے کنارے کتے کا بچہ بھی بھوکا مر گیا تو اس کا جواب دہ عمرؓ ہوگا۔ ایک حدیث شریف کے مفہوم میں ہے کہ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔ لہٰذا میری وزیر اعلیٰ پنجاب سے اپیل ہے کہ یونین کونسل ڈب بلوچاں تحصیل پپلاں ضلع میانوالی آپ کی خصوصی توجہ کا منتظر ہے۔ اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ لمحات اسے بھی عطاء کیجئے اللہ آپ کو اس کا صلہ ضرور دے گا۔

قائدِ اعظم اہل نظر کی نظر میں

25 دسمبر کا دن جوں ہی قریب آتا ہے تو بہت سے درندہ صفت لوگ اپنی من مانی کا علم بلند کرتے ہوئے محسنِ پاکستان ،محسنِ قوم پر کیچڑ اچھالنے کی سعی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔وہ امت مسلمہ کے اس عظیم سپوت کی تصاویر اپنے من پسند آئینے میں دیکھنے کے خواہاں ہیں جس کی خاطر نہ جانے انہیں کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔درحقیقت وہ گمراہی کا پلندہ لیئے ہوئے اس قوم کو اس کے مقصد اور قائد کے اسلامی نظریات سے دور لے جانا چاہتے ہیں۔کبھی قائد کو سیکولر پاکستان کا حامی دکھاتے ہیں تو کبھی ان کی نجی زندگی کا دامن تار تار کرتے نظر آتے ہیں۔دراصل وہ ایک ایسا استحصالی طبقہ ہے جو قوم کے باشعور افراد کو ایک ایسی بحث میں الجھا دینا چاہتے ہیں جس کا فیصلہ ایک نہیں بیسوں بار ہو چکا ہے۔اور رہ گئی قائد کی شخصیت تو اس کے بارے میں انگریز مورخ ایچ وی۔ہڈسن نے اپنی کتاب "عظیم تقسیم" کے صفحات 38-39 پر محمد علی جناح کی شخصیت ،کردار کے متعلق کچھ اس طرح رقمطراز ہیں کہ "جناح کے سیاسی حریف بھی ان پر کبھی بدعنوانی یا خود غرضی کا الزام نہ لگا سکے۔اُن کو کسی قیمت پر بھی کوئی خرید نہیں سکتا تھا۔نہ ہی ان میں ابن الوقتی کا شمہ بھر عنصر تھا کہ وہ مقبولیت کی لہر میں بہہ جائیں یا وقتی اور عارضی موقع پرستی کیلئے اپنے سیاسی مواقف تبدیل کرلیں۔وہ نہ صرف ایک ثابت

قدم بااصول شخص تھے بلکہ نہایت اعلیٰ جذبے اور عزت نفس کے حامل تھے جو حقیقت وضاحت طلب ہے وہ یہ کہ انہوں نے اپنی زندگی کے نصف حصے تک اپنے موقف یا تصورات یکے بعد دیگر بدلے مگر جس ایک تصور پر یقین محکم میسر آگیا تو پھر اس کے ساتھ زندگی کے آخری لمحات تک دیوانہ وار وابستگی کے ساتھ وابستہ رہے"۔

قائداعظم نے پاکستان کے قیام سے قبل 101 مرتبہ اور پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد 14 بار یہ وضاحت جاری کی کہ پاکستان کے آئین اور ریاستی ڈھانچے کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی جائے گی۔اپنی گیارہ اگست 1947 کی تقریر میں

کرپشن'اقرباء پروری'سفارش'اسمگلنگ اور ذخیرہ اندوزی کے خاتمے کے متعلق عہد کیا ۔اور کہا کہ وہ ملک میں ان سماج دشمن خرابیوں کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔سوچنے کی بات ہے کہ کیا 64 سال میں ہم ملک کو ان معاشرتی برائیوں سے نجات دلاسکے؟جواب نفی میں ہے۔اگر یہی برائیاں اتنے ہی زور سے قائد کے سامنے پاکستان میں آجاتیں تو لمحہ بھر کہ لیئے سوچیئے کہ وہ کس قدر غمزدہ'افسردہ' اور رنجیدہ ہوتے اور حکمرانوں کے کرتوت دیکھ کر ان پر کیا گزرتی؟

پھر ہم کس زاویے'کس کلیئے کے تحت کہتے ہیں کہ ہم قائد کا پاکستان بنانا چاہتے ہیں۔کچھ افراد قانون کی حکمرانی'انسانی برابری'سماجی و معاشی انصاف کو سیکولرازم قرار دیتے ہیں ۔جبکہ یہ اصول ریاست مدینہ کا خاصہ رہے ہیں اور

انہی کی بنیاد پر خلفائے راشدین نے حکومت کی۔ قائد اعظم کے عقائد کے بارے میں جب انہیں صحافیوں نے کریدا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس عقیدے سے تعلق رکھتا ہوں جس سے محمد مصطفیٰ ﷺ کا تعلق ہے۔ میں ایک مسلمان ہوں اور میرا کسی فرقے سے کوئی تعلق نہیں۔

اب ذرا اسلام کے شخصیت پرستی کے نظریے پر غور کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب اسلامی لشکر کے سپاہیوں میں سپہ سالار حضرت خالد بن ولید ہی کی ذات کو فتح کا نشان سمجھا جانے لگا۔ تو یہ بات بڑھتے بڑھتے حضرت عمرؓ تک جا پہنچی ۔آپ نے تصدیق کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالاری کے عہدے سے فوراً معزول کر دیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو فتح اللہ دیتا ہے۔ اور انہیں کسی ایک سپہ سالار کے زعم میں مبتلا ہونے سے بچالیا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد اصحاب رسول ﷺ سے بڑا صاحب بصیرت کون ہو سکتا ہے۔ امت کی بہتری، تعمیر نو اور اعلیٰ ترین اخلاقی تربیت کی اُمید رسالت کے زمانے کے بعد انہی سے کی جا سکتی تھی ۔اور انہوں نے اپنے زمانے میں یہ ثابت کیا کہ شخصیت پرستی در حقیقت قوم کے زوال کا باعث بن سکتی ہے لہٰذا اسے پنپنے سے قبل ہی جڑ سے کاٹ دیا جائے۔ اب ذرا اہل نظر اولیائے اکرام کی بات کریں تو دور حاضر میں بھی اللہ کی برگزیدہ ہستیاں موجود ہیں ۔ایک اللہ والے کی مجالس میں شراکت کرنا میرا معمول ہے ۔وہ اکثر محمد علی جناح کو دعا دیتے ہیں کہ انہوں نے

مسلمانوں کے ساتھ احسان کیا اللہ اُن کی مغفرت فرمائے لیکن ساتھ ہی شخصیت پرستی کے بجائے اسلام پرستی پر زور بھی دیتے ہیں۔ میرے نزدیک اصحاب رسول ﷺ سے لے کر آج تک جتنی بھی عظیم شخصیات آئیں سب کی سب قابل قدر ہیں۔ لیکن ہمیں تمام عظیم افراد کی قدر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی ذات اور ارشادات کو وہاں تک کرنا ہے جہاں تک وہ آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر سیکولر حضرات follow سمیت ہم سب قائد کے آخری الفاظ پر غور کرکے اپنی خواہشات اور افعال واعمال کا محاسبہ کریں تو ضرور ہمیں شرم آئے گی اور اس فضول بحث سے ضرور کنارہ کش ہو جائیں گے کہ قائد کے نظریات کیا تھے۔ آپ کی زندگی کے آخری الفاظ تھے "اللہ پاکستان"۔

بدین کے ہاری

تبدیلی آخر کب آئے گی؟ یہ وہ سوال ہے جو ہر پاکستانی کے دماغ میں کسی نہ کسی طرح گونج رہا ہے۔ہر شخص اپنی عمر کے حساب سے اس کے انتظار میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات گزار رہا ہے۔ کوئی دس سال سے منتظر ہے تو کوئی بیس تیس یا چالیس سے۔ لیکن پاکستان کی سرزمین 64 نہیں بلکہ اس سے بھی قبل تبدیلی کے لفظ کی خاطر سسک رہی ہے' بلک رہی ہے 'تڑپ رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے رزم حق و باطل میں سچ کہنے والوں کے گلے چنگھاڑ چنگھاڑ کر سوکھنے کو ہیں' قلم کی سیاہی ختم ہونے کو ہے' ہاتھ لکھ لکھ کر شل ہو چکے ہیں' سچ کا ذکر کرنے والے انسانوں سے نہیں پتھروں' بیابانوں اور دیواروں سے مخاطب ہیں۔ مثلِ نقار خانہ طوطی کی کوئی نہیں سن رہا؟سب جھوٹ کے پیامبر سب کے جھوٹ کے پیامبر کی صدا طوطی کا دل لگا رہا ہے خدا خیر کرے۔

اس سرزمین نے 14 اگست 1947 تک بے شمار قربانیاں دیں' جب تبدیلی کی فضا بنی تو قائد بچھڑ گئے' پھر لیاقت علی خان بھی کوچ کر گئے اور پھر صرف مایوسیاں رہ گئیں۔ایک بازو شل ہوگیا۔ کسی نے توجہ نہ دی اور بالآخر ایک حکیم کی تجویز پر ہمسایوں نے آ کر اسے کاٹ لیا۔ یہی طبیب ہے جس کے نقش قدم پر یا جس کی ڈکٹیشن پر ہمارے سیاسی رہنماء دہائیوں سے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ

یہ تبدیلی محکمہ نصاب کی تبدیلی ہی کی مانند کیوں ہوتی ہے۔میں جب گیارہویں جماعت کا طالب علم تھا تو اولڈ کورس کے مطابق پڑھائی کر رہا تھا۔لیکن نئے کورس کے آنے کی پیشن گوئیاں ہو رہی تھیں ۔ظاہر ہے ایسے میں پڑھائی میں کہاں دل لگتا ہے(جیسے پاکستان کے مستقبل سے مایوس لوگ اور سیاہ ست دانوں کی دولت کا دل پاکستان میں نہیں لگتا) میری اسے عدم توجہ کو پروفیسر طیب صاحب بھانپ گئے ۔اور کہنے لگے بیٹا یہ پاکستان ہے نصاب کی تبدیلی فقط اتنی ہوگی کہ الفاظ کا فونٹ سائز٬کتاب کا فرنٹ ڈیزائن اور اندرونی کلر تبدیل ہو گا باقی مواد وہی رہے گا۔پریشان نہ ہوں پڑھائی میں دل لگائیں۔آج آٹھ نو برس بعد پاکستان کے حوالے سے مجھے ان کی بات یاد آ رہی ہے تو دل کھٹا ہو رہاہے۔کہ کہیں پھر نہ یہ قوم لٹ جائے۔

برصغیر کی سیاست پر صدیوں سے قابض لوگ کبھی فونٹ سائز بدل کر٬کبھی رنگ بدل کر٬اور کبھی فرنٹ ڈیزائن بدل کر اقتدار پر قابض ہوتے رہے۔لیڈرشپ کو ہائی جیک کرتے رہے اور اس سرزمین کے باسی انقلاب کی اُمید سجائے ہر بار اس نئے نما لشکر کے گیت گاتے رہے۔لیکن نصیب اپنا اپنا۔اصل تبدیلی نعروں سے نہیں ٬عوام کی طاقت سے نہیں ٬اللہ کے کرم سے آتی ہے ۔اور اُس کا کرم حاصل کرنے کی جستجو کرنے کے بجائے ہم شخصیت پرست٬لیڈر پرست٬قوم پرست ہو چلے ہیں اور انہی باتوں کو تبدیلی کا نقطۂ آغاز سمجھ رہے ہیں۔ نتیجہ ندارد

بدین کی عدالت تک بات پہنچی اور جاگیر دار کے قبضے سے ہاریوں کی جان چھوٹی۔ لیکن ذرا سوچیئے۔برصغیر کی تقسیم کے وقت قربانیاں آزادی کی خاطر دینے والی قوم آج پھر کسی ظالم وڈیرے 'چوہدری یا سیاست دان کے قبضے میں ہے۔بدین کے وڈیرے کی نجی جیل سے بچے اور خواتین رہا ہوگئے ان سے جبری مشقت لی جارہی تھی۔لمحہ بھر کے لیئے سوچیئے کیا یہ ریاست کے اندر ریاست نہیں کہ کوئی اپنی مرضی سے جسے چاہے جب چاہے قید کردے 'اس سے جتنے چاہے کام لے۔ہاری ہوں 'ذاتی بیلدار ہوں 'مزارعے ہوں گھریلوملازم یا فیکٹری ورکرسب کے سب در حقیقت قیدی ہیں۔ان کے بارے میں آج' تک کسی نے سوچنے کی زحمت نہیں کی۔ان کا ذکر تقریروں میں 'ان کے زخموں پر مرہم باتوں میں اور ان کی آس 'امید کو کاغذوں میں ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے۔اور کچھ نہیں کیا جاتا۔میں حیران ہوں کہ جب تک وڈیراا سمبلی میں ہے 'جاگیر دار کا اثرورسوخ تھانہ میں ہے تبدیلی کیسے آئے گی۔کیا ان سب کو اسمبلی میں بٹھا کر ڈرائی کلین کیاجائے گا یا از سرنو کلمہ کا مطلب بتایا جائے گا۔میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک عوام باعمل نہیں ہوتے باعمل لیڈرشپ نہیں آسکتی۔اور جب تک ظالموں اور جابروں کو اسمبلی سے نہیں نکالا جاتا اسوقت تک جنگ آزادی ہند کے قیدی ہوں یا بدین کے ہاری سب ظلم سہتے رہے گے۔آخر میں دعا ہے کہ اللہ کرے پاکستان میں حقیقی تبدیلی آئے۔لفظوں کے زخم تقریروں کا رعب 'اور منشوروں کے دکھ ہم بہت سہہ چکے اب کی بار بھی یہ'

آزمایا گیا تو نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔

خادمِ اعلیٰ پنجاب کچھ نظر ادھر بھی کیجئے

رفیق بہاؤ الدین الحریری لبنان کے شہر صیدون میں ایک غریب کسان کے گھر پیدا ہوئے۔ غربت کدے نے انہیں بچپن سے ہی مزدوری کی جانب راغب کر دیا اور وہ اوائل عمری ہی میں لیموں اور مالٹے کے باغ میں کام کرنے لگ گئے۔ رفیق بہاؤ الدین الحریری (المعروف رفیق الحریری) کو ہزار مالٹے چننے کے عوض محض 24 مالٹے ملتے تھے۔ بچپن میں یہی ان کا واحد ذریعہ معاش تھا جس کے ذریعے وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کی چمڑے کی جھونپڑی (پیٹ) کی آگ بجھاتے تھے۔ لیکن نامساعد حالات میں بھی انہوں نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور پھر پارٹ ٹائم جاب کے طور پر لبنان کے اخبار "النہار" میں بھی کام شروع کر دیا۔ پھر قسمت نے انہیں اٹھارہ برس کی عمر میں سعودیہ عرب منتقل کروا دیا۔ جہاں 1970 میں انہوں نے ایک تعمیری کمپنی کی بنیاد رکھی اور کام کا آغاز کر دیا۔ قسمت ان پر کچھ اس طرز سے مہربان ہوئی کہ شاہی خاندان سے روابط بنتے اور سنورتے گئے، حتیٰ کہ وہ شاہ فہد کے رفقاء میں شمار ہونے لگے۔ اور سرکاری ٹھیکے ان کی کمپنی کی جھولی میں خزاں رسیدہ پتوں کی سی رفتار سے گرنے لگے۔ پھر شاہ فہد کے محل کی تعمیر نے ان کی کنسٹرکشن کمپنی کو چار چاند لگا دیئے۔ رفیق الحریری نے یہ محل صرف چھ ماہ میں تعمیر کر کے ریکارڈ قائم کر دیا کیونکہ اس محل کو تعمیر کے بعد دنیا میں سب سے کم

مدت میں بننے والے محل کا اعزاز حاصل ہوگیا۔اس محل کی تعمیر کے بعد انہوں نے جس فیلڈ میں بھی قدم رکھا کامیاب ان کے قدم چومتی رہی ۔اُن کا شمار دنیا کے ان چند افراد میں بھی ہوتا ہے جسے سعودی حکومت نے اپنی شہریت سے نوازا۔وہ 1992 میں 48 سال کی عمر میں لبنانی وزیراعظم بن گئے ۔وہ 1992 سے لے کر لگاتار 2004 تک بلا شرکت غیرے لبنان کے وزیراعظم رہے ۔2004 میں انہوں نے استعفیٰ دے کر اپنے آپ کو وزارت عظمٰی کے عہدے سے الگ کرلیا۔رفیق الحریری نے اپنی حیات میں دو شادیاں کیں ۔قدرت نے انہیں سات بچوں کی نعمت سے نوازا۔وہ بیروت میں سفر کے دوران بم پھٹنے کی وجہ سے 14 فروری 2005 کو عدم آباد ہو گئے۔ان کے انتقال کے موقع پر ان کے نامور فرزند سعید الحریری نے انٹرنیشنل چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا کہا یہ ہم آپ کو آگے چل کر بتائیں گے۔اس سے پہلے پنجاب کی تاریخ میں خادم اعلیٰ کہلانے والے وزیراعلیٰ سے مخاطب ہوتے ہیں۔

وزیراعلیٰ پنجاب نے اپنے طور پر سیلاب کے دوران انتھک محنت کی جس کا اعتراف غیر ملکی پیپرز نے بھی کیا جس کا مفہوم ہے "سیلاب کے دوران وزیراعلیٰ پنجاب کا گورا رنگ دوڑ دھوپ اور مسلسل کام کی وجہ سے سانولا ہوگیا"۔اس دوران انہوں نے میانوالی کو بھی اپنی خصوصی شفقت سے نوازا لیکن جناب عالی منزل ابھی بہت دور ہے۔پنجابی میں کہتے ہیں

مدت ہوئی ساڈوں سفر کریندیاں

پر یار دا ڈیرہ پرے تھیں پرے

مانا کہ آپ بہت کام کرتے ہیں لیکن وہ کام جس سے جنوبی پنجاب کی محرومیاں ختم ہوں آپ کو مسلسل کرنا چاہیئے ۔اس سے آپ کا ووٹ بینک بنے یا کم ہو مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں میرا مقصد آپ کو عوام کے سلگتے مسائل اور دہائیوں پر محیط عوامی مایوسیوں سے آشنا کرانا ہے۔بزرگ کہتے ہیں

charity begins at home

لہٰذا میں آج غم اور دکھ کی باتیں اپنے آبائی علاقے کی شیئر کرنا چاہوں گا۔اور چونکہ وزیر اعلیٰ پنجاب کی توجہ کا مرکز محکمہ صحت اور تعلیم ہیں تو ان میں سے ایک کی جانب توجہ دلوانا چاہوں گا۔رہ گئی تعلیم تو اس کا ذکر اس مسلئے کے حل کے بعد ضرور کروں گا۔ ڈب یونین کونسل کی آبادی کم وبیش 30,000 ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔سالانہ شرح پیدائش کم وبیش چھ سو نفوس پر مشتمل ہے۔جو کہ ماہانہ پچاس زچگی کے کیسز بنتے ہیں۔جبکہ کسی بھی یونین کونسل میں تیس زچگی کیسز کی صورت میں ایم ۔این ۔ سی ۔ایچ سنٹر کا اجراء لازمی ہو جاتا ہے۔لیکن ان سہولیات کی عدم موجودگی میں ہونے

والی زچگیوں ہیں تشنج ' بچوں میں مختلف جسمانی عارضے اور ماؤں کی اموات جیسے مسائل اُبھر کر سامنے آ رہے ہیں۔ کیونکہ معاشرتی وثقافتی اقدار کا خیال ان عورتوں کو باہر جانے سے روکتا ہے۔ جس کا خمیازہ بچہ اور ماں کو مستقبل میں ذہنی امراض 'تپ دق اور دیگر پیچیدہ امراض کی شکل میں بھگتنا پڑتا ہے اور خاص طور پر بچوں میں گردن توڑ بخار کی وجہ سے دل کے عارضے 'عضاء کے ختم ہو جانے کے کیسز بہت زیادہ ہیں۔
ڈاکخانہ ڈب بلوچاں سے تین کلومیٹر کے ایریا میں سات بوائز اور چھ گرلز پرائمری سکول ایریا میں موجود ہیںcongested ہیں۔ جبکہ دو گرلز اور دو ہی بوائز ہائی سکول اس شرح خواندگی پر پھر کبھی بات کریں گے)۔ لیکن بد قسمتی دیکھئے کہ صحت کی سہولیات) موجود نہیں ہیں۔ بچا کھچا ایک سب ہیلتھ سنٹر تھا جسے 2004 میں بند کر دیا گیا۔ اور اس طرح غریب انسان کو سر میں درد یا معمولی حرارت کی صورت میں ڈھیر سارا سرمایہ لگانے پر مجبور کر دیا گیا۔ غریب کا سرمایہ تین سو روپے دیہاڑی ہی ہوتی ہے وہ بھی اگر مل جائے اور پھر اسی میں سے بچوں کا پیٹ اور باقی معاملات نبھانے ہوتے ہیں۔
ابتدائی طبّی امداد پرائیویٹ طور پر تو اس مفلوک الحال علاقے میں دستیاب نہیں باقی رہ گئی قریبی سرکاری سہولیات تو ان کو حاصل کرنے کیلئے کئی پاپڑ

بیلنے پڑتے ہیں۔ غربت کی بے رحم چکی میں پستے افراد اس کے متحمل نہیں ہو سکتے اسکی تین بڑی وجوہات ہیں۔اول: عوامی سواری ڈاٹسن (جو اپنی ہی مرضی سے چلتی ہیں) کا ایک بجے کے بعد کوئی ٹائم روانہ نہیں ہوتا۔دوم: جان و مال کا تحفظ لاحق ہوتا ہے اور تاریکی میں سپیشل گاڑی کرنے کی صورت میں کرایہ بھی سپیشل دیناپڑتاہے جو کہ بسا اوقات چھ سو روپے تک بڑھ جاتاہے۔سوم: جب تلک مریض کے گھر والوں کی جیب میں دو تین ہزار روپیہ نہ ہو ان کا مریض ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر تو سکتا ہے لیکن اسے ابتدائی طبّی امداد میسر نہیں آ سکتی۔

ان حالات میں عالمی ادارہ صحت کی جانب سے بنیادی مرکز صحت کی بنیادی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ لیکن تاحال گورنمنٹ آف پنجاب کی جانب سے کوئی پیش رفت سامنے نہیں آ سکی ۔اول تو اس بی۔ایچ ۔یو کو چار دیواری کی سہولت ملنی چاہیئے اگر وزیر اعلی پنجاب یہ میسر نہیں کر سکتے تو کم از کم اسے ایڈیشنل گرانٹ دے کر چالو حالت میں تو لے آئیں۔ عملہ تعینات کریں دوائیں میسر کریں۔

تاکہ عوام کو کچھ سہولت تو میسر آ سکے ۔ویسے تو موبائل ہسپتال ہر ماہ میں ایک دن ادھر کا رخ بھی کرتاہے۔ یہ اپنی طرز کی ایک سہولت ہے لیکن اس سے میرے علاقے کے رستے زخم ہر گز جانبر نہیں ہو سکتے کیونکہ مصیبت کا کوئی ٹائم فریم نہیں ہوتا۔اور جناب والا آپ کا مزاج بتاتاہے کہ آپ خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں

لیکن نہ جانے کیسے کیسے سپیڈ بریکر آپ کی رفتار کو متاثر کر دیتے ہیں۔

اب سعید حریری کے انٹرنیشنل چینل کو دیئے گئے انٹرویو کی بات کرتے ہیں۔اس انٹرویو میں انہوں نے اپنے والد کے بارے میں انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "میں جب یہ دنیا چھوڑ جاؤں گا تو میں پیچھے دو چیزیں چھوڑ جاؤں گا۔خدمت اور دولت۔ میری دولت میرا کفن میلا ہونے سے پہلے میرے لواحقین میں بٹ جائے گی لیکن میری خدمت باقی رہے گی 'اسے کوئی ختم نہیں کر سکے گا"۔اپنی بات جاری رکھتے ہوئے سعید نے کہا کہ میرے والد کہا کرتے تھے "دولت عارضی اور خدمت مستقل ہوتی ہے' دولت خرچ ہو کر ختم ہو جاتی ہے مگر خدمت خرچ ہونے کے بعد بڑھنا شروع کر دیتی ہے۔خدمت کھجور کے درخت کی مثل ہوتی ہے جو صدیوں تک پھل دیتی رہتی ہے۔جبکہ روپیہ محض کاغذ کا ٹکڑا ہوتا ہے جو ذرا سی بوندا باندی اور آگ کی ذرا سی چنگاری سے جل کر خاکستر ہو جاتا ہے"۔

یہ ایک ایسے شخص کے الفاظ ہیں جس کے پاس دنیا کا بااختیار ترین حاکم ہونے کا تمغہ بھی موجود تھا۔نیز دنیا کے ٹاپ دولت مند افراد کی لسٹ میں بھی اس کا نمایاں مقام تھا۔اس نے جب آنکھیں موندیں تو اس کی دولت و جائیداد لمحوں میں تقسیم در تقسیم کی منزل طے کر گئی۔لیکن اُس کی خدمت 'فلاح و بہبود کے کام

تقسیم نہ ہوسکے۔اس نے "خدمت میں عظمت ہے" کو اپنا شعار بنا لیا تھااور اسی جذبے کے تحت حکومت بھی کرگیا۔آج شاید لبنان کے پچاس فیصد سے زائد کے لوگ اُسے محض اس کے نیک کاموں‘فلاح انسانیت کے پروجیکٹ کا آغاز کرنے کی وجہ سے جانتے ہیں‘اور بہت ہی کم لوگ اُن کے عرصہ اقتدار اور اُس کی دولت و جائیداد سے واقف ہوں گے حالانکہ بارہ برس تک رفیق الحریری نے عنان اقتدار کی باگ ڈور سنبھالے رکھی۔

تو محترم خادم اعلیٰ پنجاب میرے قصبے یونین کونسل ڈب بلوچاں تحصیل پپلاں اور اس جیسے بے شمار گاؤں ‘قصبے ‘محلے آپ کی توجہ کہ منتظر ہیں۔کچھ ادھر اُدھر کے لوگ بھی آپ کی خدمت کو دیکھنا چاہتے ہیں۔آپ کا کوئی نہ کوئی ہیرو تو لازم ہو گا۔لیکن خدمت اور رفیق الحریری میں گہرا رشتہ ہے اس پر غور کیجئے تو یقیناً! تاریخ پنجاب میں عظیم مقام پائیں گے۔باقی لکھاری ہونے کے ناطے میں نے اپنا فرض ادا کردیا اب روز قیامت آپ ہی سے آپ کی رعیت کے بارے میں سوال ہونا ہے۔حضرت عمرؓ کا فرمان عالیشان ہے"اگر فرات کے کنارے کتے کا بچہ بھی پیاسا مر گیا تو روز قیامت عمرؓ اس کا جواب دہ ہو گا"۔

میرے اندر کی کہانی

اللہ نے ہر شخص کو جدا جدا فطرت سے نوازا ہے۔ کسی کا حافظہ غضب کا ہے تو کسی کے پاس برداشت کی اعلیٰ قوت۔ کسی کو ظلم سہنے کی قوت دی ہے تو کوئی جبر کے خلاف طاقت رکھتا ہے۔ کسی کے پاس قلم ہے تو کسی کی زبان کو سحر بیانی کا ملکہ عطاء کیا گیا ہے۔ کوئی رہبر ہے تو کوئی باشعور عوامی فرد۔ کوئی امام ہے اور کوئی مقتدی ۔کوئی سائنسدان ہے تو کوئی عالم دین 'کسی کے پاس سنار کا ہنر ہے تو کوئی لوہے کی کاٹ کا ماہر۔ کسی کو تخت عطاء کرتا ہے تو کسی کو گداگری گھٹی میں ملی ہے۔ کسی کو طبیب بنایا ہے تو کسی کو مریض ۔پھر کبھی طبیب کو مریض بنا کر اپنی اقتدار اعلی کی قوت کا احساس دلاتا ہے۔ واصف علی واصف کہتے ہیں "دل کا طبیب اکثر دل کے عارضے سے جان دیتا ہے"۔الغرض کوئی حاکم ہے کوئی محکوم لیکن سب اسی کی مخلوق ہے اور ہر حال میں اسی کے رحم و کرم پر ہے۔

رہ گئی بات میری تو مجھے میرے پیارے رب نے بچپن ہی سے سوچنے کی صلاحیت عطاء کی ۔اکثر معمولی باتوں کو دیر تک سوچتا رہتا۔اور پھر ایک سوچ سے نکل کر کسی اور میدان تفکر میں ڈوب جانا میری فطرت تھی۔ کم عمری میں کوئی مجھے فلاسفر کہتا 'کوئی ملا کہہ کر پکارتا تو کوئی پرانی روح کہہ کر مخاطب

ہوتا تھا۔ طعنہ زنی کے تیر بھی چلائے جاتے اور محبت کے پھول بھی نچھاور کیئے جاتے۔ مخالفین کی باتیں سن کر کبھی خاموش رہتا' کبھی مسکرا دیتا۔ کبھی کبھار نوک جھونک بھی ہو جاتی۔ مگر الحمداللہ گالم گلوچ سے نفرت سرشت میں شامل تھی لہٰذا بدکلامی سے پرہیز کرتا۔ برداشت کا مادہ بھی تھا اور ضبط کی نعمت بھی رب کریم نے عطاء کی تھی۔ مگر اکثر دُکھی ڈرامے دیکھ کر مغموم ہو جاتا تھا لیکن محفل میں ہمیشہ ضبط قائم رکھا۔ آنسوؤں کو تنہائی میں بہانے کا ہنر بخوبی آتا تھا اسی واسطے شاذ ہی کسی نے آنکھوں میں آنسو دیکھے ہوں۔ مشکلات نے بلاشبہ آ گھیرا مگر اندر سے زخمی ہونے کے باوجود چہرے کو ہشاش بشاش رکھا۔ کسی نے خوب کہا ہے

مانا کہ اندر سے ریزہ ریزہ ہو چکا ہوں
مگر گھر سے باہر گردن تان کر چلتا ہوں

لیکن اس گردن میں اللہ معاف کرے حاکموں کی مانند سریا نہیں بلکہ اعتماد بھروسہ اور رب تعالیٰ سے امید کی قوت نے اسے کسی کے آگے جھکنے اور کسی بھی موقع پر خم ہونے سے بچایا۔ مجھے یاد ہے کہ جب پنجابی کی کتاب میں منشیات کا سبق پڑھا جس میں ایک گھر نشئی خاوند کی وجہ سے اجڑ جاتا ہے اور اس کی بیوہ بیوی اکلوتی بیٹی کے ساتھ در در دھکے کھاتی ہے تو کئی دن تک طبیعت بوجھل رہی پھر جب بھی اس کتاب کو پڑھا تو اس سبق سے آنکھیں چرا کر ورق پلٹ دیئے

مگر کبوتر کے آنکھیں بند کرنے سے کب بلی ٹلتی ہے۔دل میں منشیات سے نفرت جڑ پکڑتی گئی اور دل کے حالات پہلے جیسے بھی نہ رہے۔حساسیت بڑھتی گئی ۔ حتیٰ کہ قلم اُٹھایا اور سوز قلب مندمل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ مگر عمل درآمد ندارد۔ہم نے لکھا انہوں کی نظر سے گزرا۔اور پھر ردی ۔اکثر لگتاہے جیسے پتھروں سے مخاطب ہوں' دیواروں سے بیابانوں سے۔جیسے جنگل میں مور ناچ رہے ہوں اور ناچ ناچ کے اُن کے پاؤں شل' ہو گئے ہوں ۔اور نتیجہ ندارد۔

.برداشت کا عنصر تو کم وبیش سب انسانوں میں ہوتاہے البتہ اس کی مقدار کا فرق ضرور ہوتاہے۔ لیکن برداشت کے ساتھ اگر اللہ کی مخلوق کا احساس نہ ہو تو پھر ضمیر کو کمزور سمجھنا چاہیئے ۔لوگوں کے دکھ' تکالیف اور غم دیکھ کر میرا دل کانپ اُٹھتاہے۔مگر نجانے بالاخانے کے احوال کیسے ہیں۔ہمارے اندر کی بھٹی تو سلگتی رہتی ہے جلتی رہتی ہے۔ابھی دو روز قبل "خادم اعلی پنجاب کچھ نظر ادھر بھی کیجئے"کے عنوان سے میرا کالم چھپا۔جس میں اپنے گاؤں میں صحت کی سہولیات کی عدم دستیابی کا رونا رویا تھا۔اور اسی حوالے سے لوگوں کی کسمپرسی' حالت زار' اور غموں کا تذکرہ کیا تھا۔

انتظامیہ حرکت میں آئی۔اور خدا سے دعاہے کہ انکی یہ حرکت میرے آبائی علاقے کیلئے بابرکت بھی بنے ۔کیونکہ نجانے کتنی فائلز ایسی ہیں جن کو جنبش تو

بلاناغہ دی جاتی ہے مگر عملی کام دیکھنے کو نہیں ملتا۔ معزز قارئین انہی دو دنوں کے وقفے کے دوران یکے بعد دیگرا اس محروم یونین کونسل ڈب بلوچاں تحصیل پپلاں میں دو خواتین بلڈ پریشر ہائی ہونے کہ وجہ سے موت کے منہ میں چلی گئیں۔ سانسیں سب کی مقرر ہیں مگر اصول صحت کے تحت انہیں فوری ابتدائی طبّی امداد میسر نہیں آ سکی جس کی وجہ سے یہ اموات ہوئیں۔ لہٰذا ایک بار پھر خادم اعلیٰ پنجاب سے درخواست ہے کہ اپنے خطاب کا پاس رکھتے ہوئے ڈب یونین کونسل کے بنیادی مرکز صحت کو رننگ پوزیشن میں لے آئیں۔ عالمی ادارہ صحت کی جانب سے چھ کمروں کی بنیادی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ اب ادھر کا محروم طبقہ آپ کی راہ تک رہا ہے۔

احتجاج اور چار نشانیاں

خوب ہے لفظ "احتجاج" بھی۔ اکیسوی صدی کے بطن سے نت نئے ویژن دنیا میں آئے۔ کبھی میڈیا کا دیوتا سامنے آیا تو کبھی عدالتیں، کبھی ثقافتی جنگ کو ہی عین شرافت کہا گیا تو کبھی موسیقی کی ہیجان پیدا کرنے والی دھنوں کو روح کی غذا قرار دیا گیا۔ نام نہاد جمہوریت کا جن پھن پھیلائے پوری دنیا میں غریبوں کو نگل رہا ہے لیکن عوام کو اس قدر دیوانگی رہنماؤں نے عطاء کی کہ وہ اس جمہوریت کے نام پر عزت، جان، مال، وقت، حیات ہر شہ قربان کرنا راہ حق میں جان دینے کے مترادف گردانتے ہیں۔ سیاست کیا ہے، کیا تھی اور کیا ہو گئی اس سب سے نابلد لوگ بھی بولے جا رہے ہیں، اور عوام ہمہ تن گوش ہو کر شہ سُرخیوں، ٹاک شوز یا بریکنگ نیوز میں غرق ہو کر ہلکان ہوئے جا رہے ہیں۔ بغیر سوچ سمجھے خبر سنی یقین کیا اور اودھم مچا دیا۔ نہ دیکھا، نہ سنا، نہ جانچا اور اعتبار کر دیا۔ ان عوامل کے بغیر تو کسی بھی معاشرے یا مذہب نے کسی بات کو ناقابل یقین قرار دیا ہے۔ مگر جب چڑیاں کھیت چگ جاتی ہیں تو کسان کی عقل ٹھکانے آتی ہے۔ ہلاکتیں ہو یا ملاقاتیں، بات دین دار کی ہو یا بے دین کی، پی آئی سی (پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی) کی ہو یا این۔آر۔او (نیشنل ری بل آرڈر) کی، ہوا چلتی ہے اور ستون لرزتے ہیں اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس پرابلم کے سلوشن کی گولی جیسے ہی معاشرے کو کھلائے جانے کی سعی کی جاتی ہے

تو بدہضمی کے شکار فرد کی مانند معاشرہ اسے اُگل دیتا ہے۔کیونکہ اس کمیونٹی یا ہجوم کا معدہ افورڈ ہی نہیں کر سکتا۔کسی بھی خطہ کی تقدیر بدلنے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ وہاں باعمل عوام کی مقتدر بھر مقدار بھی موجود ہو اور حاکم بھی مخلص۔وگرنہ جہاں کے چوہدری ‘وڈیرے اپنے خدا کی مانند اختیارات استعمال کرنا چاہیں وہاں سے کسی بھلائی کی اُمید خاک کی جاسکتی ہے۔

ہر جانب انقلاب کی نوید ہے۔ کسی نے پوچھا انقلاب کسے کہتے ہیں.بزرگ کہنے لگے تبدیلی کی ہوا چلتی ہے سب کچھ اُلٹ پلٹ ہونے لگتا ہے اور پھر دھڑام سے ایک" مسیحا عوام میں آ گرتا ہے جو کرسی کی ٹانگوں پر اعتبار کرکے تکبر کی چادر اوڑھ لیتا ہے بھلا پیٹا محض عوامی قوت سے کچھ بنتا ہے جب تک میرا مالک‘ میرا خالق ساتھ نہ دے‘ روس کے زاروں سے جان چھوٹتی ہے تو کوئی سٹالن آ جاتا ہے‘ بے خبر ملکہ کے چنگل سے نکلتے لوگوں کا نپولین کے قبضے میں دم گھٹتے دیکھا ہے"۔بزرگ نے بات مکمل کی اور پھر کہیں کھو گئے۔لیکن تلاش کیا جاسکتا ہے اُن سے بھی برتر کو‘ کیونکہ کہتے ہیں ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔ممکن ہے اکیسویں صدی کی عظیم شخصیت دنیا میں موجود ہو اور ہمیں معلوم نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "نعمت جب پاس ہوتی ہے تو مجہول ہوتی ہے اور جب چلی جاتی ہے تو معلوم ہوتی ہے"۔لیکن جھوٹے ہیں وہ جو کہتے ہیں خلافت بناء آئین کے چلتی رہی ‘آج خلافت سا نظام نہیں تو آنکھ رکھنے

والے جانتے ہیں کہ وہ کتنی عظیم نعمت تھی ۔خدا کا قانون سب سے برتر ہے 'کوئی کوڑے سے زلزلہ روک کر تو دکھائے 'کوئی بنا فون 'بغیر مادی وسائل کے عرب سے سینکڑوں میل دور آواز پہنچا کر تو دکھائے 'کوئی اپنی تحریکوں سے حضرت علیؑ کی مانند عدل کر کے دکھائے 'کوئی شہید کربلا کے والدؑ کی مانند عدالتی نظام سلجھا کر تو دکھائے نہیں کر سکتا ہر گز نہیں کر سکتا جب بھی نظام سدھرا اسے ثانی ہی کہا جا سکتا ہے 'برابری نہیں کی جا سکتی ۔فرق رہے گا تا قیامت رہے گا۔بات گہری ہے 'اُن کے نقش قدم پر چلنے والا تو کہا جا سکتا ہے اُن جیسا نہیں کہا جا سکتا۔کیسے کیسوں نے کبھی علم کے فخر میں آکر تو کبھی اقتدار کے زعم میں آکر عظیم اسلامی شخصیات کے بارے میں ہرزہ سرائی کی اور آج قبروں میں تڑپ رہے ہیں ۔بعضوں کو تو میرے اللہ نے یہیں نشان عبرت بنا دیا اور کچھ عذاب قبر میں مبتلا ہیں۔کسی نے خوب کہا ہے

اُس طرف خاموش رہنا چاہیئے

ابتر ہوتی 'دگرگوں ہوتی حالت سنبھل کیوں جاتی ہے 'لرزنے والے محل قائم کیسے رہ جاتے ہیں کیونکہ حملہ آور اور مکین سب کے مقاصد ایک سے ہیں ۔رہ گئے عوام تو یہ محض اپنے ہی بھائیوں کا راستہ روک سکتے ہیں 'اپنی جیبوں کو ہی زک پہنچا سکتے ہیں 'اپنے جیسوں ہی کی سواریاں نذر آتش کر سکتے ہیں مگر پر امن احتجاج روا ہی نہیں ۔ہر شہ رنگ نہیں بدل سکتی مگر 'باغی ہو یا راہزن وہ ہر

روپ میں سامنے آ رہا ہے۔ کبھی کلیسا میں چھپ کر تو کبھی مندر میں رہ کر، کبھی مسجد ضرار میں تو کبھی ۔۔۔ ملکی حالات کا نصف صدی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہم زوال کی انتہا پر ہیں ۔ ہر عروج کے بعد زوال اور ہر زوال کے بعد عروج آتا ہے ۔ ہر سیاہ رات کی صبح ضرور ہوتی ہے چاہے رات کتنی ہی سیاہ، گھناؤنی یا لمبی ہو۔ شیر خدا حضرت علیؓ کا فرمان ہے :زوال سلطنت کی چار نشانیاں ہیں

اول: اصول کا خیال نہ رکھنا

دوم: فروعی باتوں کے پیچھے پڑنا

سوم: کمینوں کے مراتب بڑھانا

چہارم: شریفوں کے مدارج گھٹانا

national rebel ٹھنڈے دل سے سوچیئے کیا ہم اس سٹیج پر آ گئے ہیں؟؟ کیا کم ظرف لوگوں کے مراتب بڑھا گیا؟ کیا فروعی اختلافات نے اُمت کا ordinance شیرازہ بکھیر رکھا ہے؟ کیا دولت کو معیار عزت دینے کے بعد ہم نے معاشرے میں شرفاء کے مقام و مرتبہ کو کم نہیں کر دیا؟ کیا ظالم اور مظلوم کے واسطے ایک ہی اصول اپنایا جاتا ہے؟ اگر جواب مثبت میں ہو تو پھر اللہ سے ایسے معاشرے کی دعا مانگنی چاہیئے جس میں قانون کی نہیں انصاف کی حکمرانی ہو۔ کیونکہ قانون تو ہماری ارضِ پاک میں بھی بہت ہیں۔ اگر آج سے ہم تہیہ کر لیں کہ پر امن احتجاج کرنے کہ ساتھ ساتھ ہم سب اپنی اپنی جگہ پر اپنے نفس کے خلاف مسلسل

احتجاج کریں گے تو یقین کیجئے انصاف آپ کو آپ کی دہلیز پر میسر ہوگا۔ انشااللہ

آر ون دھتی رائے اور کشمیر

جماعت اسلامی کی محنت' نواز شریف کے تعاون اور میڈیا کی بروقت توجہ نے نوے کی دہائی میں "یوم یکجہتی کشمیر "منانے کے عزم کو عملی جامہ پہنادیا۔اور بعدازاں اسوقت کی وزیر اعظم محترمہ بینظیر بھٹو نے ملکی ماحول کو بھانپتے ہوئے پانچ فروری کو سرکاری تعطیل قرار دے دیا۔

تاریخ کے سینے پر رقم ہے کہ جب محمد علی جناح نے محسوس کیا کہ بھارت کشمیر میں مداخلت کا ارادہ رکھتا ہے تو انہوں نے پاکستانی افواج کے فرنگی کمانڈر انچیف کو حکم دیا کہ وہ قبل از وقت کاروائی کرکے بھارتی افواج کی کشمیر میں ہوائی اور زمینی مداخلت کو ناکام بنادے۔لیکن پاکستان افواج کے سربراہ جنرل ڈگلس گریسی نے گورنر جنرل کے احکامات بجالانے سے انکار کردیا۔اور اسی دوران 30 اکتوبر 1947 کو پاک بھارت افواج کے (مشترکہ) جوائنٹ کمانڈر فیلڈ مارشل کلاڈ آکن لیک دہلی سے بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچ گئے۔اور انہوں نے گورنر جنرل سے بات کرتے ہوئے موقف اختیار کیاکہ دونوں اطراف کی افواج میں انگریز آفیسرز کی بھاری تعداد موجود ہے اور اگر پاکستان بھی کشمیر میں اپنی فوجیں اُتارتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ برطانوی سپاہی ایک دوسرے کے خلاف جنگ

لڑیں گے اور ایسے اقدام کی اجازت میں ہر گز نہیں دوں گا آکن لیک نے مدعا بیان کیا اور محفل برخاست ہو گئی۔ لیکن کشمیری آج تلک اس کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ لہٰذا 31 اکتوبر کو بھارتی افواج کشمیر میں داخل ہو گئیں۔ اس وقت قبائل مسلمانوں کے لشکر اور کچھ مزید مسلم جوان سری نگر کے قریب پہنچ گئے۔ اور پھر وہ وقت آیا کہ بھارت خود مسئلہ کشمیر اُٹھا کر تصفیہ کیلئے سلامتی کونسل میں لے گیا۔ 1948 اور 1949 کی اقوام متحدہ کی قراردادوں کو بھارت کے وزیر اعظم پنڈت لال جواہر نہرو نے بھی تسلیم کیا جس میں کشمیر کا حق خودارادیت تسلیم کیا گیا تھا اور اس کشمیری عوام کی رائے کے مطابق حل کرنے کا تہیہ کیا گیا تھا۔ لیکن آج تلک بھارت ان قراردادوں پر ٹال مٹول سے کام لیتا آیا ہے اور تاحال اس کی ڈھٹائی جاری ہے۔

رہ گئی بے چاری اقوام متحدہ تو اسے کسی نے "مردہ قراردادوں" کا قبرستان قرار دیا ہے۔ ہاں اگر مسئلہ انڈونیشیا کے لوگوں کو ہو تو مشرقی تیمور معرض وجود میں آسکتا ہے اور اگر مسئلہ سوڈان کے لوگوں کا ہو تو اس ریفرنڈم کی نگرانی جمی کارٹر اور سینیٹر کیری لوگر کر سکتے ہیں لیکن اگر مسائل فلسطین کے ہوں یا کشمیر کے انسانوں کے تو انہیں قابل توجہ ہی نہیں گردانا جاتا۔ حل تو کجا' بارک حسین اوبامہ جب انڈیا کی آب وہوا میں اترے تھے تو کشمیر کا نام ہی ان کے ذہن سے ماؤف ہو گیا تھا تو پھر وہ (نام کشمیر) ان لبوں پر کیسے آتا۔ کم وبیش دس لاکھ

بھارتی فوجی اس وادی میں دندنا رہے ہیں۔اسی کی دہائی سے لے کر اب تک تقریباایک لاکھ کشمیری آزادی کی خاطر جان کا نذرانہ دے چکے ہیں اور آج تلک وادی کی بہت سے مائیں شہادت کی خاطر بیٹے جنم دے رہی ہیں ۔ایک دو نہیں یہ پورے ڈیڑھ کروڑ لوگوں کی زندگی کا فیصلہ ہے جسے انڈیا محض سبسڈی دے کر اور افواج کے جال بچھا کر ہرگز زیر نہیں کرسکتا۔

بھارتی افواج کے سپہ سالار وی کے سنگھ نے بھی ببانگ دہل اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کی قسمت کا فیصلہ سیاسی طریق پر کیا جائے تو مناسب ہوگا۔کچھ عرصہ قبل مشہور ومعروف مصنف "آروندھتی رائے" نے بھی کشمیر کے باسیوں کے حق خودارادیت کی حمایت کااعلان کیاہے۔بھارت میں مسلمانوں کے علاوہ بھی لاکھوں ایسے افراد ہیں جو کشمیری عوام کے جذبات کی قدر کرتے ہیں اور اس تنازعہ کا حل ریاست جموں وکشمیر کی گود میں پلنے والوں کی اُمنگوں کے مطابق کرنے کے حق میں ہیں۔آج جب کشمیری بچوں،بزرگوں،اور جوانوں کے بدن پر نہ قبا محفوظ ہے اور نہ بناتِ پاکیزہ کے سروں پرآنچل اور ردا۔تو ایسے میں بالعموم ہر انسان کا اور بالخصوص ہر مسلمان کافرض بنتاہے کہ "یوم یکجہتی کشمیر" کے موقع پر اور اس کے مابعد بھی اس خطہ کے انسانوں کے حقوق اور آزادی کی خاطر اپنی اپنی سطح پرآواز بلند کریں۔

اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ایک ماں کی ممتا کی مانند اپنے دکھ بھلا کر کشمیر و فلسطین کے مسلمانوں کی آزادی کے لیئے پرامن موئثر کردار ادا کریں جو اپنے ہی گھر میں غلام بنا دیئے گئے ہیں۔ جلیل القدر صحابی 'داماد رسول ﷺ حضرت علیؓ کا فرمان ہے: کفر کی حکومت تو قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کی نہیں"۔ لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ وہ دن دور نہیں جب کشمیر و فلسطین کے انسان طوق غلامی سے نجات پالیں گے۔۔ انشاءاللہ۔

سب چینل بند کر دیجئے۔۔۔

ہٹلر کے دور میں وزارت اطلاعات کے شعبے نے جنم لیا۔ جس کا بانی پال جوزف گوئبلز تھا۔ وہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کا ماہر تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ آپ سچ میں جھوٹ کی اتنی آمیزش کر دیجئے کہ وہ جھوٹ لگنے لگے اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا ضرور کیجئے کہ لوگ اس معاملے کی حقانیت کے بارے میں شکوک و شبہات میں پڑ جائیں' اس سے آپ کا نصف کام ہو جائے گا۔

پروپیگنڈہ سے مُراد ہے کسی خبر کی اس طرح تشہیر کرنا کہ گلی گلی اس کا چرچا ہو جائے اور وہ بات زبانِ زد عام ہو جائے۔ یاد رکھیئے جھوٹ پر مبنی مشہور بات ہی معاشرے کو بوکھلاہٹ کا شکار بناتی ہے اور عدم اعتماد کی فضا قائم کرتی ہے۔ اور کسی بھی معاشرے کی بنیادیں ہلانے کیلئے اتنا کافی ہے کہ اس کے لوگوں کو عدم اعتماد کی فضا میں جھونک دیا جائے۔ باقی کی تباہی وہ خود مول لے لیتے ہیں۔ خیر تو بات ہو رہی تھی خبر کی مارکیٹنگ کی تو اس کی بنیاد 1936 میں رکھی گئی۔ اور اس کی وجہ یہ بنی کہ اس کا بانی گوئبلز اپنے والد کے ساتھ اس کے کارخانے میں گیا۔ اس کے ابا جان نے اُسے معلومات فراہم کرنے کی غرض سے مشینوں کے کمرے میں لے کر جانے کا سوچا۔ اور چند لمحوں میں فیصلہ کرنے کے بعد

باپ بیٹا کھٹا کھٹ کے شور و غل میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے ۔ یہ مشینوں والا کمرہ تھا اور گوئبلز کا باپ اُسے مشینوں کی نوعیت' کام اور قسموں سے آگاہ کر رہا تھا۔ لیکن گوئبلز کی سمجھ دانی میں سوائے ابا کے ہاتھ ہلانے' دیکھنے اور پرزہ جات کی حرکت سے پیدا ہونے والی آواز کے ماسوا کچھ نہ پڑا۔ اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر دو افراد کے مابین جاری بات چیت کے دوران اگر جھوٹ پر مبنی باتوں' بے ربط آوازوں اور حقائق کے برخلاف صداؤں کا شور اُٹھا دیا جائے تو یقینی طور پر مذاکرات کی گھتی اُلجھی رہے گی اور دونوں کے پلے کچھ بھی نہ پڑے گا۔ بس پھر دنیا کو ایک نیا فلسفہ مل گیا۔ پروپیگنڈہ کو خالق مل گیا۔ اور یوں ہٹلر کا یہ ساتھی اطلاعات و نشریات کا پہلا وزیر مقرر ہوا۔ اور اُس دور میں اس وزارت کو پروپیگنڈا وزارت کا نام دیا گیا۔ آج تک جتنے بھی وزیر اس عہدے پر قائم رہے دو سو کے قریب ممالک میں جتنی بھی نشریات کی وزارتیں ہیں وہ درحقیقت گوئبلز ہی کی مرہونِ منت ہیں ۔ اور تقریباً سبھی ممالک میں اس پیشے سے منسلک وزارتیں اپنے بانی کے دیئے ہوئے اصولوں پر عمل پیرا ہیں ۔ حالانکہ جو کچھ اُس نے مرتے دم کہا تھا اس پر کسی کی نظر ہی نہیں پڑتی۔

گوئبلز نے اپنے دورِ اقتدار میں ادب' ڈرامہ' صحافت' ریڈیو اور فلمی دنیا کو پروپیگنڈہ کیلئے اس طرح استعمال کیا کہ خلقِ خدا کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جسے نظریے' جس فلسفے کو چاہتا جھوٹ ثابت کر دیتا۔ مخالفین کا دامن گرد

آلود کردیتااور اپنے حامیوں کے خاردار دامن کو پھولوں سے ایسے بھرتا کہ خوشبو کوبکو پھیل جاتی۔اور اپنی مہارت پر نازاں رہتا۔گوئبلز اپنا تجربے کی بنیاد پر کھنگارے بغیر کہتا" سیاست کی دنیا میں حقائق تلاش کرنا قریباً ناممکنات ہی میں شمار ہوتا ہے"۔چند عشرے قبل ایک شاعر نے کہا تھا

میرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

لیکن گوئبلز نے کم وبیش آج سے ستر برس قبل عالمی سیاست کے بارے میں کہا تھا" سیاست دان اگر فرشتہ بھی ہو اور وہ مشرق کو مشرق اور مغرب کو مغرب بھی کہہ رہا ہو تو اُس کی بات پر مکمل بھروسہ نہ کیجئے گا کیونکہ سیاستدان کا سچ کبھی پورا سچ نہیں ہوتا" (لیکن لگتا ایسے ہے جیسے اُس نے یہ پاکستانی سیاست کا کچا چٹھہ کھولنے کیلئے کہا تھا)۔ اب ذرا اس کی تخلیق کی موجودہ صورتحال کا اپنے ملک کے طول واطراف میں جائزہ لیتے ہیں۔پی ٹی وی کی ابتداء سے انتہا تک کا سفر قدرے معتدل ہے۔بس فرق یہی ہے کہ ضیاء کہ دور میں دوپٹہ سرک جانے پر شور مچا تھا اور اب تو مختلف چینلز پر بہت کچھ سرک رہا ہے اور کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ڈینگی کی وباء کچھ اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کی گئی کہ بڑے شہروں کا کاروبار زندگی مفلوج ہو کر رہ

گیا۔ گو کہ اس سے فوائد بھی معاشرے کی جھولی میں گرے لیکن کانٹوں کی بہتات نے انگوروں کی بیل کو زخمی کر دیا۔ چند ماہ قبل ملک کے معروف اینکر اور کالمسٹ کے پروگرام میں جب ایک مزاح نگار و اصلاحی تجزیہ کار سے پوچھا گیا کہ معاشرے میں محبت ناپید ہوتی جا رہی ہے 'خوشیاں کھو چکی ہیں' اس کی وجہ کیا ہے ؟ تو برجستہ جواب ملا تمام چینلز بند کر دیجئے خوشیاں لوٹ آئیں گی۔ دھماکہ کہیں ہوتا ہے اور اس نمک مرچ لگا کر ایسے بیان کیا جاتا ہے کہ گھروں میں بیٹھے بچے 'بوڑھے اور خواتین تک سہم جاتے ہیں ۔اور پھر تجزیہ کاری کی ضرب اس قدر سنگین ہے کہ لوگوں میں اُمید کی کرن غائب ہوتی جا رہی ہے۔ عدم اعتمادی کے بعد نااُمیدی ایسے ہی ہے جیسے جلتی لکڑی پر تیل ڈالا جا رہا ہو۔ ابھی حال ہی میں پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی کی دواؤں سے ری ایکشن کا مسئلہ اتنا اچھلا کہ خدا کی پناہ۔ پکڑ دکڑ اور مسلسل نیوز الرٹ چلانے سے نہیں بلکہ مربوط حکمت عملی اور مثبت رد عمل سے مسائل حل ہوتے ہیں ۔ مجرم کا تعین ہونا باقی ہے مگر پاکستانی ادویات کی بڑی کمپنیاں ہماری نااہلی کے باعث بدنام زمانہ عورت کی مانند ہو چکی ہیں۔ ان کی ساکھ اندرون ملک اور بیرون ملک گر چکی ہے۔ میمو گیٹ ہے کہ اچھل کود رہا ہے۔ نجانے "میمو" کا "گیٹ "کب کھلے لیکن عوام تو ہلکان ہو رہی ہے ناں ۔اور ماشااللہ مرکزی کردار ادا کرنے والے آئی ۔ایس ۔آئی کے مخالف ہیں اور کوئی نہیں منصور اعجاز ہیں جی۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ میڈیا نے معاشرے کو شعور دیا۔ لیکن اکثر اوقات یہ بات سننے کو ملی کہ فلاں چینل یا فلاں اخبار میں آنے والی خبر یہ چلنے والی بریکنگ نیوز حقائق سے کوسوں دور تھی۔آپ خود سوچیئے کہ اگر ڈرائیونگ سیٹ پر کسی نااہل فرد کو بٹھا دیا جائے تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔یا بچوں کو آگ سے کھیلنے دیا جائے تو اس کا کیا بنے گا۔ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام چینلز اور اخبارات اپنے نمائندگان کا چناؤ سوچ سمجھ کر کریں ورنہ کرائے کے قاتل اور (کرپٹ) رپوٹرر میں کوئی فرق نہ رہے گا۔اور اسکے ساتھ ساتھ اینکرز 'میزبان وغیرہ کے کردار وگفتار اور اکاؤنٹس و اثاثہ جات کی بھی چھان بین کی جائے۔اور اپنی ہی تہذیب وثقافت کو پروان چڑھائیں بجز اس کے کہ ہنس کی چال سیکھنے کی خواہش رکھنے والے کوے کی مانند ہم اپنی چال ہی بھول بیٹھیں۔میری یہ رائے ہرگز نہیں کہ میڈیا کو تہس نہس کر دیا جائے' اُسے چرچ'مندر یا مسجد بنا دیا جائے ۔بلکہ تمام اداروں یا درسگاہوں سے مساوی سلوک رکھنا ہی اس کا نصب العین ہونا چاہیئے اور بلاشبہ کسی حدتک اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے لیکن ابھی بہت کچھ سیکھنا سکھانا باقی ہے۔

اب پال جوزف گوئبلز کے آخری لمحات پر نظر ڈالتے ہیں جو آج کی سیاست وزرد صحافت آپ کا دل رکھنے کیلئے صحافت کے ساتھ " زرد " لفظ کا اضافہ کیا ہے) کیلئے عبرت بھی ہیں 'نصیحت بھی ۔لیکن اگر کوئی سمجھے۔۔۔جنگ عظیم دوم اپنے اختتامی

مراحل میں داخل ہو چکی تھی۔ ہٹلر ہی کا مورچہ ایسا تھا جسے گوئبلز اپنے لیئے محفوظ ترین پناہ گاہ سمجھتا لہذا وہ ہٹلر کے مورچے میں اہل وعیال سمیت پہنچ گیا۔ ہٹلر کی خود سوزی کے بعد گوئبلز اور اس کی اہلیہ میگدا نے اپنے چھ بچوں کو زہر دیا جو اُن کے سامنے تڑپ تڑپ کر اس جہان سے رخصت ہوگئے۔ اور اس کے فورا بعد پال جوزف گوئبلز نے اپنے گارڈ کو آرڈر دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں گولی ماردی جائے یوں اپنے ہی گارڈ اور اپنے ہی حکم کے تحت وہ یکم مئی انیس سو پینتالیس کو مرگیا۔ مرتے وقت اس کے الفاظ تھے "میں آج اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ سچ سچ ہوتا ہے اور جھوٹ جھوٹ "۔ مزید گویا ہوا "آپ سچ کو کچھ وقت کیلیۓ جھوٹ اور جھوٹ کو کچھ دیر کیلیۓ سچ ثابت کر سکتے ہیں ،مگر سچ کو عمر بھر کیلیۓ جھوٹ اور جھوٹ کو عمر بھر کیلیۓ سچ ثابت نہیں کر سکتے "۔ لہذا ارباب اختیار معاشرے کے تمام افراد اور خصوصی طور پر میڈیا سے منسلک افراد سے گذارش ہے کہ ' بات ناپ تول کر کیجیۓ (یہ عرضی ان کے واسطے ہے جو موت کے بعد حساب کتاب کا یقین رکھتے ہیں)۔ اور اس تول میں مفاد کی ڈنڈی ہرگز استعمال نہ کیجیے۔

اُس دن

یوں تو ہر لفظ اپنے اندر ایک وسعت رکھتا ہے۔اور اُس کی اپنی ہی ایک کائنات ہے۔مگر چند الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق کسی بھی معاشرے یا قوم کیلئے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ان کے معنی یا مطلب کو ہیر پھیر سے بیان کیا جائے یا اُن الفاظ کو کسی کے ہاں گروی رکھ دیا جائے تو پھر اُس معاشرے یا قوم کا سب کچھ پابندِ سلاسل ہو جاتا ہے۔

پچھلے دنوں میرے ساتھ ایک دردناک واقعہ پیش آیا۔میرے ایک دوست عرصۂ دراز کے بعد میرے ہاں تشریف لے آئے۔اُن کے یوں آنے سے مجھے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ ہماری آخری ملاقات" توں توں ""میں میں "کی صورت میں ہوئی تھی۔دراصل وہ کافی عرصۂ میرے لیئے دردِ سر بنے رہے۔کئی مقامات پر انہوں نے مجھے ذلت کے گڑھے میں دھکیلنے کی بھرپور کوشش کی۔شومئی قسمت سے ہر بار مکمل نیست و نابود ہونے سے بچ جاتا۔ایک مقام تو ہماری رفاقت میں ایسا بھی آیا کہ انہوں نے مجھے مکمل طور پر یرغمال بنا لیااور میں اُنکے سامنے چوں چاں بھی نہ کرسکااور اُن کی ہاں میں ہاں ملادی۔مگر اس فرماں برداری کے بعد وہ بجائے احسان مند ہونے کے مجھے اپنی جاگیر سمجھنے لگ گئے۔میرے کاروباری معاملات

سیکورٹی گارڈ کی تعیناتی، ملازموں کی تنخواہیں حتی کہ نجی رابطوں تک پر وہ اپنی نظر رکھتے، اور تمام معاملات میں دخل اندازی کرتے ہوئے اپنی حاکمانہ رائے دیتے جو درحقیقت ایک آرڈر ہوتی اور اگر اس رائے نما حکم پر عمل درآمد میں، میں پس وپیش کرتا یا گھر کے افراد سے رائے لینے یا سوچنے کا وقت مانگتا تو وہ مجھے مشکل اوقات میں اُدھار دی ہوئی بھاری بھر کم رقم اور امداد کا احسان جتلاتے، ڈراتے دھمکاتے، دوستی ختم کرنے کا عندیہ دیتے اور ان حالات میں پرانی دوستی اور عیاشی کیلئے ملنی والی ادھار قم کا تسلسل قائم رکھنے کی غرض سے میں اُن کے ناز نخرے اُٹھاتا رہا۔ اکا دکا معاملات پر ان کے سامنے معاشرے میں اپنے رہے سہے مقام کی دہائی بھی دی، مگر نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے۔ حالات جوں کے توں رہے۔

مگر پھر یکدم ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے حالات کو نیا رخ دیا۔ برسوں پرانے یارانہ کو ہوس و انا کی دیمک نے آ دبوچا۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ انہوں نے میرے رقبے کے ساتھ پڑی ہوئی دیہہ زمین پر قبضہ کرکے پرانے مالک کو مار بھگایا (دیہہ زمین وہ ہوتی ہے جو کسی کی ملکیت نہیں ہوتی البتہ پہلے سے قابض شخص کا حق زیادہ ہوتا ہے) ۔ میں نے بھی دوستی میں اس ناحق قبضہ کی حمایت کی۔ ایک دن ان کے ہاری نے زمین میں سے گھاس پھوس نکالنے اور فصل کی تیاری کیلئے زمین کاشت کرنے کے بہانے دانستہ طور پر میرے زیرکاشت ملکیتی رقبہ میں

ٹریکٹر سمیت گھس کر فصل کو چنگا بھلا نقصان پہنچایا تو حالات نے کروٹ بدلی۔ میرے گھر کے افراد ' ملازموں ' سکیورٹی گارڈز سمیت ہر شخص نے میری پیٹھ ٹھونکی ' جذبہ دلایا اور اس دباؤ میں آکر میں نے کچھ کرنے کی ٹھان لی۔

دن گزرتے گئے رابطے کمزور پڑتے گئے اور پھر ایک دن اچانک میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہ دوست بھی میرے بغیر دو ٹکے کا نہیں۔ میں نے اپنی زمین سے اُس کے کھیتوں (دیہہ زمین) کی جانب جانے والے تمام راستے مسدود کر دیئے۔ جس سے اُس کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ مگر وہ معذرت کرنے کے بجائے مزید اکڑ گیا۔ اس دن کے بعد سے لے کر حالیہ ملاقات تک ہمارے درمیان کوئی مفاہمت نہیں ہوئی تھی۔

اچانک اُس کا آ جانا میرے لیئے حیرت کا باعث تھا۔ اُس نے دروازہ کھلتے ہی مجھے سینے سے لگایا ' مگرمچھ کی طرح آنکھوں سے آنسو تو بہائے مگر اب کی بار بھی معذرت کیلئے زبان کو جنبش نہ دی اور ادھر اُدھر کی ہانکنے لگا۔ درحقیقت وہ ایک تگڑا زمیندار ہے اور ارد گرد کے چھوٹے چھوٹے تمام زمینداروں کو اپنی رعیت گردانتا ہے۔ اور ان کا ذکر ایسے کرتا ہے جیسے اُس کے زر خرید غلام ہوں۔ مجھے اُس کی اِس عادت سے سخت چڑ ہے مگر ادھار بھی دینا تھا لہٰذا چپ چاپ کڑوی کسیلی سنتا رہا۔ اور فصلوں کے نقصان ' اس کی بے رحمی کو نظر انداز کیئے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آیا پھر آخر گھر بھی آیا بیٹھا تھا ناں۔ چائے بسکٹ آئے تو

بسکٹوں کی پلیٹ کو اُس نے نظروں سے نوازا اور چائے کے کپ کو بڑی احتیاط سے چھولیا بوجہ سکیورٹی رسک۔ مختصر یہ کہ باتوں باتوں میں اُس اپنے آنے کا مشن پر تاثیر انداز میں میرے اندر اُتارنے کی کوشش کی۔ جو بظاہر تو دوستی تھا مگر حقیقت کے آئینے میں بدترین غلامی۔ نیز وہ اپنی حال ہی میں کرائی گئی "بیمہ پالیسی" ایسے بیان کر رہا تھا کہ مجھے گمان گزرا کہ ابھی ۔۔۔ کہے گا کہ اس منصوبے کی تکمیل کے بعد تم سمیت تمام بنی نوع انسان کی دنیاوی وآخروی زندگی سدھر جائے گی۔ مگر اُس نے زبان سے ایسا کچھ نہ کہا اگرچہ اُسکی باتوں سے ایسی بو آرہی تھی۔ خاطر تواضع کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ چلتا بنا۔

اُس کے جانے کے بعد میں سوچ کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ کیونکہ میں اب اس سے مکمل طور پر مایوس ہو گیا تھا اور مجھے حضرت علیؓ کا فرمان رہ رہ کر یاد آرہا تھا "اپنی تمام امیدیں فقط اللہ کی ذات سے وابستہ رکھ۔ اس کے سوا کسی شخص سے کوئی امید نہ رکھ جو شخص اللہ کے سوا کسی کی آس و امید رکھتا ہے۔ وہ ضرور ناکام ہوتا ہے"۔ میں نے سوچا چند ٹکوں کی خاطر میں نے اس کی "پالیسی" کو اپنی پالیسی کہا۔ اپنے ہمسائے کی پرواہ نہ کی۔ بس وہ دن ہے اور آج کا دن پالیسی لفظ حلق میں اٹک کر رہ گیا۔ لہٰذا اس کو حلق سے اُتارنے کی غرض سے میں نے دنیا کے تمام ممالک کی 'پارٹیوں 'اداروں 'اور افراد کی چھان بین کی۔ چین سے لے کر جاپان تک 'امریکہ سے لے کر یورپ تک تمام ترقی یافتہ ممالک کے افراد 'بڑی

سیاسی ٗمذہبی وکاروباری شخصیات ٗبشمول تمام نجی وسرکاری اداروں کی پالیسی پر غور کیا سب کی پالیسیاں ملکی مفادات کے گرد گھومتی تھیں۔ پھر میں نے اپنے ملک کی تاریخ کنگھالی ٗماضی دیکھا ٗحال پر غور کیا۔ سائیکل والے سے لے کر ارب پتی تک کا ماضی وحال دیکھا مگر اونٹ کے منہ میں زیرے کے برابر ایسے لوگ نظر آئے جو ذاتی مفادات پر ملک کو مقدم رکھتے ہوں۔

جس کسی بھائی نے اس ملک کا سوچا اُسے غیر ملکی ایجنٹ ٗغدار یا رجعت پسند قرار دے کر ہم نے راستے سے ہٹا دیا۔

ترقی یافتہ ممالک اور ہمارے درمیان یہی بڑا فرق ہے۔ اُن کا کم وبیش ہر فرد کچھ کرنے سے قبل ملکی مفاد کے متعلق سوچتا ہے جبکہ ہم اپنی ذات کے حصار سے ہی نہیں نکل پاتے۔ یاد رکھیئے جس دن ہم عوام نے ٗہمارے رہنماؤں نے ٗہماری سیاسی ومذہبی جماعتوں اور ہمارے اداروں نے ذاتی مفاد کے بجائے ملکی مفادات کو ترجیح دے کر اپنی پالیسیاں مرتب کیں ٗاُس دن قدرت بھی ہماری حالت بدل دے گی ٗاُس دن پاکستان دنیا کا گیریثرن ہوگا ٗاُس دن سندھو دیش اور آزاد بلوچستان کا نعرہ نہیں لگے گا ٗاُس دن کراچی میں شانتی ہوگی ٗہر سو خوشحالی ہوگی ٗاُس دن ہمارے ہاں مسخ شدہ لاشیں ملنا بند ہو جائیں گی۔ اُس دن سندھی ٗ بلوچی ٗ پٹھان ٗ پنجابی ٗسرائیکی سب ایک ہوں گے۔ وہ دن اتنا نزدیک نہیں تو اتنا دور بھی نہیں۔

انشاءاللہ۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے "اپنے نفس کو سنوارنا بہت مفید کام اور اللہ تعالی کی رحمت کا امیدوار رہنا اچھے درجے کی کامیابی ہے"۔ سو آپ بہتری کی اُمید رکھیئے اور اچھے کل کے واسطے اپنا آج بدلیئے۔

یوں تو ہر لفظ اپنے اندر ایک وسعت رکھتا ہے۔ اور اُس کی اپنی ہی ایک کائنات ہے۔ مگر چند الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق کسی بھی معاشرے یا قوم کیلئے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے معنی یا مطلب کو ہیر پھیر سے بیان کیا جائے یا اُن الفاظ کو کسی کے ہاں گروی رکھ دیا جائے تو پھر اُس معاشرے یا قوم کا سب کچھ پابندِ سلاسل ہو جاتا ہے۔ لفظ "پالیسی" بھی اُن میں سے ایک اہم لفظ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے "دوستی اور دشمنی کا فیصلہ رابطہ کرتا ہے"۔شیر خدا نے فرمایا "اگر آپس میں رابطہ نہ ہو تو آپ کا دوست بھی دشمن بن جاتا ہے اور اگر آپس میں رابطہ قائم رہے تو بڑے سے بڑا دشمن بھی آپ کا رفیق (دوست) بن سکتا ہے"۔قبائلی علاقوں سے ہمارے تعلقات اور وہاں کے لوگوں سے میل جول رکھنا نہ ہماری حکومت کی ترجیح رہی ہے اور نہ ہی ہم عوام نے ان محروم علاقوں کی بازگشت پر کان دھرے۔ہم گیس کی لوڈشیڈنگ ،بجلی ،اور دیگر قیمتوں پر سڑکوں پر آجاتے ہیں مگر اپنے ہی بھائیوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی پر کان پر جوں تک نہیں رینگتی ۔۔شاید ہمارا ایمان کمزور ہوچکا ہے۔ حدیث مبارک کا مفہوم ہے "مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں ۔جب جسم کے کسی ایک حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم اس کا درد محسوس کرتا ہے"۔مجھے نہیں معلوم کہ آج جو شور مچ رہا ہے وہ سرزمین بلوچستان کی جدائی کے خدشے سے ہے یا وہاں پر آباد مسلمانوں کی تکالیف کی وجہ سے۔ اکبر بگٹی کی شہادت کے بعد سیاسی کشتی پر مسلط آمر نے ندامت آمیز لہجہ اختیار کرنے کے بجائے تناؤ کو مزید ہوا دی۔پھر جمہوریت کی کشتی کے شہہ سوار

اُسے اپنی سواری کو باندی بنا کر رکھنے پر تذبذب کا شکار نظر آئے۔ عوام بھی بے صبر۔ پھر ہوا یوں کہ چہرے بدل گئے۔

نظام میں بھی ہلکی پھلکی تبدیلی محسوس کی گئی۔ جن کے دم گھٹ رہے تھے چند لمحات کیلئے انھیں سکون ملا۔ اور پھر وہی کیفیت 'وہی دکھ' وہی بے روزگاری کا غم' وہی قتل وغارت' ویسی ہی تنی ہوئی گردنیں' رعونت بھرے لہجے اور بہت کچھ 'جسے ضبط تحریر میں لایا جائے تو اخلاقیات کا جنازہ نکل جائے۔ لیکن تبدیلی کے خواہاں عوام واصلاح پسند لوگوں کی جھولی خالی ہی رہی۔

اور اُدھر اورنج کاؤنٹی کیلیفورنیا سے منتخب ہونے والے بے لگام

ممبر کانگریس' ڈانا روہرا بیچر نے امریکی کانگریس میں بلوچستان کے حق خودارادیت کے بارے میں قرارداد پیش کر دی۔ اسکے حال ہی میں دیئے گئے ایک انٹرویو کے بارے میں "اورنج کاؤنٹی ویکلی" کا رپوٹر آر سکاٹ موکسلی رقمطراز ہے "جس باشعور شخص نے بھی ڈانا روہرا بیچر کی پرفارمنس ٹی وی پر دیکھی وہ بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس آدمی نے سیاسی گفتگو میں پستیوں کا ایک نیا باب رقم کر دیا ہے"۔ لیکن اس سے درخور اعتنا ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اسے یہ جرات کیسے ہوئی۔ آخر کچھ تو ایسا ویسا ہے جس کے بل بوتے پر وہ بول رہا ہے۔ اس میں استعماری قوتوں کی للچائی ہوئی نظروں کے ساتھ ساتھ ہماری کوتاہیوں اور لاپرواہیوں کا بھی پورا عمل

دخل ہے۔

بلوچوں کے مطالبات کا جائزہ لیا جائے تو وہ سادہ ہونے کے ساتھ ساتھ حقائق پر بھی مبنی ہیں۔ گوادر میں بلوچ عوام کا تحفظ۔ نواب اکبر بگٹی کے قاتلوں کا ٹرائل' لاپتہ افراد کی بازیابی' سرکاری تحویل میں موت پا جانے والے افراد کے لواحقین کی دادرسی' تارکین وطن قبائلی سرداروں کی واپسی' کنویں کی مٹی کنویں پر خرچ کرنے کا مطالبہ اور طاقت کے استعمال کی نفی۔ یہ وہ چیدہ چیدہ مسائل ہیں جن پر ہم عرصئہ دراز سے زبانی جمع خرچ کے تحت کام کر رہے ہیں۔ ہر بار " ع غ ش ف ک "کی تختی نہیں سنی جا سکتی۔ ایک انگریز لکھاری کہتا ہے

۔ترجمہ: وقت پر لگایا گیا ایک ٹانکہ نو ٹانکوں " a switch in time saves nine "

سے بچاتا ہے۔ لہٰذا اب ہمیں نو ٹانکیں لگانے پڑیں گے کیونکہ "پہلا ٹانکہ "لگانے کا وقت ہم نے سیاسی دنگل کی آنکھ مچولی میں گزار دیا۔ اور اگر اب بھی توجہ نہ دی گئی تو ممکن ہے قمیض اتنی زخم خوردہ ہو جائے کہ سینے کے قابل ہی نہ رہے۔ یاد رکھیئے یہ رفو" والا سینہ نہیں بلکہ" جسم والا" سینہ ہے۔ اور جو کوئی بھی بلوچستان کے بارے" ہرزہ سرائی کرتا ہے وہ ہمارے "سینے" سے بال نوچتا ہے۔ اور ایسے شخص' ایسے ملک اور ایسی سرزمین کے لیئے ہمارے کیا جذبات ہیں یہ "میمو" والا میمنہ یا برسوں سے جاری خارجہ پالیسی کا "محبت بھرا سلسلہ " ہی آپ کو بتا سکتا ہے۔

اگر قبائلی علاقہ جات کی صورتحال کو بہتر بنانا ہے تو ان کی ثقافت‘مزاج‘اور آب و ہوا کے مطابق طرز عمل اپنانا ناگزیر ہے۔

قبائلی علاقوں کے مزاج و طبیعت کا مطالعہ کرنے والا لارڈ کرزن جس نے چھ برس تک وائسرائے کی حیثیت سے ہندوستان پر حکمرانی بھی کی کہتا ہے"آپ پیار سے ان لوگوں کی گردن اُتار سکتے ہیں لیکن زبردستی انہیں سونے کا نوالہ بھی نہیں کھلا سکتے"۔ نئی آفر آئی ہے کہ بلوچ رہنماؤں کے مقدمات واپس لیئے جا رہے ہیں۔اس آفر کے بارے میں اہم بلوچ رہنماء یہ کہتے نظر آئے کہ پیشکش کرنے والی شخصیت کو ہم کبھی سنجیدگی سے نہیں لیتے ۔جناب حربیار مری تو اس صاحب ثروت شخصیت پر بلوچوں کے خون کا الزام تک لگا گئے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ خان آف قلات‘براہمداغ بگٹی‘شاہ زین بگٹی‘نواب اختر مینگل سمیت تمام بااثر شخصیات تک پہنچنے کیلئے ماحول سازگار بنایا جائے اور اس کیلئے ایسے افراد کو چنا جائے جو دونوں فریقین کے سامنے اچھا مقام رکھتے ہوں۔ نیز ڈیڑھ درجن کے قریب حریت پسند تنظیموں سے بھی کسی نہ کسی طور رابطہ کیا جائے۔ گو کہ انکی مرکزی قیادت نہیں ہے لیکن ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔بس سچی لگن‘شفاف نیت‘مناسب اقدامات اور خلوص کی ضرورت ہوتی ہے۔اگر اب بھی ہم یہ نہ کرپائے تو مجھے دہرانے دیجئے کہ جاوید ہاشمی نے کہا تھا"اگر میرا گھر بلوچستان میں

ہوتا تو میں آزادی کا اعلان کردیتا"۔آج نہیں تو کل بلوچوں کو ان کا حق دینا پڑے گا۔مگر حالات کی نزاکت کا ادراک کرتے ہوئے فی الفور وہاں تعلیم کی بھرمار' سہولیات کے انبار' اسلامی شعائر و تعلیمات کا پرچار اور جہالت کا خاتمہ کرنا پاکستان کی وحدت کیلئے نہایت ضروری ہے۔

کیا آپ بھی محسوس کر رہے ہیں؟

انسانیت کی تذلیل اور لاش کی بے حرمتی مبادا کہ پہلی مرتبہ کسی جانور نے کی ہو۔شاید اسی بنیاد پر شیر جیسے جانور کو درندہ کہا گیا کیونکہ وہ انسان کا دشمن گردانا جاتا رہا' اور شاید اب بھی ہو۔قدیم دور میں جب انسان جنگلوں میں رہا کرتے تھے تو وہ گھات میں رہتا جب کبھی موقع ملا تو اس نے اپنی بھوک مٹانے کیلئے انسان کو دبوچ کر زخمی کیا اور پھر پے درپے وار کرکے موت کے منہ میں دھکیل دیا۔گوشت نوچ نوچ کر کھا گیا اور ہڈیاں رہ گئیں۔اور یہی ہڈیاں بعد میں اس شخص کی موت کا ثبوت ہوتیں جب لوگ اپنے پیارے کو اُس جنگل میں تلاش کرتے۔وہ ہڈیوں کو اپنے اپنے مذہبی و ثقافتی رنگ میں آخری رسوم ادا کرنے کیلئے یقیناً لے جاتے ہونگے۔پھر انسان نے ترقی کی اور بستیاں بنیں'زراعت کا شعبہ عمل میں آیا۔

دیکھتے دیکھتے بستیاں قصبے اور پھر شہر آباد ہونے لگے۔اس کی حتمی تاریخ بتانا تو مشکل ہے بہرطور ہزاروں سال قبل مسیح انسانی آبادیوں نے گلیوں 'محلوں کی شکل اختیار کی۔پہلے راتوں کو آگ جلا کر بشر دشمن درندوں سے بچنے کا سامان کیا جاتا تھا۔لیکن اب اندھیروں میں انسانی آبادی کو انسان ہی سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ڈاکے'چوری کا رواج ہوا تو رکھوالوں کی ضرورت محسوس ہوئی اور

پھر یوں حاکمیت اور پھر سیکورٹی فورسز کے نظریئے نے جنم لیا۔اور آگے چل کر انہی قوتوں کے مابین جنگیں ہوئیں ۔ کبھی فرسودہ مذہبی روایات کے نام پر انسان نے انسان کو کاٹا تو کبھی انتقام کی آگ نے قصبوں اور بستیوں کا نشان ہمیشہ کیلئے مٹا دیا۔اللہ کے پیغمبر آتے رہے 'تعلیمات دیتے رہے لیکن بیشتر انسانوں نے اسے ٹھکرا دیا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے انکی رعونت 'املاک 'اور گردنوں پر حکومت کی چولیں ہلنے لگتی تھیں۔

لہٰذا اللہ کے نبیوں 'رسولوں کو کسی نے تہہ تیغ کیا تو کسی نے ان کی تعلیمات کو روندا۔ تحریف کی اور مذہب کے اندر بالکل ایسے ہی مذہب پیدا کر لیا جیسے آج استعمار ریاست کے اندر ریاست کو جنم دینے پر تلا ہے۔پھر خاتم النبی ﷺ تشریف لائے اور عالمگیر مذہب کا تصور دیا۔خلافت نے اپنے روشنی چار سو پھیلائی اور تاریخ گواہ ہے کہ وہ انسانیت کے عروج کا زمانہ تھا۔

اور اب اس بات کو یہیں بند کر کے ذرا اس واقعہ کی جانب آتے ہیں جس نے ہماری ریاست کو چھ عشروں سے جکڑ رکھا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ

هم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب کبھی آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

یعنی ایک حاکم کی جگہ اب چار سوا چار سو متکبر لوگ آپ پر حاکم ہوں گے۔ غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج بھی وہی جبر ہے وہی انا کا بت ہے جس نے حضرت موسیٰ کی پیدائش پر ہزاروں بے گناہوں کو موت کی نیند سلا دیا تھا مگر میرے رب کی قدرت سے ناواقف تھا کیونکہ کلیم اللہؑ جس نے اس کی سلطنت کو پارا پارا کرنا تھا اُس کے گھر میں ہی پل رہے تھے۔ یہ لوگ بھی ہزار جتن کر رہے ہیں کہ بوسیدہ نظام بچ جائے 'فرسودہ اور انسانیت سوز رسم ورواج پر زوال نہ آئے۔ لیکن اب وہ وقت قریب ہے جب تباہ حال قوم سدھرے گی۔ تازہ ترین بیان میں چیف جسٹس نے وحیدہ شاہ سے کہا: آپ نے تھپڑ خاتون نہیں ریاست کے منہ پر مارا ہے"۔ وحیدہ شاہ نے چند دن قبل سکول ٹیچر کے چہرے پر پولنگ سٹیشن میں طمانچے رسید کیئے تھے۔ آپ اسے رعونت کہیں' تکبر کہیں یا کوئی اور نام دیں۔ وحیدہ شاہ سے جب چیف جسٹس نے کہا آپ کا وکیل کون ہے تو انھوں نے کہا وکیل بھی آپ ہیں جج بھی آپ۔ میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ جو ہوا غیر ارادی طور پر ہوا۔ جس پر چیف جسٹس نے کہا کہ جب آپ نے خاتون پولنگ افسر کو تھپڑ مارے تو اسوقت آپ خود ہی وکیل اور خود ہی جج تھیں۔ آپ کی معافی اب قبول نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ اب ریاست کا معاملہ ہے"۔

ریاست کے اندر بلاناغہ ایسے واقعات ہو رہے ہیں جو غریب کی عزت 'عصمت' پیٹ الغرض سب کچھ ملیامیٹ کر رہے ہیں۔ یہ تو بھلا ہو کیمرے کا جس نے اس ایکشن کا

ری پلے دکھادیا۔اور خدا خیر کرے ایسے منصفوں کی جو حق پر ڈٹ جاتے ہیں۔اور کسی رعب ولالچ کے بغیر قانون اللہ کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔اب اس جانب آتے ہیں کہ خلافت کا زمانہ اور نبی اعظم ﷺ کا زمانہ اور ان کی تعلیمات انسان کی عظمت بڑھاتی ہیں۔ میرے پیارے نبی ﷺ کا فرمان ہے "جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی"۔پھر پوری انسانیت کے متعلق رہبر اعظم ﷺ فرماتے ہیں "جس کسی نے ایک انسان کا قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا اور جس کسی نے کسی ایک فرد کی جان بچائی گویا اُس نے پوری انسانیت کی جان بچائی"۔انہی تعلیمات نے عرب کے دیہاتی لوگوں کو دنیا بھر پر حاکم بنادیا۔اور انہوں نے انسانوں سے لے کر جانوروں تک کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری گردانا۔حضرت عمرؓ کا فرمان ہے "اگر فرات کے کنارے کتے کا بچہ بھی بھوکا مر گیا تو قیامت کے دن عمرؓ جواب دہ ہوگا"۔آپؓ نے عمل کر کے بھی دکھایا۔

لیکن موجودہ نظام ہی بوسیدہ ہے۔تو شاخ نازک پر بنے آشیاں کی متعلق پائیداری کی اُمید رکھنا احمقوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے۔

مصطفےٰ زیدی کے مرثیے کا اک مصرعہ ہے

جس ہاتھ سے تھپڑے پڑے وہ ہاتھ ایک کردار تھا

یہ کسی ایک خاتون کا ہاتھ نہیں تھا ناں ہی وہ طمانچہ کسی ایک خاتون کے چہرے پر رسید کیا گیا۔ بلکہ وہ اک مخصوص طبقے (امراء اور امیر) کا حقارت آمیز رویہ تھا اُس طبقے کے افراد کے متعلق جن کے چہرے پر یہ تھپڑ رسید کیا گیا۔ حاکموں نے طمانچہ مارا ہے محکوموں کو، مظلموں کو، نادار طبقے کو۔

میں تو اپنے چہرے پر تھپڑ کے اثرات محسوس کر رہا ہوں کیا آپ بھی محسوس کر رہے ہیں ؟؟

بلوچ دہشت گرد ہیں

بلوچوں کی نفسیات بیان کرتے ہوئے انگریز لکھاری "اولف کیرو" رقمطراز ہے "ان سے کام لینے کا صرف ایک طریقہ ہے آپ انہیں عزت دیں"۔ لیکن ہمارے امراء نے ہمیشہ اسکے برعکس کام کیا۔ 1958 میں پہلا مارشل لاء لگا حکومت نے خان آف قلات کو گرفتار کیا' پھر بھٹو دور حکومت میں چار سال بلوچوں کے خلاف آپریشن جاری رہا' مگر بلوچوں کا سر خم نہ کیا جا سکا حتیٰ کہ ضیاء الحق شہید کا دور آیا تو آرمی واپس بلا لی گئی تب جا کر امن وامان کی صورتحال بہتر ہوئی اور بلوچ پہاڑوں سے اتر آئے۔ اس کے بعد مسلمانوں کے خون سے نہانے والے جنرل نے بلوچستان پر چڑھائی کر دی اور نواب اکبر بگٹی کو شہید کر دیا گیا اور وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ بلوچ اپنے اندر انتقام کی آگ لیئے پھرتے ہیں۔ بلوچوں کا شاعر بالاچ اپنے شعر میں کہتا ہے "بلوچ دشمن سے اسوقت صلح کر سکتا ہے جب ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر بال اُگ آئیں 'چڑیاں دودھ دیں یا پھر' سانپوں کے پاؤں نکل آئیں" (یہ اس مخصوص صورتحال کی جانب اشارہ ہے جب بلوچوں کو نیچا دکھانے کی سعی ناکام کی جا رہی ہو یا بلوچوں کا کوئی بڑا نقصان ہوا ہو جس کی تلافی ناممکن ہو)۔ اپنے ایک اور شعر میں کہتا ہے

دیرہاں خوں او بلوچھانی

چھ روبے دائیں لغورانی

یہ شعر بچپن میں پڑھا تھا 'جسطرح یاد تھا لکھ دیا غالبا اس کا ترجمہ کچھ اسطرح ہے کہ بلوچ اگر بدلا نہیں لے رہا تو اس کا مطلب ہے وہ کم سن ہے یا کمزور 'مگر بدلہ ضرور لے گا اگرچہ جتنا وقت لگ جائے"۔جب تک اکبر بگٹی کے قاتلوں کو سزا نہیں دے دی جاتی 'بلوچ عوام میں اگر ہیرے جواہرات بھی تقسیم کر دیئے جائیں تو بھی امن آنا مشکل ہوگا آگ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی صورت میں بھڑکتی رہے گی اور ایسی صورتحال میں ایسے' عناصر جو جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں فائدہ اُٹھائیں گے۔میں یہ نہیں سمجھتا کہ مسلم ممالک کو تقسیم کرنے کے حوالے سے رالف پیٹر کے بدنام زمانہ نقشے کامیاب ہوں گے مگر شورش بدستور قائم رہے گی اور یہ بات قومی مفاد کے منافی ہونے کے ساتھ ساتھ صوبے کے مسلم بھائیوں سے زیادتی ہے خواہ وہ کسی بھی قبیلہ 'قوم یا زبان سے تعلق رکھتے ہوں کیونکہ چمن میں جب آگ لگتی ہے تو پھول بھی جلتا ہے 'کانٹے بھی اور مالی بھی۔

اسکے علاوہ بھی بلوچستان میں محرومیوں کا راج ہے۔بلوچستان سے نکلنے والی گیس جس نے پورے ملک کی ایندھن اور توانائی کی ضرورتوں کو پورا کیا خود بلوچستان اس سے 32 سال محروم رہا۔1986 میں کوئٹہ کے باسیوں کو گیس سے

نوازا گیا یعنی دریافت کے تین عشروں بعد۔ اور اب بھی پاکستان کے اس صوبے کا 78 فیصد حصہ گیس سے محروم ہے۔ دی نیوز میں 21 فروری 2012 کو شائع ہونے والی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "بلوچستان کے ہر دو باشندوں میں سے ایک کی پانی تک رسائی نہیں' ہر دو میں سے ایک بچہ کو پرائمری سکول کی ہوا تک نے نہیں چھوا' ہر تین میں سے ایک بچے کو حفاظتی ٹیکے لگائے جاتے ہیں۔ ہر دو میں سے ایک خط غربت کے نیچے زندگی گزار رہا ہے"۔

شرح خواندگی پاکستان میں پچاس فیصد ہے۔ جبکہ بلوچستان میں مردوں میں 23 فیصد اور خواتین میں یہ شرح سات فیصد کے قریب ہے۔ صوبہ میں اب تک پبلک اکاؤنٹس کمیٹی قائم نہیں کی گئی۔ ہر صوبائی اسمبلی کے ممبر کو 25 کروڑ روپے سالانہ دیئے جاتے ہیں مگر چار سو ویرانی کا راج ہے۔ ستر فیصد سکول بند ہیں۔ پاکستان کے اس سب سے بڑے صوبے میں کل معالجوں (ڈاکٹروں) کی تعداد محض 10,564 ہے۔ صوبے میں موجود ایف۔ سی کے کل عملے کی تعداد کم و بیش پچاس ہزار ہے' پولیس ہے' وزیر اعلیٰ ہے' ارکان اسمبلی ہیں جن میں سے 58 وزیر و مشیر ہیں' قانون بھی ہے مگر عمل۔۔۔ 65 صرف 2011ء کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق انتہاپسندی کے 10,476 واقعات ہوئے۔ 291 افراد اغواء ہوئے۔ محض بارہ ماہ کے دوران ایک ہزار سے زائد انسانوں اپنی

جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ پچھلے چند سالوں میں لاپتہ افراد کی 270 مسخ شدہ لاشیں بے گور و کفن ملی ہیں۔ فرقہ وارانہ بنیاد پر بھی خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ اور پنجابی پشتون اور دیگر صوبوں کے آباد کاروں کو بھی بے جرم سزا دی جا رہی ہے۔ اگر یہ مان' لیا جائے یہ سب کچھ غیر ملکی شہ پر ہو رہا ہے تو پھر اسے بے نقاب کس نے کرنا ہے' ریاست کے باشندوں کی حفاظت کس کی ذمہ داری ہے؟ محض دعوؤں سے کچھ نہیں ہوتا' ثبوتوں اور گواہوں کے ساتھ آخر یہ کس نے ثابت کرنا ہے کہ ملکی ایجنسیاں بے گناہ ہیں؟ اُن تمام ہاتھوں کو جو بے گناہ انسانوں کے قاتل ہیں تختہ دار تک کون اور کب پہنچائے گا؟

ایک حلقے کا کہنا ہے کہ بلوچستان کے 70 سردار اپنی دولت میں سے غریب عوام پر خرچ کیوں نہیں کرتے؟ تو دوسرا حلقہ کہتا ہے کہ حکومت کی بھی تو جیب میں ان مظلوموں کا حصہ ہے وہ کہاں جائے گا۔

لیکن جب تک سنجیدگی سے اس مسئلہ کا سیاسی' سماجی و معاشی بنیادوں پر حل تلاش نہیں کیا جاتا اسوقت تک حالات معمول پر نہیں آئیں گے۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود ہم فقط زبانی جمع خرچ سے کام لے رہے ہیں۔ محض بیانات سے گرم خون ٹھنڈا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر حکمران سمجھتے ہیں روٹی کا مطالبہ امن میں خلل ڈالتا ہے تو پھر بلوچ دہشت گرد ہیں۔ اگر حکمران سمجھتے ہیں پانی مانگنا جرم

ہیں تو پھر بلوچ دہشت گرد ہیں۔ اگر بااختیار لوگ سمجھتے ہیں اپنی زمین کی آمدنی خود طلب کرنا آئین کی خلاف ورزی ہے تو پھر بلوچ دہشت گرد ہیں۔ اگر مسند اقتدار پر فائز انسان یہ سمجھتے ہیں اپنے تڑپتے ہوئے مریضوں کیلئے دوا مانگنا اور بچوں کیلئے تعلیم مانگنا گناہ کبیرہ ہے تو پھر بلوچ دہشت گرد ہیں۔ اگر ارباب اقتدار سمجھتے ہیں قصاص مانگنا (اکبر بگٹی شہید کے قاتلوں سے) بغاوت کرنے کے مترادف ہے تو پھر یقین کیجئے بلوچ دہشت
گرد ہیں۔ جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: "اے عقلمندو: تمہارے لیئے قصاص میں زندگی ہے شاید کے تم پرہیز گار بن جاؤ" سورۃ بقرہ آیت 179 پارہ نمبر 2۔

دو گھنٹے کی جسمانی نمائش

مارلن براندو کا نام کامیابی کی ضمانت سمجھا جانے لگا۔ اور پھر مارچ 1973 کی رنگا رنگ تقریب منعقد ہوئی۔ ہر شخص دل میں یہ اُمید باندھے بیٹھا تھا کہ مارلن براندو ہی اس انعام کا مستحق ٹھہرے گا' اور بڑی شان و فخر سے انعام وصول کرے گا۔ لیکن شاید تقدیر میں کچھ اور لکھا تھا۔ مارلن گورا بھی تھا اور جدید امریکی بھی لیکن اسکے قلب و جگر میں ٹیسیں ان ریڈ انڈینز کے لئے اُٹھتی تھیں جن کو یورپ سے آنے والے لٹیروں اور فریب زدہ معاہدوں کے کاریگروں نے اُن ہی کی زمین پر خون رلایا تھا۔ اُسکے علم میں یہ بات تھی کہ ایسے 50 ہزار معاہدے ہیں جن کے پورے ہونے کا عہد کرنے کے بعد یورپی درندوں نے نہ صرف یہ کہ معاہدوں کا پاس نہ رکھا بلکہ امریکہ کی زمین کا رنگ اس کے باسیوں کے خون سے سرخ کر دیا گیا۔ ماضی کے علاوہ حال بھی اُس کے سامنے تھا' اس کے ہم نسل انسانیت کی باتیں کرتے تھے لیکن عمل درآمد کے بجائے ریڈ انڈین کے واسطے انکے دل و دماغ میں نفرت و تعصب کا غبار تھا۔ آسکر ایوارڈ کی تقریب میں اُس نے اپنی جگہ ریڈ انڈین کے حقوق کی جدوجہد کرنے والی خاتون سچین لٹل فیدر کو بھیجا۔ حقوق انسانی کے علمبرداروں نے اسے پہلے تو سمجھا بجھا کر ڈرا دھمکا کر لوٹ جانے کی ترغیب دی مگر جب یہ باحوصلہ خاتون ڈٹ گئی تو اسے کہا گیا کہ تمہارے لیئے محض ساٹھ سیکنڈ ہیں اس سے زیادہ

وقت تمہیں نہیں دیا جائے گا۔پینتالیسویں ایوارڈ کے لیئے مارلن برانڈو کا نام تالیوں میں گونجا اور پھر سچین سٹیج پر باہمت لبوں کی جنبش سے اتنا ہی کہہ سکی کہ مارلن برانڈو امریکہ کے ریڈانڈین مخالف رویے اور ان پر گوروں کی جانب سے کیئے جانے والے مظالم کے خلاف یہ ایوارڈ ٹھکراتا ہے۔بس پھر اسے دھکیل کر ایسے پیچھے کر دیا گیا جیسے انسانوں کی محفل میں کھانے کے بعد سوپر ڈسپوزل مواد کو دھکیل دیتا ہے۔

مارلن برانڈو تاریخ میں نام کما گیا مگر ہر کوئی عظیم فیصلہ نہیں کر سکتا۔افسوس تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے کسی اداکار یا اداکارہ نے ایسے ریمارکس نہیں دیئے جیسے جارج سکاٹ نے اُس لمحے دیئے جب اُسے اپنی مشہور فلم "patton" پر 1971 میں ایوارڈ سے نوازا گیا۔مشہور زمانہ تجزیہ کرتے ہوئے جارج سکاٹ گویا ہوا "یہ تقریب دو گھنٹے کی انسانی نمائش ہے "اور پھر ایوارڈ لینے سے انکار کر دیا۔اس نے مزید کہا آسکر کی تقریب دیکھ کر طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔یہ قدیم دنیا کی وحشیانہ نمائش ہے۔جو اپنے تئیں ایک بددیانت تنظیم ہے۔جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کیلیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے "سورہ النور آیت نمبر 19 ۔لیکن متنازعہ لباس میں ملبوس شرمین اور اسے پذیرائی دینے والے میڈیا کے عناصر کیا خوف خدا سے نکل چکے ہیں یا انہیں بھی کوئی

آئینی استثنیٰ حاصل ہے؟

آسکر ایوارڈ کی 84 سالہ تقریب زیادہ پر رونق و پر مسرت رہی ہو گی کیونکہ اُسے تیسری دنیا کی ایک ایسی خاتون میسر آ گئی ہے جو خود اپنے بہن بھائیوں کے عیب لوگوں کو بتاتی پھرتی ہے۔ جس نے پندرہ لاکھ عراقی و افغانی انسانی جانوں کی لاشوں پر سے گزر کر یہ ایوارڈ حاصل کیا۔ اس دیدہ دلیری پر ہی شاید اسے ملکی سول ایوارڈ دینے اور ایک پارٹی کی جانب سے گولڈ میڈل دینے کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ وگرنہ محترمہ عافیہ اتنی بلند ہمت کہاں تھی! ہیں جی۔ حدیث مبارک کے مفہوم میں ہے "جو عورت کپڑے پہن کر بھی برہنہ ہو اس پر خدا کی لعنت ہے"۔ آزاد خیال خواتین و پابہ زنجیر قائدین کیلئے شعر پیش خدمت ہے

آپ خود ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں

ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

انسان جب کوئی اعزاز حاصل کرلیتا ہے تو اسے میں پھر نئی منزل کو پالینے کی جستجو جنم لیتی ہے۔ اس واسطے شرمین صاحبہ سے عرض ہے کہ چھ سے بارہ سال کی وہ یورپی و امریکی بچیاں جنہیں اپنے ہی ماموں' والد' چچا یا کسی محرم نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا ہوتا ہے اور وہ نفسیاتی مراکز میں زیر علاج رہتی ہیں اس دفعہ ان کی مختصر دورانیے کی فلم بنالیجئے' بڑی ہٹ ہو گی۔ یا ویت نام میں امریکی

مظالم یا پھر سوزیادہ عورتوں کے قاتل گورے پر کوئی ڈاکومینٹری بنالیجے۔ گوانتاموبے یا ابوغریب جیل پر کوئی فلم یا پھر افغانستان و عراق ،فلسطین و کشمیر میں ہونے والے غیر انسانی سلوک کی فلم بناکر پیش کیجئے۔ مگر مجھے سونہیں ایک سودس فیصد یقین ہے آپ ایسا نہیں کریں گی کیونکہ آپ کو معلوم ہے یہ فلمیں آسکر ایوارڈ نہیں حاصل کر سکتیں چاہے تیسری دنیا سمیت مارلن برانڈو جیسے گورے بھی اس میں ہیروہوں یا اسکے خیر خواہ۔

لال مسجد کے مظلوں کے خون کا بدلہ کون لے گا؟

آپ مجھے رجعت پسند کہہ لیجئے 'قدامت پسند' انتہا پسند یا کچھ اور مگر میری بات پوری سن لیجئے پھر فیصلہ کیجئے گا۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر 178 کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اے ایمان والو: مقتول کے خون کا بدلہ لینا تم پر فرض ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں"" اے عقلمندو ! تمہارے لیئے قصاص میں زندگی ہے شاید کے تم پرہیز گار بن جاؤ،ق سورۃ بقرہ آیت 179 پارہ نمبر 2۔

یہ تو قرآن کا فیصلہ ہے۔

اب اگر آپ شیعہ ہیں 'شافعی 'حنبلی' حنفی 'عیسائی یا ہندو یا جو کوئی بھی مذہبی عقیدہ رکھتے ہیں ۔اپنا دل تھام کر اور جس ہستی کو آپ کائنات کا خالق سمجھتے ہیں اسے حاضر ناظر جان کر یہ بتائیں کہ اگر آپ کے بھائی 'بہن 'بیٹا یا بیٹی کو کوئی قتل کر دے تو آپ کا دل اس قاتل کے واسطے کتنا سخت ہو جائے گا؟

اس پر مستزاد یہ کہ مقتول بے قصور ہو چاہے وہ اپنے کسی ظالم دوست کے ساتھ اس کے مکان پر موجود ہو اور حملہ آور نے اس بھی موت کے گھاٹ ایسے اتارا ہو جیسے نسلوں کی دشمنی ہو اور لاش کے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک کیا ہو تو آپ کے جذبات کیا ہوں گے ؟ مجھے بتایئے کہ جب آپ اپنے کسی پیارے کی لاش کو قبر میں اُتارتے وقت منہ پر رومال رکھے ہوئے ہوں گے ' کیونکہ میت سے برآمد ہونے والی بدبو آپ کیلئے ناقابل برداشت ہوگی تو ایسی صورت میں دفن کے بعد کیا جذبات عود کر آئیں گے ؟

اگر آپ کو معلوم ہو کہ فلاں قبر میں آپ کے کسی عزیز کی لاش اس طرح دفن ہے کہ اُس کے جسم کے تمام اعضاء دفناتے وقت موجود نہ تھے تو آپ کی کیا کیفیت ہوگی؟آپ ذرا سوچیئے کہ وہ عفت ماب بچیاں جو کشمیر کے 2005 کہ زلزلے کے بعد لال مسجد کی گود میں محفوظ تھیں 'آپریشن کے بعد لاپتہ ہوگئیں تو اب سینہ پر ہاتھ رکھیئے اور بتایئے کہ اگر آپ کی یا میری بہن 'ماں 'بیٹی اس طرح گم شدہ ہوتیں تو ہم پر کیا گزرتی ؟کیا ہم انہیں نہ تلاش کرتے تو پھر کیا ہم نے اُن بچیوں کے بارے میں کچھ عملی اقدام نہ کرکے اپنا منہ کالا نہیں کرلیا؟

اگرچہ دل نہیں مانتا مگر مان بھی لیجئے کوئی آٹھ دس یا کچھ زیادہ مجرم مسجد کے اندر موجود ہوں یا بھجوا دیئے گئے ہوں تو اس کا کیا مقصد ہے کہ آپ پوری

مسجد کو اڑا دیجئے۔ گولیوں سے چھلنی مسجد کی دیواریں' بوٹوں سمیت مسجد میں (کسی بھی عبادت گاہ میں) افراد کا داخلہ' کیا یہی روشن خیالی ہے؟ فوج ایک ادارہ ہے۔ جسے حاکم وقت یا وقت کا آرمی چیف کنٹرول کرتا ہے۔ فوج کو موردالزام ٹھہرانے کے بجائے ہمیں ایسا نظام لانا ہوگا جس سے فوج کا غلط استعمال نہ ہو۔ کچھ ملک دشمن عناصر یہ راگ الاپتے ہیں کہ فوج کہ اختیارات محدود کیئے جائیں انہیں یہ سوچنا ہوگا کہ اتنے وسیع اختیارات اس ادارے کو کس نے دیئے؟ اور کیوں دیئے؟ جب فوج استعمال ہوئی تو اس کا ناجائز استعمال کرنے والے کے نظریات کیا تھے؟ اُسے کے ہم رکاب کون تھے؟ اُس پورے گروپ ہی کو سزا دینی چاہیئے۔ جنہوں نے لوگوں کے دلوں میں پاک فوج جیسے ادارے کی قدر و قیمت گھٹا دی۔ ہمارے لوگوں کو بھی سمجھنا ہوگا کہ فوج کا ادارہ ملک کے حاکموں کے کنٹرول میں ہوتا ہے' وہی اس کا سربراہ مقرر کرتے یا معزول کرتے ہیں وہی اسے آرڈر دیتے ہیں بذات خود فوج کتنا ایکشن لیتی ہے یا لے سکتی ہے؟ یہ عوام کو' بھی سمجھنا چاہیئے اور یہ فوج کو بھی عوام پر واضح کرنا چاہیئے تاکہ ملک کے جن حصوں میں شورش برپا ہے وہ اس بات کی گہرائی کو سمجھیں کہ کیسے آمر افراد آرمی کے مورال کو گرا کر ملک دشمن قوتوں کو خوش کرتے آئے ہیں (چاہے وہ جمہوری لبادے میں ہوں یا وردی میں)۔

اب بات یہ ہے کہ ہم گیس' لوڈ شیڈنگ' بجلی کے نرخوں میں اضافے پر تو سڑکوں

پر آجاتے ہیں؟ جمہوریت کے لیئے بھی قربانیاں دیتے ہیں؟ لیکن جمہوریت کے قاتلوں کو جب تک عوام سزا نہیں دلوائیں گے اسوقت تلک جمہوریت کے سر پر تلوار منڈلاتی رہے گی۔ اکبر بگٹی کا قتل 'لال مسجد کا سانحہ 'ڈرون حملوں میں شہید ہونے والے مظلوم افراد' سلالہ چیک پوسٹ کے مجرم 'اور بلوچستان سمیت پاکستان کے مختلف علاقوں میں شورش پیدا کرنے والے لوگ آخر کیوں بے نقاب نہیں کیئے جارہے؟ بلوچستان کے مسائل پر زبانی جمع خرچ میں تو انڈیا کا نام دیا جارہا ہے لیکن پھر پسندیدہ ترین بھی اسے قرار دیا جانا سمجھ سے باہر ہے۔

لال مسجد کے بارے میں ایک اہل نظر کی بات آپ سے شیئر کرنا چاہوں گا۔ جب حکومت کا ان سے مسئلہ چل رہا تھا تو بہت سے آپشن موجود تھے۔ بہت سے طریقوں سے نمٹا جاسکتا تھا۔ لیکن افسوس کے جن کا مقصد ہی اُسے نیست و نابود کر کے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنا تھا وہ بندوق کے علاوہ کسی حل کی جانب کیسے آتے؟۔ اب اہل نظر ہستی کی بات کرتے ہیں تو میں آپریشن کے دنوں میں محبتوں کے شہر میں پہنچا۔ محفل نعت بپا تھی۔ پھر تعلیم دیتے ہوئے بزرگ فرمانے لگے (مفہوم) "لال مسجد کے بچے اور بچیاں راتوں کو تہجد پڑتے ہیں اگر اُن میں سے ایک کی بھی بد دعا لگ گئی تو مشرف کے اقتدار کا سورج غروب ہو جائے گا"۔ بس پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ سانحہ لال مسجد کے بعد مکے دکھانے والے طاقتور جرنیل کا اقتدار لرزنے لگا اور بالآخر سیدنا محمد ﷺ کے خدا نے اُسے جلاوطنی کی زندگی

گزارنے پر مجبور کر دیا۔ اب اُس سے لال مسجد کے مظلموں کے خون کا بدلہ کون سا نظام لے گا؟ یہ سوال آج بھی شہید لال مسجد اور رات کی تاریکی میں دفن ہونے والے شہدا کی قبریں دہرا رہی ہیں۔

پیاسا بلوچستان

سکندر اعظم کو بھی شوق چرایا کہ بلوچستان کے علاقے لسبیلہ میں سے فاتح گزرے۔یہ شوق اسے کتنا مہنگا پڑا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ جب لسبیلہ میں داخل ہوا تو اس اس کے لشکر کا جاہ وجلال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا اور جب وہ اس علاقے کی حدود پار کر چکا تو اس کے ارد گرد لشکر نہیں بلکہ ایک لٹا پٹا چھوٹا سا قافلہ تھا جسے کسی ڈاکو یا راہزن نے نہیں بلکہ اس سرزمین کے موسمی حالات نے گہرے زخم لگائے تھے۔اور قریبا چوتھائی حصہ کے قریب سپاہی اپنے ہوش وحواس میں اور زندہ حالت میں موجود تھے۔ان کے حوصلے بھی پست ہو چکے ہوتے اگر وہ سکندر جیسے باحوصلہ اور نفسیاتی جرنیل کے ساتھ نہ ہوتے۔جب لسبیلہ کے قریبا وسط میں بادشاہ کے دستے سمیت تمام لشکر کے پاس پینے کے لیئے ایک بوند بھی نہ تھی اور بادشاہ کے ہونٹ بھی خشک تھے' چند سپاہیوں کو پانی کی تلاش کیلیئے روانہ کیا گیا' واپسی پر انکے پاس ہیلمٹ میں تھوڑا سا پانی موجود تھا جو انہوں نے شدید پیاس کے باوجود اپنے بادشاہ کی خدمت میں پیش کردیا۔سکندر نے ان کا شکریہ ادا کیا اور خشک حلق سے یہ تاریخ ساز آواز برآمد ہوئی" جب سکندر کا لشکر پیاسا ہے تو سکندر کیونکر اپنی پیاس بجھائے اور پھر پانی کو زمین کے حوالے کردیا"جو صدیوں کی پیاسی تھی۔

لیکن اگر اس واقعے کے تناظر میں آج کے عہدیداروں کو دیکھا جائے 'تو ہر جگہ ماتحت کا خون پیا جارہا ہے اکی پیاس یا ضروریات کا خیال تو ویسے ہی خام خیالی کی سی صورت اختیار کر چکا ہے۔

بلوچستان کے مسائل تو گھائل کر دینے والے ہیں لیکن قدرتی وسائل سے مالا مال یہ ایک ایسا علاقہ ہے جس کے کم و بیش نصف رقبے پر بلند و بالا پہاڑ اور باقی زمین خشک و بنجر ہے۔ جنوب میں نو سو کلو میٹر سمندری ساحل اس صوبے کو ایک جداگانہ حیثیت سے نوازتا ہے۔ لیکن سمندر کی موجودگی کے باوجود اس زمین کے باسی پانی کی شدید قلت کا شکار ہیں۔ آج سے چار دہائیاں قبل پانی حاصل کرنے کے ذرائع بالکل مختلف تھے ۔اسوقت چشمے 'کنویں اس مقصد کے لیئے استعمال کیئے جاتے تھے۔ اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ یہ ذرائع مسدود ہوتے چلے گئے اور ان کی جگہ ٹیوب ویلز نے لے لی۔

اسوقت صوبے کے ستر فیصد افراد پینے کے صاف پانی سے محروم ہیں۔ نوکنڈی اور جعفر آباد کے علاقوں میں ٹرین کے ذریعے عوام الناس تک پانی پہنچایا جاتا ہے۔ جبکہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ کو بھی شدت سے اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ 28 لاکھ نفوس پر مشتمل کوئٹہ کی آبادی کو 3 کروڑ نوے

لاکھ گیلن پانی درکار ہوتا ہے جبکہ واسا کی جانب سے 2 کروڑ نوے لاکھ گیلن پانی مہیا کیا جاتا ہے۔واسا کی یہ سہولت بھی محدود وسائل اور مختلف مسائل کی وجہ سے ایک دن تعطل کے بعد فراہم کی جاتی ہے جس کا دورانیہ بھی ضرورت کے پیش نظر بہت کم ہوتا ہے۔ باقی دنوں میں مہنگائی کے بوجھ تلے دبے عام شہری اشیاء خوردونوش کے ساتھ ساتھ پانی بھی خرید کر استعمال کرتے ہیں اور یوں ان کے ماہانہ بجٹ پر برا اثر پڑتا ہے۔اگرچہ نجی شعبہ میں پانی فراہم کرنے والوں کی اب موجیں ہی موجیں ہیں لیکن حالات کی چکی میں پستے شہریوں کو چاروناچار دو سے تین ہزار فی ٹینکر کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔

شروع میں کوئٹہ شہر میں پانی کے حصول کیلئے بیس سے پچیس فٹ تک کھدائی کرنا پڑتی تھی۔لیکن پانی کی گرتی ہوئی سطح نے صورتحال یکسر بدل کر رکھ دی ہے۔ بلوچستان کے متعلق ماہرین کی رپورٹس میں کہا گیا ہے کہ کوئٹہ سے اگرایک ہزار گیلن پانی زمین سے نکالا جائے تو بمشکل ایک سو گیلن پانی ری چارج ہوتا ہے۔ منصوبہ بندی کے فقدان ٗ سنجیدگی کی کمی اور لاپرواہی کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اب اس وادی کے ری چارجنگ مقامات پر رہائشی کالونیاں تعمیر ہوچکی ہیں ۔کوئٹہ شہر کے طول واطراف میں زیر زمین پانی کی سطح 800 سے 1200فٹ کے قریب گر چکی ہے۔جب کہ بلوچستان کے دوسرے اضلاع میں پانی کی سطح 1800 سے 2000فٹ تک گر چکی ہے اور یہ صورتحال مزید ابتری کی جانب تیزی سے بڑھ رہی

ہے۔ نجی چینل پر پانی کی صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے زبردست خان بگٹش (پروگرام مینیجر بی پی ایس ڈی آئی یو سی این) نے کہاکہ "کوئٹہ میں جتنی گنجائش تھی اس سے زیادہ ہم نے ٹیوب ویل لگادیئے ہیں کوئٹہ ویلی میں ایک اندازے کے مطابق 120 سے 140 ٹیوب ویلز کی گنجائش ہے لیکن اسوقت تین ہزار سے زیادہ ٹیوب ویلز کام کررہے ہیں۔ جس کی وجہ سے زیرزمین پانی کی سطح مسلسل گر رہی ہے"۔

پچھلے دس سالوں کی قحط سالی اور پانی کی گرتی ہوئی صورتحال کے سبب ماہرین نے کہا تھاکہ بہتر ہے کہ کوئٹہ کی آبادی کو کسی موزوں جگہ پر منتقل کردیاجائے۔ لیکن یہ سب کرنے کیلئے سکندراعظم کی طرح اپنے سپاہیوں کا درد محسوس کرنے والا دل ہونا چاہیئے حالات کی نزاکت جانچنے والا دماغ ہونا بھی ازحد ضروری ہے۔ اوراپر کلاس میں ایسے' افراد بہت کم ہیں۔ 2003 کے بعد سے لے کراب تک کوئٹہ میں پانی کے ذخائر دریافت نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی کوئی سروے رپورٹ سامنے آئی ہے۔

جب کچھ اور نہ بن پڑا تو کوہ مردار کی جانب رخ کیاگیا۔ کوہ مردار کے متعلق 2002 یں ماہرین نے کہا تھا کہ اگر 25 ٹیوب ویلز کے ذریعے ادھر سے پانی نکالا جائے تو پچیس سال آبادی اسی پر انحصار کرسکتی ہے لیکن رپورٹ کے برعکس کام کیاگیا اور اب کوہ مردار پر 356 ٹیوب ویلز کام کررہے ہیں۔

کوئٹہ وادی کے باسی تو جیسے تیسے پانی خرید لیتے ہیں۔لیکن بلوچستان کے دیگر علاقوں میں صاف پانی کی کمی کے باعث مختلف مسائل اور بیماریاں پھیل رہی ہیں۔لوگ ہنستے بستے گھر چھوڑ کر دوسری جگھوں پر منتقل ہونے پر مجبور ہیں۔جب کہ سیاسی جماعتوں کے ایجنڈے اور منشور ہی میں یہ بات شامل نہیں۔جلسے جلسوں کی گیم گرم ہے'ہر کوئی پاکستان کے اس علاقے کے باسیوں کے زخموں پر بیانات اور زبانی جمع خرچ کے ذریعے مرہم رکھ کر اپنی پارٹی پوزیشن مضبوط کرنا چاہ رہاہے۔چاہے اس پارٹی کا تعلق کسی بھی سطح سے ہو۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہنگامی بنیادوں پر بلوچستان میں پانی کے مسلئے کو حل کیاجائے۔اور اس کیلئے مضبوط حکمت عملی 'پر سوز قلب'دیدہ بینا اور تعصب سے پاک دماغ رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔26مارچ کو پانی کا عالمی دن منایا گیا۔لیکن حقائق پر مبنی عملی اقدامات کب اُٹھائے جائیں گے اس کے لیئے کوئی حتمی ٹائم فریم نہیں دیا گیا۔پیاسا بلوچستان محرومیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب چکاہے اور ہر پارٹی یہی کہتی پھرتی ہے کہ ہم نے یہ کیا' وہ کیا(اقتدار کی مضبوطی کی ترامیم بس) اور یہ ہمیں نہیں عوامی مسائل کا حل) کرنے دیا گیا اور اس قبیل کی باتوں کے سوا کوشش کے باوجود) آپ بڑی جماعتوں کے قائدین سے کوئی بات نہیں سن پائیں گے۔آخر میں دعاہے اللہ تعالٰی پاکستان کو کوئی صالح حکمران عطاء فرمائے اور ہمیں بھی عمل کرنے کی توفیق دے امین)۔)

بیٹیوں پر ظلم کی نئی داستان

کائنات کے وجود میں آنے کے بعد ہی سے بنت حوا ظلم کے پہاڑ تلے کراہتی رہی ہے۔ بس کچھ آفاقی ادیان کے عروج کے زمانہ میں اُن کی سلطنت میں چین وسکون ملا یا کچھ اسکے نزدیک تر۔ حجاج بن یوسف ہو یا عباسی خلیفہ کی مسلم خاتون کی دادرسی 'یہ سب ملا کر چند ہی ایسے واقعات ہیں جو حقیقت میں اس کی فلاح اور درد کو محسوس کرکے اُٹھائے گئے۔ وگرنہ یونان 'روم' عراق 'اور دیگر ممالک کی قبل مسیح کی تاریخ بھی عورت کی تذلیل کرتی نظر آتی ہے لیکن بغور مطالعے کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تلک روم ویونان نے عورت کو عیاشی کا مرکز نہیں بنایااُن کی سلطنت کی بنیادیں قائم ودائم رہیں جوں ہی یہ عظیم سلطنتیں جنسیات کی جانب متوجہ ہوئیں ان کی عظیم الشان حکومتوں کی چولیں ہلنے لگیں اور بغیر کسی زلزلہ کے تباہ وبرباد ہوگئیں۔

فلورنس نائیٹ انگیل کو دنیا کی پہلی نرس مانا جاتا ہے۔شاید یہ پیشہ اختیار کرتے ہوئے اُسے نتائج کی سنگینی کا اندازہ نہ تھا کہ اُس کے بعد میں آنے والی نرسوں کے ساتھ معاشرہ کیا سلوک روا رکھے گا۔اور وہ یقیناآفاقی مذہب کی حقانیت سے بھی بہرہ ور نہ ہوگی۔فارسی مصرعے کا مفہوم ہے

خدمت میں عظمت ہے"۔لیکن حدودوقیود سے نکل کر خدمت بھی عذاب بن جاتی ہے۔اور عورت ومرد کا نکاح کے بغیر باہمی رابطہ انسانی معاشرے کیلئے سم قاتل ہے۔ جوکچھ منی پاکستان میں یا پنجاب میں نرسوں کے ساتھ کیاگیا وہ ہمارے معاشرے کی بے حسی کی منہ بولتی تصویر ہے۔خصوصا کراچی میں جب نرسوں نے گورنر ہاؤس کی جانب پیش قدمی کرناچاہی تو انہیں کسی عریاں فلمی سین کا حصہ بنا دیاگیا‘فلموں میں مصنوعی بارش کے ذریعے اداکارہ کوگیلا کرکے مخصوص مقاصد حاصل کیئے جاتے ہیں ۔اور یہ ایسے مناظر ہوتے ہیں کہ بہن ‘بھائی یا باپ بیٹی اکھٹے بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتے اگر باحیاہوں)۔

ممکن ہے گورنرہاؤس کے اردگردکے علاقہ کو ریڈزون قرار دے دیاگیاہو۔لیکن سوچنے کی بات ہے کہ جب مصر میں امرائے سلطنت پر الزام لگتاہے کہ وہ غلام ہیں اور بغیر فروخت وآزاد ہوئے وہ حکومت کا حصہ نہیں بن سکتے تو وہ سربازار بکتے ہیں اور عدالتی حکم کی تعمیل کرتے ہیں ۔لیکن آج کی دنیامیں تو عینکیں بھی بلٹ پروف پہنی جاتی ہیں‘جب حکمرانوں کے خوف کا یہ عالم ہوگا تواُس دھرتی یا اُس ملک کے عوام کتنے محفوظ ہوں گے۔شیر خدا سے کسی نے پوچھا :آپ محافظ کیوں نہیں رکھتے؟جواب ملا موت میری حفاظت کررہی ہے جب تلک اُس کا

وقت نہیں آ جاتا میں محفوظ ہی رہوں گا۔ غیر ملکی سفیر آتا ہے تو ٹیلے پر بے فکر لیٹے مسلمان خلیفہ سے کہتا ہے آپ نہتے ہیں اور آپ کو خوف نہیں آتا جبکہ ہمارا حاکم تو درجنوں سپاہیوں میں بھی پرسکون نہیں ہوتا' تو اُسے بتایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ عدل کرتا ہے اس لیئے کسی سے خوف نہیں کھاتا سوا اللہ کے۔ اور جسے اللہ کا خوف نہ ہو وہ تو ہوا سے ہلتے درختوں کے پتوں سے بھی خوف کھاتا ہے' وہ کبھی بھائی' باپ' بیٹی تو کبھی بیوی کی جان بھی لے لیتا ہے۔

بہرطور پاکستان کی سپریم کورٹ نے نرسوں پر تشدد کے واقعات کا نوٹس تو لے لیا اب دیکھنا یہ ہے کہ قوم کی بیٹیوں کو نیم برہنہ کرنے والوں کو کیا سزا دی جاتی ہے۔ ہر بار کالی وردی کو موردالزام ٹھہرانا درست نہیں ۔ یہ تو حکم کے پابند ہیں۔ ہر افسر کے اوپر ایک افسر ہوتا ہے اور پھر آخری افسر کے اوپر کوئی لاڈلا حاکم جو گورنمنٹ سرونٹ نہیں ہوتا۔ ہر بار صرف ملازم ہی کو کیوں سزاوار ٹھہرایا جاتا ہے' جس زبان سے یہ احکامات جاری ہوتے ہیں اُسے کیوں نہیں سزا ملتی ۔ ہر بار آخر کیوں مظلوم لوگ ظالم ہی کو کیوں پارلیمنٹ بھیجتے ہیں۔ ممکن ہے شاید تریسٹھ برس سے ہم اسی جرم کی پاداش میں قید بامشقت گزار رہے ہیں بغیر جیل اور ہتھکڑیوں کے۔ یہ جدید قید ہے آپ بھی سمجھدار ہیں ہر بات کو کھول کے بیان کرنا ممکن نہیں ۔ سیانے کہتے ہیں "اسب گول تے کجھ نہ چھول" لہٰذا

ہم سیانوں کی باتوں پر عمل کریں کیونکہ ہمارے حاکم چاہے وہ گورنمنٹ افسر ہی کیوں نہ ہوں اپنے آپ کو اقتدار اعلیٰ کا مالک سمجھتے ہیں اور اگر ہم نے بات کھول دی تو پھر کام خراب ہو جائے گا۔ جیسے نرسوں کا ہوا۔ بے چاری سرعام ذلیل و رسوا ہوئیں' اس بار نرسوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اپنے رب کی' اپنے بھگوان کی' اپنے خالق کی مرضی کے مطابق کام کرتی ہیں۔۔۔ لیکن سوچنے کی بات ہے اگر نرسوں کو چھوڑ بھی دیا جائے تو بھی اس معاشرے میں بنت حوا کے لیئے روز ظلم وزیادتی کی نئ داستان رقم کی جاتی ہے۔ شاید مرد اسے اپنی سلطنت تسلیم کرتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ اُسے نکاح کے لائنسس' یا بیٹی' ماں کے ولی ہونے کے باوجود رب کریم کے احکامات کی بھی پیروی کرنی ہے۔ عورت کسی بھی روپ میں ہو اُس کی جاگیر ہرگز نہیں۔ اپنے حاکم کی استثنیٰ پر باتیں کرنے والے حوا کی بیٹی کے حاکم بن جاتے ہیں اور خود کو ہر آئین' قانون اور دینی احکامات سے ماوراتصور کرتے ہیں۔ شاید ہمیں نہیں معلوم کہ سپریم کورٹ کے اوپر بھی ایک طاقت ہے اور اُس سے برتر بھی ایک خالق کی طاقت ہے جب اُس نے نوٹس لے لیا تو پھر یاد رکھنے کی بات ہے "کہ فطرت جب انصاف پر اُترتی ہے تو رحم نہیں کرتی"۔ اللہ میرے وطن کو محفوظ رکھے اور ہمیں عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ امین۔

الحمدللہ

میرے رب کا احسان ہے کہ اُس نے لکھنے کی قوت سے نوازا اور ساتھ ہی مخلوق کا درد بھی عطاء کیا۔ کائنات میں کوئی لفظوں کا جادوگر ہے تو کوئی بیان ظالمانہ پیش کرتا ہے ٬کسی کو سیاست کے جوڑ توڑ میں ملکہ حاصل ہے تو کوئی نیکیوں کو بیچنے کا فن بخوبی جانتاہے٬کوئی جسمانی قوت کی بادشاہ ہے تو کوئی خطہ زمین کا٬ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسے اللہ کی مخلوق کا احساس عطاء کیا گیا میرے نزدیک یقیناً اُسے بڑی نعمت سے نوازا گیااور اس پر شکر بھی ادا کرنا چاہیئے کہ یہ وصف اللہ کی ذات کا عطاء کردہ ہے ۔اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ "ہر حال میں میرا شکرادا کرو"۔لیکن جب اس کی مخصوص رحمتیں نازل ہوں تو شکر بھی مخصوص ہونا چاہیئے ۔اور اس کا طریقہ آپ کو اللہ والوں کی مجالس سے ہی ملے گا۔

گزشتہ ایک دہائی سے زیادہ میرا گاؤں ڈب بلوچاں صحت کی سہولتوں سے محروم تھا۔جس کی کئی سیاسی وانتظامی وجوہات تھیں۔ڈب کے رہائشی لوگوں نے اس کیلئے بہت کوششیں کیں٬جن میں میرے عزیزواقارب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیااور ہمیشہ صف اول ہی میں رہے۔وقت گزرتا گیااور زخم گہرا ہوتا گیا۔تقدیر کا کچھ ایسا چکر تھاکہ ہربار ہار ہی ہمارا مقدر بنی مگر صبر کا پیمانہ لبریز نہ ہوا۔اور

وانڈھا بلوچاں کے بزرگوں نے رقبہ دینے کے ساتھ ساتھ ہر لیول پر اپنی جدوجہد جاری رکھی۔

کسی نے خوب کہا ہے

جگ میں نامی کوئی بغیر کوئی مشقت نہیں ہوا

سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

اور جس طرح سنار کے تیزاب میں جلنے کے بعد سونے کی چمک بڑھ جاتی ہے اسی طرح یہ سلسلہ بھی جاری رہا۔ میں نے بطور کالم نگار "روزنامہ جناح" میں ڈب کے اس سلگتے ہوئے مسئلہ پر کالم تحریر کیئے۔ ایکسپریس چینل کی مخصوص سروس کے ذریعے الیکٹرونک میڈیا پر بھی اس مسلئہ کو ہائی لائٹ کیا۔ اور بالآخر محنت رنگ لائی اور 2012/4/5 کو بنیادی مرکز صحت ڈب بلوچاں کا افتتاح ہو گیا۔ جس کو وزیر اعلیٰ کے پروگرام برائے پی۔ آر۔ ایس۔ پی نے اپنی تحویل میں لے لیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "جو اپنے محسن کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ میرا بھی شکر ادا نہیں کرتا"۔ لہٰذا پی۔ آر۔ ایس۔ پی اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ، روزنامہ جناح اور ایکسپریس چینل کا میں اور اہل علاقہ شکر گزار ہیں جنہوں نے اس مسلئے کے حل میں ہماری مدد کی۔ لیکن بطور پاکستانی میں سمجھتا ہوں کہ میانوالی پنجاب کے جسم کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے اور ڈب بلوچاں میانوالی کی ایک یونین کونسل ہونے کے ناطے اس چھوٹے سے حصے کا رستا ہوا زخم تھا جس پر بی۔ ایچ۔ یو کے

کی ضرورت ہے (فائبر کے treatment آغاز سے مرہم رکھا گیا ہے۔ اسے مکمل کمروں پر مشتمل اس بنیادی مرکز صحت کو ایک مکمل بلڈنگ گائنی روم اور انتظار گاہ کی اشد ضرورت ہے)۔ اور اس زخم کے مندمل ہو جانے کے باوجود بھی سارا جسم ٹھیک نہیں ہوا کیونکہ ہر حصہ درد سے بلبلا رہا ہے۔ لہٰذا ارباب اقتدار سے التماس ہے کہ پورے پنجاب کو آپ کی ضرورت ہے اور اس پر توجہ دینا آپ کا فرض ہے' لہٰذا اپنا فرض احسن طریقے سے نبھایئے اور خلق خدا کی دعا لیجئے۔

شیر خدا' حیدر کرار' داماد رسول ﷺ فرماتے ہیں "جو شخص اپنے نفس کو دوسروں کی عیب جوئی کی فکر میں رکھتا ہے وہ گمراہی کے اندھیروں میں متحیر ہوتااور ہلاکتوں کے بھنور میں پڑ جاتا ہے"۔آپ مسلمانوں کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے 'جب بھی گروہ متصادم ہوئے اس کی وجہ غلط فہمی بنی یا ایک دوسرے کی عیب جوئی کی فکر۔ایک دوسرے کو نیچادکھانے کی غرض سے کی گئی تحقیقات سے ایسی بھیانک تاریخ رقم ہوئی کہ آج تلک مسلمان ایک دوسرے کے دست گریباں ہیں۔غیر مسلم نے جب بھی حملہ کیا پہلے آپس میں لڑوایایا کوئی گھر کا بھیدی ڈھونڈا جو لنکاڈھائے۔اور یوں ہلاکو کے ہاتھوں سقوط بغداد ہو یا انگریز کے ہاتھوں سقوط بنگال دونوں میں مسلمان وزراء کا ہاتھ
نظرآتا ہے۔حضرت علی فرماتے ہیں"اس شخص سے کون زیادہ نقصان میں ہے جو اللہ تعالٰی کی رضا ومحبت بیچ کر دوسروں کی رضامندی ومحبت حاصل کرتا ہے اور اُس شخص سے کون زیادہ ناکام ہوسکتا ہے جو یقین کو چھوڑ کر شک وحیرت میں پڑتا ہے"۔مگر کیا کیجئے ان عقل ودانش سے بھرپور اقوال سے کوئی فائدہ تک نہیں اُٹھاتا 'کوئی بنگال کا میر جعفر ہے تو کوئی قلات کا میر 'لیکن سودا دونوں نے ایک ساکیا۔اور ناکام تو ہم میں سے ہر وہ فرد ہے جو شدت 'عسکریت اور انتہاپسندی سے الفت رکھتا ہے۔آپ مسلمانوں کی تاریخ کے اوراق کھولیئے شک سے

زیادہ کسی دیمک نے مورخ کے علم کو نہیں چاٹا۔یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سلیم طبع تاریخ دان نہ تھے مگر یہ دودھاری تلوار سی تاریخ کس نے لکھی؟کس نے اسے مسلم کے سینے میں اُتارنے کی کوشش کی؟حالانکہ اسوقت امریکہ واسرائیل تو نہ تھے۔لیکن دشمن ازل سے موجود تھے'کچھ آستین میں چھپ گئے اور چند نے کھلم کھلا اپنا کام دکھایا۔اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب تاریخ کا معصوم طالب علم جو ابھی بمشکل گیارہویں جماعت تک پہنچا ہوتا ہے اگر تاریخ اسلام سا مضمون رکھ لے تو اسی شک وحیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے مولا علی منع فرما چکے۔

حسنین کے بابا فرماتے ہیں "جو شخص شر اور فتنے کی آگ بھڑکاتا ہے وہ اس کا ایندھن ہو جاتا ہے اور اسی میں جل کر مرجاتا ہے"۔آپ کو ہر سو مناظروں کا منظر دکھائی دے گا'گلی کوچوں سے لے کر علماء کی بحث تلک۔مملکت خداداد میں وہ وقت بھی گزرا ہے کہ جب لوگ پہلوانوں کے دنگل اتنی دلچسپی سے نہ دیکھتے تھے جتنی لگن سے مناظرے دیکھتے تھے۔دونوں جانب کے "مُلا" اپنے آپ کو مسلمان اور دوسرے کو کافر'بدعتی'گستاخ ثابت کرنے کی سعی ناکام میں منہ سے آگ نکالتے جاتے جو رفتہ رفتہ امت مسلمہ کو خشک لکڑی کی مانند کھا گئی۔آج اگر کہیں بات کی جائے کہ اسلام نافذ کیا جانا چاہیئے تو فوراً سے پہلے خود کو روشن مزاج کہلوانے پکار اُٹھتے ہیں پہلے یہ تو بتاؤ کونسا اسلام؟سنی؟دیوبندی؟اہل حدیث؟جہیں،اگر مسلک کی بنیاد پر لکھوں تو شاید کالم نہ مکمل رہ جائے۔آج ایک

دوسرے کو لعن طعن کرنا ثواب کا کام ٹھہرا ہے جس کی نام نہاد علماء تلقین کرتے بھی نظر آتے ہیں۔خلیفتہ المسلمین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں "ملامت کرنا مار پیٹ سے زیادہ سخت سزا ہے" ۔ایک اور جگہ فرمایا "ملامت کے لہجے میں وعظ ونصیحت نہ کرو"۔یہ ان کا فرمان ہے جن کے بارے میں فرمان نبوی ﷺ ہے "میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ ہے"۔ہماری سمجھ سے بالاتر ہے ایسا شخص جو دعوہ تو محبت کا کرے اور ملامت کے لہجے میں وعظ کرے۔کیونکہ جب تلک وہ علم کے دروازے تک رسائی نہ رکھے گا شہر تک اُس کا پہنچنا ہی محال ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں "بردباری عقل کا اور سچائی بزرگی کا کمال ہے "مزید فرمایا "بردبار شخص فحش نہیں بکتا اور شریف آدمی کو وحشت میں نہیں ڈالتا"۔آپ گلگت ،جگلوٹ ،ضلع چلاس دبیر ،دینور وغیرہ کے حالات کا جائزہ لیجئے آپ کو فحش کلامی ہی مصیبت کی جڑ نظر آئے گی 'یہ لوگ برداشت سے صریح طور پر عاری ہوچکے ہیں۔سانحہ کوھستان اور اسکے بعد کے واقعات سے یہ سطور لکھنے تک گلگت میں کرفیو نافذ ہے 'جسے آٹھ دن بیت چکے۔سانحہ کوھستان کے وقت ایسا لگا جیسے برف اب کی بار لال ہوئی ہو۔مگر جب حالات کی نزاکت کا ادراک کرنے کیلئے پنجاب 'سندھ و ملک کے دیگر علاقوں میں رہائش پذیر گلگت کی وادی کے باسیوں سے پوچھا تو کہنے لگے وہاں کی برف باری تمھیں سفید نظر آتی ہوگی.

ہم نے تو اُسے ہمیشہ لال رنگ میں (اس پر متواتر خون بہتے ہوئے) دیکھا ہے۔فرقہ ' وارانہ فسادات اور گالم گلوچ کے نتائج بیان کرتے ہوئے ایک شخص جذباتی ہو کر کہنے لگا مجھے یہ بتلاؤ کہ " اگر تمہاری عزتوں کی کے ساتھ کوئی کھیلے تو کیا کروگے "۔ میرے پاس برداشت اور خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔کہنے لگا (بقول اسکے) ہمارے ہاں ایسا بھی ہوا ہے۔اور اتنے دردناک انداز میں ہوا کہ لکھ دوں تو قلم شرما جائے۔

لیکن ارباب اقتدار شاید سمجھتے ہیں کرفیو کا نفاذ 'خبر کی بندی 'اور دیگر ناکہ بندیاں اسکا حل ہیں ۔شاید ان کی دانست میں ایسا ہی ہو 'اور ایسے بندوبست سے عارضی حل تو کیئے جاسکتے ہیں 'لیکن کبھی بھی قوت سے کسی مسئلہ کا مکمل حل نہیں نکالا جاسکا۔اس سے پہلے کے بین الاقوامی میڈیا اور انسانی حقوق کے ٹھیکیدار بولیں ' ہمیں خود ہی اپنے بھائیوں کے زخموں پر مرہم رکھنا ہوگا۔غلطی کسی بھی فقہ کا کوئی شخص کرے اور سزا کوئی دوسرا شخص بھگتے اس کی اسلام تو کیا دنیا کو کوئی بھی تہذیب یافتہ معاشرہ اجازت نہ دے گا۔وادی ہنزہ کے ایک شخص سے جب میں نے دریافت کیا کہ "پائیدار امن کیلئے کیا کیا جانا چاہیئے "۔تو اس کا پہلا جواب تھا (خلاصہ) "اس کا واحد حل ہے ایک ہی فقہ وہاں رہ جائے "۔طویل بحث ومباحثے اور اس کے جذبات کے سرد ہونے کے بعد میں نے عرض کیا کہ "یہ تو ممکن نہیں "کوئی اور حل تو کہنے لگا : سیدھی سی بات ہے اگر وہاں

کے علماء چاہیں تو ایسا ہو سکتا ہے مگر بات خلوص نیت کی ہے ۔ یہ لوگ میڈیا پر اور بھرے اجتماع میں تو امن و بھائی چارے کی بات کرتے ہیں لیکن اپنی نجی محفلوں میں ہر فقہ دوسرے کے خلاف کفر کا فتویٰ دیتا ہے بلکہ یہ بات بھی پرانی ہو چکی اب تو ایک ہی فقہ کے لوگ مختلف مسالک میں بٹ چکے ہیں اور ہر مسلک دوسرے مسلک کو کفار کا درجہ دیتا ہے (یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کی آواز میں رقت طاری ہو گئی) "اور اسکے آخری الفاظ تھے "ہم چاہتے ہیں ہمارے علاقے میں امن ہو جائے اگر آپ کے قلم میں قوت ہے تو خدارا امن کی بات کرنا' میرا گلگت بلتستان امن کے لیئے دہائیوں سے ترس رہا ہے وہاں کی برف تلے ہزاروں بے گناہوں کا خون دفن ہے"۔'

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "بھائی کی لغزش اور غلطی معاف کر دے ۔حدِ شرعی کو جہاں تک ہو سکے ٹال اور جو بات بالتصریح تجھے کہی نہ جائے اس سے در گزر کر"۔لہٰذا ہمیں ایک دوسرے کی کوتاہیاں معاف کرنے کی ضرورت ہے اور ایک دوسرے کے اسلاف کے بارے میں نیک گمان رکھنا ہی ہمارے اتحاد کیلیئے بہتر ہے۔ مولا علی فرماتے ہیں "بدزبانی آدمی کی رونق وعزت اور مروت کو کھو دیتی ہے اور بدکلامی آدمی کی قدر گھٹاتی ہے اور بھائی بندی کو بگاڑ دیتی ہے"۔

دنیا کی سب سے مظلوم اقلیت

کلچر کی تعریف ((definition کی کتاب کھولی جائے تو یہ گھتی نہایت الجھی ہوئی ہے۔اینتھروپالوجسٹ خاتون بینی ڈٹ ہویا پھر ادبی دنیا کا ٹی ۔ایس ۔ایلیٹ یہ سب کہ سب ایک ہی مہ کدے کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں ۔فرق فقط یہی ہے کہ کسی کہ میخانے کی دیواریں ترچھی ہیں تو کسی کی چوکور'تو کسی کی ٹرائینگل کی صورت اختیار کیئے ہوئے ہیں۔اسی واسطے ان کا نظریہ یہی کہتاہے کہ معاشیات'معاشرت'انسانوں کے آپس کے تعلقات'ان کی قوت مدافعت وصداقت'میوزک'آپس کے تعلقات'شادی بیاہ کی رسمیں'طرز تعمیر'انواع واقسام کی ڈشز'لوک گیت' یہ سب اور یہی کلچر ہے۔ایسا ہر گز نہیں ہے۔اسے ہم کلچر کا حصہ قرار دے سکتے ہیں ۔لیکن پورا کلچر نہیں ۔کیونکہ اہل مغرب میں سے اکثر کی سوچ فقط زندگی کے گرد گھومتی ہے اسی لیئے ان کی "کلچر"کی تعریف بھی اسی طرح ادھوری ہے جس طرح زندگی کا ذکر موت کے بغیر ادھوراہے۔یہ بات آپ اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ تاریخ کی کتاب اسوقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک وہ کتاب میں مذکور انسانوں کی موت کا ذکر نہ کرے۔اور موت کے بعد کے عقائد کا تذکرہ نہ کرے۔

چند گروہ جب مل جل کے رہتے ہیں تو ان کی عادات زندگی ایک جیسی ہو سکتی

ہیں'ان کے مصالحہ جات' مکانات' رسمیں گھتم گھتا ہو سکتی ہیں'لیکن آداب بندگی ایک جیسے ہر گز نہیں ہو سکتے۔آداب بندگی ہی ان کے درمیان لائن کھینچ دیتے ہیں۔یعنی اتنا کچھ ایک ہونے کے باوجود'حتی کہ انتہائی قربت 'میل جول اور رشتہ داری کے باوجود دفنانے کے انداز 'عقائد'مختلف ہی رہیں گے۔بالکل اسی طرح جیسے گندم اور چنے کی فصل ایک ہی پلاٹ میں کاشت ہو'انکی کھاد 'خوراک'آب وہوا'زمین سب ایک ہوگی۔(ممکن ہے بعض پودوں کی جڑیں بھی آپس میں جپھی ڈالے ہوئے ہیں'جیسے راج کمار اور انور کا باپ ایک ہوسکتا ہے لیکن روحانی پیشوانہیں۔لیکن جب فصل کا وقت آئے گا یعنی end تو نتائج مختلف ہوں گے۔دونوں کے آؤٹ پٹ یکسر peak point یا time مختلف۔آؤٹ پٹ یعنی گندم 'چنا۔جب کہ فوک میوزک (خوراک)'کھاد (بیاہ کی رسمیں)'پانی (لباس)'سب ایک تھا لیکن منزل جدا جدا۔یعنی گندم الگ بوری میں اور چنا الگ میں 'انکے خوشوں یعنی بالیوں میں سے نکلنے کے انداز تک مختلف۔ریٹ بھی مختلف'چکی بھی اور۔

اسی طرح جب مسلمان دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو'کسی بھی رنگ 'نسل سے تعلق رکھتا ہو اس کی پہچان کلمہ طیبہ ہوگی۔وہ کسی بھی پلاٹ اور زمین کی پیداوار ہو'وہ مسلم امہ کا فرد ہی ہوگا۔آٹھ سو سال بیت چکے لیکن آج بھی برما کہ مسلمانوں کا کعبہ وہی ہے جو سعودی عرب یا کسی بھی ملک کے مسلمان کا ہے۔آج ان کے ہاں بھی ویسا ہی رمضان المبارک ہے جیسا کہ ہمارے ہاں ہے۔ان کے سحر وافطار

بھی ہیں لیکن کیا ہم نے سوچا کہ وہ روزہ کیسے رکھتے اور افطار کرتے ہوں گے 'عید تو ان کے ہاں بھی آرہی ہے؟ بچے تو انکے بھی ہیں؟ بیمار تو وہ بھی ہوں گے؟

.برما کا موجودہ نام میانمار ہے۔ سات صوبوں پر مشتمل اس ملک کے مغربی صوبہ کا نام ارکان ہے۔ "ارکان "بدھ مت کے ماننے والے مقامی لوگوں کی ایک نسل ہے جس کے نام پر صوبے کا نام رکھا گیا۔ اقوام متحدہ کے مطابق اس صوبے میں مسلمانوں کی تعداد آٹھ لاکھ ہے۔ جب کہ پورے .برما میں مسلمانوں کی کل چار فیصد آبادی ہے۔ اس صوبے میں رہنے والے روہنگا نسل کے مسلمان ہیں۔ جنہیں آٹھ صدیاں بیت جانے کے بعد بھی وہاں کی شہریت 'شناختی کارڈ 'اور بنیادی انسانی حقوق تک حاصل نہیں ہیں۔

"glass palace chronice of burma kings" تاریخ کے ورق اگر کھولیں تو byat wil پہلا کے ورق گواہی دے رہے ہیں کہ مون بادشاہ کے دور میں یہاں مسلمان تھا۔ لیکن اس کی زندگی بھی مذہبی نفرت کی بھینٹ چڑھ گی۔ بیت وی کے بھائی کے دو بچوں کو بھی اسی جرم کی پاداش میں زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے۔ یہ بھی رقم ہے کہ "because they refused to obey the forced labour انہوں نے order of the king" یعنی ایک ظالم قانون ماننے سے انکار کیا لیکن ساتھ یہ بھی "may be because of their religious belief" درج ہے کہ ۔یعنی ابتداء ہی سے ان کو مارنے کی

وجوہات ان ہی کے سر تھوپ دی گئیں ۔ کبھی مون بادشاہ کو ان کی طاقت کا خدشہ ٗ کبھی حکم نہ ماننے کا جرم ٗ تو کبھی جون 2012 میں زیادتی کا الزام (واللہ اعلم)۔

اسکے بعد تاریخ بتاتی ہے کہ شاہ جہاں کے بیٹے شاہ شجاع کو جب اس کے بھائی اورنگزیب نے شکست دی تو اسے ہندوستان میں جاہ پناہ نہ ملی اور بد نصیبی اُسے برما کھینچ لائی۔برما میں اسوقت سنداتھودام کی حکومت تھی۔شاہ شجاع بحری جہاز خریدنے کا خواہش مند تھا تاکہ باقی زندگی مکہ ومدینہ کی روح پرور فضاؤں میں گزار سکے۔اس سلسلے میں بادشاہ سے بھاری بھرکم زیورات کے بدلے معاہدہ بھی طے پاگیا۔لیکن لالچی بادشاہ کی نظر مغل شہزادے کے تمام جواہرات پر تھی۔اس نے شاہ شجاع کی بیٹی کو زبردستی اپنانا چاہ جس نے بعد میں خود کشی کرلی۔اور شجاع کو قزاقوں نے وہاں سے بھاگنے میں مدد دی۔ مغل شہزادوں نے مزاحمت کی اور وہ بھی ظلم وبربریت کا شکار ہوئے۔سترہویں صدی کی اس جنگ میں جو غیرت کے نام پر تھی ٗ ہر وہ شخص جو چہرے سے مسلمان لگتا تھا مار ڈالا گیا ٗ عورتیں ذلیل وخوار ہو کر عقوبت خانوں میں بھوک وپیاس سے دم توڑ گئیں۔

پھر جب بودا پیا (bodawpaya 1782-1819) نے اقتدار سنبھالا تو مسلمانوں کو ذہنی اذیت دینے کا شرمناک منصوبہ تیار کیا۔چار مشہور ومعروف مسلمان علماء کو

مدعو کیا اور انہیں خنزیر یعنی سور کا گوشت کھانے کا حکم دیا۔جب حق پرست و بے باک علماء نے انکار کیا تو انہیں تشدد کے ساتھ مار ڈالا گیا۔برما کہ مسلمان آج بھی اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ علماء کے قتل کے بعد سات دن تک برمی سلطنت سورج سے محروم رہی۔

1978 میں ملٹری آپریشن کے دوران دو لاکھ کے قریب مسلمانوں جبر و تشدد ُ ُ زنا سے تنگ آ کر بنگلہ دیش کی جانب چلے گئے۔اسی طرح 1991-92 میں بھی ہزاروں مسلمان بدھوں کے تعصب کا نشانہ بننے کے بعد نقل مکانی کر گئے۔1997 اور 2001 میں بھی انہیں مذہبی نفرت کا شکار کیا گیا۔جس میں سینکڑوں مسلمان تباہ و برباد ہوئے۔

موجودہ فسادات کا آغاز اسوقت ہوا جب دس مسلمانوں کو بسوں سے اتار کر قتل کیا گیا۔جب کہ برمی حکومت اس تشدد کی لہر کی بنیاد اس بات کو قرار دیتی ہے کہ تین مسلمان لڑکوں نے بدھ لڑکی کے ساتھ زنا کیا اور پھر اسے قتل کر دیا۔یہ بات کتنی مضحکہ خیز لگتی ہے کہ اقلیت کہ ساتھ واقعے کو اس طرح نتھی کیا جائے جس طرح کوئی طاقتور گروہ مظلوم بدھوں کے ساتھ ظلم کر گیا۔اگر یہ بات حقیقت بھی تسلیم کر لی جائے تو جن لڑکوں پر یہ الزام عائد کیا گیا انہیں تو قید کیا جاچکا تھا۔پھر یہ ظلم کیوں؟ درحقیقت حکومت یہ چاہتی ہے کہ روہنگا مسلمان ملک چھوڑ جائیں اور انہیں شہریت نہ دینی پڑے۔جبکہ مسلمان برما میں

اسوقت سے آباد ہیں جب برمی سلطنت کا وجود ہی نہ تھا۔
انگلش پریس ٹی وی کے مطابق موجودہ تشدد کی لہر3 (جون سے 28) جون تک 650 مسلمان قتل کیئے گئے۔ بارہ سولاپتہ ہیں اور اسی ہزار کو نقل مکانی پر مجبور کردیاگیا۔ جبکہ نجی ٹی وی نے مختلف ذرائع کے حوالے سے سات سو بستیاں جلانے کی خبر دی ہے۔ مزید یہ بتایاکہ عربی فلاحی سائٹ کے مطابق برمامیں حکومت نے فوری عدالتوں کے تحت مسلمان نوجوانوں کے خلاف مقدمات پر عمل درآمد کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں اب تک کئی مسلمانوں کو پھانسی دے دی گئی ہے اور سینکڑوں پھانسی کے پھندے کے انتظار میں موت وحیات کی کشمکش میں ہیں۔
اقوام متحدہ نے ان مسلمانوں کو " دنیا کی سب سے بڑی مظلوم اقلیت "قرار دیا ہے۔ لیکن حیف ہے امن کے ٹھیکداروں پر جن کا تعلق پاکستان اور بیرون ممالک سے ہے کہ ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ انسانی حقوق کے بیشتر ادارے اور فلاحی تنظیمیں واویلا نہیں کر رہیں۔ شور نہیں بپا۔ میرے ملک کا الیکٹرانک میڈیا بھی اتنا فعال نہیں ہوا جتنااور واقعات پر ہوتا ہے۔
ایران نے کمنٹس دیئے ہیں کہ برمی مسلمانوں پر تشدد بند کیا جائے ،انڈونیشیا

اور بھارت کی مسلمان تنظیموں نے تو آواز بلند کی ہے۔۔ لیکن او۔آئی سی اور باقی تمام مسلمان ملک اور پاکستان کی سیاسی ومذہبی پارٹیاں نجانے کیا سوچ رہی ہیں۔ کس لمحے کے انتظار میں ہیں؟؟؟۔اب جبکہ یہ سطور لکھتے وقت عید کا تہوار سترہ' اٹھارہ دن کے فاصلے پر ہے۔برمی مسلمان لاشے اُٹھاتے نہیں 'پہچانتے پھر رہے ہیں۔ سحر وافطار میں خوراک نہیں کٹے' پھٹے مثلے ہوئے لاشے انہیں مل رہے ہیں۔ (واضح رہے کہ اس کالم کی تیاری میں مختلف سائٹس' رپورٹس کے ساتھ ساتھ وکی پیڈیا سے بھی مدد لی گئی)۔

برما کی "ماگ" سے کیا شکوہ کروں۔۔؟؟

آج سے سینکڑوں برس قبل وارث شاہ نے کہا تھا"جو قوم اپنی عورتوں کو عزت اور تحفظ نہیں دیتی وہ برباد ہو جاتی ہے"۔تاریخ کے اوراق گواہ ہیں جب قومیں عزت کے درپے ہوئیں تو مال ومتاع وجاہ حشمت سب لٹ گیا' چاہے اس کی بنیاد لسانی تعصب بنا یامذہبی و نسلی۔رہی جنگ تو اس کی بات ہی نہ کیجئے اس نے تو ہمیشہ کسبیاں ہی جنی ہیں۔ یونان کے بعد جس قوم کو عظیم اقتدار ملا وہ اہل روم تھے۔رومی جمہوریت کے دور میں ایک مرتبہ سینٹ کے ایک ممبر نے اپنی دختر کے سامنے فرط محبت میں اپنی اہلیہ کا بوسہ لینے کی غلطی کی تو روم چیخ اُٹھا۔اسے "قومی اخلاق" کی تضیحک قرار دیاگیا۔اور ممبران سینٹ نے اس پر ملامت کا ووٹ پاس کیا۔اب بے رحم قانونی شکنجوں میں جکڑے اس ملک (مسلمان ملک) کے باسیوں کا اگر ذکر نہ کروں تو شاید مضمون تشنہ رہ جائے۔اس ملک کے ایک جرنیل جن کا ایوان صدر اور ملکی افواج دونوں پر مکمل کنٹرول تھا لیکن 'اگر انہیں اس واقعہ (جس کا تذکرہ آگے چل کر ہوگا) کے تناظر میں دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ بھی اتنی قوت کے باوجود محترم "آئین "اور اس ملک کے "بے رحم "نظام میں بے بس تھے۔ستم رسیدہ ماضی کے" سسکتے گٹار" کی تاروں پر زخمی قلم کی جنبش سے درد بھری یہ

کہانی شروع کرنے سے پہلے مظفر گڑھ کا تذکرہ ہو جائے تو بہت بہتر ہوگا۔ کیونکہ ہم قاری کے دل میں یک لخت غم واندہ کے دو نشتر اتارنے کی گستاخی نہیں کرنا چاہتے۔

یہ 8 اگست، بروز بدھ کا سیاہ ترین دن تھا۔ جب "الف" خاتون (عمر 63 برس) اپنی بہن "ب" خاتون کے ہمراہ اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر مظفر گڑھ کی تحصیل خان گڑھ کی بستی نئی آبادی میں ایک زمیندار کے گھر گئیں۔ شاید انہیں معلوم نہ تھا کہ انکی قسمت کا بدترین لمحہ ان کے انتظار میں ہے۔

قسمت روٹھ چکی ہے۔ اور خوشیوں کی تلاش میں گھر سے نکلنے والے بہنوں کے اس جوڑے کو نسلی تعصب کا شکار' نام کے مسلمان لوگوں نے نوچ ڈالنا ہے۔ لڑکی کے گھر میں جب یہ عمر رسیدہ خواتین داخل ہوئیں تو ان کو اندازہ بھی نہ تھا کہ کلمہ گو اور ایک ہی وسیب میں رہنے والے لوگ اپنی محلّہ دار عورتوں کے ساتھ اس قدر سفاکی سے بھی پیش آ سکتے ہیں؟؟

رشتہ مانگنے کیلئے جیسے ہی "الف" خاتون کے لبوں نے جنبش لی اسکے ساتھ ہی لڑکی کے باپ کے اندر کا زہر آلود انسان باہر آگیا۔ دونوں خواتین کے کپڑے پھاڑ کر انہیں برہنہ کر دیا گیا۔ پانچ چھ بندوں کے اس گروپ کے آگے وہ ہاتھ جوڑتی

رہیں 'خدا' رسول ﷺ کا واسطہ بھی دیا لیکن جہاں "نسلی تعصب کا ابلیس" رہتا ہو وہاں عقائد کی ضرب سے کب کام چلتا ہے۔اس سارے کھیل کے دوران بقول خواتین ملزم گروہ کے افراد انہیں اپنی نسلی برتری کا احساس دلاتے رہے کہ ہم دنیا کی عظیم ترین قوم ہیں ۔ (اخبار میں واقعہ پڑھتے ہوئے ایسے لگ رہا تھا جیسے خان گڑھ کے اس گروہ کے اندر نسلی تفاوت کا شکار ہٹلر کی روح حلول کر گئی ہو)۔شاید موٹر سائیکل پر برہنہ باندھتے ہوئے ان ظالموں کی آنکھوں میں اپنی ماؤں بہنوں اور ازواج کی صورتیں ہی نہ آئی ہوں۔ لیکن معاشرہ کی آنکھ سلگتی رہی۔اخباری رپورٹ میں چشم دید گواہ کے مطابق جب اڈاکے ٹرمینل پر ان مظلوم خواتین کو گھمایا جارہا تھا تو ایک بدبخت ملزم ان کی وڈیو بناتا رہا۔اور بعدازاں انہیں بے یارومددگار روڈ پر بے لباس چھوڑ دیا گیا۔چند گھنٹے میں پولیس حرکت میں آئی اور تب جا کر علاقہ کے مکینوں نے احتجاج بند کیا۔

ملزمان کا موقف ہے کہ عورتیں چوری کی غرض سے گھر کے اندر داخل ہوئیں۔اسے اگر سچ بھی تصور کر لیا جائے تو کیا یہ اس قدر انسانیت سوز سزا کی مستحق تھیں؟؟ بھلا ہو اس سیاسی شخصیت کا جس نے انہیں لاکھوں کا چیک دیا' پولیس کو کاروائی کی ہدایت کی اور مکان کے الاٹمنٹ کاغذ عطاء کیئے۔ کیونکہ یہ بے گھر تھیں۔اب انہیں گھر تو مل گیا ہے لیکن عزت لٹنے کے بعد۔انصاف۔۔۔کا یقین تو دلایا گیا ہے' لیکن نہیں معلوم "انصاف" کتنی قربانی کے بعد ملے گا۔خدا کرے

انہیں انصاف مل جائے۔ حالانکہ صوبہ کے سرپرست بروقت پہنچے' انہیں دلاسا دیا' آبدیدہ ہوئے۔ مگر نجانے کیوں مجھے حضرت شعیبؑ کی قوم کے ترازو پر یقین نہیں آتا۔

اب ذکر کرتے ہیں فل پاور شخص کا جس کے ہاتھوں میں عنان اقتدار بھی تھی اور افواج کی پوری قوت بھی۔ اس جرنیل کے سامنے جب بھی ملاقاتیوں کی فہرست رکھی جاتی ایک مخصوص نام دیکھ کر ان کا چہرہ متغیر ہو جاتا' غصے سے کانپتے ہوئے ہاتھ اس "نام" پر اتنی بار قلم کی نوک پھیرتے کہ کاغذ پھٹ جاتا۔ اور پھر پورا دن جسم میں خون کی گردش تیز رہتی۔ چہرہ غم میں ڈوب جاتا اور باتوں سے انتقام کی بو آنے لگتی۔ صدر کی یہ حالت دیکھ کر ساتھیوں پر تجسّس اور حیرت کی عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور وہ ہمہ وقت اس بات کی تہہ تک پہنچنے میں لگے رہتے۔ مگر جوں ہی کسی کی زبان سے اس شخص کا نام ادا ہوتا' سربراہ مملکت کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور پھر لہجہ اس قدر ترش ہو جاتا کہ وہ شخص خوفزدہ ہو کر ایک طرف ہو جاتا۔ یوں یہ معاملہ صدر کے ساتھیوں کیلئے مزید پر اسرار ہوتا چلا گیا۔

ایک دن جنرل رفاقت نے ہمت کر کے صدر کو بولنے پر مجبور کر دیا۔ صدر کی زبان کھلتی گئی اور سامع کے کانوں میں گرم سیسہ کی مانند اتر گئی۔ دراصل جس شخص سے صدر کو نفرت تھی وہ ایک معصوم طالبہ کی عزت کا قاتل تھا۔ جو اس سے وفاقی

دارالحکومت میں میڈیکل کالج کوٹہ کی سیٹ حاصل کرنے آئی تھی (میری نظر میں کسی بھی شخص کو کوٹہ دیناایسا ہی ہے جیسے کسی ملک کی سلامتی کا انحصار ایک ڈاکو پر ہو جائے) ۔اور پھر آہوں ُسسکیوں کے ساتھ رخصت ہوئی۔اس کی چوڑیاں ٹوٹ چکی تھیں نزاکت بکھر چکی تھی‘حوا کی بیٹی لٹ چکی تھی۔اس نے پی ۔سی ۔او سے فون کیا‘صدر ‘ ہاؤ س سے گاڑی گئی اور قسمت کی ستائی ہوئی اس لڑکی کو جنرل کے سامنے لابٹھایا۔بقول صدر اس کی کہانی انتہائی ہولناک تھی۔جسے سن کر دل دہل جاتا تھا‘آنکھیں بھیگ جاتی تھیں اور ایسے لگتا تھا جیسے سننے والے کے رگ وریشے میں کسی نے سوئیاں چبھودی ہوں‘اس کی نس نس میں گرم تار کول اتار دی ہو۔کہانی سنانے کے بعد صدر گویاہوئے"اور جنرل رفاقت اگر تم نے بھی میری طرح اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اس لڑکی کو اپنی بیٹی کے کپڑے دیئے ہوتے اور اسے کہا ہوتا کہ بیٹا اپنے پھٹے ہوئے کپڑے یہیں چھوڑ جاؤ تاکہ جب بھی وہ بدطینت شخص تمہارے عمر رسیدہ باپ (صدر) کے سامنے آئے تو اس کی آنکھیں لال ہو جائیں‘بھائی رفاقت اگر یہ کربناک تجربہ تمہاری ذات پر عیاں ہوا ہوتا تو تمہارا خون بھی کبھی سرد نہ ہوتا‘اسے پر نظر پڑنے کے بعد تم بھی کچھ نہ کھا پی سکتے"۔اب آخر میں اس ملک کے بے رحم نظام میں مقید صدر کے الفاظ پڑھیئے جو انتظامی وسماجی لحاظ سے اس گلے سڑے سماج کی بے بسی کی علامت ہیں۔جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جب تلک خدا کا آئین نہیں نافذ ہوتا‘میرے پاک محمدﷺ کی احادیث پر عمل نہیں ہوتا اسوقت تک انصاف دینا مشکل ہی رہے گا‘اس لمحے تک

کوفہ میں (حضرت)زینبؓ تنہا وبے ردا ہی رہے گا'اس آن تک مظفر گڑھ کی عورتوں کی عصمت محفوظ نہ ہوگی۔صدر نے کہا" جنرل مجھے اندازہ ہے کہ میرے رویے کی تبدیلی آپ لوگوں کو ناگوار گزر رہی ہے'لیکن میں کیا کروں جب بھی یہ شخص میرے سامنے آتا ہے میرا دل کرتا ہے اس کا خون پی جاؤں'اس کے جسم کی بوٹی بوٹی کر دوں لیکن میں بے بس ہوں۔۔۔"یہ ایک ایسے شخص کے الفاظ ہیں جس کی کمانڈ میں اس کی افواج نے سپر طاقت کی کمر توڑ دی لیکن۔۔

گمان اچھا ہونا چاہیے'امید قائم رہنی چاہیئے لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کھیت کو گندے جوہڑ کا بدبودار پانی لگتا ہو'جس کے خوشوں میں سے تعفن اٹھتا ہو'اُس میں سے پیدا ہونے والا غلہ صحت کا ضامن ہوگا؟؟جب تک ہم لسانی'نسلی وعلاقائی اور فرقہ وارانہ تعصب کی دلدل میں سے نہیں نکلے گے'جب تک ہم اسلام کی ہر بات کو من وعن اپنا اوڑھنا بچھونا نہیں بنائیں گے اسوقت تک خان گڑھ کی خواتین ہوں یا سیالکوٹ کے حافظ سب ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے۔اور اب تو کوئی ایسا بھی نہیں جس کی ماں بہن یا بیٹی کے کپڑے خان گڑھ کی زخم خوردہ خواتین کو آتے ہوں۔اب آپ ہی بتایئے میں ان حالات میں میں بدھ انتہاپسندوں کی تنظیم "ماگ"جو برما کہ مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہی ہے اس سے کیا گلہ'شکوہ کروں۔گو کہ ان کی سفاکی بھی اپنے عروج پر ہے لیکن جہاں ایک ہی کلمہ پڑھنے والے ایک دوسرے سے رشتہ داری کرنے کو کفر سمجھتے ہوں اور محض

رشتہ مانگنے پر اس قدر بے حیائی پر اُتر آتے ہوں تو ایسے لمحات میں قلم بھی دلبرداشتہ ہو جایا کرتے ہیں لکھاری تو دور کی بات ہے۔

اُجاڑ راستے عجیب منظر

انسان کے مکارم اخلاق میں سے اگر "برداشت" کو الگ کر دیا جائے تو لفظ اخلاق کا دامن خالی رہ جاتا ہے۔ کسی بھی معاشرے کی معاشی' اخلاقی' سماجی ترقی کا انحصار وہاں کے افراد کی "برداشت" کرنے کی صلاحیت پر منحصر ہوتا ہے۔ معاشرے میں جتنا عدم برداشت کو فروغ ملے گا ترقی کی شرح اتنی ہی کم ہوتی جائے گی۔ آسمانی مذاہب سے لے کر انسان کے خود ساختہ مذاہب سمیت سب کا اپنا اپنا فلسفہ "برداشت" ہے۔ لیکن کسی بھی مذہب کی بنیاد "تشدد" پر نہیں رکھی گئی۔ دنیا میں جتنے بھی ادیان آئے سب کے سب اپنے تئیں برائی کو برائی ہی قرار دیتے رہے۔ آج تک کسی مذہب نے ظالم کو مظلوم کا درجہ نہیں دیا۔ راہزنی کو نیک بختی قرار نہیں دیا' غریبوں کی امداد کو ظلم نہیں کہا' زنا کو ثواب نہیں کہا' شراب خوری کو صحت کا ضامن اور خالق کی رضا کا درجہ نہیں دیا۔ فلاح انسانیت کے کاموں سے محبت اور بدی سے نفرت ہر مذہب کی بنیاد ہے۔ باقی عبادات اور عقائد خالق و مخلوق سب کے سب جدا ہیں'

اگر وسعت نظری سے جائزہ لیا جائے تو جس برداشت و محبت کا درس آفاقی ادیان نے دیا ہے' انسان کے بنائے ہوئے مذاہب اس کی تاب نہیں لا سکتے۔ رہ گیا بدھ مت تو سب کے سب عقائد اس کے ذہن کی تخلیق تصور نہیں کیئے جا سکتے۔ کیونکہ ہزار ہا

پیغمبر پہلے یہ درس دے چکے تھے۔اور افراد میں اگرچہ عمل کم تھا لیکن اخلاقیات کا ایک ڈھانچہ ضرور انسانیت کی رہنمائی کرتا رہتا تھا۔پھر جہاں کہیں ضرورت پڑتی مذہبی پیشوا اُسے اپنی تحقیق و نظریات کے سانچے میں ڈھالتا یا پھر کبھی کبھی اپنے مذموم مقاصد کی بھٹی میں اسے پکاتا جو رفتہ رفتہ انسان کے اندر نسل در نسل پیوست ہو جاتا۔لیکن خدا کی یہ زمین کبھی بھی اخلاق سے مزین افراد سے خالی نہیں ہوئی اگرچہ تعداد مٹھی بھر ہی رہی ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عدم برداشت کا فلسفہ کس نے ایجاد کیا۔تو تاریخ گواہ ہے اپنی خواہش کی ترجیح،طمع،حرص اور حسد ہی پہلے انسان کی قتل کی وجوہات بنیں۔انہوں نے مل کر انسان کی قوت برداشت کو صلب کیا' مالک کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی اور زمین پر پہلا خون ہوا۔حالانکہ دونوں کے مذہب میں فرق نہیں تھا'ایک باپ کی اولاد تھے۔فرق تھا تو یہ کہ ایک خواہشات کے پنجرے میں مقید تھا اور اپنی مرضی کی دنیا آباد کرنا چاہتا تھا اور دوسرا ہوس سے آزاد اور اعتبار کا بندہ تھا۔

قبل مسیح اور اس کے بعد بھی "طبیعت کی شریعت" والے لوگ موجود تھے اور ہیں۔جنہوں نے دنیا کو آتش کدہ بنائے رکھا۔اپنے نظریات و اکابرین کو افضل ترین اور دوسروں کے معبودوں اور اکابرین کو برا' بھلا کہنا ان کا شعار تھا' جبکہ

کوئی ان کے مذاہب یا اکابرین پر جواباً حملہ کرتا تو اسے قتل کر دینے میں وہ انسانیت کی فلاح سمجھتے تھے۔بقول شاعر

ہے جناب شیخ کا فلسفہ بھی عجیب سارے جہاں میں
جو وہاں پیو تو حلال ہے جو یہاں پیو تو حرام ہے

دنیا میں سب سے زائد قتل ہوس اور تعصب کی بناء پر ہوئے اور اسکی وجہ عدم برداشت اور اختلاف رائے کی اہمیت نہ جاننے کے سبب ہی ہوا۔ میرے ملک کی 65 سالہ تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے "تعصب ہی کی لہریں اسے برباد کرتی رہیں ۔اور پھر جرنل مشرف کے دور میں تو بدامنی کو عروج نصیب ہوا۔ مسالک و فقہ کی بنیاد پر تو جھگڑے ازل سے ہی ہیں۔ لیکن ہمیں اپنے تئیں اسے درست کرنے کی سعی کرنا ہوگی۔ عید الفطر تمام مسلمانوں کیلئے یکساں نوعیت کا دن ہے۔اس کا اہتمام ہر حال میں کرنا چاہیئے ۔ لیکن زخم خوردہ لوگوں کے جسم ان لمحات میں نڈھال ہو جائیں تو کس سے گلہ کیا جائے؟زخم دینے والے سے ؟یا زخم خوردہ سے ؟لیکن ان دو آپشنز کے ساتھ ساتھ ایسے عوامل پر بھی تو غور کرنا چاہیئے جو کسی بھی انسان کو ظلم کرنے پر آمادہ کر رہے ہوں ۔ گو کہ ظلم ہر رخ سے ظلم ہی ہے مگر بہر طور اس کے اسباب اور اسکو وجود میں لانے والے عوامل کو جب تک سزا کا مستحق نہیں قرار دیا جائے گا۔امن نہیں آئے گا۔ سانحہ بابو سر نے شمالی علاقہ جات کی زمین کو اس کے ہی جوانوں کے خون سے سیراب کیا۔ ہم غم زدہ ہوئے اور مبادا پھر

اسے واقعہ سمجھ کر بھلادیا۔ لیکن پھر عید کے دن جب گلگت بلتستان کی دھرتی کے ایک سپوت کو جب میں نے عید مبارک کا پیغام ارسال کیا تو جو اس کا جواب آیا وہ پیش خدمت ہے:

اُجاڑ راستے عجیب منظر
ویران گلیاں بازار بند ہیں
کہاں کی خوشیاں یہ کیسی عیدیں
شہر تو میرا لہو لہو ہے
وہ روتی مائیں بیہوش بہنیں
لپٹ کے لاشوں سے کہہ رہی ہیں
اے پیارے بھیا گئے تھے پردیس
سفید کرتا تھا سرخ کیوں ہے

اللہ اور محمد ﷺ کا پاکستان

اس وقت پاکستان میں خبروں کا موضوع بنی ہندو کمیونٹی کے بارے میں حقائق کی تلاش میں سرگرداں لوگوں کی تعداد ممکن ہے زیادہ ہو۔لیکن دیکھنے میں آرہاہے کہ ہر شخص اپنے ہی آئینے میں دیکھ کر اپنے جذبات'عقائد'سوسائٹی اور نظریات کے مطابق تحریریا تقریر کر رہاہے۔جبکہ اس حساس موضوع پر لکھنے کیلئے انسان کو وسعت قلبی اور تعصب سے پاک ذہن کی ضرورت ہوتی ہے۔مذہب یا لادینی نظریات ہوں انسان کو اپنے قلم سے حق ہی لکھنا چاہیئے ۔سچا اور دیانتدار لکھاری یا لشکر وہی ہے جو اپنے خیالات کی گھتی (چاہے وہ لبرل سوچ کی ہو یا مذہبی)ایک طرف رکھ کر دریادلی سے تجزیہ کرے'تب جاکرہی وہ اپنے پیشے سے وفا کرپائے گا۔

عید سے قبل جب ایکسپریس ٹریبون پر پاکستانی ہندؤوں کی نقل مکانی کی خبر پڑھی تو یک لخت آنکھیں نم اور دل پریشان سا ہوگیا۔چونکہ اس معاملے میں ذرا کمزور دل کا بندہ ہوں اس لیئے ایسے مناظر یا باتیں شروع ہی سے میری آنکھوں میں پانی بھر دیتیں ۔اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں جب دوستوں نے ایک ایسی فلم لگائی جو ہندوپاک ہجرت سے متعلق تھی تو میں مضطرب ہوگیا(واضح رہے کہ تقسیم برصغیرکہ موقع پر 82 لاکھ سے زائد مسلمانوں نے موجودہ انڈیاکے علاقوں سے

پاکستان کی جانب نقل مکانی کی جبکہ پاکستان کی سرزمین سے ہجرت کرنے والے غیر مسلموں کی تعداد 72 لاکھ کے لگ بھگ تھی)' سسپنس کی وجہ سے کچھ مناظر دیکھے جو انتہائی دردناک لگے اور پھر مزید دیکھنے کی سکت نہ رہی۔تازہ ترین خبر پڑھ کر وہی مناظر یاد آ گئے۔اور اس دن سے ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے پاکستانیوں کے بارے میں لکھنے کی ٹھان لی۔

لیکن پہلے ایک نظر برصغیر کے انڈیا کہلانے والے حصے پر ڈالتے ہیں۔دہلی ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس راجندر سچر کہتے ہیں کہ ہندوستان کشمیر میں موجود نامعلوم قبروں کی شناخت کے بارے میں مثبت اور شفاف قدم کیوں نہیں اُٹھاتا؟اپنی رپورٹ میں وہ کہتے ہیں کہ "انڈیا کی بیوروکریسی میں مسلمانوں کی تعداد 2.5 فیصد ہے جبکہ یہ انڈیا کی کل آبادی کا 14 فیصد ہیں" (وکی پیڈیا)۔مزید اسکی حقیقی تصویر انہوں نے اپنی کتاب میں پیش کی ہے' جسے بھارت کے بک سٹالوں سے غائب کر دیا گیا ہے۔ڈیلی نیوز اینڈ اینلائسز کی ویب پر انسانی حقوق کی تنظیم کے نمائندے خرم پرویز (کشمیر) کا بیان موجود ہے کہ پچھلے دو عشروں میں وادی کشمیر سے لاپتہ ہونے والوں کی تعداد 8000 سے

زائد ہے"۔آسام میں حالیہ فسادات کے دوران انڈین مسلمانوں کے ہزاروں گھر اُجڑے سینکڑوں افراد تعصب و بربریت کے ہاتھوں لقمہ اجل بنے۔جبکہ احمد آباد کو قبروں کا' شہر کہا جاتا ہے۔

پاکستان اور ہندوستان کے مابین اقلیتوں کے حقوق سے متعلق معاہدہ 1949 میں لیاقت علی خان اور نہرو کے مابین طے پاگیا تھا۔ جس پر پاکستانی ریاست عمل پیرا ہے۔ مانا کہ محترم محمد علی جناح نے اقلیتوں کے حقوق سے متعلق ایک واضح پالیسی دی تھی لیکن یہ بات جدید قلم کے مالکان ایسے دہراتے ہیں جیسے یہ اصول وضع ہی بیسویں صدی میں ہوئے ہوں۔ انکی خدمت میں ادب سے گذارش ہے کہ آج سے چودہ سو برس قبل ہمیں اقلیتوں کے متعلق آئین کی تمام دفعات مل چکیں تھیں اور ہمیں کسی بھی شخصیت کو وہاں تک فالو کرنا ہے جہاں تک وہ اسلام کی پیروی کرے۔

ایک غزوہ کے موقع پر آپ ﷺ اور انکی افواج کو ایک کافر عورت نے پانی پلایا تو اس کے قبیلے کی جان بخشی کردی گئی۔ اس سے حسین وخوب صورت "دفعہ" تو دنیا کہ کسی آئین میں موجود نہیں۔ لیکن ہم بھلادیتے ہیں۔ اور پھر لفظوں کے جادوگر ہم شخصیات کے بھنور میں پھانسنے کی سعی ناکام کرتے ہیں۔

ہمیں سوچنا چاہیئے کیا جے کالج' لاکالج' سوبھراج میٹرنٹی ہوم اور اوجھا سینی ٹوریم ہندؤ کی دولت سے نہیں بنے؟ تو پھر کیا وجہ ہم ان کے ہم مذاہب اور قبیلے والوں کی جان ومال کی حفاظت نہیں کرپارہے؟۔

یہ ہے وہ سوال جسے بڑھاچڑھا کر وہ مخصوص طبقہ پیش کر رہا ہے' جس کے آقا کی خوشنودی ہی اسی میں ہے کہ پاکستان پر دشنام طرازی کے بدبودار جوہڑ کھول دیئے جائیں۔ دراصل ملک بھر کی لاء اینڈ آرڈر کی کیفیت دگرگوں ہے۔ کراچی میں کم وبیش سات سے آٹھ افراد روزانہ کی بنیاد پر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ گلگت بلتستان میں بھی کلمہ گو ہی شناخت کے بعد قتل ہو رہے ہیں' بلوچستان میں بھی مسلمانوں ہی کی ٹارگٹ کلنگ عام ہے' جبکہ خیبر پختونخواہ میں ارض پاک ہی کی زمین سے ڈرون حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اگر کوئی ہندو قتل ہوتا ہے یا اغوا ہوتا ہے تو اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ محض ان سے ایسا سلوک کیا جارہا ہے یہ صورتحال پوری ریاست کو درپیش ہے۔ لیکن یہ بات ضرور ہے کہ بحثیت اکثریت کہ ہمیں ان پر ہونے والے مظالم کا فوری نوٹس لینا چاہیئے۔ تاکہ ہمارے ہم وطن ہندو' سکھ' عیسائی اسے دیار غیر نہ سمجھیں۔ اور ملک دشمن' مذہب دشمن عناصر کو کھل کر کھیلنے کا موقع نہ ملے۔

سندھ کے صوبائی وزیر مکیش کمار چاولہ اور موہن لال کوہستانی نے ہندوؤں کی نقل مکانی کی خبروں کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ یہ بے بنیاد خبریں پاکستان دشمن عناصر ملک میں پھیلا رہے ہیں' انھوں نے بتایا کہ جیکب آباد میں ہندو برادری کی تعداد بیس فیصد ہے جبکہ کاروبار میں انکی شرکت ستر فیصد ہے۔ نقل

مکانی کے حوالے سے کہا کہ اگر ہر ہفتے سات خاندان ہجرت کر جاتے تو سندھ میں آباد چالیس پینتالیس لاکھ ہندؤوں میں سے ایک گھرانہ بھی سندھ کی سرزمین پر اسوقت موجود نہ ہوتا۔

آپ دیکھتے ہوں گے کہ جوں ہی کوئی اکا دکا واردات اقلیت کے علاقے میں ہوتی ہے یا کوئی بھی موقع ملتا ہے تو فوراً سے پہلے کچھ عناصر توہین رسالت قانون کیخلاف مشکیں کس لیتے ہیں۔ حالانکہ ملکی تاریخ گواہ ہے کہ اس ایکٹ کے تحت سب سے زیادہ سزائیں مسلمانوں کو ملیں۔ ہم بھی اس حق میں ہیں کہ اس کا غلط استعمال نہیں ہونا چاہیے لیکن اسے ختم کرنے کے خواب دیکھنے والے سراب کے متلاشی ہیں۔ انہیں یہ ناچیز بتا دینا چاہتا ہے کہ یہ محض اللہ اور اس کے پاک محمد ﷺ کا پاکستان ہے' اور اسلام وہی ہے جس میں شخصیت پرستی کو پنپنے کی اجازت ہی نہیں دی جاتی اگر ایسا ہوتا نظر آ رہا ہو تو خالدؓ بن ولید جیسا مایہ ناز جرنیل بھی معزول کر دیا جاتا ہے کسی ایرے غیرے کی پھر ہم نے کیا اتباع کرنی ہے '۔

عشق باتیں نہیں سکھاتا

عشق باتیں نہیں سکھاتا' میدان عمل کی جانب گامزن کرتا ہے۔ فقط تیسا اپنے پاس نہیں رکھتا بلکہ اُس سے پہاڑ بھی کھود کے دکھاتا ہے۔ محض عہد و پیان نہیں کرتا چناب کی لہروں میں ڈوب کے بھی دکھاتا ہے۔ طریقت کی راہ پر بھی چلتا ہے اور شریعت کا پاس رکھنے کی خاطر اپنی کھال خود ہی کھینچ کے دکھاتا ہے۔ دعوے نہیں کرتا' اسلحہ و تعداد نہیں جانچتا بلکہ کربلا کی سرزمین کو اپنے اور اپنے عزیز و اقارب کے خون سے سرخ کرکے دکھاتا ہے۔

صدیاں بیت گئیں مگر بات آج بھی تروتازہ ہے۔ جب بھی کوئی سنے یا سنائے عشق کی خوشبو آنے لگتی ہے۔ دل معطر اور آنکھ اشکبار ہو جاتی ہے۔ روح تروتازگی محسوس کرتی ہے اور معلوم ہوتا ہے بات جائز یا ناجائز کی نہیں بلکہ محبت عقیدت اور ادب کی ہے۔ سینکڑوں برس قبل اُستاد نے اپنے شاگرد سے جماعت میں درود شریف سنانے کو کہا۔ شاگرد خاموش رہا۔ اُستاد نے اپنا حکم دوہرایا۔ پھر دہرایا مگر ماحول میں سوا اُستاد کی آواز کے کوئی آواز برآمد نہ ہوئی۔ شاگرد کے قریب آکر اُستاد نے غصے کی حالت میں مارنا شروع کیا۔ مگر نتیجہ ندارد۔ شاگرد اب بھی خاموش طمانچے سہتا رہا۔ بالآخر استاد نے اپنا حکم دہرانے کے بجائے پوچھ ہی

لیا کیا تمہیں درود شریف نہیں آتا؟۔شاگرد کے لبوں نے جنش لی اور عشق و محبت سے ڈوبی ہوئی آواز میں معصومیت سے کہا جی آتا ہے ! مگر وضو نہیں ہے۔یہ مشہور و مقبول ترین اسلامی فقہ حنفی کہ بانی محترم ابو حنیفہ تھے ؛جنہیں امام جعفر صادقؑ کی مجالس میں بیٹھنے کا بھی شرف حاصل ہے۔جنہوں نے اپنی علمی قابلیت اور فہم وفراست پر ناز کرنے کے بجائے فرمایا تھا؛ جب میری بات کے مقابل مستند حدیث یا حوالہ مل جائے تو میری بات کو اہمیت مت دینا۔

حضرت ابوہریرہؓ ایک جگہ سے گزرے وہاں کچھ لوگ بھنے ہوئے گوشت کے ساتھ کھانا کھارہے تھے۔انہوں نے آپ سے فرمائش کی کہ کچھ آپ بھی لیں۔بار بار کے اصرار پر آپ کی آنکھیں نم ہوگئیں اور غمگین لہجے میں کہا میں یہ گوشت کس طرح سے کھالوں جب کہ میرے پیارے آقاجی ﷺ نے پوری عمر پیٹ بھر کر سستی ترین کھجور بھی نہیں کھائی۔بات حلال یا حرام کی نہیں عشق محبت اور دیوانگی کی ہے۔وگرنہ کون اپنے دانت توڑتا ہے۔سیدنا اویس قرنیؓ کو جب معلوم ہوا کہ احد میں میرے محبوب ﷺ کا ایک دانت مبارک شہید ہوگیا ہے تو پہلے اپنا ایک دانت شہید کیا پھر سوچا ممکن ہے یہ نہیں دوسرا ہو اور پھر ایک ایک کرکے سب دانت نکال ڈالے۔تکلیف کی شدت عاشقوں کیلئے رحمت ہوتی ہے۔تو کیا ہم اپنے پیارے رسول ﷺ سے محبت کی خاطر آج سے غیر ملکی پروڈکٹ پر انحصار کرنے کے بجائے خود اس میدان میں بھی اُتریں گے یا فقط بائیکاٹ کی ہی دنیا میں مقید رہیں گے؟۔ہم اگر لوگوں

کو معیاری متبادل اشیاء فراہم کریں گے تو یقین کیجئے ملٹی نیشنل کہلانے والی کمپنیاں نیشنل بھی نہیں رہ جائیں گی۔کیا ہم انٹرنیٹ کی دنیا یں اپنا اعلی درجہ کا سرچ انجن بنا پائیں گے ؟ کیاہم اعلی پیمانے کے میل ایڈریس کی سائٹس کھول سکیں گے ؟کیاہم سائنس و ٹیکنالوجی کی دنیامیں عظیم مقام بنا پائیں گے ؟ ہمیں یہ سب کرنا ہے ۔تب ہی ہم اپنے پیارے آقا ﷺ کے گستاخوں کے خلاف منظم ایکشن لینے کی پوزیشن میں آسکیں گے اور ہر پیغمبر کے گستاخ کو سزا بھی دلوا سکیں گے۔

حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا "میں اُس شخص کو پہچانتا ہوں جسے فتنہ ضرر نہ پہنچائے گا"۔بخاری شریف میں ہے "حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کعب بن اشرف کے بارے میں فرمایا کہ کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرے کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتا ہے"۔حضرت محمد بن مسلمہ نے آپ ﷺ سے دریافت کرکے ابونائلہؓ اور دیگر اصحاب کی مدد سے اپنے رضاعی بھائی کعب بن اشرف کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔اصحاب رسول ﷺ میں سب سے اول اول آپؓ ہی کا نام محمد رکھا گیا۔

یہ سب کچھ بجالیکن ہمارا دین ہمیں توڑ پھوڑ اور پر تشدد ریلیاں نکالنے کی اجازت ہر گز نہیں دیتا۔جمعتہ المبارک کو 29 امتی شہید ہوئے۔کروڑوں اربوں کی

املاک نذر آتش کی گئیں۔بے حرمتی بھی ہمارے نبی پاک ﷺ کی ہوئی اور نقصان بھی ہم ہی اُٹھارہے ہیں۔یہ کہاں کی دانشمندی ہے؟یہ کون سے احکام شریعت پر عمل کیاگیاہے؟۔یہی سب تو دشمن چاہتاہے۔وہ ہمیں اشتعال دلاتاہے اور ہم اپنے ہی لوگوں کو بے آسرا ،زخمی کردیتے ہیں۔ہمارے لیئے وہ عظیم والشان ریلیاں مشعل راہ ہیں جو جمعہ کے دن پرامن طریقے سے نکلیں اور پرسکون انداز سے اختتام پذیر ہوئیں۔

سفارت خانوں کو پناہ دینا آپ کا دینی فریضہ ہے۔اگر آپ عشق کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو جب یوٹیوب اوپن ہوگی تو استعمال نہ کیجئے گا۔اگر آپ محبت والے ہیں تو غیر ملکی بینک بھرنے کے بجائے لوگوں کو یوٹیوب کا متبادل فراہم کیجئے؟ محض روٹی کا بائیکاٹ کرنے سے عوام ہرگز اُسے نہ چھوڑیں گے 'جب تک متبادل دستیاب نہ ہوگا۔آپ گستاخ ملکوں کے سفیروں کو نکال دیجئے لیکن اُن پر حملہ کرنا ٹھیک نہیں۔آپ اپنی زمین پر قتل ہونے والے کا بدلہ نہیں لے سکتے تو سات سمندر پار کیا کریں گے؟

اگر آپ اہل ثروت ہیں تو جدید ٹیکنالوجی سے لیس ادارے بنائیں اور غریب مسلم طلبہ کو معیاری تعلیم فراہم کیجئے تاکہ وہ مغرب کی آنکھ میں آنکھ ڈال سیکں۔آپ اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں تو اپنی ذات پر لاگو کیجئے پاکستان میں خود ہی

نفاذ اسلام ہو جائے گا۔ آپ عشق کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو ریلیوں کا پیٹ بھرنے کے بجائے مسجدوں کا رخ کیجئے دشمن زیر ہو جائے گا۔ قصہ مختصر آپ وہ کام کیجئے جو کرنے کا ہے۔ نہ ہی سیاست چمکایئے نہ ہی دینی عبا کو داغدار کیجئے۔ بیانات اور تقریروں کا نہیں عمل کا وقت ہے سو عمل کیجئے۔

عشق باتیں نہیں سکھاتا' میدان عمل کی جانب گامزن کرتا ہے۔ فقط تیسا اپنے پاس نہیں رکھتا بلکہ اُس سے پہاڑ بھی کھود کے دکھاتا ہے۔ محض عہد و پیمان نہیں کرتا چناب کی لہروں میں ڈوب کے بھی دکھاتا ہے۔ طریقت کی راہ پر بھی چلتا ہے اور شریعت کا پاس رکھنے کی خاطر اپنی کھال خود ہی کھینچ کے دکھاتا ہے۔ دعوے نہیں کرتا' اسلحہ و تعداد نہیں دیکھتا بلکہ کربلا کی سرزمین کو اپنے اور اپنے عزیز و اقارب کے خون سے سرخ کر کے دکھاتا ہے۔

چوتھا انجن

کہنے کو تو ہرپارٹی اپنے رہنماء کو دنیا کا عظیم ترین انسان تصور کرتی ہے (یا انہیں تصور کروایا جاتا ہے جبری مشقت کے ذریعے" لیکن ہمارے ہاں ایسا ہر گز نہیں ہوتا"' وگرنہ پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی ہوتی ہے ناں آخر اصول بھی تو کوئی چیز ہیں ؟؟؟) لیکن حالات وواقعات ہمیشہ نقاب چہرے سے نوچ لیا کرتے ہیں۔ قیام پاکستان سے اب تلک نجانے کتنے چھوٹے موٹے قائد آئے اور آئے چلے جارہے ہیں جسے دیکھو موٹرسائیکل پر جیسے ہی ڈبل سواری بنانے میں کامیاب ہوا' پارٹی کی بنیاد رکھ دی' آخر ایک اور ایک گیارہ ہی ہوتے ہیں ناں' تو گیارہ بندے تھوڑے تو نہیں (ویسے آج کل چنگی بھلی پارٹیوں کا یہی حال ہے) ۔1+1=2 یہ پرانا اصول ہے آج کل تو آپ دیکھ رہے ہوں گے کہ وڈے لوگ ایسا ہی کاروبار کررہے ہیں ایک جمع ایک برابر ہے گیارہ کے۔ویسے جدید تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ "سیاہ ست یعنی سیاست " بھی کاروبار ہی ہے۔ ہاں تو بات ہورہی تھی "رہنمائی" کے متعلق۔تو بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ہاں آج تک "رہنمائی" کو پرکھنے کا کوئی آلہ قومی سطح پر معرض وجود میں نہیں آسکا۔ہر سو مختلف قسم کے اوزان میں رہنماء کی قابلیت کو

تولا یا پرکھا جاتا ہے۔ کسی کے پاس لسانی تول ہے تو کوئی علاقائی 'فقہی 'نسلی یا مفاداتی ترازو میں اس بیچارے رہنماء کو تولتا ہے۔اب ظاہر ہے جب پیمانے جدا جدا ہوں گے تو ایسے حالات میں کسی ایک اُمیدوار کا بھاری مینڈیٹ حاصل کرنا ناممکن ہی لگتا ہے'سوائے شفاف الیکشن کے۔۔۔۔ سمجھ گئے ہیں ناں۔

ملک کو درپیش مسائل چاہے وہ سلامتی سے متعلق ہوں یا معاشی 'اقتصادی یا پھر امن وامان سے متعلقہ مسائل سب کے سب جوں کے توں ہی رہیں گے کیونکہ جس چوں چوں کے مربے میں سے یہ "جیلی "نما حاکم نکلا ہوگا (واضح رہے یہ وہ لفظ "جعلی "نہیں ہے جو ہے جسے "jelly" ہونہار سیاسی قبیلے کے افراد کی ڈگری کے ساتھ نتھی ہوتا ہے بلکہ یہ وہ جب چاہے جیسے چاہیں جدھر چاہیں رخ دے دیں لیکن یاد رہے یہ اختیار صرف ق "قینچی والا قانون بنانے والوں یا پھر ان کے سرپرست اعلی ۔۔ا۔سام۔کے پاس ہے)" ایسے حاکم کو وہاں (پارلیمنٹ کے اتحادیوں)کے مزاج اور سوچ کے ساتھ ساتھ چلنا پڑے گا۔اب آپ اسے بندر بانٹ نہ سمجھ بیٹھنا' بھائی جی بدگمانی بری شہ ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی اُس مخصوص کمیونٹی کو بھی مدنظر رکھنا پڑتا ہے جو اُس کی ذاتی موروثی پارٹی کا ووٹ بینک ہیں 'بس یہی خیال رکھتے رکھتے وہ بے خیالی میں گم سم ہو جاتا ہے اور پھر اس کے نتائج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔توبہ توبہ۔آپ کو زندگی میں کبھی نظر نہیں آئے تو ایسی عینک لگوا لیجیے جو آزادانہ دیکھ سکے۔

ملکی حالات دیکھ کر مجھے ایک لطیفہ یاد آ رہا ہے بسا اوقات مزاح کی باتیں بھی حکمت سے بھرپور ہوتی ہیں اور ہمارے حالات کا بہترین تجزیہ پیش کرتی ہیں۔کہتے ہیں ایک بوئنگ طیارے نے سمندر پر پرواز کے دوران ابھی نصف فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ کیپٹن نے اعلان کیا"خواتین وحضرات : توجہ فرمایئے ! طیارے کا ایک انجن خراب ہوگیا ہے۔تاہم باقی تین انجن ہمیں باحفاظت منزل پر اُتار دیں گے۔البتہ آدھے گھنٹے کی تاخیر ہوجائے گی۔"

ایک گھنٹے بعد کیپٹن کی آسودہ حال آواز پھر گونجی : توجہ فرمایئے ! ہمیں افسوس ہے کہ طیارے کا دوسرا انجن بھی خراب ہوگیا ہے 'تاہم باقی دو انجنوں پر ہم اپنا سفر جاری رکھ سکتے ہیں 'البتہ ہمیں دو گھنٹے کی تاخیر ہوجائے گی۔"

تھوڑی دیر اور گزری تھی کہ کیپٹن نے پھر اعلان کیا۔"خواتین وحضرات ، ہم انتہائی دکھ کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ جہاز کا تیسرا انجن بھی خراب ہوچکا ہے 'لیکن ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم بہ حفاظت اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے 'لیکن اب ہمیں تین گھنٹے کی تاخیر ہوجائے گی۔"

بار بار اعلان سے بھنایا ہوا ایک مسافر بڑے غصے سے بولا۔"کچھ تو خدا کا خوف کرو 'شرم کرو۔۔۔اگر چوتھا انجن بھی خراب ہوگیا تو کیا ہم ساری رات پرواز کرتے

"رہیں گے ؟؟؟

نوٹ: یہ بھنایا ہوا مسافر پاکستانی عوام کی علامت ہے اور طیارہ ارض پاک

۔ عوام کو سوچنا چاہیئے کہ اگر یہ نیانویلا" چوتھا انجن "بھی ماحول یا کسی اخلاقی کمی کی :2

وجہ سے خراب ہوگیا' یا پھر فیل ہوگیا یا کردیا گیا تو۔۔۔۔اس ارض پاک کا کیا بنے گا' ہم

فضامیں رہیں گے یا تحلیل ہوجائیں گے ؟؟ یا پھر۔۔ لہذا چوتھے انجن کی ہمہ قسم کی صحت

یابی کیلیئے دعا کیجئے اور اعمال بھی درست کیجئے۔

۔ معذرت کے ساتھ گزارش ہے کہ "ق" سے قینچی والا قانون اس لیئے لکھا کہ ایک 3

اور "ک" بھی ہوتا ہے جس سے کبوتر بنتا ہے اور۔۔۔۔ بھی بنتا ہے' یہ تو شکر ہے خدا کا کہ

قانون" قینچی والے "ق" سے بنتا ہے وگرنہ دوسرے "ک" سے بنتا تو نجانے کیسے کیسے"

قانون بنتے اور نافذ ہوتے۔ اللہ رحم کرے جی! (حالانکہ قانون بنانے کا حق تو محض رب

کی ذات کو ہے اسلام میں'۔۔پ۔۔ میں نہیں جناب عالی!)۔

طاہر القادری صاحب کی خواہش

خواہشات کی تکمیل انسان کے بس میں ہوتی تو دنیا جہنم کا حقیقی روپ دھار چکی ہوتی۔ سیاست میں خلا اس وقت نظر آیا جب عمران خان کی پارٹی میں چلے ہوئے کارتوس شامل ہونا شروع ہوئے۔حالانکہ خان صاحب بارہا کہہ چکے تھے کہ ٹکٹ فقط بے داغ شخصیات کو میرٹ پر نوازے جائیں گے۔لیکن چھ عشروں سے بیانات کے دامن میں پلنے والی قوم کو دال میں کالا نظر آیا اور وہ خان صاحب سے ناراض نظر آئے، جس پر کافی حد تک وزیرستان کی جانب امن مارچ نے پردہ بھی ڈال دیا لیکن قلم کی جنبش اور زبان کے کمال نے حقیقت سے کئی گنا بڑھ کر ملکی سیاست پر کیچڑ اچھالا جس سے قادری صاحب کیلئے راہ ہموار ہو گئی۔اور بقول انکے (قادری) چارہ ماہ محنت کے بعد لاہور کا جلسہ ہوا، جس میں اخراجات کا تخمینہ ایک لاحاصل بحث ہے۔

ہمارا مدعا قادری صاحب کی ظاہری باتوں کا تجزیہ کرنا ہے، باطن کے حالات تو سیدنا محمد ﷺ کا رب ہی جانتا ہے۔پہلے ان کے نعروں کی گونج میں الیکشن کھائی میں پڑتا دکھائی دیا لیکن اب صورتحال مختلف ہے۔گزشتہ دنوں صحافیوں کے ساتھ بات

چیت کے دوران انہوں نے کہاکہ وہ آئین کی آرٹیکل 62اور63پر عمل درآمد چاہتے ہیں ۔جس کے تحت کوئی راہزن'بدمعاش'قرض ہضم کرنے والا یا جس پر سنگین اخلاقی جرائم کے الزامات ہیں وہ الیکشن نہیں لڑسکتا۔قادری صاحب الیکشن کمیشن کے اختیارات کی توسیع کی بھی بات کرتے ہیں اور ساتھ ہی الیکشن کمیشن کے ایسے اختیارات جن کا آئین سے کوئی تعلق نہیں ان کو ختم کرنے کیلئے بھی کوشاں ہیں۔یہ سب وہی مطالبات ہیں جو عوام کی دکھتی رگ ہیں لیکن ان پر عمل درآمد کا مقصد یہ ہوگا کہ ملک کی تگڑی سیاسی جماعتوں کو بیوہ کرنا مقصود ہے۔اور عوام کی ڈوبتی ہوئی کشتی اگر کنارے نہ بھی لگ سکی تو کم ازکم سطح آب پر ضرور آجائے گی۔

لیکن اگر تصویر کا دوسرارخ دیکھاجائے تو ایسے لگتاہے جیسے اگران مطالبات کو عوام نے اپنی منزل و مقصود تصور کرلیااور سرپر کفن باندھ کر نکل کھڑے ہوئے تو ممکن ہے کہ الیکشن التواء میں پڑجائیں یا کسی خاص جماعت کو فائدہ پہنچے (خاص وہ ہوتاہے جو افسر ہو یا افسر کا چہیتا)۔اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ آئین کی مندرجہ بالادفعات پر قادری صاحب کامطالبہ درست ہے لیکن وقت کا تعین'حکمت عملی اور انکا ماضی الگ چیز ہیں۔کچھ لوگ تواس حدتک چلے گئے ہیں کہ ان کی غلطیوں سے کالموں کے پیٹ بھرنے لگے ہیں اور اس بات کا دھیان بھی نہیں رکھا کہ اس قسم کی باتوں سے ان پر اندھااعتقاد رکھنے والوں کے دل پر

کیا گزرے گی۔

اب لانگ مارچ ہی کو لیجیئے عوام نے دل کھول کے چندے ہی نہیں بلکہ کچھ نے تو اپنا سب کچھ بھی کھو دیا ہوگا۔لانگ مارچ جمہوری اقدار کا حصہ صحیح مگر لانگ مارچ کا شور و غل۔۔۔۔۔۔۔کے لیئے ہے۔خالی جگہ اس لیئے چھوڑ دی کہ وقت آنے پر سب لوگ اپنی اپنی دانش' فہم وفراست اور اغراض ومقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے اسکو پُر کر سکیں۔کیونکہ ہمارے ملک میں کیڑے نکالنے بہت آسان ہیں سوائے فصلی کیڑوں کے کیونکہ نقلی سپرے عام ہے۔فصلی کیڑوں سے یاد آیا کہ فصلی بٹیروں کو بھی نکالنا اتنا آسان نہیں ۔وہ رکھوالے کے آنے تک اپنا حصہ لے چکے ہوتے ہیں۔اور بعض اوقات دوا چھڑکنے سے وہ سے وہ موٹے بھی ہو سکتے ہیں۔

رہ گئی بات جناب طاہر القادری صاحب کی تو وہ امت مسلمہ کے نامی گرامی عالم ہیں نیز ان کے طالبان کیخلاف فتوے کو عالمی تائید حاصل ہے۔مگر ان کے ماضی سے نالاں لوگ اب بھی ن لیگ پر لگائے گئے ان کے قتل کے الزام ' عدالت کے متعلق اسکا فیصلہ اور قادری صاحب کی عطر کی ان ڈبیوں کا ذکر کرتے ہیں جو از خود ہی دگنا ہو گئیں تھیں۔ان حالات میں ان کی تاریخ رقم کرنے کی تحریک اور انقلابی لیڈر بننے کا امکان کہیں معمہ ہی نہ بن جائے اور خواب تشنہ نہ رہ جائیں کیونکہ یہ بازی عشق کی بازی ہے ۔اور عشق قربانیاں مانگتا ہے جو ہر

انسان کے بس میں نہیں ہوتیں۔یا پھر اسکے حالات اسے اجازت نہیں دیتے۔
حضرت علیؓ کا فرمان ہے (مفہوم): "میں نے اپنے ارادوں کے نامکمل ہونے سے اپنے رب کو پہچانا" یعنی انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔
خواہشات کی تکمیل انسان کے بس میں ہوتی تو دنیا جہنم کا حقیقی روپ دھار چکی ہوتی۔

متحدہ قومی مومنٹ کا فیصلہ

فیصلہ کرنے کا وقت اور حالات کی کروٹ دو ایسی اہم چیزیں ہیں جو فیصلہ ساز کو کبھی لے ڈوبتی ہیں اور کبھی دریا پار کروادیتی ہیں۔

تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ کوئی بھی حملہ آور جب تلک دار لحکومت فتح نہ کرلیتا اسوقت تک وہ اپنے فتح کو مکمل نہیں سمجھتا تھا۔ایک طرف ملک کے دار لحکومت کی جانب ایک ایسے انسان کی جانب سے چڑھائی کی جارہی ہے جو غیر ملکی شہریت رکھنے کے باوجود ارض وطن میں ہزاروں عقیدت مند رکھتا ہے جو ان کی انگلی کے اشارے پر جان نثار کرنے پر تلے ہیں ۔اور دوسری جانب پاکستان کے سب سے.بڑے صوبے کے دار لحکومت کی زمین کو خون سے نہلایا جارہاہے۔ایسے حالات میں وطن کی بنیادیں ہلانے دینے کے ذمہ دار گہری نیند سورہے ہیں ۔کاش وہ مناسب آئینی ترامیم کے ذریعے کوئی ایساکارآمد قانون بنالیتے جو محرالحرام سے لے کر سال کے اختتام تک کسی بھی فقہ کے مذہبی جذبات کی زبانی و قلمی حفاظت کافریضہ سرانجام دیتا۔

حضرت سلطان باہوفرماتے ہیں"ہر عارف عالم ہوتاہے لیکن ہر عالم عارف نہیں

ہوتا"۔ تصنع ' بناوٹ ' ریاکاری ' اقتدار کا لالچ یہ سب وہ اشیاء ہیں جو عالم میں تو موجود ہو سکتی ہیں لیکن کسی ولی کامل یا مرشد کہلانے کے حقدار شخص میں ہر گز نہیں۔پاکستان کے عوام متحدہ مجلس عمل کے اقتدار کے بعد اب مولوی حضرات سے اب کوئی خاص اُمید نہیں رکھتے گو کہ اب بھی کافی افراد کے دل میں ان کے لیئے (اقتدار کی راہداری کے علاوہ) نرم گوشہ ضرور موجود ہے۔ تریسٹھ برس سے اس بیچاری سادہ لوح عوام کو کبھی کسی نے معاشی تبدیلی کا لالچ دے کر تو کبھی مذہب کی آڑ میں لوٹا' بیچا اور ان کا خون تک پیا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان یا تو مادی اشیاء کی خاطر بکتا ہے یا پھر مذہب کی خاطر۔اور یہی وہ دو اشیاء ہیں
جنہیں حکمران ہتھیار بنا کر اقتدار کی راہ ہموار کرتے ہیں۔اور پھر خوب عیاشی کرتے ہیں اور عوام عرصۂ دراز تک ان کے سحر میں مبتلا رہتے ہیں اور ان کے زبان' بیان اور قلم کا جادو اترنے تک ملک کی سرحدیں کمزور اور اندرونی خلفشار اور شورش بڑھ چکی ہوتی ہے۔مگر ہم ایسے بدقسمت لوگ ہیں کہ اب تک جب کہ ایک دن میں کم وبیش ملک کے طول و عرض میں پچاس سے زائد افراد بھی مر جائیں تو ہم اُسے بریکنگ نیوز بنا کر' بیان دے کر' آہ بھر کر یا لواحقین کو دو چار روپے دلوا کر پھر خراٹے بھرنے لگتے ہیں۔

اور پھر جب الیکشن آتا ہے تو کبھی نوکری اور کبھی تھانے کی خاطر اپنا ضمیر بیچ دیتے ہیں۔ہمیں جو چاہے جب چاہے نعروں کی گونج میں 'ایڈورٹائزمنٹ چلاکر' اشتہار لگا کر یا پھر فاسفورس کو ہوا میں جلتا دکھا کر اپنا گرویدہ کر سکتا ہے۔ہم اکیسویں صدی میں بھی طوطے سے فال نکلوا کر دفتر یا کام کو جاتے ہیں۔ہماری پیٹ اور معدے کی بیماریوں کا تسلی بخش علاج کدو پر آپریشن کر ذریعے کیا جاتا ہے اور ہم مؤدب اور باوضو ہو کر اس حکیم نما مرشد سے دست بوسی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔پھر بھی ہم متحدہ سے گلہ کرتے ہیں کہ وہ حالات دیکھ کر بدل جاتی ہے۔جناب عالی سیاست دان ہو یا علاقے کا وڈیرہ بیٹرا سب عوام کے ضمیر'برداشت اور انکا اخلاقی معیار جانچ کر فیصلے اور حکومت کرتے ہیں ۔کیا جب عوام بہادر ہو جائے تو روس کے زار' فرانس کے بادشاہ' ہندوستان کے وائسرائے 'مصر کے حسنی مبارک یا لیبیا کے معمر قذافی ان پر حکومت کر سکتے ہیں؟؟؟ یہ تو اچھا ہوا جو متحدہ نے اپنا فیصلہ بدل لیا ورنہ ممکن تھا کہ لانگ مارچ اس کے کیریئر پر کچھ اور سیاہ داغ جڑ دیتا جسے دھونا دشوار ہو جاتا۔اور ویسے بھی جب معلوم ہو جائے کہ کوئلے کی سوداگری میں کچھ نہیں ملے گا تو سمجھ دار آدمی کو ایسا کاروبار ہی جاری نہیں رکھنا چاہیئے۔

فیصلہ کرنے کا وقت اور حالات کی کروٹ دو ایسی اہم چیزیں ہیں جو فیصلہ ساز

کو کبھی لے ڈوبتی ہیں اور کبھی دریا پار کروادیتی ہیں۔

تبدیلی‘ انقلاب یا عذاب

فتویٰ دینے والوں کو تجزیہ نگاروں پر بھی نظر دوڑانی چاہیئے کیونکہ یہ بھی ہمہ وقت غیب کی خبریں دیتے ہیں۔اپنی طرز کا شاید نیا فتوی ہو اور پھر ممکن ہے اس سے انکی چار سو شہرت بھی پھیل جائے۔

حیرت ہے ان پر جو مٹی کے گھر میں رہتے ہیں اور بارش کی دعا مانگتے ہیں ۔اسکی تین ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔1۔ وہ خام خاں غیشنی طور پر تبدیلی کی دعا مانگتے یا نعرے لگاتے ہیں۔2۔یا انہوں نے متبادل گھر اور نان نفقہ کا بہتر بندوبست کر رکھا ہے۔3۔یا پھر انہیں یقین ہے کہ اس بے حس‘ مفاد پرست ‘نسلی‘ لسانی اور مذہبی طور پر منقسم عوام میں اتنی سکت ہی نہیں کہ یہ سر پر کفن باندھ کر اپنا سُچا اور کھرا رہنماء منتخب کر سکیں۔

تریسٹھ برس بیت گئے لیکن ہم میں سے آج تک تعصب کی گھناؤنی بو آتی ہے۔ہم اپنا بازو کٹوا بیٹھے لیکن ہم آج بھی کفار سے پیسہ لے کر کلمہ گو کے خلاف جہاد کرتے ہیں۔ہم پنجابی ‘سندھی ‘بلوچی ‘پٹھان ہیں یا پھر ہم شیعہ ‘سنی ‘دیو بندی ‘ آزاد خیال مسلمان ‘پی پی کے جیالے اور ‘لیگیوں کے متوالے ہیں۔چراغ لے

کر نکلیں گے تو پاکستانی نظر آئے گا وگرنہ ۔۔۔

طاہر القادری آئے تو نیا رنگ لائے ۔ خیر جمہوریت میں لانگ مارچ تو ہے لیکن آج کل کے جمہور زادوں کا انداز ہی نرالا ہے' کہاں چین کا پہلا پیدل مارچ اور کہاں بلٹ پروف مارچ۔ جبکہ تازہ تازہ مارچ یہ سطور لکھنے تک پرامن ہے۔ خدا خیر کرے وگرنہ بشری عقل کے مطابق اگر شہر اقتدار میں کوئی بھی موت ہو گئی تو فتنہ برپا ہو جائے گا۔ کیونکہ لوگ جان چکے کہ اب میت کو روڈ کے حوالے کرو تو بات بنتی ہے یا بنائی جا سکتی ہے وگرنہ۔۔۔ ہم تریسٹھ برس تک اپنی ذات کی خاطر خاموش رہے اگر طاہر القادری صاحب کے دم سے الیکشن بچ جائے تو اللہ کرے عوام اپنا حق ادا کریں ۔ کیونکہ ہر سو خطرات منڈلا رہے ہیں۔ مانا کہ انکی نیت درست ہو گی لیکن ملکی حالات اسکے متحمل نہیں ہو سکتے جو وہ چاہتے ہیں۔ اگر وہ اپنی ذات سے اتنے ہی پرامید اور ملک سے مخلص ہیں (اور اگر ایک کروڑ عوام انکے ساتھ ہیں) تو پھر چوروں' لٹیروں' راہزنوں کو ٹکٹ ملنے دیں اور پھر عوام میں جا کر انکے خلاف بھرپور تحریک چلائیں اور انہیں ناکام بنا دیں ۔ یہ بہتر موثر اور آئینی طریقہ ہے مگر۔۔۔ باقی رہ گیا ڈنڈا تو اس سے کچھ بن سکتا ہے تو بہت کچھ بگڑ بھی سکتا ہے ۔ خدا نہ کرے تبدیلی' انقلاب ہمارے لیئے عذاب بنیں۔

رکھوالا جاگ تو گیا ہے خدا کرے وہ اب گھر سے نکل بھی پڑے ۔ اگر اب کی بار بھی بے

رونق چہروں، قارون کے جانشینوں اور تسبیح خوردل کے چور افراد کو کامیابی ملی تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔

فتویٰ دینے والوں کو تجزیہ نگاروں پر بھی نظر دوڑانی چاہیئے کیونکہ یہ بھی ہمہ وقت غیب کی خبریں دیتے ہیں۔اپنی طرز کا شاید نیا فتوی ہو اور پھر ممکن ہے اس سے انکی چار سو شہرت بھی پھیل جائے۔

پی ٹی اے صارف کو نقصان سے بچائے

بعض اوقات آسانیوں میں بھی مشکلات چھپی ہوتی ہیں جو وقت آنے پر اتنا کچھ سمیٹتی ہیں کہ محظوظ انسان مغموم ہی نہیں سوگوار بھی ہو جاتا ہے۔
موبائل فون وانٹرنیٹ نے انسان کی زندگی کو گلوبل ویلج بنانے میں بہت مدد دی ہے۔انسان اپنے سے کوسوں دور بیٹھے اپنے عزیز سے آسانی سے دل کی بات کہہ سکتاہے۔اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ۔اسکے بعد ایک سہولت ایسی آئی کہ آپ اپنا نمبر تبدیل کیئے بناء کسی دوسرے نیٹ ورک پر منتقل ہو سکتے ہیں۔اس سے صارف کو جہاں آسانیاں میسر آئیں وہیں مشکلات بھی خیمہ زن ہو گئیں۔خصوصاً جب کوئی فرد پیکج لگا کر کسی ایسے نمبر پر کال کرتا ہے جو بظاہر تو ٹیلی نار کا نمبر ہوتا ہے جبکہ اندرون خانہ وہ بعض سیاسی رہنماؤں کی طرح کسی اور کمپنی پر منتقل ہو چکا ہوتا ہے اب ظاہر سی بات ہے اگر بات کا دورانیہ زیادہ ہو گا تو کال کرنے والے صاحب کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔بہت سے ایسے افراد ہیں جو سادہ لوح ہیں اور وہ convert نمبر پر جو ہلکی سی خصوصی ٹون ہے سن نہیں پاتے لہٰذا اپنا بیلنس نہ چاہتے ہوئے بھی گنوا بیٹھتے ہیں۔پی ٹی اے سے گذارش ہے کہ تمام کمپنیوں سے مشاورت کے بعد کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جس سے کنورٹ

نمبر پر کال کرنے والے کو فوری معلوم ہو جائے کہ یہ نمبر کس کمپنی کا ہے۔مثال کے طور پر "ٹیلی نار یا موبی لنک "کے مختصر الفاظ سنائی دیں یا پھر "معزز صارف یہ یوفون کا نمبر ہے "یا اس جیسے کوئی اور الفاظ تاکہ کال کرنے والا دھوکے میں نہ رہے۔

موبائل پر ایس۔ایم۔ایس اور mms کو فلٹر کرنے کا بھی بندوبست کیا جانا چاہیئے۔ مزید یہ کہ پی ٹی اے کو فحش ویب سائٹس کو فلٹر کرنے کا موءثر نظام تشکیل دینا چاہیئے ۔تاکہ نیٹ استعمال کرنے والے کم سن یا بالغ صارف اپنا نقصان نہ کر پائیں ۔انٹرنیٹ چونکہ اب موبائل پر بھی دستیاب ہے لہذا یہ میٹھا زہر ہماری نوجوان نسل کے خون میں سرایت کرکے اسکے تخلیقی ذہن کو ماؤف اور صحت کو برباد کر رہا ہے۔

اگر موبائل اور کمپیوٹر کا مثبت استعمال عمل میں نہ لایا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ چلتی پھرتی دوزخ ہیں ۔جو براہ راست ہمارے معاشرے وسماج کو دیمک کی مانند اندر سے کھوکھلا کر رہے ہیں اور ہمیں خبر اسوقت ملتی ہے جب سب کچھ لٹ چکا ہوتا ہے۔

بعض اوقات آسانیوں میں بھی مشکلات چھپی ہوتی ہیں جو وقت آنے پر اتنا کچھ سمیٹتی ہیں کہ محظوظ انسان مغموم ہی نہیں سوگوار بھی ہوجاتا ہے۔

الفاظ کی مارکیٹ

مبلغ بارہ ماہ ہوئے ایک ملک میں خوابوں کی نئی دنیا بسائی گئی۔ہمیں بھی پتہ چلاہم بھی وہاں جا وارد ہوئے۔جس مکان پر ہم گئے نیادکاندار'نیاانداز اور چند نئے سیل مین منظر کو دلفریب بنائے ہوئے تھے۔لوگ دھڑادھڑ آ ئے جارہے تھے ۔جن میں سے زیادہ کی تعداد سابقہ ارباب بست وکشاد میں سے تھی۔ہم نے مکان میں موجود ہوٹل پر کھانوں کی فہرست طلب کی 'تمام کھانوں کے نام وہی تھے بس ترتیب اوپر نیچے کردی گئی'ورق رنگین اور لکھائی دیدہ زیب تھی ۔چارونا چار خیال آیاکہ مبادا انکاذائقہ مختلف ہو'ایک پلیٹ انصاف اور دو عدد شفاف بھرتیوں والی روٹی کاآ ڈردیا۔ہم بیٹھے رہے 'بیٹھے رہے لیکن چھوکرانہ آیا۔تنگ آ کر مالک سے غصہ ہوئے تواس نے ہمیں لات جڑدی'اس کی دیکھادیکھی خوبصورت کپڑوں اوراعلیٰ اخلاق سے مزین تمام لوگ ہم پر حملہ آور ہوئے تو ہم بھاگ نکلے۔

گلیوں 'سڑکوں میں سے ہانپتے کانپتے ایک بورڈکے پیچھے جاچھپے'کانی آنکھ سے دیکھتے 'دکھاتے جب کوئی آتانہ دکھائی دیا تو ہم نے تنہائی کے عالم میں بورڈ پر نظردوڑائی ۔تو اس پر درج تھا"اپنااشتہار بک کروائیں نقد اور آسان اقساط میں"۔ہم بڑے پریشان ہوئے کیونکہ ہمارے پاس کوئی اشتہار نہ تھا۔سوچتے سوچتے

نتیجتاً یہ نکالا کہ چونکہ ہم نئے دیس میں خواب دیکھنے آئے ہیں اور بھوکے بھی ہیں۔ اسلیئے معلومات لینے عمارت کے اندر جاتے ہیں ممکن ہے کوئی چائے والے پلادے۔ ہم نے چہرے پر سے بال ہٹائے، کپڑے جھاڑے اور عمارت کی جانب پھرتی سے مڑے۔ جونہی اندر داخل ہوئے گارڈ نے اندر جانے سے روک دیا۔ ہم سمجھے کہ شاید کپڑے پرانے ہیں اسلیئے روکا جارہا ہے کیونکہ ہمارے ملک میں تو ناداروں، غریبوں کو محض ووٹ کیلیئے زندہ رکھا جاتا ہے اور وہ کسی چنگی بھلی عمارت میں گھس بھی نہیں سکتے جب تک کے ہمسائے سے اچھا سوٹ مانگ کر پہن نہ لیں۔ ہاں البتہ تھانوں میں انہی کیلیئے کمرے بنائے اور ایف۔ آئی۔ آر والی بک پرنٹ کرائی جاتی ہے۔ تاکہ الیکشن میں ٹھپہ درست مقام پر لگے۔ سمجھ گئے ناں۔ خیر گارڈ نے پوچھا کیا کام ہے۔ ہم نے اپنی منشاء بتائی۔ اس نے فرمایا: "محض سیاسی اشتہار قسطوں میں بک کیئے جاتے ہیں۔ اور بک کروانے کا وقت تاریکی کا ہوتا ہے۔ باقی تمام باتیں اندھیرا چھا جانے کے بعد آپ کے گوش گزار کی جائیں گی"۔ ہم الفاظ کی مارکیٹ سے باہر نکل آئے۔ خوابوں کے دیس میں بھی بے یار و مددگار۔

جیسے تیسے دن گزارا' رات ہوتے ہی اندر داخل ہوئے۔گارڈ نے سامنے بورڈ کی جانب اشارہ کیا۔اس پر لکھا تھا۔"مین صفحہ پر خبر کے لاکھ روپے۔اندرونی صفحہ پر پچاس ہزار۔کالم کے دس لاکھ۔ٹاک شو میں تعریف کے پچاس لاکھ۔مخالفوں پر نازیباالفاظ اور انکے خلاف الزامات کے اسی لاکھ۔وغیرہ وغیرہ۔لال رنگ سے لکھا تھاشرائط وضوابط لاگو ہیں۔"ہم نے بورڈ کے ساتھ والے کمرے میں داخل ہونی کی جسارت کی' انہوں نے ہماری خاطر مدارت کی۔اور قسطوں کے حوالے سے بتایا کہ نقد روپیہ کے علاوہ آپ ہمارے نااہل یاروں کو سڑکوں' عمارتوں کے ٹھیکے دلوادینا' ہم نے کہا بھائی اگر ہم ہار گئے تو بولے یار آپ نہیں ہار سکتے یہ لیجیے خواب اور اپنی عوام میں تقسیم کریں' کامیابی آپ کے قدم چومیں گی۔پھر مجھ سے مخاطب ہوئے "عزب ماب اگر خدانہ کرے پھر بھی آپ ہارجاتے ہیں تو آپ کے بھانجے' بھتیجے اور فلاں ماموں' آپ کا چچا کوئی تو کامیاب ہوگاناں "۔ہم بولے بھائی انکو تو اب ٹکٹ نہیں ملے گا کیونکہ وہ لٹیرے' راہزن ہیں اور اب تو ہمارے ہاں اس بات پر معاہدہ بھی ہوچکا ہے۔میری بات سن کر وہ صحافی نماتاجر قہقہ لگا کر ہنسا اور کہا: "آپ بھی کمال کرتے ہیں وہ جو حق وباطل کی جنگ کرنے والا للکار رہا تھاناں وہ بھی ہمارے ہاں سے خواب خرید کرگیا تھا اور عوام میں تقسیم کردیئے یاد رکھنا بھلے مانس عوام کو محض خواب مل سکتے ہیں تعبیر نہیں"۔ہم افسردہ ہوئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔باقی قصہ پھر سہی کیونکہ اب ہم کچھ دیر سو کر خواب دیکھنا چاہتے ہیں جو ہمیں ایک گورے چٹے بندے نے دیئے

ہیں۔ دعا کرنا تعبیر مل جائے۔ وگرنہ ہم اپنے ملک کو لوٹ جائیں گے۔ اور اپنے مخدوموں' وڈیروں' صنعت کاروں اور تھانیداروں کے زیر سایہ پھر سے نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔

اور پھر جہیز جلنے لگا

جذبات کی رو میں بہہ جانے والے لوگ' پانی کی بے رحم موجوں کی مانند بغیر پہچان کیئے سب پر حملہ کر دیتے ہیں۔ان کا نہ کوئی عقیدہ ہوتا ہے نہ ہی یہ محب وطن کہلانے کے حقدار ہوتے ہیں۔یہ ہر سنی سنائی بات کو من وعن حقیقت تسلیم کر لیتے ہیں' آدمؑ کی اولاد کا خون پیتے ہیں 'اور ان کے احساسات کو کچل کر رکھ دیتے ہیں۔ ظلم
'بربریت 'زیادتی جیسے الفاظ ان کیلیۓ مقدس ہوتے ہیں اور رحم 'رواداری' برداشت جیسے الفاظ ان کی ڈکشنری میں سما ہی نہیں سکتے۔
گزشتہ دنوں مینار پاکستان وشاہی قلعہ کے بیچ وبیچ آباد غریبوں کی ایک بستی کے 177 گھر اور سولہ دکانیں نذر آتش کر دی گئیں۔اس سے قبل اگر یکم اگست 2009 کو گوجرہ میں آباد غریبوں کی ایک بستی پر حملے کی تحقیقات کی جاتیں اور ان پر عمل درآمد ہوتا تو شاید اس قسم کے دلخراش وغیر انسانی فعل کا ہم تذکرہ ہی نہ کر رہے
ہوتے۔سوچتا ہوں تو دماغ سن ہوتا ہے 'کروٹ بدلنے کی سعی کروں تو جسم کو منجمد پاتا ہوں کہ اپنے آپ کو عاشق کہلانے والوں نے جوزف کالونی میں آباد غریب مولوی مشتاق اور اس کے کلمے کو پہچاننے سے انکار کرتے ہوئے اس کے گھر پر اتنی ہی شدت سے حملہ کیا جتنی طاقت ونفرت سے انہوں نے غریب مسیحوں کی

سالہاسال کی محنت کو لمحوں میں خاکستر بنایا۔دیا سلائی جلی اور حوا کی تین مسلم بیٹیوں سمیت باقی ماندہ بیٹیوں کا جہیز بھی جلنے لگا۔اس دھوئیں میں موجود جلتے ارمانوں'آہوں سسکیوں کو وہی پہچان سکتا ہے جس نے ذرہ ذرہ اپنا خون جلا کر اکھٹا کیا ہو یا سینے میں دل رکھتا ہو۔

اس سانحہ کا سکرپٹ تیار کرنے والے لینڈ مافیا' سیاسی ونگ یا کوئی ملک دشمن قوتیں بھی ہو سکتیں ہیں۔مگر جن ہاتھوں نے یہ کام سرانجام دیا ان کے پاک نبی ﷺ کے پاس ایک دفعہ نجران کے عیسائیوں کا چودہ رکنی وفد مدینہ آیا تو آپ ﷺ نے اس وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور عیسائیوں کو اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کی اجازت دی" (طبقات ابن سعد)۔حقیقت یہ ہے کہ جب ریاست اپنی رٹ کھودے 'ہر جانب انارکی پھیلی ہو'لوگ غیر محفوظ ہوں تب ہی قانون ہاتھ میں لیتے ہیں۔سرورکائنات یا کسی بھی پیغمبر کی گستاخی کرنے والا بدبخت اس قابل نہیں کہ اسے اس دنیا میں سانس لینے کی اجازت دی جائے مگر اس کی سزا اس کے اہل وعیال یا ہم مذہبوں کو دینا پیارے رسول ﷺ کی تعلیمات سے منحرف ہونا ہے۔رحمت العالمین نے تو آج سے' چودہ صدیاں قبل اہل کتاب سے ایک ایسا تابناک معاہدہ کیا کہ آج تک دنیا کی کوئی تہذیب ومذہب اس کی مثال لانے سے قاصر ہے۔جسٹس امیر علی اپنی کتاب "سپرٹ آف اسلام "میں آپ ﷺ کے ساتھ سینٹ کیتھرین کی خانقاہ کے وفد کی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے۔جس میں انہوں نے نبی آخرالزماں ﷺ سے پناہ کی درخواست کی تو

شہید کربلا

کے ناناانے نہ صرف انہیں اپنی پناہ کا شرف عطاء کیا بلکہ ایک ایسا معاہدہ ضبط تحریر میں لائے کہ انسانیت تا قیامت ان کی مشکور رہے گی' یورپ و گرد و نواح میں جو حقوق اقلیتوں کو سولھویں اور سترھویں صدی میں جاکے ملے وہ اس معاہدے کا عشر عشیر بھی نہیں۔" یہ پیغام محمد بن عبداللہ کی طرف سے عیسائیت قبول کرنے والوں کے ساتھ چاہے وہ دور ہوں یا نزدیک' ایک عہد ہے کہ ہم انکے ساتھ ہیں۔بے شک میں' میرے خدمت گار' مددگار اور پیروکاران کا تحفظ کریں گے کیونکہ عیسائی بھی میرے شہری ہیں اور خدا کی قسم میں ہر اس بات سے اجتناب کروں گا جو انہیں ناخوش کرے۔ان پر کوئی جبر نہیں ہوگا۔نہ ان کہ منصفوں کو ان کے عہدوں سے ہٹایا جائے گا اور نہ ہی ان کے راہبوں کو ان کی خانقاہوں سے۔ان کی عبادت گاہوں کو کوئی بھی تباہ نہیں کرے گا' نقصان نہیں پہنچائے گا اور نہ وہاں سے کوئی شہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں میں لے جائی جائے گی۔اگر کسی نے وہاں سے کوئی چیز لی تو وہ خدا کے عہد کو توڑنے اور اس کے نبی ﷺ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا۔بے شک وہ میرے اتحادی ہیں۔اور انہیں ان تمام کے خلاف میری امان حاصل ہے جن سے وہ نفرت کرتے ہیں۔کوئی بھی انہیں سفر کرنے یا جنگ کرنے پر مجبور نہیں کرے گا۔ان کے لیئے جنگ مسلمان کریں گے۔اگر کوئی عیسائی عورت کسی مسلمان سے شادی کرے گی تو ایسا اس کی مرضی کے بغیر نہیں ہوگا۔اس عورت کو عبادت کیلیئے گرجا گھر جانے سے نہیں روکا جائے گا۔ان کے گرجا گھروں کا احترام کیا جائے گا۔انہیں گرجا گھروں کی مرمت یا اپنے معاہدوں کا احترام کرنے سے منع

نہیں کیا جائے گا۔ (مسلمان) قوم کا کوئی فرد روز قیامت تک اس معاہدے سے روگردانی نہیں کرے گا" (واللہ اعلم)۔

تاریخ گواہ ہے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اور اُس کے بعد آپ ﷺ کے سچے جانشینوں نے اس معاہدے کے حرف حرف پر عمل کیا اور اگر کبھی اہل کتاب کو ادنی سی بھی تکلیف پہنچی تو ان کی اشک سوئی کیلیے ہر ممکن قدم اُٹھایا۔ سانحہ کے بعد پنجاب حکومت نے فوری امداد کا آغاز کیا' اور وفاق بھی پیچھے نہیں رہا۔ لیکن ایک ٹی وی پروگرام میں جناب اکرم مسیح گل نے کہا کہ آبادی کی تعمیری سرگرمیاں عدم توجہ کا شکار ہیں ۔ بغیر بنیاد رکھے عمارتیں تعمیر کی جارہی ہیں ۔ تو اس ضمن میں پاکستان کے واحد ورکر وزیر اعلی کو خصوصی توجہ دینی چاہیئے ۔ کیونکہ ہماری جان ومال کے تحفظ کی ذمہ داری انھیں پر ہے۔

ووٹ صرف پاکستان کی خاطر

دیکھنے کو تو جمہوری نظام عجب شہ لگتی ہے (مگر گزارا چنگا ہے بس بات یہ ہے کباب میں ہڈی نہ ہو)۔ہمارے شہر کے ایک حکیم صاحب سے جب میں نے دریافت کیا کہ جناب آپ کسے ووٹ دیں گے تو کہنے لگے کہ پچھلے پچیس برس سے ووٹ نہیں دیا لیکن اب قومی سطح پر ایک لیڈر مل گیا ہے لہٰذا اُسے ہی نوازوں گا۔ووٹ نے دینے کی وجہ یہ بتائی کہ جب "نمو" اور میرا ووٹ برابر ہے'بدمعاش اور شریف کا ووٹ ایک جیسی وقعت رکھتا ہے تو پھر کیا ضرورت پڑی ہے کہ الیکشن میں اپنے وقت کا ضیاع کیا جائے (نمو ہمارے علاقے کا ایک غیر حاضر دماغ فرد ہے۔بقول حکیم صاحب کے کہ جو کوئی" نمو بھائی" کو الیکشن والے دن نسوار کی چونڈی رکھوا دے'ووٹ اُسی کا'خاک ڈالو ایسے نظام پر)۔بہرحال اب کی بار چونکہ جمہوریت ڈی ریل نہیں ہوئی اور عوام بھی ذلیل نہیں ہوئی (اگر ذلیل ہوئی ہے تو الیکشن میں ثابت کرے) اسی واسطے حکیم کی طرح کے لوگ کچھ نہ کچھ دلچسپی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔وگرنہ پاکستان کے چنگے بھلے دماغ تو اپنے کام سے کام رکھتے ہیں کیونکہ انھیں اس سارے دھندے میں کوئی رمق دکھائی نہیں دیتی۔شاید اب کی بار کچھ نیا ہو جائے۔۔۔شاید لیکن پرانے لوگ کہتے ہیں یہ پاکستان ہے۔

آزاد جمہوریہ بھارت جیسے ممالک جو اکیرالہ کے گاؤں سے تعلق رکھنے والے دو ماہی گیر شہری جیلسٹائن اور اجیش پنکو کی خاطر اطالوی حکومت سے سفارتی جنگ لڑتے ہیں کوئی دباؤ قبول نہیں کرتے اور بالاآخر اطالوی حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیتے' ہیں'اس لیئے کہ وہاں ڈنڈا حکومت نہیں کرتا بلکہ اہل مغرب کا نظام جمہوریت ہی ہے جو وہاں پروان چڑھ چکا ہے (جبکہ ہم تو ایمل کانسی اور محترمہ عافیہ کو پلیٹ میں رکھ کر پیش کردیتے ہیں اور پھر امریکہ کہ خلاف نعرے بھی لگواتے ہیں'قرض بھی اسی سے لیتے ہیں اور باتیں بھی اُس کے خلاف۔ارے بھائی اتنے چنگے ہو تو ملک کیوں نہیں سنوار لیتے) ۔ہمارے ہاں جمہوری بادشاہت 'پیسہ 'دھونس' دھاندلی کا رواج ہے۔البتہ ذات برادری'علاقائی 'لسانی اور فقہ واریت کا زہر اب بھی بھارت کے جمہوری نظام کو نقصان پہنچا رہا ہے اور ہمارے ہاں تباہی لا چکا ہے۔ہمارے ہاں فقہ کی بنیاد پر مدارس کا نصاب اور اب تو پارٹیاں بھی موجود ہیں (کوئی مانے یا نہ مانے)۔عوام کو فقہی بنیاد پر موجود تمام پارٹیوں کا بائیکاٹ کرنا چاہیئے اور الیکشن کے بعد اس مسلئہ کے مکمل حل کیلئے آئینی ترمیم کی جدوجہد کرنی چاہیئے۔کیونکہ اگر سیاستدان اپنے ذاتی مفاد کی خاطر آئین کو بدل سکتے ہیں یا ترمیم کر سکتے ہیں تو ملکی مفاد کی خاطر کیوں نہیں۔

الیکشن سر پر ہیں ۔سیاہی بک رہی ہے'کاغذ کی قیمت لگ چکی'سکرین کی حالت آپکے

سامنے ہے۔الیکشن کمیشن کو چاہیئے کہ ووٹر کیلئے سواری کاجو بندوبست حلقے کے اُمیدوار کرتے ہیں اس پر پابندی لگائی جائے کیونکہ یہ عمل جمہوریت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔اور کیاہی بہتر ہوتاکہ اگر بیش قیمت اشتہارات پرپابندی ہوتی اور مناسب تشہیر کیلئے سرکار فنڈ دیتی تاکہ غریب کابچہ بھی پارلیمنٹ کی بوسونگھ سکتا۔لیکن اس مرتبہ بھوکے' ننگے پاکستانیوں کو چاہیئے کہ وہ پارٹی نہیں اُمیدوار کے نجی وملکی سطح پر کردار کو دیکھ کر ووٹ دیں (وگرنہ ایک دہائی کیلئے مرجاویں گے۔۔۔)۔ کسی بھی لالچ کے بغیرپرامن پاکستان کی خاطر حق رائے دہی استعمال کریں۔تاکہ اچھی قیادت سامنے آئے اور بڑی پارٹیوں کو بھی عبرت حاصل ہوجو عوام کے مفادکے بجائے محض ایک حلقہ میں سیٹ جیتنے کی غرض سے بدنام زمانہ افراد کو ہم پر مسلط کردیتے ہیں۔

سامنے کی بات تو یہ ہے کہ گیارہ مئی کو الیکشن ۔لیکن کبوتر جو خبریں لاتے ہیں انکے مطابق التواء میں بھی پڑ سکتے ہیں۔اور اگرسیاستدانوں نے ماحول کوآلودہ کرنے کی سعی کی توزوروالے بھی آسکتے ہیں۔اُمید ہے اس مرتبہ سیاستدان کیچڑاُچھالنے کے بجائے حلم وبردباری اور صبر وتحمل کامظاہرہ کریں گے۔اگر نہ کریں توآپ (عوام) انکے جلسے سنسان بنادیجئے' خود ہی بندے کےپتر بن جائیں گے۔اور میری عرضی یاد رکھناووٹ محض پاکستان کی خاطروگرنہ۔۔۔ہرپاکستانی کہتاپھرے گابقول آخری تاجدار ہندبہادرشاہ ظفر

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی
چشم قاتل تھی ہمیشہ میری دشمن لیکن
جیسی اب ہو گئی قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی

آخر میں تاریخی حوالہ پر اختتام کرتے ہیں' آپ الیکشن تک اس کے حرف حرف کو ذہن نشین کر لیجئے۔ 1872 میں انگریز مورخ سر ولیم ہنٹر اپنی کتاب "دی انڈین مسلم" میں اسطرح رقمطراز ہے "نہایت ہی غیر محسوس طور پر مسلمان بتدریج انگریزوں کے قبضہ اقتدار میں آ گئے۔ سالہا سال تک سرکاری کاغذات اور فائلوں کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی میں اس قابل نہیں ہوا کہ کسی خاص سال یا دور کی نشان دہی کر کے کہہ سکوں کہ یہ اہم تبدیلی اس وقت واقع ہوئی"۔

شودر ہیں صرف شودر

سیر سپاٹے کا شوق ازل سے ہے ابد تک رہے گا۔ مگر اس کی جانب کھچے چلے جانے میں
کوئی تو راز مضمر ہو گا کہ بڑے بڑے نام اعلی پائے کے مسافر ہو گزرے ہیں۔ جدھر کا
سفرنامہ آپ لکھ رہے ہیں اُس سے زیادہ قیمتی چیز اور کشش کا باعث آپ کا انداز بیان
ہے۔اور یہ عطیہ قدرت ہے۔ جیسے آپ سینکڑوں تولے سونا دے کر بھی اچھی آواز اور
ولایت نہیں خرید سکتے بالکل ایسے ہی قدرت کے عطیہ کردہ فن سفرنامہ کا مقابلہ محض
محنت سے نہیں کر سکتے۔اس لیئے اگر میرا زیر نظر سفرنامہ آپ کو پسند نہ آئے یا پھر وہاں
کے مکینوں کی خستہ حالی پر رحم آئے تو دونوں صورتوں میں ہاتھ دعا کیلئے ضرور بلند
کرنا۔

مجھے بھی پچھلے دنوں ایک ملک میں جانے کا اتفاق ہوا۔جہاں کے عوام حیرت انگیز حد
تک وراثت کے قانون کو تبدیل کرنے کے خلاف ہیں۔

وہاں پر جو بحث چل رہی تھی اس میں وہ لوگ محض دوڈھائی ہزار کے لگ بھگ سچے
اور امانتدار لوگوں کی

تلاش میں تھے۔اُن کی تلاش بسیار سے مجھے حیرت ہوئی۔جدھر چوک ،گلی یا سکرین
پر دیکھا لوگوں کا موضوع یہی تھا۔ہر کوئی پریشان تھا کہ اب کیا ہو گا۔وہ لوگ

پچھلی چھ دہائیوں سے کم وبیش ڈکیتوں، چوروں، لٹیروں کو اپنے قبائل برادریوں یا علاقے کا چوہدری بناتے رہے۔ مگر چونکہ ان کے ہاں اتنی بڑی تعداد (اچھے لوگوں کی نہیں تھی اسلیئے فقط انہی خائن لوگوں کی آل اولاد کو ولی (2500 عہد تسلیم کرکے سربسجود ہوتے رہے۔

انکے بقول کوئی تیں چالیس برس قبل انھیں ایک مسیحا ملا، لیکن مرض لادوا نکلا۔ بہت کوششیں کیں لیکن تقدیر۔۔۔ سمجھئے یا اپنی نااہلی۔ پھر ایک عجب واقعہ ہوا۔ ایک شخص آیا اس نے شرط لگائی کہ مختلف قبائل کا سردار یا چوہدری بننے کیلئے کیوں نہ شرطیں رکھ دی جائیں۔ بے چارے مکینوں نے ہاں میں ہاں ملادی۔ شرائط رکھ دی گئیں، تمام چھوٹے وڈے نے گگی ماری۔ لیکن پھر دو دہائی سے زائد عرصئہ تک یہ شرائط بھی سرد خانے میں پڑی رہیں۔ اس بدنصیب زمین کے باسی کہتے تھے کہ وہ مفادپرست شخص تھا، ہماری مرضی کے بغیر سارے قبائل و برادریوں کا منتظم اعلی بنا رہا۔ یہ اپنے علاقے کے ایک بزرگ سے پوچھا تو کہنے لگے "پتر ویکھ ناں گل پاویں اوہنے سچی کیتی اے پر بندہ تے ڈنڈے آلا سی ناں" میں نے پوچھا بزرگو! اگرچہ وہ شخص آپ کی نظروں میں ٹھیک نہیں تھا مگر یہ تو آپ مانتے ہیں ناں کے دنیا کی کوئی مہذب تہذیب یا کوئی بھی مذہب جھوٹے بددیانت اور لوگوں کے ساتھ برابرتاؤ کرنے والے شخص کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ وہ، لوگوں کا سردار، چوہدری یا وڈیرہ بنے؟؟ بزرگ نے اثبات میں سرہلایا اور کوچ کرنے کی نیت

سے اپنے جسم کو حرکت دی تو میں نے روکا اور پوچھا باباجی یہ بتایئے کہ اگر کوئی عورت نامحرم سے گفت و شنید کرے اور ہتھ پنجہ بھی کبھی کبھار ہو جائے تو آپ کی نظر میں اُسے کیا سزا دی جانی چاہیئے ؟کہنے لگے پتر "تو گلاں تے ٹھیک کرداایں پر زمانہ
بدلدا جار ہیااے۔ایتھے ہوندی غیرت تے جرور نظر آؤندی۔میں تے کہنہ واں ایہو جئی کُڑیاں نوں سمجھا بجھا کہ گھر بہاد تا جائے تے چنگی گل اے"۔

اب بزرگوں سے میں نے درخواست کی کہ مہربانی فرما کر جواب اردو میں دیں کہ پنجابی سمجھ نہیں آتی۔انھیں ناگوار تو گزرا کیونکہ وہ محب وطن ہونے کے ساتھ ساتھ لسانیت پرست بھی تھے۔کہنے لگے بیٹا ادھر ہر کوئی اپنی مادری زبان کی ترقی کی بات کرتا ہے تو میں بھی اسلیئے ہر کسی کو اپنی زبان میں ہی جواب دیتا ہوں۔اس بات پر میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کے علاقے کے فلاں فلاں سیاسی کو پنجابی تو دور کی بات آپ کے ملک کی قومی زبان بھی نہیں آتی تو کہنے لگے واہ اوہ سوہنیا! ہم تو ڈیڑھ صدی سے غلام تھے اور غلام ہی ہیں۔بس فرق یہ ہے کہ رنگ بدلا ہے حاکم کا' باقی اُس کا تمدن وہی 'زبان وہی' ثقافت وہی۔ہم پر تو وہ بس حکومت کرنے آتے ہیں۔میں نے پھر وہی قصہ چھیڑا ہیر رانجھے والا۔تو فرمانے لگے "بیٹا یہ بات ہر گز نہیں کہ آج سے بیس تیس برس قبل ہمارا حکمران اصول غلط بنا گیا تھا۔بلکہ بات یہ ہے کہ اب موجودہ سیاسی اکھاڑے کے پہلوان شاید اٹھارہ کروڑ عوام میں سے کسی کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ وہ حکومت کا اہل ہو۔وگرنہ

ہمارے ملک میں تو دو ڈھائی ہزار نہیں پانچ ہزار بھی سچے 'دیانتدار' انسانی حقوق کے سچے علمبردار اور انتظامی صلاحیتوں سے مالامال لوگ مل سکتے ہیں مگر مرنا یہ ہے کہ ہم عوام پرلے درجے کے بے حس' اور اہل کوفہ کے پیروکار ہیں۔یہ حکمرانی کار سیاطبقہ سچ ہی تو کہتا ہے کہ دفعہ باسٹھ 'تریسٹھ پر کوئی پورا نہیں اُترتا۔اس سے انکی مراد ان کا وہ کنبہ ہے جو انگریز سے لے کر کانگریس' پھر یونینسٹ پارٹی' مسلم لیگ' پھر ایوب خان سے لے کر مشرف تک حکومت میں رہا ہے۔باقی کے لوگ تو انکی نظر میں صرف شودر ہیں صرف شودر"۔

پھر بزرگو سے پوچھا کہ وہ بندہ جو آپ کے ملک میں چوہدری بننے کے خواہشمند حضرات سے اُلٹے سیدھے سوال کرتا رہا؟؟ اُس کو کیا سزا دینی چاہیئے۔تو بولے بیٹا وہ ایویں بادشاہ بندہ ہے۔بھلا جو لوگ اپنے دین کو چیز کہتے ہوں' جو اپنے مذہب کے قوانین کو قدیم مقدس شہ سمجھ کر محض کتابوں یا عبادت گاہوں تک محدود کر چکے ہوں' جن کے قول وفعل میں کھلا تضاد ہو؟ وہ کیسے اور کیونکر دین فطرت کے بارے میں معلومات رکھنا باعث فخر سمجھیں گے؟ پھر مزید کہنے لگے اوہ جیوندار ہویں! انگلستان اور امریکہ کی مثالیں دینے والے یہ عوام کو کیوں نہیں بتاتے کہ وہاں بھی دیانت دار اور صادق ہونا شرط ہے تب جا کر بندہ ایوان بالا وزیریں یا سینٹ میں جگہ بنانے کا اہل ہوتا ہے۔

اگرچہ میرا طرزِ بیان سفرنامہ کے آداب کے مطابق درست نہیں لیکن پھر بھی قارئین سے التماس ہے کہ میرے ساتھ ساتھ اُس ملک کے عوام کے لیئے بھی دعا کریں جو اب کی بار بھی ڈوبنے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔

قیدی

گئے وقتوں کی باتیں بہت قیمتی ہوا کرتی ہیں۔جو قوم اپنے ماضی سے ناآشنا رہتی ہے وہ مستقبل میں بھی اندھیری راہوں میں بھٹکنے کا بندوبست عظیم کرلیتی ہے۔ساحل سمندر کے قریب آباد.برصغیر کے ایک قصبے میں راجہ کی حکومت تھی ۔جسے وہ خاندان نسل در نسل.بڑی شان وشوکت سے نبھارہا تھا۔بہادری' جاہ وجلال اور ہیبت اس ذی وقار خاندان کے قریباً گزشتہ سات کے سات حکمرانوں کے نصیب میں آئی تھی۔ہر راجہ ان تمام اوصاف کے ساتھ ساتھ لہوولعب سے بھی کنارہ کش رہتااور اسی بناء پر انکی فوج کہ سپہ سالاروں پر بھی انکی اخلاقی.برتری کا خوب اثر تھا۔فوج کا جاہ وجلال مہ خانے وعشرت کدوں میں غرق نہ ہوا تھااور دشمن راجپوت گھرانوں کے ایک ایک سپوت سے خوف کھاتا تھا۔شہزادے'سپہ سالار سے لے ریاست کے تمام بڑے عہدے دار حسن کی مہکار کے بجائے تلواروں کی جھنکار سے محبت کرتے تھے ۔اس سب کی بنیادی وجہ گزشتہ حکمرانوں کے اوصاف تھے جنھیں حسن وساقی نے داغدار نہیں کیا تھا۔
سلطنت کا آٹھواں حکمران راؤ بھگت اپنے آباؤاجداد سے متضاد اوصاف کا مالک تھا۔موسیقی ورقص کا دلدادہ یہ راجہ اپنے والد کے زیر سایہ تو جیسے تیسے خشک وبے کیف لمحات گزار چکا لیکن عنان اقتدار سنبھالتے ہی اُس نے صدیوں سے قائم اپنی خاندانی روایات کو

سرِعام ذلیل ورسوا کیا۔ دربار کے لالچی وٹھگ امراء اُس کے ہر قبیح فعل کی بھی داد دیتے اورنذرانے وصول کرتے' مگر راناسری ناتھ جو کہ بھگت کے ولی عہد ہونے کے بھی خلاف تھا' ہمیشہ کڑھتا رہتا۔ قلب شاہی میں اُسکے لیئے ویسے ہی قدر کم ہوچکی تھی کیونکہ راؤ بھگت جانتا تھا کہ وہ اسکے بڑے بھائی پریم چند کے گدی سنبھالنے کا پرزور حامی تھااورزن کے بجائے میدان جنگ کا متمنی۔ سلطنت میں یہی رواج چلاآ رہا تھا کہ راجہ کا سب سے بڑا بیٹا ہی باپ کے بعد تخت پر جلوہ افروز ہوتا۔ مگر بھگت کے باپ مہاراجہ دلیپ نے اپنی آخری سانسوں میں سب سے چھوٹی زوجہ کے اکلوتے بیٹے بھگت کو اس کی تمام ترخامیوں کے باوجود ولی عہد بنادیا۔ جبکہ سری ناتھ نے جان کی پرواہ کیئے بغیر مہاراجہ دلیپ کو بھگت کے خفیہ کرتوتوں کے بارے میں واضح بتادیا تھاحالانکہ وہ جان چکا تھاکہ مہاراجہ دلیپ اب اپنے فیصلے سے نہیں بدلے گا۔ مگر نوے سال کے اس بوڑھے نے عتاب شاہی کی پرواہ کیئے بغیر یہاں تک کہہ دیا کہ یہ شخص تو اس قابل بھی نہیں کہ اسے فوج کا سپہ سالار بنایا جائے۔ دراصل سری ناتھ راجپوتوں کا شیدائی تھااور چاہتا تھاکہ سلطنت سدا قائم رہے اسی خاطر جان کی پرواہ کیئے بغیر جو بات بھی راجدھانی کیلئے بہتر ہوتی بغیر لگی لپٹی کے بادشاہ سے عرض کردیتا۔ مگر آداب سلطنت کو ملحوظ خاطر رکھتا۔ بھگت کی تخت نشینی کے بعد سلطنت زوال کی جانب تیزی سے گامزن تھی مگر ابھی تک شاہی فوج کی کمان پریم چند کے ہاتھوں میں تھی اسی بناء پر فوج پر میں بھی واجد علی شاہ جیسی فوج کی رعنائیاں نہ تھیں۔ البتہ بادشاہ کی بے اعتدالیاں' ناانصافیاں اور پازیب

کی جھنکار سب کچھ ملیامیٹ کرنے پر تلی تھیں۔شاہی فوج ویسے تو بادشاہ کے ہر حکم کی پابند تھی مگر کبھی کبھار شہزادہ پریم چند (سابق ولی عہد) اپنے چھوٹے بھائی (بادشاہ) کے ایسے احکامات کو پس پشت ڈال دیتا جن کے قوی منفی اثرات کا خدشہ ہوتا۔

دن گزرتے گئے اور جتنا پریم چند اور سری ناتھ قریب ہوئے اتنا ہی مہاراجہ ان سے دور ہوتا گیا۔ان کے قرب کا واحد مقصد راجپوت سلطنت کی بگڑتی ہوئی حالت کو سنوارنا تھا‘مگر رنگین مزاج شاہ پرست ان خشک مزاج بندگانِ خدا سے متنفر ہو چکے تھے‘وہ انکی ہر حرکت کو اپنے سینے پر مونگ دلنے کے مترادف گردانتے اور بادشاہ کے کان بھرتے ۔کون سی جگہ ہے جہاں خوشامد نے بربادی نہ مچائی ہو‘دنیاوی اموریں کونسا مقام ہے جہاں اسکی نہ چلی ہو۔مگر اسکا انجام ہمیشہ عبرتناک رہاہے۔ہوایوں کے بادشاہ راؤ بھگت نے پریم چند اور ریاست کے پرانے اور مخلص نمک خوار رانا سری ناتھ کو معزول کرکے انصاف کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے براہ راست فوج کی باگ ڈور سنبھال لی۔شہنایوں پر فریفتہ‘رقص وسرورکے رسیا اور شراب کے عادی اب افسران فوج بننے لگے ۔وہ مہمات پر جاتے ہوئے بھی اپنی محفل کے چیدہ چیدہ افراد لے جاتے ۔مہاراجہ اپنی عقل پر اتنے نازاں تھے کے سری ناتھ کی جگہ مشیر خاص رکھنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی۔نصیب اس قدر برے نکلے کے ایک دن بڑی عبادت گاہ کے عالم سے مذہبی معاملات پر اُلجھ بیٹھے اور ان سے توہین آمیز سلوک کیا۔عالم نے عبادت گاہ میں جاکر منادی کرادی کے بادشاہ کے خلاف چھاپہ مار فوج تیار کی جائے یہ لامذہب ہوگیاہے۔شاہ پرست مصاحب بھی چونکہ مذہب سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتے

تھے ٗبادشاہ سے کھچے کھچے رہے لیکن لالچ آنکھوں پرپٹیاں باندھ دیتا ہے۔دو ٗچار کے سوا سب ہر بات پر جان فدا کرنے لگے۔کہتے ہیں جب چیونٹی کی موت آتی ہے تو اُسے پر لگ جاتے ہیں۔ بھگت نے خانہ ءخدا پرچڑھائی کردی ۔اور یہ اُسکے اقتدار کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔

چند نسل در نسل امراء نے عوامی حمایت کی مہم تیز کردی۔ہمدردی بھی انہیں حاصل ہوئی اور بھگت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔اب بندیلہ خاندان کا داماد سیاہ وسفید کا مالک تھا۔بھگت محل کی خفیہ سرنگ سے فرار ہوگیا۔کافی عرصئہ بعد جب اُسے محسوس ہوایا کروایا گیاکہ ریاست کے عوام اب بھی اُسے اسی طرح چاہتے ہیں ٗانہیں خوش فہمیوں نے اُسے جکڑ کر وطن واپس پہنچایا۔عوام نے خاموش نفرت کااظہار کیا۔عوام کو بھرپور اعتماد تھاکہ بندیلہ حاکم جسونت ملک کے مجرم کوکیفر کردار تک پہنچائے گا۔لیکن نہایت ہی چالاکی سے ایساماحول بنایاگیاکہ بےگناہ انسانوں کے قاتل ٗلادین ٗعزت کے بیوپاری ٗعبادت گاہ کے مجرم ٗارمانوں کے قاتل شخص کوریاست کی ملکیت محل نما قلعہ میں محصور کیاگیا۔عوامی ردعمل سے محفوظ رکھنے کی خاطر جیل سے زائد گارڈ دیئے گئے۔اور سری ناتھ ٗ پریم چنداورآنکھ رکھنے والے لوگ سوچتے رہ گئے کہ مہاراجہ جسونت کیاسے کیاہوگئے اور ایک قیدی کو سلطان جیساپروٹوکول مل گیا۔

نزع کی آخری ہچکی کو ذرا غور سے سُن

شاعر نے کہا تھا

نزع کی آخری ہچکی کو ذرا غور سے سن

زندگی بھر کا خلاصہ اسی آواز میں ہے

نزع کی حالت اب اُسے ہی معلوم ہے جو اس میں سے گزرا ہو۔اور حقیقی حالت نزع سے گزر جانے والا واپس نہیں آیا کرتا ورنہ اگر اُسے آنے دیا جائے تو زندگی کی رمق باقی نہ رہے۔کیونکہ ہدف تبدیل ہونے کے بعد نظریات بدل جاتے ہیں۔پھول کی خواہش رکھنے والا سچا شخص کانٹوں کی پرواہ نہیں کرتا۔لیکن پھر نجانے کیوں ہم بھول جاتے ہیں کہ جس طرح زندگی گزارے بغیر اس کو سمجھنا دشوار ہے تو پھر موت کے مرحلے کو جان دیئے بنا کیسے سمجھا جاسکتا ہے۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ پیش بندی کی جاسکتی ہے کہ موت کے بعد آنے والے مراحل کی اپنے عقائد کے مطابق تیاری کرلی جائے 'خدا کو 'بھگوان کو یا خداوند کو راضی کرلیا جائے۔لیکن یاد رہے اِن میں سچا اور سُچا ایک ہی ہوگا۔لیکن اِن تمام مذاہب کی مشترک باتوں کو دیکھ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کوئی بھی دین برائی 'حرص 'بے گناہ قتل 'غیبت 'ناانصافی اور لالچ کا درس نہیں دیتا۔بلکہ تمام ادیان زنا سے بچنے 'سخاوت 'خدمتِ خلق اور محبت کا درس دیتے ہیں۔تو اب جو زندگی ہے وہ انھیں باتوں کے گرد گھومتی ہے۔سماج جو ہے وہ یہی ہے۔

آپ غور کر لیجیۓ ،محض قانون یا عدالتیں انصاف فراہم نہیں کرتیں ،معاشرے ہی انصاف کے آئینے آویزاں کریں تو بات بنتی ہے۔آپ تاریخ کنگھال لیں اور بڑے شوق سے انگھال بھی لیں تو آپ کو ایسا بادشاہ نظر نہیں آئے گا جو تمام تر بری رعایاکے باوجود انصاف کی لوٹ سیل لگائے رہا ہو۔اجتماعی طور پر بے شعوری کے سمندر میں غوطہ لگاتے ہر معاشرے کے ، ہر شعبہ زندگی کا شخص دوسرے کو مُوردِالزام ٹھہراتا ہے۔عدالتیں انصاف پر مبنی فیصلے دے بھی دیں تو مکمل انصاف نظر نہیں آئے گا ہر گز نہیں آئے گا۔وگرنہ جہاں سماج کا رخ درست سمت ہو تو وہاں کے لوگ قاضی ،جج ،منصفی کے حکم کے بعد بددیانت ،جھوٹے اور دغاباز شخص کا ساتھ نہیں دیتے۔حق کی سربلندی کی خاطر معاشرے کا انصاف سے گہرا تعلق ہونا ضروری ہے نہ کہ کسی خاص مذہب یا فرقے سے۔آپ کو بات ناگوار گزری ہو تو میری طرح گریبان میں جھانک لیجیۓ سب عیاں ہو جائے گا۔

ذرا رکیۓ اب مغرب کی جانب نظر دوڑائیں۔تو آپ کو اہل مغرب کے ہاں چھوٹے پیمانے پر انصاف نظر آئے گا۔اس لیۓ لوگ وہاں کا رُخ کرتے ہیں۔انکے انسانی حقوق تو اپنے تک ہی محدود ہیں۔ڈرون مسلمانوں ہی کا خانہ برباد کرتے ہیں لیکن ایک لمحہ کیلیۓ غور کیجیۓ کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اگر آج بھی ویزہ ملے تو مسلمان دوڑ کر وہاں جائیں گے۔جائز اجرت ہے وہاں ،وزیر مشیر لاکھوں نہیں اُڑاتے ،وہ

شراب پیتے ہیں (جو ہمارے نزدیک حرام ہے) لیکن وہ مزدور کا خون نہیں پیتے (جو ہمارے معاشرے میں خوش پوش طبقہ کا محبوب ترین مشروب ہے)۔جب تک انصاف دہلیز پر میسر نہیں ہوگا' زندگی ڈھنگ سے نہیں گزرے گی۔ عدالتیں فیصلے کرتی ہیں اور آج کے سیاستدان عوام کے مزاج کو دیکھ کر اُن پر عمل درآمد کراتے ہیں۔اگر مشیت ایزدی شامل ہو تو عوام کے سیلاب کے آگے یہ عیش پرست لوگ ٹھہر نہیں سکتے۔تو سمجھ لیجئے اگر ہم ٹھیک ہوگئے تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔

پہلے آپ اپنے آپ کو اخلاقیات میں ڈھال لیں پھر آپ جو چاہیں مذہب' فقہ ومسلک اختیار کریں آپ کو انصاف ملے گا۔ہاں اگر مسلمان ہیں تو یاد رہے قرآن میں ارشاد ربانی ہے (مفہوم) "اے مسلمانو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔تو ایک بہترین انسان ہی ایک اچھا مسلمان بن سکتا ہے۔لہٰذا ہمیں اصلاح کاآغاز اپنی ذات سے کرنا ہوگا ورنہ علاقائیت 'لسانیت 'قومیت اور مذہبی اور لبرل ازم کی انتہاپسندی کا اژدھاآپ کو نگل جائے گا اور ڈکار بھی نہیں مارے گا۔فرمان رسول ﷺ پر اختتام کرتا ہوں (مفہوم) "مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈساجاسکتا"۔ہم کتنی بار۔۔۔اگر ہم درست نہ ہوئے تو الیکشن 2013 نزع کی آخری ہچکی ثابت ہوسکتا ہے (لہٰذا ہمیں ان اُمیدواروں کو رد کرنا چاہیئے جو ہم سے دھوکہ کرچکے ہوں' چاہے انکا تعلق کسی بھی جماعت سے ہو)۔اور جس کسی نے بھی اب کی بار حکومت میں رہ کر کسی بھی طرح کی کرپشن کی تو قوی امکان ہے کہ وہ 'اُس کی

جماعت اور اسکا مستقبل ہمیشہ کیلئے دفن ہو سکتا ہے۔

شاعر نے کہا تھا

نزع کی آخری ہچکی کو ذرا غور سے سن

زندگی بھر کا خلاصہ اسی آواز میں ہے

نوٹ: کرپٹ اُمیدواروں یا کرپٹ افراد کے گروہوں کو ووٹ دینے والے حضرات بھوک مرنے' رونے سسکنے اور تڑپنے کیلئے ہیں لہٰذا ان پر آج کے بعد کوئی رحم نہیں کیا جائے گا۔ انہیں غربت کی اتھاہ گہرائیوں میں اُلٹا لٹکا کر ان کے جسم پر محبت کے کوڑے مارے جائیں گے جو نیلون اور سلور کی آمیزش سے تیار شدہ ہوں گے' انکی عزت نفس کو پامال کیا جائے گا کیونکہ اگر ان میں حمیت ہوتی تو ہمیں ووٹ ہی کیوں دیتے؟؟؟؟۔ المشتہر: آپ کی اپنی کرپٹ سیاسی مافیا۔ تاریخ: 14 مئی 2013

اے اہل وطن سنو

یاد رکھیئے گندگی کے ڈھیر پر یا گٹر میں گر جانا اتنا معیوب نہیں ہے جتنا گر کر اُس میں پڑے رہنے کو ترجیح دینا۔ میں حیران ہوں کے مجموعی طور پر تو انسان نفاست پسند ہے لیکن نجانے کیوں بداخلاقی سے اسے گھن کیوں نہیں آتی۔

الیکشن 2013 کا صبر آزما دور گزر گیا۔ مسلم لیگ ن بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ پی پی پی دوسرے اور پی ٹی آئی تیسرے نمبر پر رہی۔ الیکشن کے ہونے تک تو دونوں اطراف کے کارکنان ایک دوسرے کو حریف خیال کرتے رہے اور سوشل میڈیا پر ایک دوسرے کے قائدین کے خلاف نازیبا الفاظ بھی تواتر سے استعمال کیئے گئے۔ اُمید تھی کے الیکشن کے بعد یہ صورتحال درجہ بدرجہ کم ہوتی جائے گی لیکن کوئی خاص کمی دیکھنے میں نہیں آئی۔ سب سے زیادہ افسوس اُسوقت ہوتا ہے جب کوئی پڑھالکھا شخص اخلاق سے گری ہوئی حرکات وسکنات کو اپنا شیوہ بنالیتا ہے۔

موبائل میسجنگ ہو، فیس بک یا کسی بھی طور سے عوامی رابطہ کے ذرائع، الیکشن مہم میں وہی گھسی پٹی اور الزام درالزام کی فضا رہی۔ حتیٰ کے بعض نوجوان تو

اس حد تک چلے گئے کے ملک کے نامور کالم نگاروں کے نام سے آئی ڈی بنا کر غلط کرتے رہے ۔کیا ایسے ہتھکنڈے استعمال کر کے ہم اکیسویں صدی میں upload تحریریں بھی اپنے آپ کو عالی ذہن شمار کرتے ہیں ؟گزشتہ روز فیس بک پر ایک معروف کالم نگار کی تصویر کے ساتھ ایک تحریر پیش کی گئی جس میں پنجاب کے ایک حلقے میں دھاندلی کا ذکر تھا۔جب تحقیق کی تو بات غلط ثابت ہوئی۔ فیس بک پر نوجوانو کو سمجھانے کی سعی ناکام دہراتا رہتا ہوں'لیکن بے سود۔کیا آپ کسی پر بہتان تراشی کر کے اپنی شکست کو بدل سکتے ہیں ؟ہر گز نہیں۔لیکن دوسری جانب فتح یاب بھائی بھی کبھی تو بالغ نظری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کبھی شکست خوردہ کو تند و تیز الفاظ سے چھلنی کر کے اپنے مقام میں خود کمی کرتے ہیں۔اے اہل وطن سنو! ہم پہلے مسلمان اور پاکستانی ہیں پھر کسی پارٹی کے رکن یا سنی 'دیوبندی ۔اور جہاں تک اقلیت کا تعلق ہے انکے حقوق کا خیال رکھنا مسلمان ہونکے ناطے ہماری اولین ترجیح ہونی چاہیئے ۔

میاں صاحب نے تمام جماعتوں کو مذاکرات کی دعوت دیکر اور برا بھلا کہنے والوں کو معاف کر کے جس بردباری کا مظاہرہ کیا ہے اس سے جمہوریت مضبوط اور ملک میں استحکام آئے گا۔خان صاحب کی عیادت اخلاقی برتری ہے اسے پورے خلوص کے ساتھ ہر معاملے میں جاری رکھنا چاہیئے ۔بھارت سے مراسم بڑھانے کیلئے ملک کے تمام ستونوں اور عوامی تائید و حمایت لازم ہے ورنہ ایجی ٹیشن میں اضافہ

ہوگا اور عوام پرأمید ہیں کہ اب کی بار ایسا کوئی اقدام نہ اُٹھایا جائے گا جس سے جمہوریت کو نقصان کا اندیشہ ہو۔

وزیروں کی تعداد میں کمی سے معیشت پر لدے بوجھ میں یقینا کمی آئے گی۔ لیکن اتنا عرض کرتا چلوں کہ اگر تحریک انصاف کو خیبر پختونخواہ میں حکومت نہ بنانے دی گئی تو ممکن ہے اس سے تلخیوں میں اضافہ ہو۔ اور تحریک انصاف سے بھی یہی اُمید ہے کہ وہ الیکشن مہم کی فضا سے نکل کر اپوزیشن میں مثبت کردار ادا کرے گی اور یہی عنصر ہی ملک و قوم کے مفاد میں ہے۔ تنقید برائے تنقید کے بجائے اگر حکومت کی مثبت پالیسیوں پر اپوزیشن نے داد دی اور منفی پالیسیوں پر تنقید برائے اصلاح کی تو ملک کے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

تمام پارٹیوں کو چاہیئے کے اپنے کارکنوں کو پرامن رہنے کی سختی سے تلقین کریں۔ اور الیکشن نتائج پر صبر و تحمل سے کام لیں۔ دھرنا اور احتجاج آپ کا حق ہے اسے وسیع تر ملکی مفاد میں مثبت انداز سے استعمال کیجیئے۔ تبدیلی ضرور آئے گی۔ تھانہ کلچر اور پٹواری کی ثقافت بھی بدل سکتی ہے اگر اخلاص سے کام لیا جائے۔ ملک مزید انتشار کا متحمل ہر گز نہیں ہو سکتا۔

یاد رکھیئے گندگی کے ڈھیر پر یا گٹر میں گر جانا اتنا معیوب نہیں ہے

جتنا گر کر اُس میں پڑے رہنے کو ترجیح دینا۔ میں حیران ہوں کے مجموعی طور پر تو انسان
نفاست پسند ہے لیکن نجانے کیوں بداخلاقی سے اسے گھن کیوں نہیں آتی۔

منزل اسکی منتظر ہے

انسان کی توقعات کا محور جب بھی انسان ہوگا توشکست وریخت اسکا مقدر ہوگی۔ ناامیدی ٗ بے کیف زندگی اور بوجھل قلب اس کا اثاثہ ٹھہرے گا۔

اکثر لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ فلاں تو بہت برا نکلا۔ فلاں نے نقاب اوڑھ رکھا تھا ٗ فلاں شخص کے لہجے پر حیرت ہوئی۔ خدا کے بندوں بے عیب ذات صرف مالک کائنات کی ہے۔ اور معصوم فقط انبیاء۔ خامی انسان کی سرشت میں شامل ہے وہ کبھی کامل ہو ہی نہیں سکتا معدودے ان چند لوگوں کے جنہیں رب نے نوازا ہو۔

میرے ہم وطن ٗ ہمسایہ ممالک اور کم وبیش دنیا کے تمام افراد کبھی کسی ایک شخص سے سلطنت کی ترقی وبقاء کی اُمید باندھ لیتے ہیں تو کبھی دوسرے سے اور شاذونادر ہی کوئی انکی توقع کہ مطابق پورا اُترا ہو۔ نجانے کیوں ہم ہر بار منہ کی کھانے کہ باوجود آفاقی ادیان ہی کو کیوں جھٹلاتے رہتے ہیں۔ ہم سے تو اچھے پھر کارل مارکس کی شخصیت کے آگے سجدہ ریز ہونے والے متعقد ہیں جنھوں نے اپنے قائد کے حکم کے مطابق عمل کیا ۔اور آج بھی سرگرم عمل ہیں اور کارل مارکس کے ہی بنائے ہوئے نظام میں بقاء ڈھونڈتے ہیں۔ ہم نے تو چند ٹکوں کی

خاطر جہاد جیسے نیک فریضہ کو دہشت گردی کا روپ دے رکھا ہے اور الزام سارے کا سارا غیر کے سر تھوپتے نہیں تھکتے۔ معاملہ ایک ہی ہے کہ کیمونسٹ کی توقع کارل مارکس سے نہیں ہٹی' جب کہ ہم آفاقی ادیان کے پیروکار ہونے کے باوجود اس سے عملاً انکار کرتے ہیں۔ ہماری امیدوں کا محور مادی اشیاء ہیں۔ ہم علت اور معلول کے فلسفہ ہی میں پھنسے ہیں اور اُسوقت تک دھنسے رہیں گے جب تک ہماری اُمیدوں کے ڈانڈے ساتویں آسمان پر موجود خالق ارض وسماء سے پکے نہیں بندھ جاتے۔

ہم اس لمحے تک کبھی جمہوریت' کبھی بادشاہت' کبھی سرمایہ دارانہ اور کبھی جاگیردارانہ نظام کی چکی میں پستے رہیں گے۔

فرانس کا خونی انقلاب ایک نپولین لے آیا جس نے یورپ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ سرمایہ دارانہ نظام سے امید رکھنے والوں نے ہٹلر کو توچل دیا لیکن اب تمام دنیاوی اشیاء سے لیس گھروندے میں ایسے رہ رہے ہیں جیسے زندگی ہی کسی سے لیز پر حاصل کی ہو۔ مشرق کے لوگوں کے دیدے کھلے رہ جاتے ہیں جب وہ مغرب میں جمہوریت کو دیکھتے ہیں لیکن وہاں کی کسک' ہوک' اور شکستہ دل محض آنکھ رکھنے والوں کو نظر آتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ کیسے ایک مخصوص طبقہ یاخاندان پوری کائنات کے وسائل پر قابض ہے' انہیں علم ہے کہ وال سٹریٹ صرف معیشت کے بازار

میں نہیں بلکہ عبادت خانوں میں بھی راج کر رہی ہے' اسکا کوئی عقیدہ ومذہب نہیں یہ ہوس ہے بس ہوس' انسانی خون کی دشمن' چار آسمانی کتابوں کی حریف۔کیسے ممکن ہے کہ جب انسان کے ہاتھوں میں قانون بنانے کی اجازت دی جائے اور وہ انسان اپنا مفاد ملحوظ خاطر نہ رکھے۔سادہ لوح عوام کو تو چکمہ دیا جاسکتا ہے کہ "عوام کی حکومت ہے" لیکن اہل نظر کی آنکھوں کو کون خیرہ کرے گا؟ یہ جمہوریت کا عفریت شاید سزا ہو اس خطاء کی جب انسان نے خدا کو اقتدار اعلی سے بے دخل کرنا چاہا۔وہ زلزلہ پروف مکان تو بناء سکتا ہے' فالٹ لائن سے کوسوں دور محلات تو تعمیر کر سکتا ہے لیکن ذرا سوچ کہ زلزلہ کیوں نہیں روک سکتا؟انسان سمندری طوفان کے وجوہ اور آمد کا تعین کر سکتا ہے لیکن اس کی روک تھام کیوں نہیں کرلیتا؟ وہ یہ سب کچھ کر کہ اپنی عقل سے توقع رکھتا ہے اور یہ سوچنے کی توفیق اسے نہیں ملتی کہ عقل اسے کس نے عطاء کی۔اپنی عقل پر نازاں لوگ نجانے کیوں پاگلوں میں فعال دماغ کیوں نہیں رکھ دیتے؟؟کاش انسان مادی اشیاء سے توقعات ہٹالے تو منزل اسکی منتظر ہے۔

انسان کی توقعات کا محور جب بھی انسان ہوگا' شکست وریخت اسکا مقدر ہوگی۔ناامیدی بے کیف زندگی اور بوجھل قلب اس کا اثاثہ ٹھہرے گا۔'

کیا ہم اُمید کر سکتے ہیں؟؟

جب تلک ایک قوم کا تصور نہیں اُبھرے گا ہم ٹیلے کے ذروں کی مانند بس اُسوقت یکجا رہیں گے جب تک کے کوئی آندھی' کوئی طوفان نہیں آجاتا۔ بعد از طوفان ہم ٹیلے سے ذروں کے چھوٹے چھوٹے ڈھیروں میں بدل جائیں گے (خدانہ کرے)۔
ہے کوئی جو اپنے مفادات سے بالاتر ہو کر کراچی کی سلگتی آگ کو ٹھنڈا کرے۔ ہے کوئی جو فقہ وفرقہ کے بطن سے معرض وجود میں آئے فتنہ وفساد کو محبت کے گلستان میں بدل سکے۔ ہے کوئی جو بلوچستان میں موجود غیر ملکی سرگرمیوں کو طشت ازبام کر سکے۔ کیا سب اپنی اپنی نوکری بچائے ہوئے ہیں؟ کیا سیاسی مفادات ملکی مفادات سے زیادہ اہم ہیں؟ کیا ہم سب کو موت نہیں آنی؟ جب آنی ہے تو ڈر کس بات کا؟ کیا ہم اب بھی جمہوریت اور آمریت کے لغوی واصطلاحی معنوں سے محظوظ ہوتے رہیں گے یا قوم تک ثمرات بھی پہنچنے دیں گے؟
اخباریں کہتی ہیں کہ قومی حکومت وجود میں آرہی ہے۔ گو کہ یہ بات خوش آئند ہے کہ ایک پارٹی کو کم وبیش مرکز میں حکومت سازی کیلئے کوئی مسئلہ درپیش نہیں اور وہ اگلے الیکشن میں گلہ نہ کرسکے گی کہ ہم بیساکھیوں پر کھڑے

تھے 'لیکن آنکھیں بند کر لینے سے بلی کے حملے سے نہیں بچا جا سکتا۔ کیا ہم نے پنجابی سندھی 'بلوچی 'شیعہ 'سنی 'دیوبندی بن کر ووٹ نہیں دیا؟؟ آپ ارکان اسمبلی کی' فہرست اُٹھالیں تو حیران ہوں گے کے چالیس سے پچاس فیصد ووٹ (مبادا کہ شرح زائد یا کچھ کم ہو)۔برادری اور فرقہ بندی کی بنیاد پر دیا گیا؟ تو پھر آپ ایک قوم کیسے ہو گئے؟ آپ تو کہتے ہیں ہماری دوستی بھارت سے نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم دو قومی نظریہ کی بنیاد پر الگ ہوئے ۔ لیکن زمینی حقائق بتا رہے ہیں کہ ہم سب کلمہ پڑھنے کے باوجود رنگ ونسل کے ایک مخصوص حصار سے نکل نہیں پائے۔اور جو نکلے وہ جماعتی حصار میں مقید ہو کر رہ گئے' کوئی پی ٹی آئی کا جیالا ہے تو کوئی ن لیگ اور پی پی کا رکھوالا۔ لگاؤ سے انکار ممکن نہیں لیکن الیکشن کے بعد عوام کو صرف ملک کا متوالا ہونا چاہیئے لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے۔سب کا اپنا اپنا سچ اور اپنا اپنا حق ہے۔ہر گروہ کلمہ گو اور پاکستانی ہونے کے باوجود دوسرے کو قابل گردن زدنی قرار دیتا ہے۔دوسرے کو برداشت کرنے کا کتنا پیارا انداز اسلام نے ہمیں سکھایا (مفہوم) "کافروں کے جھوٹے خدا کو جھوٹا مت کہو مبادا کہ وہ تمہارے سچے خدا کو جھوٹا کہیں "۔لیکن لیکن ہم کو تو مقتدر طبقے (سیاسی ودینی) نے شیشے کی مانند توڑ کر کرچیوں میں ایسے بدلا ہے کہ کوئی معجزہ ہی ہمیں اکھٹا کرے تو کرے۔

اب ضرورت اس امر کہ ہے کہ حکمران جماعت اس افواہ کا سختی سے نوٹس لے جس میں

کراچی سے گوادر تک کی پٹی کو جدا کرنے کی بات کی جارہی ہے۔زبانی جمع خرچ بہت ہوچکا'نوٹس بھی بہت ہوئے لیکن عمل تو امراء نے کرنا اور کروانا ہے۔بلوچستان اور کراچی میں موجود غیر ملکی عناصر کا نہ صرف پردہ چاک کیا جائے بلکہ مجرموں کو کٹہرے میں لایا جائے اور ہمارے جن بھائیوں کو ہم سے جدا کرنے کی سعی کی جارہی ہے انکے تحفظات دور کیئے جائیں۔تھانہ کلچر'نوکر شاہی اور سردارانہ نظام کو جڑ سے اُکھاڑنے کیلئے فوری اور موثر اقدامات کیئے جائیں'اچھے پولیس افسران و بیوروکریٹس کے تبادلوں کے بجائے انکی حوصلہ افزائی کی جائے۔ٹیکس چوروں'بھتہ خوروں اور کسی بھی تعصب کی بناء پر عوام کو ورغلانے والے کے لیئے سخت سے سخت سزا نہ صرف مقرر کی جائے بلکہ بلا تخصیص اس پر عمل بھی کروایا جائے۔گو کہ الیکشن کے بعد کی مثبت حکمت عملی کے بعد لوگوں کو میاں صاحب سے بہت سے اُمیدیں بندھ گئی ہیں۔لیکن کیا ہم اُمید کرسکتے ہیں کہ پاکستان کے تمام مسائل کے حل کیلئے میاں صاحب'اپوزیشن اور عوام مثبت کردار ادا کریں گے؟"لفظ عوام"پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ ایک حقیقت ہے کیونکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر عدالت فیصلہ دے تو دوسرا فریق (مجرم) اپنے چاہنے والوں سمیت میدان میں سرتاپا احتجاج بن جاتا ہے۔عوام کو الیکشن کے بعد نیوٹرل ہو کر محض ملکی مفادات کی جنگ کرنا ہوگی ورگرنہ تاریخ کے اوراق پر انکے لیئے بھی کوئی اچھے الفاظ ثبت نہ ہوں گے۔جہاں سیاستدانوں کو رسہ گیر'بے رحم اور آرام پرست لکھا جائے گا وہیں عوام کو بھی مفاد پرست'خائن اور تنگ نظر کہنے

سے مورخ کو کوئی نہ روک سکے گا۔

جب تلک ایک قوم کا تصور نہیں اُبھرے گا ہم ٹیلے کے ذروں کی مانند بس اُسوقت یکجا رہیں گے جب تک کے کوئی آندھی، کوئی طوفان نہیں آ جاتا۔ بعد از طوفان ہم ٹیلے سے ذروں کے چھوٹے چھوٹے ڈھیروں میں بدل جائیں گے (خدانہ کرے)۔

دل ہمہ داغ داغ شد' پنبہ کجا کجا نہم

خدا کرے یہ دور تاریخی موثر ثابت ہو اور اسکی راہ میں کوئی پتھر' کوئی ڈنڈا' بندوق' چپل 'روبوٹ اور کھیڑی یا بوٹ نہ آئیں۔ شنید ہے کہ ہم اقتدار سے اقدار کی جانب بڑھ رہے ہیں مولا کرے کہ یہ سب خلوص کہ ساتھ مثبت انداز میں جاری رہے۔

اسباب و عوارض وہی تھے جو دائیں بازو کی سرجری کے دوران سامنے آئے تھے لیکن اب کی بار مرض کو مرض عشق نہیں بننے دیا گیا۔اور یہی وہ عمل ہے جس کی تعریف ہر دوست و دشمن کر رہا ہے۔اور کیوں نہ کی جائے کہ تاریخ گواہ ہے کہ بلوچستان میں ہمیشہ سرداروں کی حکمرانی رہی۔اور ایک روایتی سردار عوام کا کتنا خیر خواہ ہو سکتا ہے اسکا اندازہ بلوچ بھائیوں کی معاشی' سماجی و تعلیمی ترقی سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ کسی وزیراعلی نے خوب کہا تھا کہ "میں بھی نواب اور گورنر بھی نواب' عوام کی خدمت کون کرے؟"۔اب انشاللہ عوام کی خدمت عوام کا نمائندہ ضرور کرے گا۔میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ جناب مالک بلوچ صاحب نیلسن مینڈیلا یا نتیش کمار (ریاست بہار' انڈیا) بن جائیں بلکہ یہ کہوں گا کہ "جناب ایسے بن جائیں کہ مورخ نیلسن صاحب اور نتیش کمار پر آپ کو ترجیح دے"

اور ظاہر ہے کسی سے بہتر بننے کیلئے اسکی ترجیحات اور گورننس کا مطالعہ کریں گے تو اُس سے بڑھ پائیں گے۔اور رہی بات شیر شاہ سوری کی تو منتظم تو وہ بھی کمال کا تھا۔
عبدالمالک بلوچ کا تعلق ضلع کیچ تربت سے ہے۔ عبدالمالک کی جائے پیدائش تربت کاعلاقہ جوسک ہے۔آپ پرائمری سے لے کر میٹرک تک گورنمنٹ سکول تربت میں زیر تعلیم رہے۔تربت کالج سے ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا۔انٹر کی تعلیم کے دوران ہی سیاسی کیریئر کاآغاز کیا۔اور بلوچ سٹوڈنٹ فیڈریشن کے نہایت فعال رکن اور ہراول دستہ میں شامل رہے۔ایم بی بی ایس کی ڈگری کے حصول کیلئے بولان میڈیکل کالج کارخ کیااورانیس سوبیاسی میں اپنے نام کے ساتھ لفظ ڈاکٹرکااضافہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔پھر کراچی کارخ کیااوراسپنرآئی ہسپتال سے ڈپلومہ حاصل کیا۔آنکھوں کی بیماریوں کامداواکیااوراسکے ساتھ ساتھ بلوچ عوام کی پسماندگی دور کرنے کیلئے بھی ان کی آنکھوں سے پردہ ہٹاتے رہے۔بلوچستان نیشنل مومنٹ کے پلیٹ فارم سے پہلی بار رکن اسمبلی منتخب ہوکر 1990تک وزیر صحت کے طورپرخدمات انجام دیں۔1990 سے 1993تک وزیر تعلیم کے عہدے پر فائز رہے' اور حصہ بقدر جثہ تعلیمی پسماندگی دور کرتے رہے۔2003 میں جس وقت بلوچستان نیشنل ڈیموکیٹک اور بلوچستان نیشنل مومنٹ کاانضمام ہوااور ان دونوں کے بطن سے بلوچستان نیشنل پارٹی کاظہور ہواتو بلوچ قوم پرست

رہنماء ڈاکٹر عبدالحی بی این پی کے مرکزی صدر منتخب ہوئے۔ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ میں سینیٹر الیکٹ ہوئے۔2008اور2012کے نیشنل پارٹی کے انتخابات میں2006 کے بعد دیگرے عبدالمالک بلوچ ہی صدر منتخب ہوئے۔گیارہ مئی کو وہ کیچ تربت سے رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے۔یہ وہ علاقہ ہے جہاں سے رومانوی داستان سسی پنوں کے ہیرو کا خمیر اُٹھا۔اور ساتھ ہی یہ کیچ کا ساحلی علاقہ سرداروں کے خون آشام پنجوں سے کافی حد تک دور ہے۔تربت ان علاقوں کا سیاسی مرکز مانا جاتا ہے۔اور یہاں کے نوجوان خوددار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے سیاسی مستقبل اور اپنے حقوق کیلئے جدوجہد کرنے والے ہیں۔جن کی زندہ اور متحرک مثال عبدالمالک بلوچ ہیں۔

یہ پہلے وزیراعلی بلوچستان ہیں جن کا تعلق کسی سردار یا کسی نواب گھرانے سے نہیں ہے۔متوسط طبقے کی موئثر نمائندگی کرنے میں ان کا ایک مقام ہے۔مسلم لیگ ن جو بلوچستان میں حکومت بنانے کی پوزیشن میں تھی اس نے انہیں وزیراعلی نامزد کرکے مسلم لیگ نے ثابت کیا ہے کہ وہ مسلم لیگ (ن) نہیں بلکہ بذات خود معماران پاکستان میں شامل ہو رہی ہے اور ن کے بجائے مسلم لیگ ہے جس کی جڑیں ہر صوبہ میں ہیں اوار سکی ترجیحات میں پورا ملک شامل ہے (خدا کرے یہ عمل جاری رہے) ' مبالغہ نہیں یہ حقیقت ہے کہ اگر اس نے اپنا اقتدار سے اقدار کا سفر جاری رکھا تو وہ دن دور نہیں جب یہ ترکی کی جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی کے ہم پلہ

کہلائے گی۔اور عبدالمالک کی نامزدگی کادوسرا خوشگوار پہلو پختونخواہ پارٹی کے رہنماء محمود خان اچکزئی کی سپورٹ ہے۔ محمود خان اچکزئی نے تمام پاکستانیوں کو پیغام دیاہے کہ وہ جمہوریت'اخوت اور رواداری اپنائیں۔عبدالمالک بلوچ کو چاہیئے کے بلوچوں کی محرومیاں دور کرنے کیساتھ ساتھ پختون بھائیوں میں بڑھتے احساسات کاادراک کرتے ہوئے ان کاتدارک کریں۔کیونکہ "anger is just one letter short of danger" ۔خداان کوثابت قدم رکھے'تکبر سے بچائے اور ان کے راستے ہموار کرے کیونکہ یہ ہمارے اُس صوبے کہ وزیراعلی ہیں جس کے بارے میں اگر کہاجائے"دل ہمہ داغ داغ شد'پنبہ کجا کجا نہم"(دل میں زخم ہی زخم ہیں 'مرحم کہاں کہاں رکھاجائے)توہر گزغلط نہ ہوگا۔این پی کے رہنماء میر حاصل بزنجو کاجملہ استعماری قوتوں کے منہ پر طمانچہ ہے۔جس میں انہوں نے کہاہے کہ ہم ثابت کریں گے کہ بلوچستان پاکستان کااٹوٹ انگ ہے اور صوبہ میں لاپتہ افراداور مسخ شدہ لاشوں کاسلسلہ بند کردیں گے"۔۔انشاللہ۔

خدا کرے یہ دورتاریخی موثر ثابت ہواور اسکی راہ میں کوئی پتھر'کوئی ڈنڈا'بندوق'چپل روبوٹ اور کھیڑی یا بوٹ نہ آئیں۔شنید ہے کہ ہم اقتدار سے اقدار کی جانب بڑھ' رہے ہیں مولاکرے کہ یہ سب خلوص کہ ساتھ مثبت انداز میں جاری رہے۔

امیر دوست بجٹ

طنز ومزاح بھی ادب کا ایک مقدس حصہ ہے اور چونکہ اس حصے کا بہت سا حصہ بے ادب ہوتا ہے اسلیئے ارباب بست وکشاد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ میرے عنوان "امیر دوست بجٹ" کو طنز ومزاح اور غریبوں کے دلوں کی صدا سمجھتے ہوئے پوری قوت سے نظرانداز کردیں جس طرح" ڈرون حملوں "کو گزشتہ حکومت پروقار انداز سے نظر انداز کرتی آئی ہے۔اور شکستہ حکومت کی ڈرون پالیسی یہ ہوتی ہے کہ وہ خود اٹیک کرتی ہے ٗجس طرح پنجابی میں کہتے ہیں (مارا اتے سہی پر مارن نہ دیواں)۔

لیجئے اب کالم شروع ہونے لگا ہے۔جس طرح ہر دور غریبوں کے نام سے شروع ہوتا ہے اوراس دور کا انجام انہیں مزید غریب کیئے دیتا ہے۔ایک صاحب کو دیکھا بجٹ سن کر انکی باچھیں کھلی ہوئی اور ایسے لگتا تھا کہ وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے ٗاستفسار پر انہوں نے بتایا کہ میں گوالا ہوں اور موجودہ بجٹ نے امیروں کی کنڈ لگادی ہے اسی واسطے خوش ہوں ٗایک لمبا سا گھونٹ پانی کا پیا اور بڑے پُر وقار انداز سے پھر راقم سے مخاطب ہوا کہ جناب اب دودھ ہی کی مثال لیجئے : غریب پرور حکومت نے کھلے دودھ پر ٹیکس نہیں لگایا جس کی وجہ سے میرے

کاروبار کو زک پہنچنے کا خدشہ نہیں ۔اور دودھ کے ڈبے کی جو کمپنیاں ہیں وہ امیر لوگوں کی ہیں اُن پر درد دل رکھنے والوں نے سینہ ٹھونک کہ ٹیکس لگایا ہے تو اب بھی ہم خوش نہ ہوں تو کب ہوں گے ؟راقم کو چونکہ بجٹ کی سمجھ نہیں ہے اسلیئے گوالا کہ آگے بولنے کی جراءت نہیں ہوئی حالانکہ دماغ میں بار بار یہ بات ہتھوڑے کی مانند چوٹ لگا رہی تھی کہ چلو کمپنی تو امیر کی ہوتی ہے لیکن ڈبے تو گریب بھی استعمال کرتے ہیں۔جناب لفظ "غریب" کو گریب لکھنا راقم کی عادت ہے کیونکہ گریب جو ہے گریبی کھاتا ہے شکر ہے مولا کا کہ گریبی پر ٹیکس نہیں لگا !لو جی خوش نصیبی۔۔۔

اب شام پڑ چکی تھی لیکن تجسس کی عادت نے گھر کہ بجائے ایک چھپّر نما ہوٹل میں جا کھڑا کیا۔سفیدے کہ سہارے کھڑے ہوٹل کی چھت کانوں کی بنی تھی کانوں کہ اوپر کلی اور کلی کہ اوپر لال مٹی سے لیپ کیا گیا تھا کہ اندر پانی نہ آئے۔لیکن غریب کہ گھروندے برسنے سے انکار کریں یہ انکی سرشت میں ہی شامل نہیں ۔لہٰذا اس میں بھی ٹپ ٹپ ہو رہی تھی ۔قاری کو بتاتا چلوں کہ یہ لفظ "ٹ" پر زبر لگا کر پڑھیئے کیونکہ اگر عام انداز سے پڑھا گیا تو خوف ہے کہ کہیں کوئی اعداد و شمار کا گورکھ دھندہ سمجھنے والے نہ سن لیا تو وہ فٹ سے ہوٹل کہ غریب ملازم کی "ٹپ" پر بھی۔۔۔لگا دے گا' گھبرایئے نہیں لگان لگائے گا ٹیکس نہیں ۔ہوٹل میں چار اشخاص براجمان تھے ۔دو کہ سفید کپڑے' جبکہ ایک نے لال رنگ

کا کرتا اور سفید شلوار اور چوتھے اور آخری شخص کی بات رہنے دیجئے وہ اس ہوٹل کی سیٹھ تھا۔اُن میں سے لال رنگ میں ملبوس شخص جاہلوں کا باپ لگ رہا تھا۔کیونکہ سخت گرمی میں اُس نے مفلر بھی گلے میں لٹکا رکھا تھا اور بھاری بھرکم جوتے بھی اپنے پاؤں کی زینت بنا رکھے تھے۔

اُن تمام اشخاص کی باتیں سننے کیلئے میں اینٹوں کے بنے بینچ پر بیٹھ چکا تھا اور ظاہر ہے کہ مروت بھی کچھ چیز ہوتی ہے۔ایویں تو نہیں بیٹھا رہ سکتا تھا' چائے کا آڈر دینا لازم تھا۔ایک کپ کہہ کر خاموش ہوگیا۔سفید کپڑے والا شخص کہہ رہا تھا کہ اب اُن ساڑھے چھ لاکھ وفاقی ملازمین کا کیا بنے گا جنکی تنخواہ نہیں بڑھائی گئی۔بیچ میں ہوٹل والے نے لقمہ دیا ابے ناشکرے میں بھی تو ہوں جو سو پچاس پر گزارا کرتا ہوں۔اب ظاہر سی بات ہے لال کپڑوں والا کیسے چپ رہ سکتا تھا اُس نے اپنے دائیں بازو سے سامنے کے بال سنوارے چائے کا ایک چھوٹا سا گھونٹ اندر انڈیلا اور پھرتی سے بولا"تو پھر تم سب اپنا حق کیلئے' جدوجہد ٹھیک سے کیوں نہیں کرتے 'جو عمارت تم بناتے ہو اُس کی صرف مزدوری ہی تمہارا حق نہیں بلکہ اس میں تمہارا شیئر بھی ہونا چاہیئے 'جان تم گھولتے ہو اور فائدہ اے سی کمرے میں بیٹھا ہو شخص اُٹھاتا ہے 'آخر کیوں؟کب تک؟"اب لال کپڑوں والے شخص کو جو میں نالائق سمجھ بیٹھا تھا یہ میری غلط فہمی نکلی جیسے پچھلے پینسٹھ برس سے عوام کی اتنی غلط فہمیاں نکلی ہیں کہ بس اب تو جان ہی

نکلے تو نکلے ۔یہی باتیں سوچ رہا تھا کہ لال بھائی غرایا"کارل مارکس کہتا ہے غریبوں تمہارے پاس کھونے کیلیئے کچھ نہیں اور پانے کو سارا جہان پڑا ہے"۔میں یک دم ششدہ رہ گیا کہ میراثی کا لباس پہنے والا مسخرہ نما شخص دلائل میں بھاری ہوتا جا رہا تھا۔میں کارل مارکس کا تو متعقد ہر گز نہیں لیکن وسعت نظری کی بناء پر لال شخص سے مرعوب بھی ہوا اور شرمندہ بھی کہ کسی کہ بارے میں پہلے ہی سے غلط خاکہ نہیں بنالینا چاہیئے اور کسی کو جانچنے کا پیمانہ اسکے ظاہر سے ہر گز نہیں لگانا چاہیئے ۔مولانا روم فرماتے ہیں:

نور باید پاک از تقلید وعول

تا شناسا مرد را بے فعل وقول

(کسی کو پہچاننے کیلیئے نور قلبی درکار ہے'جس کے توسط سے گفت وشنید اور ظاہری افعال کو دیکھے بنا انسان کے اصل سے واقفیت ممکن ہے۔شاید کپتان کی جماعت کے کارکنوں کو بھی اس شعر کی ضرورت ہے کیونکہ جو سلوک جاوید ہاشمی سے ہوا اس کا قلق ہر خاص وعام کو ہے اور معذرت کے ساتھ کپتان سے بھی گزارش ہے کہ مثنوی رومی ضرور پڑھیئے ویسے اگر میاں صاحب بھی پڑھ لیں تو میری طرف سے کوئی پابندی نہیں)۔

وہاں سے کوچ کیا تو راستے میں کئی باتیں سننے کو ملیں کوئی کہہ رہا تھا میر کی

the beauty گاڑی پر لگان نہیں' کوئی کہہ رہا تھا کہ ارباب اختیار کو مضمون پڑھ لیتے تو میک اپ کا سامان ستانہ کرتے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ میں industry سوچنے لگا کہ کہیں غریب مر تو نہیں جائے گا؟ تو فوراً ایک بھاری آواز کان میں گونجی" غریب مرے گا نہیں مر مر کے جیئے گا"۔ میاں صاحب کی سیاسی بصیرت اور ملکی حالات کے فہم وادراک سے انکار نہیں لیکن بجٹ بھی تو ایک ناقابل تردید حقیقت ہے بلکہ معاف کیجئے گا شاید ڈراؤنی حقیقت۔پُر اُمید ہوں کہ بجٹ پر نظرثانی کی جائے گی۔اور قارئین سے گزارش ہے کہ میری اُمیدوں پر نہ جائیے گا مجھے تو بجٹ سے بھی اُمید تھی کہ غریب دوست ہو گا لیکن یہ ایک امیر دوست بجٹ ہے۔

مولانا روم نے ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ تو نیچے رہ میں امرود توڑ کر پھینکتی ہوں۔ جیسے ہی وہ درخت کہ اوپر پہنچی امرود تو پھینکے ہی لیکن ساتھ ہی واویلا کرنے لگی اور اپنے خاوند سے سختی سے مخاطب ہوئی کہ تو بدکاری کر رہا ہے۔خاوند نے کہا ایسا کچھ نہیں ہے تو مکار عورت نے جواب دیا میں نیچے آتی ہوں توامرود توڑ کر دے۔ خاوند نے جیسے ہی امرود کے درخت پر چڑھا تو اُس عورت نے اپنے آشنا کو بلا کر دنیا کا مذموم ترین فعل شروع کر دیا۔خاوند چلایا کہ یہ کیا ہو رہا ہے جواباً عورت نے کہا یہ اس پیڑ کا اثر ہے کہ جو بھی اوپر جاتا ہے وہ ایسے سمجھتا ہے کہ نیچے والا بدکاری کر رہا ہے۔اس حکایت سے تین باتیں اخذ کی ہیں۔ اول ممکن ہے اگر گزشتہ امراء حکومت وقت پر چلائے

تو وہ اسی عورت والا جواب دے گی۔دوم: بجٹ ایک ایسا گورکھ دھندہ ہے جس میں خاوند کی طرح عوام کو چکمہ دیا جاتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں
۔سوم: اگر اپوزیشن متحد نہ ہوئی تو حکومت کی غلطیاں بڑھتی جائیں گی اور عوام کا نقصان ہوگا۔یہ بات نہ ہی موجودہ حکومت کے اگلے الیکشن کیلئے بہتر ہے اور نہ ہی عوام کیلئے
۔عوام تب ہی بچ سکتے ہیں جب اپوزیشن مفاہمت کے درخت پر نہ چڑھے۔جنہیں بُرا لگے وہ اپنا تئیں درست فرمالیں۔یعنی حکایت کو بدل دیں 'حقیقت تو نہیں بدلا کرتی۔
طنز ومزاح بھی ادب کا ایک مقدس حصہ ہے اورچونکہ اس حصے کا بہت سا حصہ بے ادب ہوتا ہے اسلیئے ارباب بست وکشاد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ میرے عنوان "امیر دوست بجٹ" کو طنزومزاح اور غریبوں کے دلوں کی صدا سمجھتے ہوئے پوری قوت سے نظرانداز کردیں جس طرح" ڈرون حملوں "کو گزشتہ حکومت پروقار انداز سے نظرانداز کرتی آئی ہے۔اور رہ گئی بات شکستہ حکومت کی تو اُس کی ڈرون پالیسی یہ ہوتی ہے کہ وہ خود اٹیک کرتی ہے'جس طرح پنجابی میں کہتے ہیں (ماراں تے سہی پر مارن نہ دیواں)
۔

ترکی کے کچھ حقائق

مینڈک کی مانند کنوئیں کو ہی ساری دنیا کہنے والے آج تک مخالف رائے رکھنے والے کو دشمن گردانتے ہیں ۔زہر آلود لہجے میں گفتگو کرتے ہیں اور اپنے
لہجوں ٗ چہروں ٗ اور الفاظ پر نقاب چڑھائے رکھتے ہیں ٗ منافقت کا ٗ دورنگی کا۔
ترکی کو اتاترک نے کیا دیا یہ تاریخ کے جنگل میں محفوظ ہے۔لیکن اردگان نے کیادیا یہ سب کچھ آنکھ سے دیتے ہوئے بھی چند لوگ نہیں مانتے ۔ایک صاحب نے جن کے مخصوص انداز بیاں سے مجھے انس بھی ہے اور اُن کی رائے اور صحافتی مرتبے کا احترام بھی کرتا ہوں ٗلیکن انہوں نے بلی کے سامنے موجود کبوتر کی مانند آنکھیں بند کرتے ہوئے متاسف لہجے میں نہایت کثیف بات کی (انکی لطیف باتیں بھی بہت ہوتی ہیں مگر یہ۔۔) ٗکہتے ہیں کہ ترکوں سے اُن کی شناخت چھینی جارہی ہے۔یعنی اتاترک کی پالیسیاں کالعدم قرار دینے سے ترکی کی عوام میں غیض وغضب کی لہردوڑ گئ ہے۔جبکہ حقیقت اسکے برعکس ہے۔سانحہ کے اصل محرکات کاغیر جانبدارانہ تجزیہ کیاجائے تو یہ بات کھل کہ سامنے آتی ہے کہ ترکی کا وہ پوش طبقہ جو سیکولر ہے اپنی لادینیت کے گرد مضبوط ہوتی زنجیروں سے

پریشاں ہیں۔اور ان کے مظاہرے ابھی تک محض آٹھ سے نو ہزار افراد بھی بیک وقت اکھٹے نہیں کرپائے۔یہی وہی طبقہ ہے جس کے نمائندوں نے پہلے ایک نیک نیت وزیراعظم کو تختہ دارتک پہنچایامگراب صورتحال یکسر بدل چکی ہے'شب خون مارنے والوں کے پر جھلس چکے ہیں۔طبیب اردگان نے بیمار ترکی کے جسد میں روح پھونکی اور اب آٹھ کروڑآبادی والے اس ملک میں زرمبادلہ کہ ذخائر 135ارب ڈالرہیں۔ حالیہ رپورٹس کے مطابق اب بھی ترکی کی 55فیصدآبادی اردگان سے محبت کرتی ہے جبکہ الیکشن سے قبل یہ شرح 52فیصد تھی۔۔جبکہ الوائٹ کہ احتجاجی گروہ بہت کم تعداد میں ہیں جنکے پیچھے کئی لامبے لامبے ہاتھ ہیں۔پورے ترکی میں الوائٹ چھ ساڑھے چھ لاکھ کے لگ بھگ ہیں۔الوائٹ مسلمان ہیں یانہیں 'انکا تعلق ایران وپاکستان کے اثناعشری شعیہ لوگوں سے ہے کہ نہیں 'اس بارے میں ایک طویل مضمون درکارہے فی الحال ہم اسی بات پراکتفاکرتے ہیں کہ شام کے بشارالاسد الوائٹ ہیں ۔اورانہوں نے شامی عوام کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔شاید نیروواﻻ محاورہ ان پر صادق آتاہے'کہ شام جل رہاہے اوربشارالاسد بانسری بجارہے ہیں(روم کے بادشاہ نیروپرالزام ہے کہ اس نے محض اپنے شوق تماشاکی خاطر روم کے گھروں کوآگ لگوائی اورجب رومی اورروم جل رہے تھے تو نیرو چین کی بانسری بجارہاتھا'لیکن مجھے یہ کمزورروایت معلوم ہوتی ہے مگر محاورے کااستعمال درست ہے کیا سمجھے)۔

جب طیب اردگاسیاست میں آئے تو چشم دید لوگ بیان کرتے ہیں کہ اسوقت تک ترکی کہ ایک بڑے شہر میں ایک کھیل کھیلا جاتا تھا۔اس یں خواتین ایک مخصوص دائرے کے اندر رہتے ہوئے اپنے جسد خاکی کو لباس کی بندشوں سے آزاد کرواتی تھیں۔اور جس کاانداز سہانا ہوتا وہی چیمپیئن ہوتا۔کیا کوئی آفاقی مذہب اس قبیح فعل کو لائق تحسین قرار دے سکتا ہے؟کیااس قدر لہولعب میں مبتلا معاشرہ تندرست وتوانا کہلانے کا حقدار ہے؟آپ قرآن مجید فرقان حمید' انجیل مقدس 'تورات شریف میں ایسے افراد کی سزائیں اوران سے کنارہ کش رہنے اورانہیں بازرکھنے کی تعلیمات پڑھ سکتے ہیں 'پڑھیئے اور خود فیصلہ کیجئے۔اتاترک کی رائے کس قدر مضبوط اوراچھے نتائج کی حامل تھی؟ اگر جانچنا چاہیں تو اردگان سے پہلے کاترکی دیکھ لیں 'آپ یقیناً کھری اور کھوٹی انتظامیہ کو وکھرا کرلیں گے۔لیکن یاد رہے محترم تعصب کی عینک اتارکے پڑھیئے گا۔

گزشتہ دنوں ترکی میں جو سب سے بڑا مظاہرہ ہوا وہ ترک عوام نے طیب اردگان کے حق میں کیا۔کیا لادینیت کے علمبردار دانشور طیب اردگان کے مخالفین کا اتنا بڑا یا اس کے نصف لوگوں کا اجتماع دکھا سکتے ہیں؟ہرگز نہیں۔ترکی میں حکومت مخالف مظاہروں میں شامل سب سے بڑی تعداد الوائٹ افراد کی ہے۔یہ بشارالاسد کہ ہم عقیدہ لوگ ہیں۔اورانہیں شامی حکومت کی پشت پناہی حاصل

ہے۔اُس شامی حکومت کی جس نے اقتدار کی خاطر اپنے ہی ملک کے کم و بیش 93 ہزار لوگوں کو موت کے اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا۔لاکھوں اپاہج ہو کر حسرت ویاس کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔مزید وہ قوتیں بھی ایسے مظاہروں کو میڈیا وار کے ذریعے بڑھا چڑھا کر پیش کر رہی ہیں جنھیں مسجد میں شراب پینا ایک اخلاقی عمل جبکہ عربی میں اذان دینا اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنا غیر اخلاقی حرکت لگتی ہے۔

نجانے لوگ اپنی ہی رائے کو کیوں دوسروں کی گردن پر تھوپنا چاہتے ہیں 'آزاد منش لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ عقیدے سے زیادہ محبوب شہ کوئی نہیں ہوتی ۔انکی لادینیت کے بھی تو قانون ہیں اور جب وہ اپنی لادینیت کو دانشوری سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہیں تو پھر کسی مذہب کے ماننے والوں کی جان کے دشمن کیوں بنے پھرتے ہیں ۔اہل مذہب بھی تو ایک دائرے اور قانون کے ماتحت ہیں۔المختصر انتہا پسندی لبرال ازم کی ہو یا مذہبی دونوں ہی انسانیت کیلیے تباہ کن اثرات رکھتی ہیں۔لبرل انتہا پسندوں کو دن دگنی رات چگنی ترقی کرتا ترکی ڈوبتا ہوا نظر آ رہا ہے کیونکہ ترکی اپنے دشمنوں کو خوب پہچانتا ہے۔اگر طیب اردگان نے صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑا تو میں سمجھتا ہوں آنے والے دنوں میں ان کے مخالفین کے جو مذموم منصوبے (تمیں جون کے لگ بھگ) ہیں وہ ناکامی کا منہ تکیں گے ۔اور ترکی ترقی کی اوج ثریا تک پہنچ جائے گا۔اِنشاللہ۔

مینڈک کی مانند کنوئیں کو ہی ساری دنیا کہنے والے آج تک مخالف رائے رکھنے والے کو دشمن گردانتے ہیں۔ زہر آلود لہجے میں گفتگو کرتے ہیں اور اپنے لہجوں، چہروں، اور الفاظ پر نقاب چڑھائے رکھتے ہیں، منافقت کا، دورنگی کا۔

زخمی دلوں پر انصاف کا مرہم ؟

خوشیاں غموں کے بعد ملتی ہیں اور غم خوشیوں کے بعد۔ خوشی کسی مادی شہ کا نہیں بلکہ احساس کا نام ہے۔ اگر آپ ہر حال کو آسودہ حال تصور کرلیں تو آپ کو پریشانی نہیں آئے گی۔ آپ کیلئے کسی شہ کو پانے کا نام خوشی ہے تو آپ دینے کی عادت بنالیجئے 'ہمہ وقت خوش رہیں گے۔ وگرنہ میری مانند پریشان رہیں گے۔

بڑی محنت سے دو چار روز اچھی خبریں تلاش کرکے جمع کرتا رہا کہ قارئین کے دلوں کے سکون کیلئے موثر ثابت ہوں گی۔ لیکن ایک ایسی دلخراش خبر سامنے آئی کہ ساری محنت پر پانی پھر گیا۔ کیونکہ چاپلوسی کی عینک لگائے بناء ارض پاک میں لکھنے کیلئے اچھی خبر ڈھونڈنا دشوار ہے۔ مگر مسلم لیگ کے اس ابتدائی دور میں جہاں عوام کو جی ایس ٹی نے رگیدا 'وہیں حکومت نے سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے پر عمل درآمد کرکے ظاہر کیا ہے کہ وہ عدالت کا حکم ماننے میں تامل نہیں کرے گی۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ میں سوچ رہا ہوں کہ حسرت ویاس میں ڈوبی اس خبر کو آپ کے گوش گزار کرنے سے قبل چند اچھی خبریں آپ کے سامنے پیش کروں۔ ٹھٹھہ میں ایک دن میں سات لاکھ پودے لگا کر ہم بھارت کا ریکارڈ توڑ چکے

ہیں۔خبر نمبر: 2 (ویسے رہی بات دو نمبر کی تو کم وبیش ہر جگہ دو نمبر خبر' رپٹ لگ سکتی ہے بس آپ قائداعظم کی تصویر کا بندوبست کیجئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ لال نیلے یا سبز رنگ میں ہو) راوی روڈ لاہور کے سات سالہ حریز اعوان نے مائیکروسوفٹ ٹیکنالوجی کے امتحان میں 78 فیصد نمبر لے کر نیا ریکارڈ بنایا ہے ویسے ریکارڈ تو امراء کے بھی بہت ہوتے ہیں' خادم پنجاب کا حق بنتا ہے کہ وہ اس نایاب بچے سے ملاقات کرکے اسکی خاطر خواہ حوصلہ افزائی کریں (خدا انہیں کامل صحت بخشے' حوصلہ افزائی کا مطلب وہ سمجھتے ہیں)۔راوی روڈ سے یاد آیا پنجابی میں کہتے ہیں "جادھیئے راوی نہ کوئی آوی نہ کوئی جاوی"۔پرانے وقتوں میں شاید سفری صعبتوں اور مصائب کی وجہ سے کہا جاتا ہو لیکن اب تو جی ایس ٹی کے بعد کرائے ہی اتنے بڑھ چکے ہیں کہ بہاول پور کی دھی ستلج بھی جائے تو آنا جانا محال ہو جاتا ہے' پیں جی! (ٹیکس تو رک گیا لیکن اب اشیاء کے ریٹس کون کم کروائے گا)۔خبر 3: حکومت نے ایف بی آر کو ستر اشیاء خوردنی سیلز ٹیکس فہرست سے نکالنے کی ہدایت کردی۔یہ عام آدمی کیلئے ایک اچھی خبر ہے۔کیونکہ پڑول ڈیزل تو وہ پیتا نہیں۔ہاں ویسے لفظ ہدایت بڑی توجہ کا حامل ہے ۔ہدایت کسی کسی کو ملتی ہے۔کسی کو چوٹ کھانے کے بعد۔ تبھی تو کہتے ہیں: آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا (چلو اقتدار ملے نہ ملے کھجور تو کھائے گا نہ)۔لیجئے ہم اپنی استعداد کے مطابق دو چار دن میں اتنی ہی اچھی خبریں اکٹھی کرپائے تھے کہ ایم کیو ایم کے ساجد قریشی اور انکے بیٹے کے قتل کی خبر ملی

نجانے کون ہے جو کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا'اب ہمارا حق ہے کہ ہم بھی کسی کو' خاطر میں ناں لائیں'ناخلف اولاد کو عاق کر دینا چاہیئے۔اب دیکھیں ناں خود ایم کیوایم والے اقتدار میں رہ کر محفوظ نہیں۔کپتان خان کی جماعت بھی گہرے زخم کھاچکی۔اب بھی اگرسب (ن'ف'ق'پی پی پی'پی ٹی آئی'ایم کیوایم)نہ سمجھے تو پھر بعدازحیات ہی سمجھیں گے۔

اب اس دکھیاری خبر کی جانب آتے ہیں۔وارث شاہ فرماتے ہیں:"کہ جو قوم اپنی خواتین کی عزت نہیں کرتی وہ تباہ وبرباد ہوجاتی ہے"۔(زنا) یہ وہ گناہ ہے جس سے دنیاکے تمام ادیان نے نفرت کی ہے۔اور اسلام نے تو نہ ہی اس کی دیت رکھی ہے نہ ہی ایسے مجرم کو ریاست بدر کرنے کا کہاہے۔بلکہ اسلام کہتاہے کہ اس قبیح فعل کا مجرم اس کائنات میں رہنے کے ہی قابل نہیں۔اس کی زندگی کی سانسیں تیاگ دیجئے۔ہندؤں کے مذہبی ولوور میں لکھاہے "جو لوگ اپنی شہوانی خواہشات پر قابونہیں پاتے وہ بے وقوف ہیں۔زنا کرنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگ موت کو گلے لگالیں کیونکہ زناکاری بھروسے اور سکون کو تباہ کردیتی ہے۔"زانی لوگ ہمیشہ دوسروں کی نفرت کانشانہ بنتے ہیں'خوف میں مبتلارہتے ہیں اور بے عزت ہوتے ہیں"۔فورٹ عباس میں باپ کے سامنے 15سالہ بیٹی اور بیوی سے 5افراد کی اجتماعی زیادتی!(بمطابق قومی روزنامہ)۔الیکشن سے قبل اگر کی رواداداُٹھاکردیکھیں تو آپ انکے خواتین کےcompaign آپ خواتین سیاستدانوں کی حقوق

کے متعلق بلند و بانگ دعوے سن کے ششدہ رہ جائیں گے۔پچاس کے قریب اسمبلی میں بیٹھی یہ خواتین اس واقعہ پر ایسے خاموش ہیں جیسے سرائیکی میں کہتے ہیں کہ مویا تھوم ہیں انتہائی سادہ جنہیں کسی بات کا اتا پتہ نہ لگتا ہو)۔خادم اعلی پنجاب کو چاہئے کہ واقعہ) کا از خود نوٹس لیں ۔مدعی معمولی کاشتکار ہے اور تھانہ پاکستانی ہے۔پراُمید ہوں کہ وزیر اعلی پنجاب اس واقعہ کی شفاف تحقیاقات کروائیں گے۔اور زخمی دلوں پر انصاف کا مرہم رکھیں گے۔

تاریخ میں سزا پانے والے حکمران

تاریخ کے اورق بتاتے ہیں کہ اقتدار پانے کے بعد اکثر لوگ مکمل اختیار حاصل کرنے کی تگ ودو میں اپنا عرصۂ حکمرانی گنوادیتے ہیں تب جاکر کہیں ان پر یہ عقدہ کھلتاہے کہ اختیار ذاتِ واحد کے پاس ہے۔وہ جب چاہے ' جسے چاہے 'جیسے چاہے تخت پر بٹھادیتا ہے یا تخت سے تختہ پر۔

تاریخ کا سرسری جائزہ لے کے پھر جنرل مشرف صاحب پر بات کریں گے ۔یونان کے ایک فوجی ڈکٹیٹر کرنل چارجیس پاپاڈوپس ( )(1919-199 نے 1967 میں یونان کی سرزمین پر فوجی انقلاب.برپا کر کہ سمجھا کہ شاید اب اس کا طوطی ہی بولتارہے گا لیکن حالات نے کروٹ بدلی حاکم محکوم ہوااور پھر 1975 میں اس پر مقدمہ غداری چلایاگیااور موت کی سزاہوئی مگر شومئی قسمت کہ بعدازاں اس سزاکوعمرقید میں بدل دیاگیا۔پیری لیول (1883-1945)پر مقدر اس قدر مہربان تھا کہ اسے چار دفعہ فرانس کی سرزمین پر وزیراعظم بنایالیکن پھرکایاپلٹی اور 1944 میں فرانس کی آزادی کے بعد ان پرالزام لگایاگیاکہ فرانس میں موجود بیرون ملک کے یہودیوں کوجرمن نازیوں کے ڈیتھ کیمپوں میں منتقل کرنے کے اجازت نامے پر ان کی انگلیوں نے یک جنبش قلم دستخط کیئے تھے ' چارلس ڈیگال کی سربراہی میں مقدمہ

چلااور عدالت نے بات سزائے موت پر ختم کردی جبکہ فائرنگ دستوں نے اپنی گولیوں سے وزیراعظم کی روح کو تن سے جدا ہونے میں مدد دی۔ موجودہ حالات میں اس بادشاہ کاذکر نہ کرنا قارئین سے زیادتی ہوگی جس کو پارلیمنٹ سے منظوری کے بغیر ٹیکس عائد کرنے پر اور پارلیمنٹ کو بالاتر نہ سمجھنے پر نہ صرف سزائے موت دے کر اسکی گردن کا تعلق جسم سے ختم کیاگیابلکہ اس سزاکی سرعام نمائش بھی بدقسمت بادشاہ کامقدر ٹھہری۔اس بادشاہ کانام شاہ چارلس اول تھااور اس نے انگلینڈ' سکاٹ لینڈ' اورآئرلینڈ پر حق حکمرانی پایا تھا۔فرانس کے آخری بادشاہ لوئس xvi کوانقلاب فرانس کے بعد کھڑے لائن لگایاگیا۔انقلاب فرانس جس نے نپولین جیسے آمر کو جنم دیا 1789 میں شروع ہوا۔شاہ لوئس کو تخت سے اُتار کر گرفتار کیاگیا' مقدمہ چلااور ہمیشہ کی طرح (مطلب تخت سے تختہ جن بادشاہوں کامقدر ٹھہرا) عدالت نے غداری کامرتکب قرار دیااور پھر فرانس نے اپنے آخری بادشاہ کی آنکھوں کو ہمیشہ کیلئے بند کرکے ایک ایسے شخص کو تمغہ اقتدار بخشاجس نے یورپ کی اینٹ سے اینٹ بجادی' یہ انقلاب فرانس ہی کی توپیداوار تھا۔لاکھوں لوگوں کاخون ناحق زمین کو پلاتے وقت عوام یہ بھول گئے تھے کہ سکون 'چین 'ترقی یہ سب چیزیں اسوقت ملتی ہیں جب زمین وآسمان کا خالق راضی ہوتاہے۔حرام کاری کے الزام میں سزا پانے والی خواتین میں شاہ ہنری ہشتم کی دوسری اہلیہ این بولین کو دومئی 1536 میں مقدمہ غداری کے تحت سزائے موت ہوئی اور عدالتی فیصلے کے محض چاردن بعد ان کے سر کو قلم کرکے جسم

کو ہمیشہ کیلئے ساکت کر دیا گیا۔البتہ یورپ کی سرزمین اب بھی پکار رہی ہے کہ اسکی روح۔۔

ہمین است وہمین است وہمین است

اور دنیا کی دوسری ملکہ جسے حرام کاری کے جرم میں ابدی نیند سلایا گیا وہ بھی اسی بدقسمت شاہ ہنری ہشتم کی پانچویں اہلیہ تھی۔مقدمہ غداری کے فیصلے کے بعد ان کا سر لندن کے برج پر لٹکا یہ کہہ رہا تھا کہ حرام سرچڑھ جائے تو محل اور تخت پر تکیہ نہیں کیا کرتا۔وفا کی بندشیں نہیں سہا کرتا۔اسکے علاوہ یونان کے وزیراعظم رمیز بوس گونارہز (1866-1922) اور ترکی کے وزیراعظم عدنان مندریس دونوں کو فوجی جنتا کے زیر اثر مقدمہ غداری میں ابدی نیند سلایا گیا۔کوئن میری آف سکاٹ لینڈ وفرانس پر ملکہ الزبتھ کی قتل کی سازش کے مقدمے کا اطلاق ہوا اور پھانسی ہوئی۔میکسکو کے صدر میگوئل ترپلو اور ناروے کے صدر ودکون ابراہام کے دامن پر بھی غداری کا دھبہ لگا اور دونوں کو فائر کر کہ اڑایا گیا (عرصئہ مختلف ہے)۔خلیجی جنگ 1990 کے بعد کویت کے مختصر عرصئہ کے حکمران حسین علی الجبار کو سزائے موت ہوئی جو بعد میں اپیل کے بعد عمر قید میں بدل گئی۔اسکے علاوہ ایڈوولف ہٹلر نے بھی نوماہ قید گزاری۔ہنگری کے حاکم امرناگی' ہالینڈ کے حکمران انسٹون موزرت اور فرانس کے وزیراعظم جنرل فلپ پیٹن کو بھی اسی جرم کی پاداش میں سزائے موت کی سزا سنائی گئی (فلپ کو عمر قید ہوئی)۔جبکہ کانگو کے پہلے

منتخب صدر پاسکل لزوبو واحد شخص ہیں جنھیں انکے ملک میں سزا ہو چکی ہے لیکن وہ لندن میں پناہ گزین ہیں۔اب پاکستان کے بہادر۔۔ مشرف کی باری ہے۔اور اگر یہ سزا پاتے ہیں تو غداری کے جرم میں بر صغیر کے سزا پانے والے پہلے حاکم ہوں گے۔انفرادیت بھی تو کوئی چیز ہے۔

پاکستان میں غداری کے ملزموں کے خلاف تین آرٹیکلز پر مشتمل قانون جسے high treason punishment act 1973 کہتے ہیں چھبیس ستمبر 1973 کو ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں نافذ ہوا۔مزید کالم کی طوالت سے گریز کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے ہم اس قانون کی گہرائی اور نافذ ہونے کے طریقہ کار پر بحث نہیں کرتے بلکہ کیس کے متعلق شکوک وشبہات اور حقائق کا چند لفظوں ہیں تجزیہ کرتے ہیں۔پارلیمنٹ ہیں میاں صاحب نے جب سے غداری کے مقدمے کا اعلان کیا ہے اس ضمن میں جہاں لوگ انھیں بہادر کہہ رہے ہیں وہاں انہیں منتقم مزاج کہنے والوں کی بھی کمی نہیں۔جبکہ کچھ لوگ اس مقدمے کو وسعت اختیار کا شاخسانہ قرار دے رہے ہیں۔اس کا سکرپٹ لکھنے والا کون ہے اسکا تو نہیں پتا لیکن اس ضمن میں ایک اللہ والے کی زبانی سنے جانے والا واقعہ میرے ذہن میں کلبلا رہا ہے۔اس سے پہلے کے صحرا کی تیز ہوا ٹیلوں کو ذروں میں بدلے واقعہ عرض کرتا چلوں۔ہندوستان کا ایک بادشاہ کسی آستانے کا گرویدہ تھا۔اُس نے اپنے اعلی حضرت کے ہاں گزارش کی کہ جناب والا میں آپ کا مرید ہوں اور اس ملک کا بادشاہ ہوں ۔آپ حکم کیجئے کہ آپ

کیلئے آسانیاں پیدا کردوں۔اللہ والے دنیاجہان کی آسائش سے بے نیاز ہونے کیساتھ ساتھ حکمت کے بھی خزانے ہوتے ہیں۔فرمایا: "مجھے اور تو کوئی مسئلہ نہیں البتہ یہ مکھیاں تنگ کرتی ہیں انہیں منع کردو"۔بادشاہ ہکابکارہ گیاکہ اب کیاجواب دے۔بالاآخر لب کھولے اور عرض کیا حضرت صاحب مکھیوں پر تو میرااختیار نہیں۔علم وحکمت کے خزانے نے جواب دیا"جب خداکی ادنی سی مخلوق پر تمہاراحکم نہیں چلتاتو پھر تم ہمیں کیاراحت بخش سکتے ہو'ہمارے لیئے اللہ ہی کافی ہے"۔اس روایت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتاہے کہ انسان کااختیار لامحدود ہونے کے باوجود کس قدر محدود ہے۔اگر حکومت یہ سمجھتی ہے کہ اس کے بعد وہ مختیارکل بن جائے گی تو یہ تونا ممکن ہے۔ہاں اتناضرور ہے کہ جرم کی سزادینے کے بعد مزید مجرموں کی افزائش میں کمی لائی جاسکتی ہے اور اسی کمی سے جمہوریت کامستقبل وابستہ ہے۔دوسری جانب سعودیہ واستعماری قوتیں گوکہ بظاہر مشرف کی طرف دارہیں لیکن حکومت کو وہی کرناچاہیئے جوملکی مفادات کیلئے بہتر ہو'لیکن یہ بات الگ ہے کہ حکومت وقت سعودیہ کو ٹال پائے گی کہ نہیں۔اگروقت کے علماء مصلحت کی چادراوڑھ لیں تواس دورکے افراد کادینی پیمانہ مخدوش ہوجاتاہے۔یہی اصول جمہوریت پر بھی لاگوہے۔رہامشرف کی ذات کامعاملہ تو وہ خوش فہمی میں مبتلاہیں۔کہتے ہیں"کہ ایک جمہوری حاکم کواسوقت کے فوجی حاکم نے نہیں بلکہ ان لوگوں نے مروایاجو باربارا سے یہ پیغام دیتے رہے کہ باہرلوگ آپ کی محبت میں پاگل ہوئے پھرتے ہیں"۔اگراسے فسانہ

بھی تصور کرلیا جائے تو مقصد تو کشید ہو سکتا ہے۔دوسرا اہم پہلو پاک افواج کا ردِ عمل ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ شخصیات کے بھنور میں پھنسیں گے ۔ جنرل کیانی صاحب٬جمہوری تسلسل کے خواہشمند اور معاملہ فہم شخص ہیں‌وہ کبھی بھی طرف داری نہ کرپائیں‌گے۔آخر پر بات کی زنجیر کو آخری کنڈہ لگا کہ مکمل کرتے ہیں کہ عوام چاہتے ہیں کہ موجودہ اسمبلی میں بیٹھے کم و بیش ستر سے زائد ایسے افراد جنھوں نے مشرف صاحب کا ساتھ دیا تھا وہ بھی ملزم ہیں ۔اور انھیں بھی اس سزائے محبت میں اتنا حصہ ملنا چاہیئے جتنا انھوں نے اقتدار میں حاصل کیا تھا۔کیا حکومت اتنے بکھیڑوں کی متحمل ہو سکے گی ؟۔کیا موجودہ اقتدار کا سورج غروب ہونے تک مشرف سزا پا چکے ہوں گے ؟۔یہ وہ تشنہ سوالات ہیں جن کا جواب آنے والا وقت ہی دے گا۔فی الحال سراب ہی سراب ۔اور اگر کوئی دانا یہ سمجھے کہ مشرف صاحب کی سزا کے سحر میں عوام تنگ و افلاس اور لوڈ شیڈنگ کو بھول جائیں گے تو یہ انکی خام خیالی ہی ہے۔

تاریخ کے اورق بتاتے ہیں کہ اقتدار پانے کے بعد اکثر لوگ مکمل اختیار حاصل کرنے کی تگ و دو میں اپنا عرصۂ حکمرانی گنوا دیتے ہیں تب جا کر کہیں ان پر یہ عقدہ کھلتا ہے کہ اختیار ذاتِ واحد کے پاس ہے۔وہ جب چاہے٬جسے چاہے٬جیسے چاہے تخت پر بٹھا دیتا ہے یا تخت سے تختہ پر۔

صدر مرسی کا جرم

اگر مورخ غیر جانبدار ہوا تو 3 جولائی کا دن جمہوریت کی تاریخ میں ایک سیاہ دن لکھا جائے گا۔ 370 دن قبل مصر کے التحریر چوک میں جس عوامی حکمرانی کا جشن منایا گیا' جسے نجات دہندہ سمجھا گیا' تین جولائی کو اسی منتخب حکومت کے نامزد کردہ جرنیل نے اس کی بساط لپیٹ دی۔ حیرت ہے جناب مرسی سیاسی قوت مستحکم کرنے کو ہی سب کچھ سمجھتے رہے۔ شاید قسمت نے ساتھ نہیں دیا یا پھر قدرت کو ان کی کوئی ادا پسند نہیں آئی ۔ بہر طور ہمیں زمینی حقائق کا جائزہ لینا ہے 'تقدیر الگ شہ ہے وہ تو اپنا فیصلہ صادر کرکے رہتی ہے' دنیا کے طاقتور ترین صدر جن کی سیکورٹی تو اعلی درجے کی تھی ہی 'انکی عینک کے شیشے تک بلٹ پروف تھے لیکن تقدیر نے انکی موت گولی سے لکھی تھی سو گولی ہی نے انکی روح کو تن سے جدا کیا۔

اخوان المسلمین پر 1928 سے 2012 تک شاہان مصر اور فوجی حکمرانوں نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ اسکے بانی حسن البنا نے اسے اپنے جگر کا خون پلایا۔ اخوان کی ایک خاتون کارکن زینب الغزالی (1917 میں مصر کے علاقے میٹن میں غریب خاندان میں آنکھ کھولی)اپنی کتاب" ایام من الحیاتی "میں لکھتی ہیں کہ دوران اسیری ان

پر بھوکے کتے چھوڑ دیئے جاتے' وہ ہاتھوں سے چہرے اور سر کے کچھ حصے کو بچانے میں کامیاب ہوتیں۔پھر لکھتی ہیں اخوان کے لڑکوں کو لایا جاتا اور کہا جاتا زینب کو گالی دو اور جب وہ مجھے گالی نہ دیتے تو انہیں گولیوں سے چھلنی کر دیا جاتا۔اس سارے منظر کو اخوان کا ایک اور منتظر گروہ دیکھ رہا ہوتا اور پھر باری آنے پر وہ بھی جان کی قربانی دے جاتا۔زینب کہتی ہیں جب ان کے بیٹوں (کارکنوں)کے سینے میں گولی اتاری جاتی تو وہ بھوکے کتوں کے زخموں کو بھول جاتیں اور یہ کربناک مناظر انھیں تڑپاتے رہتے۔یہ ہیں اخوان کے رہنماؤں کی محبتیں۔52 فیصد ووٹ حاصل کرنے والی یہ جماعت اپنی کچھ پالیسیوں اور نام نہاد لبرل ہم وطنوں کی جھوٹی انا کی تسکین کی بھینٹ چڑھ گئی۔انکے مخالفین یعنی مخالف ووٹر 48 فیصد تھے جو کہ اب بڑی تعداد کا دعوی کر رہے ہیں۔سوال یہ ہے کہ جب اخوان کی منتخب حکومت تسلیم نہیں کی گئی تو پھر وہ اور انکے حامی مخالفین کو کیونکر تسلیم کریں گے؟اور کیا یہی استعمار چاہتا ہے؟تو دوسرے سوال کا جواب بہت سے لوگ ہاں میں دیتے ہیں۔نصرانی ہو' لبرل ہو' مسلمان ہو جو بھی ہو بہر طور تم مصری ہو جب تک انھیں یہ باور نہیں ہوتا وہ دغا کھاتے رہیں گے۔ہم ہر گز یہ نہیں کہنا چاہتے کہ وطن کو خدا بنا لیا جائے لیکن جو زمین آپ کو پناہ دے اسے نام نہاد نظریات کی خاطر برباد تو نہیں کرنا چاہیئے۔رہ گئی بات اخوان المسلمین کی تو اس کی سب سے بڑی غلطی من پسند آرمی چیف اور معیشت ہیں۔اسکے ساتھ ساتھ خارجہ پالیسی بھی اسے مات دے گئی۔

موروثی بدحالی نے اخوان کی کمر توڑدی۔مگر سارا قصور آباؤ اجداد پر نہیں ڈالا جاسکتا'اشوک اعظم کو کونسا سونے کی کانیں ملی تھیں جو اس نے بغیر فوج کے اتنی پرامن حکومت کی ہاں مگر اس کو ایک عرصۂ ملا تھا اور اسکے دور میں آئی ایم ایف کی شرائط بھی نہیں تھیں،اور جہاں تک بات استعمار کی ہے تو منگول تو سرحدوں پر ہی منڈلا رہے تھے۔مرسی کی حکومت گندم 'گیس'اور تیل دار اجناس کی قیمتوں کو کنڑول نہ کر سکی 'عام آدمی کی حالت ابتر ہو گئی ۔مصر جسے سیاحت کے باب میں گراں قدر حصہ ملتاہے اس سے محروم ہونے لگا۔جبکہ افراط زر میں اضافہ اور زر مبادلہ کے ذخائر کی کمی نے اخوان کے تابوت میں آخری کیل ٹھوک دیا۔مگر جذبات نہیں زمینی حقائق بتارہے ہیں اخوان آج نہیں تو کل کسی نہ کسی رنگ میں پھر عنان حکومت سنبھالیں گے۔اور اگر انہیں موقع ملا اور انھوں نے گنوا دیا تو بس ایسے سمجھیں جیسے کسی نے حیات مکمل کر لی۔

اب جو بات امریکہ کیلئے سوہان روح بنی ہوئی ہے وہ ہے federal appropriation law۔جس کے تحت جمہوریت کی بساط اگر کوئی فوجی لپیٹتا ہے تو پھر امریکی حکومت اسکی معاشی اور فوجی ناکہ بندی کرنے کی پابند ہے (ویسے ناک تو وہ اوروں کے بھی بند کر دیتی ہے بلکہ کئی گستاخوں کے تو ناک میں دم کر دیتی ہے خیر ناکہ بندی ہو رشہ ہے) ۔تب ہی تو ابھی تک صدر اوباما نے کھلے الفاظ میں اسے فوجی

انقلاب کا جامہ نہیں پہنایا (اگر جامہ کے ساتھ لفظ "پا" لگ جائے تو بہتر ہوگا)۔ لیکن اگر 1.3 بلین ڈالر کی بارہ ماہی امداد اور 250 ملین ڈالر کی معاشی ہمدردی کا خاتمہ ہوگیا تو پھر شاید امریکہ کی من پسند حکومت نہیں آسکے گی۔ اور ایسا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا۔ لہذا اسے لفاظی کا خوبصورت استعمال کرنا ہوگا۔ اور اسی طرح ہی وہ اسرائیل کے حقوق کا تحفظ کرسکے گا۔ جو ہماری دانست ہیں ایک لامبے عرصے تک جاری نہیں رہ سکتا۔ امید ہے مصری جاگ جائیں گے اور انہیں معلوم ہوجائے گا کہ انہیں کس نے اور کیوں استعمال کیا ہے۔

اور جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اسے اس سارے منظرنامے سے بہت کچھ مل سکتا ہے اگر دیکھنے والی آنکھ ہو تو۔ اور جو لوگ اخوان کی ناکامی کو سیاسی اسلام کی ناکامی سمجھ رہے ہیں یا یہ کہہ رہے ہیں کہ اب مزید اسلامی تحاریک نہیں پنپ سکیں گی تو وہ وقت کا انتظار کریں ہاں البتہ انتہا پسند تنظیموں کی بات دوسری ہے اور میں سمجھتا ہوں ان مسلمانوں کو کوئی اور ہی اپنے مقاصد کیلئے استعمال کررہا ہے کیونکہ اسلام تو امن اور محبت کا دین ہے۔ شاید اخوان کا صدر ہونا مرسی کا سب سے بڑا جرم تھا-

عجب رنگ ہیں

خبر ہے کہ گلشن اقبال بلاک 6 (کراچی) میں گلشن چورنگی پر واقع النساء میرج ہال میں مخیّر حضرات کی جانب سے رمضان شریف کی آمد کے سلسلے میں مفت راشن کی تقسیم کے دوران بد نظمی کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی۔وجہ یہ سامنے آئی ہے کہ عقب سے آنے والی خواتین نے قطار میں موجود خواتین کو دھکے دیئے جس کی وجہ سے دو خواتین دم توڑ گئیں اور سات زخمی ہوئیں۔ہماری دانست میں اسکے تین پہلو ہیں۔اول:
پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم 1947 سے لے کر اب تک کہیں بھی کسی بھی مقام پر قطار نہیں بنا پائے۔چونکہ قطار بنانے کیلئے صبر کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ ہمارے ہاں تیزی سے ناپید ہوتا جارہا ہے۔قطار صرف غریب ہی نہیں توڑتے بلکہ ملازم طبقہ 'سیاسی طبقہ 'صنعت وزراعت سے منسلک لوگ الغرض ہماری پوری قوم اس مرض میں مبتلا ہے۔سیاسی بھی جب چاہتے ہیں سنیارٹی کی قطار کو تار تار کرکے عقب سے آنے والوں کو آن کی آن میں کہاں سے کہاں پہنچادیتے ہیں۔اور کبھی کبھار ہم خود آگے بڑھ کر سیاست دانوں کے پاؤں پکڑ کر یا نیلے پیلے کاغذ کی مدد سے اپنے سے سنئیر کو روند ڈالتے ہیں۔قطار سے یاد آیا کہ میرے کزن صابر حسین کہتے ہیں کہ لندن میں ہمارے ایک دوست قطار توڑنے لگے تو انگریز نے کہا"ایسامت کیجئے ہم نے ایک صدی لگائی ہے قطار بناتے بناتے"۔جناب انگریز نے قطار بنا کر ہی ترقی کی

ہے۔اور اس حساب سے ہمارے کوئی 36برس رہ گئے ہیں جیسے ہی ایک صدی مکمل ہوگی ہم قطار بنانا سیکھ جائیں گے۔دوم: قطار میں موجود لوگ جانتے ہیں کہ یہاں دھکے دے کر' دوسروں کو روند کر ہی اپنا حق مل سکتا ہے۔کم وبیش پچھلے پینسٹھ سال سے میرٹ نام کی چیز نہیں ہے۔پولیس جائے وقوعہ پر تو پہنچ گئی۔لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ پولیس عوام سے اتنی فرینک ہوتی کہ مخیّر حضرات انھیں پہلے ہی بلوا سکتے۔اور اتنے اچھے کردار کی حامل ہوتی کہ لوگ ان کی بات آسانی سے مان جاتے۔یہ محض گلشن اقبال کا معمولی واقعہ نہیں بلکہ ہمارے معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔پولیس اور ہم میں جو دوریاں ہیں وہ نظام کی خرابی ہیں۔کوئی بھی ادارہ برانہیں ہوتا اسے سیاسی مداخلت خراب کرتی ہے۔اگر سفارش' رشوت' اقربا پروری سے اس ادارے کو پاک کردیا جائے اور شفاف بھرتیاں ہوں تو اس ادارے کو چار چاند لگانے والے لوگ اب بھی اس میں ہر سطح پر موجود ہیں۔سوم: اگر تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو اس غریب عوام کی بے صبری سمجھ میں آتی ہے۔ہمارے ہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ منظم انداز سے امداد بھی نہیں لے سکتے۔ہمارا جواب یہ ہے کہ ذرا دیر کو لوڈ شیڈنگ سے بے نیاز' اس نازک' ملوک طبقے کو بے سروسامان کرکے دیکھیں' یہ نسل در نسل غریب عوام سے زیادہ اودھم مچائیں گے۔وہاں تو خواتین ہجوم تلے روندیں گئیں۔یہ تو اپنے سے آگے والوں کی گردنیں مار کے آگے بڑھنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔میں یہ نہیں کہتا کہ ان عورتوں نے کچھ اچھا کیا بلکہ یہ کہتا ہوں

کہ ان کا حق چھینا گیا۔انھیں بے سروسامان کیا گیا۔انھیں ستایا گیا۔انکے بچے سسکتے ہیں بلکتے ہیں'ترستے ہیں تو پھر وہ کیوں نے بے صبرے ہوں۔میں سوچ رہا ہوں کہ' اگر مشرف کا ساتھ دینے والوں کو سزا ملنی چاہیئے (کیونکہ لوگ کہتے ہیں انھوں نے مشرف کی مدد کرکے اسے اس مقام تک پہنچایا کہ وہ آئین توڑ سکے) تو پھر جس جس نے پاکستان کی تاریخ میں ان لوگوں کو غریب سے غریب تر کرنے کیلئے اقدام اٹھائے ہیں اس ہجوم کی مجرم خواتین کے ساتھ ساتھ انھیں بھی لٹکایا جایا۔عقب سے آنے والے' ہر شخص کو مجرم ٹھہرا کر سزا دی جائے۔عجب رنگ ہیں اس دنیا کے بھی کہ وجہ نزاع کو چھوڑ کر ثانوی واقعات کو دیکھا جاتا ہے۔سرائیکی میں کہتے ہیں "گراں آلے جھج گئے تے چھوڈیاں آلے نپے گئے"۔یعنی تربوز کھانے والے چور بھاگ گئے جب کہ تربوز کے چھلکے کو رگڑ رگڑ کے کھانے والے پکڑے گئے۔میں بھگدڑ کے مجرموں کا ہر گز حامی نہیں انہیں قانون کے مطابق سزا ملنی چاہیئے لیکن تربوز والوں کو کب ملے گی؟آخر' کب؟؟۔جسے ہماری منطق اچھی نہ لگے سو اسکی مرضی ہمیں جن الفاظ میں یاد کرے لیکن یاد رہے تخت کسی کا نہیں رہتا۔

حیرت کی بات ہے کہ لوگ تصویر کا ایک ہی رخ دیکھے جاتے ہیں۔یا تو ان کے اذہان فریج میں رکھے سانچے کی مانند ہوتے ہیں کے بس اپنی ہی حدود میں رہتا ہے۔سانچے میں موجود پانی برف بنتا ہے اور اسکا ہمسایہ پانی بھی مگر سب اپنی اپنی حدود میں تعینات رہتے ہیں۔وہ پانی بے بس ہوتا ہے۔اسی طرح کچھ

افراد کے ذہن بھی مفقود، جامد، اور بلاک ہو جاتے ہیں اور وہ کسی بھی خبر کو دوسرے زاویے سے نہیں پرکھ سکتے۔

آل پارٹیز کانفرنس کا نیا رخ

ملک کو اس وقت نہ صرف کسی ایک خاص گروہ سے خطرہ ہے بلکہ داخلی انتشار بھی پھن پھیلائے کھڑا ہے۔ بھتہ خوری' ڈکوؤں کے مسلح اور منظم گروہ' مسلکی انتہاپسندی' تنگ نظری اور فرسودہ روایات سمیت متعدد زہریلے عناصر ملکی معیشت کو دیمک کیطرح چاٹ رہے ہیں۔ بلوچستان کے متعدد اضلاع' کراچی اور خیبر پختونخواہ کے بعد اب پنجاب کو بھی انتہاپسندی کی بھڑکتی آگ جھلسا رہی ہے۔ صدر کے چیف سیکورٹی افسر کی موت اس بات کا عندیہ ہے کہ اگر وہ چیف سیکورٹی افسر کو ابدی نیند سلا سکتے ہیں تو پھر اسکے مرتب کردہ سیکورٹی پلان کو ناکام کرنا ان کیلئے کوئی مسئلہ نہیں۔ حالیہ انتخابات کے بعد تیس روز کے اندر انتہاپسندی کی اکیس وارداتیں ہو چکی ہیں۔ جن میں تحریک انصاف سے تعلق رکھنے والے دو اراکین اسمبلی سمیت 119 افراد لقمہء اجل بن چکے ہیں۔
حالیہ انتخابات کے بعد تصویر کا دوسرا رخ اسطرح سامنے آیا کہ تحریک انصاف جو کہ طالبان سے مذاکرات کی حامی ہے خود بھی لہولہان نظر آئی۔ کم و بیش تمام اہل قلم کہہ رہے ہیں کہ طالبان کہ نزدیک تمام جماعتوں کی ایک سی وقعت ہے اورانھوں نے اپنی حامی جماعتوں کو بھی اسی انداز میں ٹریٹ کیا ہے جس طرح کا سلوک اس نے

سے روا رکھا تھا۔ لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ تحریک انصافanp گزشتہ دور میں کومذاکرات سے دور رکھنے کی خاطر کسی تیسرے فریق نے پیسے کے قاتل ڈھونڈ کر یہ کاروائیاں کروائی ہوں' تاکہ امن مذاکرات کادروازہ ہمیشہ کیلئے بند کرواکے پاکستان کو کسی نئی مشکل میں دھکیلا جاسکے۔ ہم ہر گز کسی غیر شرعی اورماروائے ریاست اقدامات کے حامی نہیں لیکن کسی بھی مسئلہ کو ایک ہی زاویہ سے دیکھنا خود کودھوکہ دینے کہ مترادف ہے۔ چند دن پہلے عمران خان بھی کہہ چکے ہیں کہ بہت سارے مسلح گروہ طالبان کا نام استعمال کرکے اپنے سفلی جذبات کی تسکین کر رہے ہیں۔ اب جبکہ وفاقی حکومت نے اسی مسئلہ پر آل پارٹیز کانفرنس طلب کر رکھی ہے جو کہ مزید فعال کردارادا کرنے کی خاطر تعطل کا شکار ہے۔ اس ضمن میں ہماری چند گزارشات ہیں۔:1 حکومت پہلے طالبان کے تمام گروہوں کومذاکرات کی دعوت دے۔ نیز انکا نام استعمال کرنے والوں' قوم پرستوں اورباقی تمام انتہاپسندوں کو مذاکرات کی میز تک لے آئے ۔جو مسلسل مذاکرات کاانکار کریں یالایعنی مطالبات پیش کریں انکے خلاف بھرپوو موثر کاروائی کی جائے۔ .

حکومت کو چاہیئے کہ اس مسئلہ کہ حل کیلئے عوامی فورم تشکیل دے کر عوام سے بھی 2: رائے لی جائے کیونکہ جب تک عوام کا ساتھ نہ ہوافواج جدید ہتھیاروں سے لیس ہونے کے باوجود بالاآخر شکست کھاجاتی ہیں۔ یہ کس طرح اورکیسے ممکن ہے اسکے بہت سے مثبت انداز ہیں ہماری ناقص رائے یہ ہے کہ کہ قومی ٹی وی اورریڈیو

پاکستان پر بلاناغہ ایک ایسا لائیو پروگرام ہو جس میں عوام کو شامل کیا جائے اور اسکے ساتھ ساتھ لائیو کالز بھی ہوں۔ نیز صدر پاکستان اور وزیر اعظم کے ہاں عوامی رائے جانچنے کی خاطر کچھ عرصہ کیلئے عوام سے خط وکتابت کا سلسلہ بھی جاری ہونا چاہیئے۔

3: جہاں تک بات اختیارات اور وسائل کی ہے تو اس ضمن میں ہمیں اپنے سیکورٹی اداروں اور سراغ رساں اداروں کی سائنٹیفک اپ گریڈنگ اور انہیں جدید جمہوری خطوط پر استوار کرنے کے ساتھ ساتھ کرپشن 'سیاسی مداخلت اور بوگس بھرتیوں سے پاک کرنا ہوگا تب جا کر وہ اس قابل ہوں گے کہ اپنی پیشہ وارانہ خدمات بھرپور انداز سے انجام دے سکیں۔

4: ایک اہم قدم یہ اُٹھانا ہوگا کہ ملک میں موجود تمام مذاہب اور اسلام کے تمام مسالک کے افراد کو ایک دوسرے کے عقائد کی تضحیک سے سختی سے روکنا پڑے گا۔ اور اسکا واحد حل یہ ہے کہ کسی بھی مسلک ومذاہب کی معتبر ہستیوں کو برا کہنے والوں کیلئے کم از کم دو سال قید اور جرمانہ کی سزا مقرر کی جائے۔۔ تمام مذہبی تہواروں پر اشتعال دلانے والے مولویوں 'عوام اور علماء پر کسی بھی اجتماع میں شرکت کی تاحیات پابندی لگائی جائے۔ ورنہ پرکاہ کو لگی آگ جھونپڑی جلا دیا کرتی ہے (واضح رہے کہ انبیاء اکرام کی گستاخی پر سزائے موت ملا کرتی ہے اور ہم اسکے

حامی ہیں)۔4: تمام مدارس (دینی ودنیاوی) میں ملکی مفادات کی اہمیت اور جہاد
اورانتہاپسندی کے فرق کواجاگر کرنے کیلئے نصاب ترتیب دیاجائے تاکہ دشمن عناصر معصوم
طفل مکتب طلباء کو اپنے مذموم مقاصد کیلئے استعمال نہ کر سکیں۔ نیز تمام تعلیمی اداروں
بشمول دینی مدارس) کوپابند کیاجائے کہ وہ دہشت گردی کے خلاف قومی ٹی وی کے)
پروگرام ہفتہ میں ایک دن آڈیو یاویڈیو کسی بھی صورت میں تمام طلباء کے سامنے پیش
کریں گے 5: : مسئلہ کشمیر' جغرافیائی اور دفاعی حصار کو مد نظر رکھتے ہوئے دوستوں کی
فہرست مرتب کی جائے۔6: دہشت گردی کے کیسز اور پری پلان تیار کرنے کیلئے ایک
بااختیاراور منصف ادارے کا قیام عمل میں لایاجائے۔جو قلیل وقت میں تمام کیسز
حل کرنے کاپابند بھی ہو۔7: : مہنگائی اور بے روزگاری کو بتدریج کم کیاجائے اور عوام پر
بوجھ ڈالنے کے بجائے ٹیکس نہ دینے والے سینکڑوں تاجروں اور جاگیرداروں کے گرد
گھیرا تنگ کیاجائے۔آئی ایم ایف کاشکریہ ادا کرکے مزید قرض لینے سے پرہیز کیاجائے
پرہیز علاج سے بہتر ہے) ۔8: : تمام کرائے کی عارضی و مستقل رہائش گاہوں کے)
مالکان کو اس بات کاپابند کیاجائے کہ وہ متعلقہ تھانے کو کرایہ دار کی اطلاع دیں۔عارضی
کرایہ دار کیلئے قومی شناختی کارڈ جبکہ ایک ہفتہ سے زائد رہائش کیلئے اپنے آبائی علاقے کے
تھانے سے مستقل سکونت کی تصدیق کروانالازم ہو۔9: تمام گنجان عوامی مقامات
پرکیمرے نصب کیئے جائیں (جوچالو بھی ہوں)۔10: تمام عوام بشمول سیاستدان اپنے
اپنے شہداء کی تفریق ختم کرتے ہوئے ایک دوسرے کے درد

کو سمجھیں ۔اور حکومت اور ابلاغی اداروں کافرض ہے کہ وہ عوام میں یہ شعور اجاگر کریں کہ اگرآج انکاہمسایہ ناحق ماراگیاہے توکل انکی باری بھی آسکتی ہے۔11
شرپسند عناصر کوامدادفراہم کرنے والے ممالک سے تعلقات ختم کرکے اس مسئلہ کو بے باکانہ اندازمیں اقوام متحدہ میں پیش کیاجائے۔نیز غیر سرکاری تنظیموں کا سختی سے آڈٹ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی نقل وحرکت پرکڑی نظررکھی جائے۔12:انتہاپسندی سے نمٹنے کیلیئے سوشل میڈیاپر بھی حکومتی سرپرستی میں آگاہی مہم چلائی جاسکتی ہے۔یہ ایک سستااور ہرخاص وعام تک رسائی کاتیزترین ذریعہ بھی ہے۔
۔ہم نے اپنی ناقص رائے پیش کردی ۔ممکن ہے ان میں سے کوئی قابل عمل بھی ہواور یہ بھی ممکن ہے کوئی جملہ ساتھی قلم کار سے اختلاف رکھتاہومگر ہم سب کامدعاایک ہی ہے کہ ملک کودہشت گردی کے عفریت سے نجات دلائی جائے ۔اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب سب سرجوڑکربیٹھیں اوراسکانتیجہ خیزحل نکالنے کے ساتھ ساتھ ایک اعلی٬بہترین٬قابل عمل اور مربوط حکمت عملی ترتیب دے کراس پر فی الفور عمل کریں کیونکہ ملک اب مزیدانتشارکامتحمل نہیں ہوسکتا۔اگرحکومت اس میں کامیاب ہوگی تویہ آل پارٹیزکانفرنسز کی تاریخ کانیارخ ہوگاوگرنہ ''گفتند نشستند برخاستند''کاعمل پہلے بھی کئی باردہرایاجاچکاہے۔خداکرے اب ایسانہ ہو۔اور عوام بھی پرامید ہے کہ انکے دیئے گئے مینڈیٹ کاخیال رکھاجائے

گا (خُدا کرے ایسا ہی ہو)۔

لب کیوں خاموش ہیں؟

انھیں کوئی ایسی بات بھی مل جائے جس کا کوئی سر ہو نہ پاؤں تو پھر بھی جس حالت میں ہوں' نکل کھڑے ہوتے ہیں اور الزامات کی گھناؤنی آندھی بن کر پاکستان پر نازل ہوتے ہیں۔اور ایک یہ ہیں کہ حریف کے بندے 'کھلے بندوں اعتراف جرم کر رہے ہیں اور یہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔ کل ہماری جانب سے ایک بیان جاری ہوا'مگر مذمتی نہیں' یہ بھی خوش آئند خبر ہے لیکن اس میں وہ رمق ہر گز نہیں جو اس بھیانک سازش کا تقاضا ہے۔ لیکن باقی سب کہاں کھو گئے ؟بڑے بڑے نام ہیں ؟کیا منور حسن کے علاوہ سب بھارت کے عزائم کو پسند کرتے ہیں اگر نہیں کرتے تو لبوں کو جنبش دینے سے کیوں گریزاں ہیں؟ان کی پارٹی کے چیئرمین یا مخصوص موروثی وارثان پر انگلی اُٹھائی جائے تو آسمان سر پر اُٹھا لیتے ہیں'کیا اس پاک دھرتی کا ان پر کوئی حق نہیں'جس کے ازلی دشمن اس کی چادر کو داغدار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے اور آج ان کے بھیانک عزائم سامنے آرہے ہیں تو اس دھرتی کے نام نہاد قلم نگاروں کو سانپ سونگھ گیا ہے۔اس کے سیاسی زعماء پر تو لگتا ہے کسی خاص مقاصد کی خماری ہے وگرنہ دھرتی تو ماں ہوتی ہے۔

گزشتہ دنوں کی خبروں کے مطابق عشرت جہاں مقابلہ کیس میں بھارتی وزارت داخلہ

کے انڈر سکرٹری آر وی ایس مانی نے اپنے دستخط کے ساتھ ایک بیان عدالت میں جمع کرایا ہے جس میں انہوں نے کہا" سی بی آئی اور اور ایس آئی ٹی کی تحقیقاتی ٹیم میں شامل ستیش ورمانہ انہیں بتایا ہے کہ دہلی میں پارلیمنٹ اور ممبئی کے دہشت گرد حملے طے شدہ تھے اور یہ بھارتی سرزمیں پر انسداد دہشت گردی قوانین کو مضبوط بنانے کیلئے کروائے گئے تھے۔ ورمانے انکشاف کیا کہ " دسمبر 2001 میں پارلیمنٹ پر حملہ دہشت گردی کی روک تھام کے قانون پوٹا اور ممبئی پر دہشت گردی یو اے پی اے قانون میں ترامیم کیلئے کرائی گئی"۔

مقام حیرت ہے کہ جب پارلیمنٹ پر حملے ہوئے یا ہوٹل تاج والا واقعہ (اس میں لگ بھگ 166 افراد ہلاک ہوئے) تو بھارتی سفار تکار ہر دروازہ کھٹکاتے پھرتے تھے کہ ظلم ہو گیا' ظلم ہو گیا' پاکستان کی سرزمین دہشت گرد پیدا کرتی ہے' پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دیا جائے ۔اور اسکا میڈیا طوفانی پروگرام کرکے ایسے ایسے سنگ زرے ارض پاک پر برسا رہا تھا کہ الامان الحفیظ۔ ان کے اینکرز کی تعصب میں ڈوبی گرجدار آواز' قلم کاروں کے نوک قلم سے نکلتے زہر آلود الفاظ' اخبارات کی دل دہلا دینے والی ڈیزائننگ' بربریت کا سماں پیش کرتی لفاظی اور نجانے کیسے کیسے خرافات۔ مگر اب جبکہ ریاستی مقولہ کہ مطابق "ککڑ کھیہہ اڈائی تے اپنڑے سر وچ پائی" یعنی مرغا جب اپنے پاؤں سے خاک اڑاتا ہے تو وہ بالآخر اسکے اپنے ہی سر میں آگرتی ہے' تو اب کیوں بھارتی نام نہاد میڈیا کی زبان سوکھ گئی ہے۔ اور اس

پر مستزاد یہ کہ انکے ساتھ ساتھ پاکستانی ایجنسیوں کی خطاؤں پر رائی کا پہاڑ بنانے والے پاکستانی صحافی بھی سکتہ کے عالم میں ہیں۔یا شاید پُر حکمت وشگفتہ الفاظ کا تعین کر رہے ہیں۔

جہاں تک حکومت پاکستان کا تعلق ہے تو انکی امن ودوستی کی خواہشات سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں لیکن انکی بے جا توقعات کبھی بھی عملی جامہ نہیں پہن سکتیں۔خواہش کی جاسکتی ہے مگر یہاں تو خواہش کا اظہار بھی ندامت کے آنسو روتا ہے 'الیکشن کے بعد والا واقعہ آپ کے سامنے ہے۔جو ملک اپنے دشمن کو لتاڑنے کی خواہش میں اپنے ہی شہریوں کے گلے کاٹتا ہو'جس کے پارلیمنٹ کے رکن ہندوستان کی سرزمین پر رہنے والے اپنے ہم وطن ہندوستانی مسلمانوں سے کہیں کہ پاکستان چلے جاؤ'جس میں ایک مسلمان اجمل قصاب کو بغیر ثبوتوں کے محض اسلیئے تختہ دار پر لٹکایا جائے کہ یہ اکثریت کی خواہش ہے یعنی عوامی پریشر تو پھر آپ ایسے اندھے دل کے ہمسائے سے لایعنی توقعات لگائے رہیں 'مگر اسکی جانب سے عمل درآمد ندارد ہی ہوگا۔امن ہونا چاہیئے 'ہمسائے سے اچھا تعلق ہونا چاہیئے کون پاگل کہتا ہے کہ جنگ اچھی چیز ہے 'کون احمق کہتا ہے کہ اقتصادی ومعاشی تعلق نہیں قائم ہونا چاہیئے لیکن دوسرے فریق کی رضامندی کے بناء چاہے ہم کتنی ہی پیش رفت کرلیں کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ہوا میں تنہا ہاتھ چاہے کتنی ہی دیر اور کتنی ہی قوت سے لہراتا رہے جب تک دوسرا ہاتھ شامل نہیں ہوگا'امن کی تالی

نہیں بچے گی۔ ہم اچھے کی آس میں غوطہ زنی کر رہے ہیں اور ہماری مشرقی سرحدوں کے بعد اب مغربی سرحدوں پر بھی دراندازی جاری ہے۔ کیونکہ اصل دوست نے اپنے حقیقی رفیق کو چپہ چپہ پر قونصل خانے کھولنے کی کھلے دل سے اجازت دے رکھی ہے۔

اب ذرا الزامات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرتے ہیں۔ ممکن ہے ستیش ورمانے جو کہ ذمہ دار افسر ہیں' انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو پھر ممکن ہے اجمل قصاب نے بھی غلط بیانی کی ہو کہ بھارتی سرزمیں پر حملہ کی پلاننگ پاکستانی زمین پر ہوئی۔ ستیش ورما پر کسی بھی قسم کا کوئی دباؤ نہیں 'وہ آزاد شہری ہیں جبکہ اجمل قصاب زیر حراست تھے اور ان پر عتاب شاہی نازل تھا اسلیئے انکے کسی بھی بیان کو قابل اعتبار نہیں قرار دیا جاسکتا جبکہ اسکے برعکس ستیش ورما کا بیان کسی حدتک قابل قبول ہے۔ دوسری جانب 21 جنوری 2013 کو بھارت کے شہر جے پور میں حکمران وبانی جماعت کانگریس کے وزیر داخلہ سشیل کمار شندے نے بھارت کے سیکولر چہرے سے پردہ اُٹھاتے ہوئے کہا تھا کہ ''ملک میں اقلیتوں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک اور دہشت گردی کے واقعات کی تحقیقاتی رپورٹ میں یہ بات کھلی ہے کہ اپوزیشن جماعتوں بھارتی جنتا پارٹی اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے کیمپوں کا بھی معائنہ کیا گیا جہاں انتہا پسندوں کو دہشت گردی کی تربیت دی جارہی ہے 'جس پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ دونوں جماعتیں عوام کو قوم پرستی کے نام پر تقسیم کر رہی ہیں' سمجھوتہ ایکسپریس اور مکہ میں مسجد میں بم نصب کرنے کے واقعات' مالیگاؤں

میں دھماکے سب انہی کا کیا دھرا ہے، ہمیں اس بارے میں سنجیدگی سے غور و فکر کرنا اور ہوشیار رہنا ہوگا''۔ اب ہمارے ہمسائے سے کوئی جا کر پوچھے (ہمارے سیاسی گروہ پریشان نہ ہوں ہمیں پتہ ہے کہ وہ نہیں پوچھ سکتے۔ اسلیئے ہم نے کوئی کا لفظ لگا کر اسی کا نام لیا ہے جو دوستی ہم پر جتاتا ہے اور ہر ایشو پر سپورٹ ہمارے ہمسائے کی کرتا ہے) کہ پاکستانی ہمسایہ جی ! یہ آپ کی اپنی بانی جماعت کا رکن بھی جھوٹا ہے؟ اگر یہ سچا ہے تو پھر آپ سب جھوٹے ہیں۔ لہٰذا ایک کام لازم کیجئے یا تو سیکولر اوڑھنی لیر لیر کر دیجئے اور دنیا کو سچ بتا دیجئے کہ آپ ایک کٹر ہندو ریاست ہیں یا پھر آیئے ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیجئے، تعصب، بغض، کینہ کو پرے پھینکئے اور اخلاص و محبت سے پاک بھارت دوستی کا آغاز کرتے ہیں۔ لیکن سوچنے کا مقام ہے کہ محمد علی جناح کہ سادہ سے چودہ نکات ٹھکرانے والے کیا ہمارے دوست بن پائیں گے؟ ہمارے ملک کو دو ٹکڑے کرنے کی سازش کرنے والے ہمیں کوئی نفع دے سکیں گے؟

معصوم چہرہ انصاف مانگتا ہے

جب معاشرے انصاف کو جنم دینا چھوڑ دیتے ہیں تو بے حسی 'لاپرواہی اور ظلم کو برداشت کرنے کی قوت بڑھ جاتی ہے ۔ پھر ایسے ان گنت واقعات بھی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں جن کی کہانی کا ایک ایک لفظ ظلم 'بربریت 'کمینگی اور بھیانک مناظر کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے۔ایسی کہانی تخلیقی نہیں بلکہ حقیقی ہوتی ہے۔یہ کسی کاغذ پر نہیں بلکہ انسان کے احساسات 'خوشیوں اور معصوم خواہشات کی قبر پر رقم ہوتی ہے۔سامع کو متاثر کرنے کیلئے اس کہانی کو کسی درد بھری آواز کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ اپنے اندر اتنا کرب 'غم 'درد اور سسکتی آہیں لیئے ہوتی ہے کہ سننے والے کو ایسے لگتا ہے جیسے یہ منظر اس کے ساتھ بیت رہا ہے یا پھر کوئی اس کی قوت سماعت کے راستے اس کے اندر سیسہ پگھلا کر انڈیل رہا ہے۔ہمارے گردوپیش میں ایسی کہانیاں روز جنم لیتی اور روز تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہیں۔ لیکن ہمارے اندر بے حسی اور خوف نے فولادی مزاحمت پیدا کر دی ہے۔ایسی کہانیاں ہر لمحہ ہر سو ہم سے ٹکرا کر ایسے لوٹ رہی ہیں جیسے کوئی نحیف شخص لوہے کے باٹ پر جب سر مارتا ہے تو پرانا دکھ بھول جاتا ہے۔اگر بھولے سے کوئی بشر اپنے کسی حق کیلئے کسی منصف کا دروازہ کھٹکا بیٹھتا ہے تو پھر وہ اپنی بچی کھچی پونجی گنوا کر نئے غم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ہاں مگر جب کسی کہانی کو لکھاری کے الفاظ مل جائیں یا کیمرے کی آنکھ تو بس

اتنا ہوتا ہے کہ متاثرہ شخص معروف ہو جاتا ہے۔شاذو نادر ہی انصاف ملتا ہے اور اگر مل بھی جائے تو بہت دیر سے یا بہت مہنگا۔آج ایک ایسی ہی کہانی ہم بیان کرنے لگے ہیں جس نے ہمارے انگ انگ میں کھلبلی مچادی ہے ۔ہمارا قلم آزردہ ہے۔اور آنکھ شاید اسلیئے نم نہیں کہ وہ ورطہ حیرت میں مبتلا ہے کہ ہم اکیسویں صدی میں بھی قرون وسطی کے مظالم سہہ کر خاموش ہیں۔ ظلم کے خلاف جتنی دیر سے اُٹھا جائے اتنی ہی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

20 جولائی کو اخبار میں خصوصی جگہ لیئے یہ خبر نمایاں تھیں کہ سرگودھا کی تحصیل بھلوال میں زمیندار نے اپنے ملازم کے دس سالہ بچے کو پانی نہ پلانے کے جرم میں انتہائی بہیمانہ انداز سے کلہاڑیاں مار مار کے ادھ موا کرنے کے بعد ٹریکٹر کے روٹر میں ڈال کر ہمیشہ کیلیئے سلا دیا۔بچے کے والدین کو تا حال دھمکایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے زبان کھولی تو تمہاری نسل ختم کر دی جائے گی"۔اس سے قبل ملتان کا ایک واقعہ منظر عام پر آیا تھا کہ جگ توڑنے کی پاداش میں بچے کو انتہائی کربناک انداز میں نیند کی وادی میں ہمیشہ کیلیئے بھیج دیا گیا۔حضرت علی فرماتے ہیں "لوگوں سے ایسا میل جول رکھو کہ اگر تم مر جاؤ تو وہ تم پر روئیں اور اگر جیو تو تمہاری طرف مائل رہیں"۔اگر ہمارے حکمران چاہیں تو اس زریں قول پر مسلسل عمل کر کے اپنے آپ کو دائمی حیات عطا کر سکتے ہیں۔ پچھلے چند ماہ میں اکثر گھر پر کام کرنے والے بچوں پر تشدد کے واقعات سامنے آئے ۔چند لمحات کیلیئے

کھلبلی مچتی ہے مگر مستقل حل تلاش نہیں کیا جاتا۔ ہم اس کالم کے توسط سے خادم اعلی پنجاب سے اپیل کرتے ہیں کے بہلوال کے واقعہ کا نوٹس لے کر ذمہ داران کے خلاف کاروائی کرائی جائے' اس ضلع کا معصوم چہرہ انصاف مانگ رہا ہے جہاں سے حکمران جماعت کی قیادت کو ایک لاکھ سے زائد ووٹ ملے۔ اور ایسا اہتمام کیا جائے کہ شفاف تحقیق ہو اور متاثرہ فریق کو سستا اور فوری انصاف میسر ہو سکے۔ نیز اس ضمن میں ایک بہترین اور مربوط حکمت عملی تشکیل دی جائے۔ تاکہ معصوم کلیوں کو کھلنے سے پہلے مسلنے والوں کو عبرت کا نشان بنا کر ایسے واقعات کا تسلسل توڑ کر یہ باب ہمیشہ کیلئے
بند کیا جا سکے۔ بچے سب کے سانجھے ہوتے ہیں۔ اگر حکومت نے ایسے واقعات سے اغماض برتا اور فاترالعقل مشوروں پر چلی تو نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ لوگ متنفر ہو جائیں گے اور کل کو کوئی قوت اگر حکومت کے خلاف کھڑی ہوتی ہے تو یہی لوگ اسے خوش آمدید کہیں گے۔ اور پھر وہی ہو گا جس کی تمنا نہ ہم کرتے ہیں اور نہ ہی اہل جمہوریت۔

وفاق کا مستحسن قدم

بجلی کا بحران وہ مسئلہ ہے جس نے پی پی پی کو دیوار سے لگانے اور مسلم لیگ کو اقتدار میں لانے کیلئے اہم فریضہ انجام دیا۔خادم اعلی اور موجودہ پاکستانی قیادت کے وعدوں نے عوام کے دلوں میں رمق پیدا کی جس کا نتیجہ قومی وصوبائی اسمبلی میں اکثریت حاصل کرنے پر منتج ہوا۔اب بپھرے ہوئے عوام اس مسئلے کا فوری حل چاہتے ہیں۔جس کا ادراک میاں صاحبان کو اچھی طرح ہے اور رہنا بھی چاہیئے کیونکہ بجلی ہر ملک کیلئے اقتصادی' معاشرتی ومعاشی لحاظ سے لازم وملزوم ہے۔پچھلے دنوں میاں صاحب کی موجودگی میں فیصل آباد میں ایک تگڑی چوری پکڑی گئ جولائق تحسین ہے اوراس سے عوام کے سامنے یہ بات بھی آئی کہ جن تاجران کو ن لیگ کی ریڑھ ہڈی تصورکیاجاتاہے انھیں بھی معاف نہیں کیاجارہا۔اسکے ساتھ ساتھ خادم اعلی پنجاب بھی سرگرم ہیں ان کے بیانات بھی اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔حکومت کو چاہیئے کہ سلسل محنت اوردلجمعی کے ساتھ اس ضمن میں کوششیں جاری رکھے۔اور بجلی چوری کے واقعات میں سیاسی مداخلت کوجڑ سے اکھاڑ پھینکے تب ہی وفاق کی محنت حقیقی رنگ لائے گی۔ محبوب خداحضرت محمد ﷺ نے فرمایا"تم میں سے پہلی امتیں اس لیئے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمتر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزادیتے تھے۔اوراونچے درجے کے لوگوں

کو چھوڑ دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا" (بخاری کتاب الحدود)۔

گھریلو صارفین کے ساتھ ساتھ کمرشل ایریاز اور کارخانوں کی بھی پیہم سراغ رسانی جاری رکھی جائے۔ عوام میں گیس و بجلی چوری کے متعلق آگاہی مہم چلائی جائے۔اس معاملے میں وفاق کو اپنے ہمنوا افراد کی رائے لینے کے ساتھ ساتھ ناقدین کی رائے پر بھی غور و خوض کرنا چاہیئے۔ تمام صوبوں کو چاہیے کہ لائن لاسز اور بجلی چوری کی روک تھام میں خلوص دل سے اسلام آباد کی مدد کریں نہ کہ لوڈشیڈنگ لوڈشیڈنگ کی گردان دہرا دہرا کر حکومت پر لایعنی پریشر ڈویلپ کرنے کے چکر میں پڑے رہیں۔ جیسا کہ سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ اگر صوبے لائن لاسز کنٹرول نہیں کر سکتے تو پیپکو کیسے کرے گا ظاہر سی بات ہے وفاق اور پیپکو کے پاس کوئی الہ دین کا چراغ تو ہے نہیں)۔اگر ایسا کیا جائے کہ جن فیڈرز پر چوری زیادہ ہے وہاں لوڈشیڈنگ کے دورانیے میں قدرے اضافہ کرکے عوام سے کہا جائے کہ چوری پکڑنے میں ہماری مدد کی جائے تو لوڈشیڈنگ کم ہو جائے گی (اتنا بھی نہ کیا جائے کہ بقول غالب "مشکلیں اتنی پڑیں کہ آساں ہو گئیں) ۔کیونکہ جب کوئی معلوم ہوتے ہوئے بھی چوری کی اطلاع سرکار کو نہیں دیتا تو وہ بھی گناہ گار بنتا ہے۔

حکومت کو چاہیئے کہ آبی جارحیت کرنے والے بھارت سے بھی عالمی سطح پر نمٹا جائے جو پاکستان کے حصے کے پانی پر ڈیم تعمیر کر رہا ہے۔ شنید ہے کہ جماعت علی شاہ نے آبی مسائل پر بھارت کے ساتھ جان بوجھ کر سستی کی اگر واقعتا ایسا ہوا ہے تو وفاق پر لازم ہے کہ ملزم کو کیفر کردار تک پہنچائے اور سازش کو اقوام عالم کے سامنے بے نقاب کرے۔ دوستی کا ہاتھ سب کیلئے بڑھایئے لیکن پہلے اسلام و پاکستان۔

جہاں بجلی چوروں کے خلاف آپریشن کو عوامی حلقوں میں حکومت کا مستحسن قدم قرار دیا جا رہا ہے وہیں سیلاب پر خدشات کا بھی انبار لگ رہا ہے۔ آج کل فیصل آباد' لاہور' گوجرانوالہ' سیالکوٹ' کامونکی اور متعدد اضلاع میں بارشوں کا پانی گلیوں محلوں کو تباہ کر رہا ہے۔ غریبوں کی خون پسینے کی کمائی بے رحم لہروں کی نذر ہو رہی ہے۔ اگر مختلف مقامات پر چھوٹے چھوٹے ڈیم بنا کر پانی ذخیرہ کر لیا جائے تو نہ صرف سیلاب کے نقصانات سے بچا جا سکتا ہے بلکہ اس سے کافی سارے علاقے کو سیراب بھی کیا جا سکتا ہے۔ نمل جھیل سمیت متعدد ایسے مقامات ہیں جہاں سے بجلی بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ جولائی' اگست اور ستمبر میں ہم پانی میں ڈوب کے مرتے ہیں اور اپریل' مئی' جون اکتوبر' نومبر' دسمبر میں پانی کی بوند بوند کو ترستے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک سیاسی شخصیت کا بیان نظروں سے گزرا کہ شہر میں بارش کے پانی کا مسئلہ پچھلے پچاس برس سے ہے۔ جناب ہم آپ کی بات کو مانتے ہیں۔ سیلابی

پانی میں چلنے پر سراہتے ہیں لیکن عرض ہے کہ اسکا حل بھی تو انتظامیہ وسیاسی قائدین نے کرنا ہے اگر پچاس برس سے ایسا ہے تو پھر تو واقعتاً بہت افسوس کی بات ہے کیا اس شہر پریشاں میں پچاس برس کسی کی حکومت نہیں رہی ؟ جو تڑپتے بلکتے لوگوں کی جان ومال کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتی ؟ جو ان کے درد کا درماں کرتی ؟۔ محترم ! پیرس میں 1910 میں سیلاب نے شدید تباہی مچائی ۔ایک محتاط اندازے کے مطابق اس سیلاب نے فرانس کے ڈیڑھ بلین ڈالر ڈکار لیئے ۔فرانس میں اسکے بعد بھی متعدد بار جناب سیلاب صاحب تشریف لائے لیکن پھر فرانس کی گورنمنٹ نے اسے عمارتیں اور انفرا سٹرکچر ملیامیٹ نہیں کرنے دیا انقلابی اور موثر اقدامات کیئے جنھوں نے بے درد لہروں کو پچانوے فیصد بے ضرر بنائے رکھا۔ جبکہ ہمارے ہاں تو ہر سال ہزار انسان کروڑوں کے مال مویشی اور ہزار ہا ایکڑ کھڑی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ہم کب تک اسی طرح برباد ہوتے رہیں گے ؟ ذلیل وخوار ہوتے رہیں گے ؟ وزیر اعلیٰ پنجاب 2010 کے سیلاب میں بھی ملک کے باقی وزراء اعلیٰ کی نسبت آپ نے بہت محنت کی تھی ۔ ہمیں آپ کے عزائم پر کوئی شک نہیں لیکن آپ سے اپیل ہے کہ خدارا ہنگامی اقدامات کر کے سیلاب متاثرین کی دادرسی کریں اور ایسی مربوط وپائیدار حکمت عملی بنائیں کہ پھر سیلاب ایسا غضب نہ مچاسکے ورنہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ یہ بپھری ہوئی موجیں ایوان اقتدار کی بنیادیں تک ہلا کر رکھ دیں گے ۔ عوام سے بھی التماس ہے کہ نفع و نقصان کے مالک محمد ﷺ کے خدا کے حضور استغفار کریں اور آخروی زندگی کو تو سنوار لیں دنیا میں تو جیسے تیسے حیاتی کے

دن بیت ہی رہے ہیں۔اور استغفار کی تسبیح انھیں ان مسائل سے بھی چھٹکارا دلادے گی جن کی توقع عوام الناس غیر اللہ سے رکھے ہوئے ہیں۔

انسان کی زندگی میں کبھی کبھی ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے' بڑی بڑی آفتیں جھیلنے والے بھی دین پر ضرب لگتی دیکھیں تو انکی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں ہیں ۔شاید یہی وجہ ہے کہ گزشتہ کچھ روز سے عشاق رسول ﷺ کا قلم دہائی دے رہا ہے' الفاظ رو رہے ہیں' ذہن ماؤف اور جسد خاکی پر لرزہ طاری ہے۔حیرت کی بات نہیں تاریخ شاہد ہے کہ اہل بیت رسول ﷺ پر کس طبقہ نے اور کیوں مظالم ڈھائے ۔واقعہ کربلا انسانیت کے لیئے جہاں مشعل راہ ہے وہیں تاریخ انسانی کے بدقسمت ترین انسان کی پیشانی پر بدنما داغ ہے۔یہی وہی لوگ ہیں جن کے لیئے دین نہیں' حق و خیر نہیں بلکہ تخت و تاج' مال و متاع اور جاہ حشمت ہی سب کچھ ہے۔آپ انھیں خارجی کہیئے'

کلمہ گو بدبخت کہیئے یا منافق کہیئے' حقیقت یہ ہے کہ یہ اس دائرے میں نہیں ہیں جسے اسلام کہتے ہیں۔

انسان کی روح کو گھائل' احساسات کو زخمی' قلوب کو مثل ماہی بے آب اور آنکھوں سے لہو وہی باتیں رواں کرتی ہیں جن میں اُن کے محبوب پر یا اس کے قرابت داروں

پرزخم لگانے کی خبر ہو۔ سیدہ زینب کا اس سے بڑا کیا تعارف ہوگا کہ وہ نواسی رسول ﷺ ہیں ۔ جن کے اسم مبارک زینب کا مطلب ہے ''باپ کی زینت'' باپ کون ؟ علم کا دروازہ 'شیر خدا' داماد رسول ﷺ 'اندازہ کیجئے اسکی زینت کتنی عفت ماب ہو گی 'اس کا مقام یقینا انسانی عقل سوچتے سوچتے منجمد ہوتی ہو گی۔

ہجرت کے چھٹے سال 5 جمادی الاول کو آپ کی ولادت ہوئی۔آپ امام عالی مقام سیدنا حسین سے دو سال چھوٹی تھیں۔ جناب زینب کی ولادت کے وقت دوجہانوں کے سردار مدینہ سے باہر تھے۔جب تشریف لائے تو آپ نے سیدہ کو آغوش میں لیا اور فرمایا میں حاضرین وغائبین سے وصیت کرتا ہوں کہ اس بچی کا احترام کریں یہ بچی خدیجہ سے شبہات رکھتی ہے۔ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ کو نام ''زینب جبرئیل امین نے بتایا۔ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے بچی'' کو گود لیا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ۔جب وجہ پوچھی گئی تو سرورکائنات نے ارشاد فرمایا ''خدا کی جانب سے جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ اس نومولود کے رنج و غم اور مصائب بے شمار ہوں گے اور یہی میرے گریہ کی علت ہے''۔ حجتہ الوداع میں نانا کے ساتھ تھیں ۔جب وہ سات سال کی ہوئیں تو نانا شاہ کونین کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا۔اسکے تین ماہ بعد والدہ ماجدہ کی اس دنیا سے رخصت نے سیدہ زینب کو رنج و غم میں ڈبو دیا۔خدا جانے قدم قدم پر کیوں اہل بیت رسول ﷺ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ہمارے ایک دوست کہتے تھے کہ میں نے دادا سے سنا ہے کہ

اگر واقعہ کربلا من وعن کسی کے گوش گزار ہو جائے تو وہ پوری عمر مسکرانے سے قاصر رہے گا' لیکن یہ ذیشان گھرانہ صبر وشکر کے مقام پر فائز رہا۔

حضرت زینب بلند قامت' خوبصورت اور عالی مقام تھیں۔آپ کی تربیت امیر المومنین نے کی ۔یہ اسی اعلیٰ درگاہ کا ہی اثر تھا کہ آپ وقار وعظمت میں اپنی نانی جناب خدیجہ 'عفت اور حیامیں اپنی والدہ محترمہ 'فصاحت وبلاغت میں اپنے والد' صبر وضبط میں اپنے بھائی حسن اور شجاعت وقوت قلب میں اپنے بھائی حسین کی مانند تھیں۔آپ کا لہجہ حضرت علی کا تھا۔ویسے تو تاریخ میں آپ کے 61 القاب مذکور ہیں۔لیکن آپ کو زیادہ تر ثانی 'الزہرا اور ذہانت وفطانت کی بنیاد پر عقیلہ القریش کہا جاتا رہا ہے۔

آپ کی شادی عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے ہوئی ۔آپ کے پانچ صاحب زادے تھے جن میں سے عون ومحمد واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔کربلا کے دلخراش سانحہ کے بعد سیدہ زینب ہی تھیں جنھوں نے اس لٹے پٹے خانوادہ رسول ﷺ کو سنبھالا۔امام زین العابدین کو ابن زیاد کے جبر واستبداد سے زندہ بچالائیں۔ابن زیاد اور کوفہ کے بازاروں میں ایسی تقریر فرمائی کے دل کانپ اُٹھے اور اہل ایمان پر لرزہ طاری ہو گیا' کوفہ کہ تماشائیوں کی نظریں جھک گئیں۔ایسا لگتا تھا کہ زینب کے روپ میں امیر المومنین خطاب فرما رہے ہیں۔

یزید اپنی فتح کے زعم میں منہمک تھا کہ علی کی بیٹی نے للکار کے فرمایا
یزید اگرچہ حادثات زمانے نے ہمیں اس موڑ پر لا کھڑا کیا ہے اور مجھے قیدی بنایا گیا ہے' لیکن جان لے میرے نزدیک تیری طاقت کچھ بھی نہیں' خدا کی قسم خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی' اس کے سوا کسی اور سے گلہ شکوہ بھی نہیں کروں گی۔ اے یزید مکر و حیلے کے ذریعہ تو ہم لوگوں سے جتنی دشمنی کر سکتا ہے کر لے۔ لیکن خدا کی قسم تو ہمارے نام کو لوگوں کے دلوں و ذہن اور تاریخ سے نہیں مٹا سکتا اور چراغ وحی کو نہیں بجھا سکتا۔ تو ہماری حیات اور ہمارے افتخارات کو نہیں مٹا سکتا اور اسی طرح تو اپنے دامن پر لگے ننگ و عار کے بدنما داغ کو بھی نہیں دھو سکتا۔ خدا کی نفرین و لعنت ہو ظالموں اور ستمگروں پر''۔ ''یہ وہ حقیقت آفرین اور آتشیں خطاب ہے جس سے یزید کا تخت کمزور ہوا' نخوت کا کاخ مرمر بنی زادی کے استدلال سے پاش پاش ہو گیا اور بالاخر بنی امیہ کا سورج ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا۔ حضرت زینب کبری نے مظلوم انسانیت کو زبان و بیان کی وہ راہ سکھلائی جس کے راستے قوت گویائی سے شمشیر سناں کو بیچ اور حق کی آواز کو بلند کر کے عوام کے دلوں میں گھر کیا جاتا ہے۔ شیر خدا کی بیٹی کے عصمت شعار خطاب کی نظیر تاریخ عالم میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ اس حقیقت شعار تقریر سے قیامت تک استعمار' جبر' نخوت و تکبر کے ایوان اقتدار لرزتے رہیں گے۔ اپنے بھانجوں' بھتیجوں' بھائیوں' جواں سالہ بیٹوں کی قربانی دینے والی یہ صابر و مقدس ہستی ان حملوں سے نہیں مٹائی جا سکتی۔ خدا ایسے

ظالموں کو برباد کرے جو شریعت کا لباس چرا کر اپنے مکروہ و منافق چہرے پر اوڑھے ہوئے ہیں۔ یہ مسلمان نہیں طاغوت کے خریدے ہوئے کارندے ہیں' نہیں معلوم یہ ابن زیاد کے متعقد ہیں یا کفر کی ظلمت میں پلنے والے۔ کیسے ممکن ہے کہ جس کہ دل میں نبی پاک ﷺ کی رائی برابر عظمت بھی ہو اور وہ ان کی نواسی' اصحاب رسول ﷺ کے مزاروں کا تقدس پامال کرے' یقیناً وہ ان مقدس ہستیوں کا گستاخ ہے جن کی محبت میرے پیارے نبی کے دل میں ہے اور خدا کے نبی کو دکھ دینے والا ہرگز ہرگز جنتی نہیں ہو سکتا۔

بہر طور یہ جو بھی ہیں انکے منشور و ایجنڈے سے مسلمانوں کو خیر کی توقع نہیں کرنی چاہیئے اور اس نازک مرحلے پر آپس میں اتحاد قائم رکھنا چاہیے۔ آخر میں ان بدبخت گستاخ آل رسول ﷺ و اصحاب رسول ﷺ کیلئے سیدنا مولانا الحسین کے خطاب کا ایک مبارک جملہ ''لوگو تم میرے حسب نسب پر غور کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے آپ کو ملامت کرو''۔ پوری امت کو چاہیئے کہ اس دلخراش سانحہ پر' پرامن انداز میں اُٹھ کھڑی ہو اور ''ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' بنے مسلم حکمرانوں کی حمیت کو جگا دے۔

مسنگ پرسنز اور ڈرون حملے

کہتے ہیں کہ جدائی کا دکھ وہی جانتا ہے جو اس آگ کے سمندر میں سے گزرا ہو لیکن یہاں بات حرف بہ حرف غلط ثابت ہوتی ہے جس ملک کے ساٹھ فیصد سے زائد ارباب بست وکشاد مختلف مواقع پر تنہائی اور جدائی کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل چکے ہوں اور پھر بھی ایسے داغدار دلوں (مسنگ کے لواحقین) کی فریاد ان کو موم نہ کرسکے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ اپنے جسم 'اپنی آنکھوں اور اپنے دماغ کو پہنچنے والی ذہنی اذیت ہی ہر ایک کے نزدیک ''کرب ناک اذیت'' ہے۔ حیران ہوں کہ ہم ایسی جلیل القدر ہستی ﷺ کے پیرو ہیں جن کا فرمان ہے ''مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں''۔ لیکن ہمیں مطلق کوئی پرواہ نہیں' یا تو ہم مسلمان نہیں یا پھر جسم میں کوئی آہنی تقسیم کر بیٹھے ہیں۔ مجھے تو ادھر بھی برہمن ' کھشتری' ویش اور شودر نظر آتے ہیں کہیں یہ تقسیم دولت وطاقت کرتی ہے تو کہیں نسلی برتری۔ الیکشن جیتنے سے پہلے مسنگ پرسنز کی دلجوئی کرنے والے امراء چمپت ہو چکے ہیں۔

گزشتہ دنوں خان صاحب نے ڈرون حملوں کے خلاف خوب رد عمل ظاہر کیا۔ ایک اندازے کے مطابق 2005 سے 2013 کے دوران 282 ڈرون حملے ہوئے جن میں 2573 افراد

جاں بحق ہوئے اور 305 زخمی ہوئے۔ڈرون سے 5,6 نقصانات ہیں۔1۔اگر کسی ملک میں حکومتی ایماء کے خلاف ہوں تو خودمختاری پر چنگا بھلا حرف آتا ہے۔۔۔۔۔۔۔

۔اس سے عوامی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔3۔پبلک میں خوف وہراس کی فضا برقرار 2 رہتی ہے'معاشرہ بدنظمی کا شکار ہوجاتا ہے۔4۔انتہاپسندوں کے ساتھ ساتھ عوام انکے خلاف جنگ کرنے والوں کی بھی مخالف ہوجاتی ہے کیونکہ دونوں اطراف سے عوام ہی کا نقصان ہوتا ہے۔5۔ڈرون مخالف جذبات سے انتہاپسندوں کیلیئے عوامی رائے عامہ کی راہ ہموار ہوتی ہے اور بسااوقات عوام تقسیم ہوجاتی ہے۔

ان سب حقائق کے ساتھ ساتھ مسنگ پرسنز کا معاملہ بھی ہماری نظر میں زیادہ اہم ہے۔

۔افراد کو کوئی بھی اغوا کرکے لاش مسخ کرے لیکن چونکہ عوام کی حفاظت ریاست کا 1 فرض ہے اسی لیئے لوگوں کی توپوں کا رخ پولیس'ایف سی یا فوج بنتے ہیں۔2۔ڈرون کے نتیجے میں جو لوگ وفات پاتے ہیں انکے لواحقین کو چند دن کے اذیت ناک لمحات میں سے گزر کر صبر آ ہی جاتا ہے جبکہ مسنگ پرسنز کے لواحقین اپنے پیاروں کے ساتھ ساتھ خود بھی انگاروں پر چلتے رہتے ہیں۔3۔ڈرون حملوں کے خلاف عوام میں غیض وغضب کی لہر غیروں کیلیئے دوڑتی ہے جبکہ مسنگ کیسز میں اپنے ہی بددعاؤں کا شکار بنتے ہیں۔4۔ڈرون کی تعداد 282 کے لگ بھگ ہے جبکہ مسنگ پرسنز کی ملک گیر تعداد پانچ چھ ہزار کے لگ بھگ ہے۔یہ ایک ایسا ناسور ہے جس سے عوام اپنے ہی محافظوں سے خوفزدہ رہتے ہیں۔5۔ عوام کی آزادی کے حقوق صلب ہوجاتے ہیں اور ایسالگتاہے ہم جلیانوالہ باغ میں ہیں۔اور مسنگ

پرسنز کے وارثین کے دل میں جنرل ڈائر کی آمد کا خوف زور پکڑ رہا ہے۔
تمام مندرجہ بالا حقائق کو مدنظر رکھ کر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ڈرون حملے نہیں ہونے چاہیئے۔اس حقیقت کا اعتراف 14 اگست کو اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری بانکی مون نے پاکستان آمد کے موقع پر بھی کیا تھا۔ لیکن انکے خلاف ایسی موثر حکمت عملی ترتیب دینی چاہیئے جس سے عوام کو مہنگائی اور ٹریفک جام جیسے مسائل سے نبرد آزمانہ ہونا پڑے۔انٹرنیشنل پریس کانفرنسز کروائی جاسکتی ہیں' بینرز اُٹھا کر فٹ پاتھ پر کھڑا ہوا جاسکتا ہے۔پارلیمنٹ اور اسکے علاوہ پرامن احتجاج کی کئی راہیں اور بھی ہیں۔جذبات کو قابو میں رکھ کر جب زخمی کا علاج کیا جائے تو تب ہی مریض مرض سے شفاء پاتا ہے۔
جہاں تک مسنگ پرسنز کی بات ہے تو یہ ایک ایسی دیمک ہے جو ملک کی سرحدیں بھی کمزور کرسکتی ہے۔اگر ہمیں پاک فوج سے محبت ہے تو ہمیں ہر ایسی حرکت کو روکنا ہوگا جس سے پاک فوج کا وقار مجروح ہو' ہماری صفوں میں چند ایسے افراد ہیں جو اپنی انا کی خاطر اداروں کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔وزیراعظم پاکستان مسنگ افراد کے وارثوں سے بازیابی کا جو وعدہ کرچکے ہیں انھیں وفا کرنا ہوگا۔عمران خان کو بھی چاہیئے کہ پہلے گھر میں موجود بیماری کا تدارک کرنے میں سپریم کورٹ آف پاکستان کا ساتھ دیں۔کل پانچ دسمبر کو 33 افراد کو

پیش کیا جاتا ہے جس کی اُمید کم ہے لیکن اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ ایک یوٹرن ہوگا۔اور جس دن یہ معاملہ حل ہونا شروع ہوا اسی دن عوام سمجھیں گی کہ پرویز مشرف کی پالیسیاں دم توڑ رہی ہیں۔ملک بدل رہا ہے وگرنہ ایسے ملک میں رہنے کو کس کا جی چاہے گا جہاں اسے اپنوں ہی سے خطرہ محسوس ہو (گو کہ یہ کام کوئی اور ایجنسی بھی کرے لیکن پھر بات وہی کہ حفاظت کی ذمہ دار ریاست)۔تاریخ پر تاریخ دے کر دراصل سپریم کورٹ اس مسئلے کو حل کرنا چاہتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایکشن کی صورت میں ان کے پیارے ترس ترس کر مرجائیں۔ہمیں خاں صاحب کی حب الوطنی پر شک نہیں لیکن انھیں مسنگ پرسنز کیلئے بھی دوٹوک اور مضبوط مؤقف اپنانا ہوگا۔مسنگ پرسنز بھی ہمارے بھائی اور ہم وطن ہیں اور ان سے جڑے ہزاروں رشتے ڈرون حملوں میں اپاہج ہونے والے کے وارثین سے بھی زیادہ اذیت سے دوچار ہیں کیونکہ وہ ان کی آواز'صورت اور حتی کہ موجودگی کی حقیقت سے بھی بے بہرہ ہیں۔اور اپنے پیاروں کے ساتھ ساتھ خود بھی موت وحیات کی کشمکش میں ہیں۔

قیدی نمبر 379

حضرت علی فرماتے ہیں ''کفر کی حکومت قائم رہ سکتی ہے ظلم کی نہیں ''۔جس ملک کی عدالت کا انصاف ہماری گونگی 'بہری 'اندھی اشرافیہ (متحدہ پاکستان سے لے کر ۔۔۔ نجانے کب تک ۔۔) کی مانند محو استراحت ہو'جہاں آنکھوں پر بغض 'تعصب وکینہ کی دبیز تہہ جم چکی ہو 'جہاں اخلاقیات 'خلوص اور ایمان کا جنازہ نکل چکا ہو'جہاں ہوس اقتدار' حصول تاج اور انتقام کا جہنم سلگ رہا ہو وہاں ملا عبدالقادر شہید جیسے افراد کے لیئے انسانی برابری کے تصورات دم توڑ دیتے ہیں۔

ملا عبدالقادر نے پہلے یوم آزادی 14 اگست 1948 کو مشرقی پاکستان کے ضلع فریدپور کے ایک دیہات امیرآباد میں آنکھ کھولی ۔ڈھاکہ یونیورسٹی سے ایم کیا۔ وہ جماعت اسلامی میں اہم عہدوں پر جلوہ گر ہوتے رہے۔ مشرقی پاکستان کے ایک بنگالی اخبار روزنامہ سنگرام کے ایڈیٹر بھی رہے (بمطابق انسائیکلوپیڈیا)۔ان پر الزام ہے کہ انہوں نے اپنے ملک کو دو ٹکڑے ہونے سے بچانے کیلیئے رکاوٹیں کیوں کھڑی کیں ؟؟ان کا جرم واقعی ناقابل معافی تھا کیونکہ انہوں نے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کی تقسیم میں کلمہ کی بنیاد پر مزاحمت کی۔ لیکن

اندھوں کو بتادو کہ ''دو قومی نظریہ'' پر دسمبر 2013 میں ایک ایسے انسان نے جان دی ہے جو بنگال کا شہری ہے' جو بنگال کی اسمبلی کا دو مرتبہ ممبر بھی رہ چکا ہے۔جس کی زبان بنگالی اور پیدائش بھی بنگال کی ہے لیکن اس کے آخری خط میں لفظ پاکستان زندہ ہے۔
دسمبر 2011 کو عبدالقادر ملا پر 1971 کے دلخراش سانحات کو بنیاد بناتے ہوئے 18 جھوٹے مقدمات قائم کیئے گئے۔ان پر الزام عائد کیا گیا کہ انہوں نے سقوط ڈھاکہ کے دوران 300 سے زائد افراد کو ڈھاکہ کے علاقے میرپور میں قتل کیا یا کروایا۔ان پر عصمت دری کا بھی الزام ہے۔چار عشرے گزرنے کے بعد باعمل مسلمانوں کے خون سے انتقام کی آگ بجھانے اور اقتدار کی شمع کو فرزندان اسلام کے خون سے روشن رکھنے کیلئے یہ بہیمانہ انداز روا رکھا گیا۔بنگال کی سپریم کورٹ جس میں مسلمان جج بھی شامل ہیں نے بدنام زمانہ نورمبرگ ٹرائل کا حوالہ دیا ہے۔نورمبرگ ٹرائل کے محرکات بھی پوری عمر شرم سے سر جھکائے رہے لیکن شائد انصاف کے قاتلوں کو یہی جواز راس آیا ہو کیونکہ ان کے پاس ایسے خون آشام فیصلے کو سہارا دینے کیلئے کسی بھی انصاف پرست معاشرے یا منصف مزاج انسان کی عدالت نے بیساکھیاں فراہم نہیں کیں۔الفاظ ملاحظہ کیجئے نورمبرگ ٹرائل کے بوجھ سے میرا سر شرم سے جھکا ہوا ہے'' سپریم کورٹ صدر جیکسن '' کی ذاتی ڈائری سے۔

متعدد عالمی اداروں نے بھی اسکی مذمت کی لیکن ویسی نہیں جیسی کسی لبرل یا مذہب سے نفرت کرنے والے افراد کے خون حق پر دی جاتی ہے۔اور رہ گئی بات اس ملک کی جسے پاکستان کہتے ہیں تو اسکے ہاں تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ' جہاں قوم کے مجرم جھنڈے میں دفنائے جاتے ہوں وہاں حقیقی پاکستانیوں کیلئے جگہ کہاں۔۔بقول شاعر۔۔ان حسرتوں سے کہو کہیں اور جا بسیں اتنی جگہ کہاں ہے دل داغدار میں۔ میرے نزدیک عبدالقادر ملا شہید ہیں لیکن جس دیدہ دلیری سے انسان کا خون ناحق بہایا گیا اس پر تمام مسلم ممالک کو سراپا احتجاج ہونا چاہیئے کیونکہ عبدالقادر ملا نے

استعارہ ''پاکستان'' استعمال کیا ہے اور پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہونے والی دوسری ریاست ہے (پہلی مدینہ منورہ)۔۔یزیدیت کا مظاہرہ پاکستان میں ہو' افغانستان میں یا کسی بھی اسلامی یا غیر اسلامی ملک میں فلسفہ کربلا پر یقین رکھنے والوں کا حق ہے کہ بیانگ دہل مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں تامل نہ کریں کیونکہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو نہ صرف اسلامی ملک بنگلہ دیش میں مزید مظلموں کو شہید کیا جائے گا بلکہ کل کلاں کو اگر کسی ملک میں تقسیم کی سازش کی گئی تو ملکی افواج کے ساتھ قدم ملانے سے پہلے عام مسلمان سو بار سوچے گا۔

اب ذرا عبدالقادر ملا کے خط کے کچھ الفاظ جنہیں پڑھ کر آپ کا یقین 'یقین کامل میں بدل جائے گا کہ غیرت مسلم زندہ ہے' شہادت کا شوق تابندہ ہے' راہ حق کے

مسافر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہیں' صراط مستقیم پر صبر واستقلال سے قائم رہتے ہیں اور صرف سیدنا محمد ﷺ کے رب سے ہی نفع ونقصان کی توقع رکھتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمہ وبہ نستعین "

قیدی نمبر 379 سکنہ :کال کوٹھری'سنٹرل جیل ڈھاکہ مجھے نئے کپڑے فراہم کر دیئے گئے ہیں ۔نہانے کا پانی بالٹی میں موجود ہے۔سپاہی کا آڈر ہے کہ جلد از جلد غسل کرلوں۔کال کوٹھری میں بہت زیادہ آنا جانا لگا ہوا ہے۔ہر سپاہی جھانک جھانک کر جا رہا ہے۔کچھ کے چہرے افسردہ اور کچھ چہروں پر خوشی نمایاں ہے۔ان کا بار بار آنا جانا میری تلاوت میں خلل ڈال رہا ہے۔میرے سامنے سید مودودی کی تفہیم القرآن موجود ہے ۔ترجمہ میرے سامنے ہے۔"غم نہ کرو'افسردہ نہ ہو'تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو"۔سبحان اللہ کتنا اطمینان ہے ان کلمات میں ۔میری پوری زندگی کا حاصل مجھے ان کلمات میں مل گیا ہے۔زندگی اور موت کے درمیان کتنی سانسیں ہیں یہ رب کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔مجھے اگر فکر ہے تو اپنی تحریک اور کارکنان کی ہے۔اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان سب پر اپنا فضل اور کرم قائم رکھے امین۔اللہ پاکستان کے مسلمانوں اور میرے بنگلہ دیش کے مسلمانوں پر آسانی فرمائے۔۔"۔

یہ ہیں اس بنگلہ دیشی شہری کے الفاظ جسے حب اسلام میں سزادی گی' محبت پاکستان میں پھانسی دی گئی۔ سنا ہے کہ ہمارے ہاں اب قرارداد منظور ہوئی ہے لیکن یہ کام قراردادوں تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ مجیب بھٹو معاہدے پر عمل درآمد کیلئے ٹھوس اقدامات کیئے جائیں جس کے مطابق دونوں ممالک جنگی جرائم کے مقدمات فریز کر چکے ہیں۔اور وزیراعظم پاکستان سے اپیل ہے کہ اپنے 1992کے وعدے کے مطابق ان ڈیڑھ دولاکھ بہاریوں کو وطن لے آئیں جنھوں نے دولت 'عزت 'انا سب کا سب کچھ پاکستان کے عشق میں گنوادیا ہے انکی تاریک زندگی دیکھ کر یہی لگتا ہے کہ اگر ان کے پاس کچھ باقی ہے تو پاکستان سے لگاؤ اور وہ ہم سے زیادہ محب وطن ہیں۔وزیراعظم پاکستان کو ہر حال میں اس کام کو انجام دینا چاہیئے کیونکہ میاں صاحب وطن سے جدائی کا دکھ سہہ چکے ہیں اگرچہ وہ محلات میں رہے ہیں اور بہاری غربت کی لکیر سے بہت نیچے کسمپرسی 'افلاس'مایوسی اور اپنوں کی بے اعتنائی جیسے کربناک وجاگسل لمحات میں تین نسلیں گزار چکے ہیں۔

۔نوٹ : میرا جماعت اسلامی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ نظریاتی اختلاف ہے لیکن عبدالقادر ملا کی روح پرور فکر'اصول پرستی اور بے گناہی نے میرے دل کو گہرا صدمہ پہنچایا ۔اور میرا قلم سے عہد ہے کہ اپنے دور کہ ہر یزید کے خلاف اسے لکھنے سے نہیں روکوں گا۔

اہل صحافت پر مظالم

اہل صحافت مزدوروں کی مانند وہ معصوم قبیلہ ہے جو عمارت تو بنا سکتا ہے لیکن اس میں رہ نہیں سکتا۔ چھپڑ ہوٹل کو فور سیزن ریسٹورنٹ میں بدل سکتا ہے مگر وہاں شیئر حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ وہ ستم رسیدہ طبقہ ہے جو عوام کے حقوق کی حفاظت تو کرتا ہے لیکن عوام کے لوگ اس کے خون سے پیاس بجھانے والے کو کیفر کردار تک پہنچانے میں کوئی خاص کردار ادا کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔

عجب بات ہے اہل صحافت جن افراد کے حقوق کیلئے جان ہتھیلی پر رکھ کر' موسم کی جولانیوں سے بے نیاز ہو کر کام کرتے ہیں وہ انکی موت پر مگرمچھ کے آنسو بھی نہیں بہاتے۔ دھرنا نہیں دیتے' احتجاج نہیں کرتے' جلوس نہیں نکالتے ؟؟؟ ویتنام کی جنگ ہو یا حساس معاملات فرض شناس صحافی جان دے دیتا ہے مگر اپنے کام میں کوتاہی نہیں کرتا' لاپرواہی نہیں کرتا۔ جبکہ صدیوں سے نام نہاد بادشاہت و جمہوریت کے بہیمانہ ظلم و ستم سہتے سہتے بنی نوع انسان کے جسم کی کھال ادھڑ چکی ہے لیکن مجال ہے جو انکی طرف داری سے منہ موڑیں۔ ہاں ایسا ضرور ہوتا ہے کہ اگر کوئی ڈنکر کڑوا سچ بولتا چلا جائے تو اسے ملک کا غدار' غیر ملکی ایجنسیوں کا آلہ کار قرار دے کر نفرت کی آگ بھڑکانے کی مساعی کی

جاتی ہے۔ایسا نہیں کہ اہل صحافت کی صفوں میں میر جعفر و میر صادق نہیں مگر جب میلی کچیلی سیاسی عباء کو دھونے کی خاطر بے جرم وخطاء کسی پر کیچڑ اچھالا جاتا ہے تو قلم کاروں کو بھی صدمہ پہنچتا ہے۔ گو کہ حق پرست پھر بھی حق گوئی سے باز نہیں آتے لیکن دل پکار اُٹھتا ہے

جن کے لیئے مرے تھے وہ رہے وضو کرتے

صحافیوں کے تحفظ کیلئے نیویارک میں قائم تنظیم واچ ڈاگ نے سال دوہزار تیرہ کی رپورٹ جاری کی ہے جس کے مطابق رواں سال باون اہل صحافت اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران خالق حقیقی سے جاملے ۔رپورٹ میں کہاگیاہے کہ گزشتہ برس کے برعکس ٫دوہزار تیرہ میں کم ہلاکتیں ہوئیں تاہم اعداد وشمار کے مطابق یہ دوسرا بدترین سال ہے۔اہل صحافت کا سب سے زیادہ نقصان چین ٫ایران اورترکی میں ہوا۔مصراورویتنام سمیت مختلف ملکوں میں دوسوسے زائد سزائیں بھگتناپڑیں۔شام کی خانہ جنگی کو سکرین اورکاغذپر لانے کی خاطر اکیس صحافی ہلاک اور تیس لاپتہ ہوئے (آپ اگر لاپتہ لفظ کا حقیقی ترجمہ جاننا چاہتے ہیں تو بلوچستان سے کراچی تک پیدل چل کے آنے والے قافلے کے سرکردہ رکن ماماقدیر سے استفسار کیجئے جواب خالی ہاتھ لوٹ رہے ہیں)۔رپورٹ میں مزید کہاگیاکہ رواں برس مصر میں چھ ٫پاکستان میں پانچ ٫صومالیہ میں چار جبکہ برازیل میں تین صحافی اپنی جان سے ہاتھ دھوبیٹھے۔

یہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ دنیا میں سچ کو برداشت کرنے کی سکت ابھی تک تکمیل کر مراحل میں ہے۔ الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا کو ہر گز مادر پدر آزاد نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ہر ادارے کی کامیابی کا راز اخلاقی حدود کی حفاظت سے ہی ممکن ہے' لیکن ایسے واقعات نہایت قلیل ہیں کہ ضابطہء اخلاق کی خلاف ورزی پر صحافی کو موت کا پروانہ ملا ہو۔ بلکہ نوے فیصد سے زائد کیسز میں انہیں مذہبی' سرحدی' لبرل اور جمہوری انتہا پسندی نے موت کے گھاٹ اُتارا۔

اب جبکہ 2013 اختتامی مراحل طے کر رہا ہے مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ جب تک عوام صحافیوں کے سچ بولنے پر انکا ساتھ نہیں دیں گے عوام پورے سچ سے محروم رہیں گے کیونکہ یا تو سچ بولنے والے کی زبان گنگ کر دی جائے گی یا ہاتھ منجمد کر دیئے جائیں گے اگر ایسا کچھ نہ ہو سکا تو پھر سنسر کی وہ کاری ضرب لگائی جائے گی جو تحریر و بیان کی شہ رگ کو کاٹ ڈالتی ہے۔ حمود الرحمٰن رپورٹ پا کر بھی لوگ تذبذب کا شکار رہیں گے کہ ممکن ہے اسکے صفحات بدل دیئے گئے ہوں۔

اہل صحافت مزدوروں کی مانند وہ معصوم قبیلہ ہے جو عمارت تو بنا سکتا ہے لیکن اس میں رہ نہیں سکتا۔ چھپّر ہوٹل کو فور سیزن ریسٹورنٹ میں بدل سکتا ہے مگر وہاں شیئر حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ وہ ستم رسیدہ طبقہ ہے جو عوام کے حقوق کی حفاظت

تو کرتا ہے لیکن عوام کے لوگ اس کے خون سے پیاس بجھانے والے کو کیفر کردار تک پہنچانے میں کوئی خاص کردار ادا کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔

دہلی اور عام آدمی پارٹی کے بدلتے رنگ

دہلی ایک تاریخی شہر ہے۔جس میں موجود لال قلعہ اور جامع مسجد مغلوں کے پر شکوہ دور کی چغلی کھاتے ہیں تو قطب مینار قطب الدین ایبک کے دور کی یادگار ہے۔

1649 سے 1857 تک اسے برصغیر کے دار لحکومت بننے کا شرف حاصل رہا۔اسکے بعد 12دسمبر 1911 کو دہلی دربار کے دوران جارج پنجم 'کوئین میری کے اعلان کے بعد دار لحکومت کلکتہ سے دہلی منتقل کردیا گیا۔دہلی دنیا کا دوسرا گنجان آباد شہر ہے۔نئی دہلی 14,484km2 رقبے کے لحاظ سے انڈیا کا سب سے بڑا علاقہ ہے۔

2013 کی مردم شماری کے مطابق نئی دہلی کی کل آبادی 16,787,941 ہے جس میں 53.53 فیصد یعنی 8,987,326 مرد اور 46.47 فیصد یعنی 7,800,615 خواتین ہیں۔دہلی میں مجموعی خواندگی شرح 86.2 فیصد ہے۔دار لحکومت کے رول اور اربن ایریا کے تناسب سے یہ شرح 86.3 اربن ایریا میں جبکہ 81.9 فیصد رول ایریا میں ہے۔اور اگر مرد و خواتین کا تناسب دیکھا جائے تو دار لحکومت کے 90.9 فیصد مرد اور 80.8 فیصد خواتین خواندہ ہیں۔

کم وبیش 15 ایکڑ پر پھیلے دہلی کے رام لیلا میدان میں کرپشن کے خلاف انا ہزارے کی تحریک نے اپنا جوبن کے دن گزارے' اور ہندوستانی اخبارات کے مطابق ہفتہ کے روز عام آدمی پارٹی" کی تاجپوشی بھی اسی میدان میں سجے گی' اروند کجریوال نئی دہلی کے" ساتویں وزیراعلی کے طور پر حلف اُٹھائیں گے۔۔ بارہ ماہ کی عمر میں عام آدمی پارٹی نے دہلی کی 28 نشستیں جیت کرجہاں ہندوستان کی سیاست میں ہلچل مچادی ہے وہیں کانگریس کی 8 بیسا کھیوں سے حکومت سازی کرنے جارہی ہے۔ یہ وہی کانگریس ہے جسے معتوب بناکرالیکشن کا دنگل جیتاگیا تھا۔ 25 دسمبر کو اپنی ویڈیو بیان میں کجریوال نے کہا کہ "ہم بی جے پی یاکانگریس کے بارے میں نہیں سوچتے' ہم صرف عام آدمی کے بارے میں سوچتے ہیں' ہمارا مقصد صرف عوام کے مسائل حل کرنا ہے"۔ ہندوستان ایکسپریس کے مطابق "سرکار بننے کے بعد 24 گھنٹوں کے اندر دہلی کی عوام کو 700 لیٹر پانی دینے کے وعدے پر عمل شروع کردیاجائے گا"۔

شیلاڈکشٹ کی تاریخی شکست' کانگریس کا پندرہ سالہ اقتدار کا غروب ہوتا سورج اور عام آدمی پارٹی کا ظہور اس بات کی علامت ہیں کہ نئی دہلی کی عوام اب نئی اور شفاف قیادت چاہتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کانگریس کے لیڈروں کی جانچ پڑتال ہوئی توکیاکانگریس پھر بھی اپنی حمایت 'آپ' کے ساتھ جاری رکھے گی؟ یقینا جواب نفی میں ہے۔ اور اگر کانگریس ایسا کرتی ہے تو پھر اسکا مطلب یہی ہوا کہ وہ اپنا طرز عمل بدل رہی ہے اور اگرایسا ہوتا ہے تو پھر یہی کجریوال

کی جیت ہے۔ کجریوال نے جو وعدے عوام سے الیکشن سے پہلے کیئے تھے اور جو وہ مسلسل کیئے جارہے ہیں کیا وہ ''مشکل'' ہیں یا ''ناممکن''۔ملاحظہ کیجئے اروند کجریوال کے الفاظ دی انڈین ایکسپریس کے مطابق (ترجمہ) ''ایسا پہلی مرتبہ ہو رہا ہے کہ یہاں ایک ایسا وزیراعلی ہے جو اپنے ساتھ کام کرنے کیلئے دیانت دار لوگوں کی تمنا کر رہا ہے' جبکہ پہلے جب بھی کوئی وزیراعلی آتا (یا آتی) تو وہ ایسے ساتھیوں (وزراء) کی تلاش میں رہتا جو اسکے لیئے کرپشن کے ذریعے کمیشن کما سکیں''۔صحافیوں نے جب حلف.برداری کی تقریب میں مدعو کیئے گئے لوگوں کی وضاحت طلب کی تو اروند کجریوال نے کہا''یہ میدان رام لیلا) سب کیلئے کھلا ہوگا' یہاں کوئی ''خاص''نہیں ہوگا' تمام ''عام) آدمی'' موجود ہوں گے' تم سب کو دعوت ہے''۔

اور جہاں تک بات انا ہزارے کی ہے تو دی انڈین ایکسپریس لکھتا ہے کہ ''جب رپورٹرز نے پوچھا کہ کیا آپ حلف.برداری کی تقریب میں ہوں گے تو انا ہزارے نے کہا کہ میں بیماری کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتا''نہیں معلوم ان کے بغیر عام آدمی پارٹی کہاں تک سفر کر پائے گی کیونکہ انا ہزارے اگر اپنے ہمنوا کی حمایت کریں تو یہ جماعت.بڑوں بڑوں کی کم از کم ایک دفعہ تو چھٹی کروا سکتی ہے اور ہمیشہ کیلئے اسلیئے نہیں کہہ سکتے کہ سیاست کی زمین پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا' تاریخ گواہ ہے کبھی کبھار یہ ایسا دھوکہ دیتی ہے کہ آنکھوں پر یقین

نہیں آتا' پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ بسا اوقات رہبر راہزن بن جاتے ہیں اور عوام کو اشتعال دلا کر الیکشن جیتنے کے بعد عوام سے کوسوں دور انہیں جاگیرداروں' سرمایہ داروں کے پاس لوٹ جاتے ہیں جن کے خلاف عوام سے ووٹ لیئے ہوتے ہیں' مگر اُمید ہے کہ اروند سیاست کے میدان میں پاکستانی شعبدہ بازوں سے کہیں بہتر ثابت ہوں گے۔ اروند کجریوال کے ان الفاظ پر بحثیت پاکستانی غور کیجئے ''میں تم سب sms اور ای میل کے ذریعے مجھ سے رابطہ رکھنا' ہم اچھے سے گزارش کرتا ہوں کہ لوگوں کو اچھا مقام دلائیں گے اور انکے ساتھ چلنا چاہیں گے۔ میرے پاس کوئی منتر نہیں ہے کہ جس سے مسائل کو حل کروں لیکن اگر اچھے 'دیانت دار اور قابل کارکن ہمیں میسر آئے تو پھر کچھ بھی ناممکن نہیں رہے گا'' (انڈین ایکسپریس 26 دسمبر)۔ یہ ہیں عام آدمی پارٹی کے کنوینز کے الفاظ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنے الفاظ کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں اسکے لیئے وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔ مخالف جماعتیں ان کیلئے کیسے جال بنتی ہیں اور ان کے کارکنان کیا گل کھلاتے ہیں؟۔ لیکن اس سب سے قطع نظر یہ بات اہم ہے کہ کیا وہ اپنے منتخب کردہ راستے پر قائم رہتے ہیں یا اقتدار کی بیڑیاں پہن کر ''جیسا دیس ویسا بھیس'' کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

آخر میں عام آدمی پارٹی کے تناظر میں پاکستان کی سیاسی صورتحال کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

اس وقت پاکستان میں حقیقی تبدیلی کا علم تھامے کوئی بھی ایسی 1:

سیاسی جماعت منظر عام پر موجود نہیں۔2: ہمارے ہاں پانچ سے چھ نشستیں جیتنے والا بھی اپنا موبائل نمبر تبدیل کر دیتا ہے۔ایک ایسی پارٹی کے سربراہ ایسے بھی ہیں جن کو ابھی دو نشستیں بھی نہیں ملی تھیں اور ان کا سر آسمان کو چھو رہا تھا۔ 3۔دہلی جیسی گنجان آباد اور وسیع زمینی علاقہ کی حامل ریاست کیلئے محض چھ وزراء جبکہ ہمارے ہاں ایسے محکموں کے وزیر بھی رہے ہیں جن محکموں کا قیام کاغذں تک محدود رہا۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ وہ دن کب آئے گا کہ ہم بھارت کے مثبت اقدامات کی تقلید کریں گے ؟کیا ہم صرف ایٹم بم کے بدلے ایٹم بم بنا سکتے ہیں؟میزائل کے بدلے میزائل ؟ دفاع اشد ضروری مگر ٹیکنالوجی'آئی ٹی'ڈیمز'مضبوط خارجہ پالیسی'خودداری اپنی ثقافت کا تحفظ 'زرعی میدان میں انقلابی اقدامات'تجارت 'اور تسلسل کے ساتھ ' چلتا سیاسی نظام 'کیا یہ سب میدان قابل تقلید یا رشک کے قابل نہیں ہیں؟

نہ کھاؤ نہ پیو بس سیاست کرو غریبو

1947 کے بعد سے پاکستان کے غریب طبقے کے حصے میں سیاست آئی ہے۔ وہ جسے چاہیں تخت پر بٹھادیں جسے چاہیں تخت کیلئے ترساترسا کہ ماردیں (سمجھ جایئے ناں) ۔یقیناً آپ مجھ سے متفق نہیں ہوں گے کیونکہ غریب تو حلقہ کی ٹکٹ کے پیسے ہی نہیں بھر سکتا یا پھر اگر ٹکٹ مفت مل جائے تو اس ٹریک تک پہنچنے کیلئے جو جبری و مشروط مشقت درکار ہوتی ہے اسکے لیئے بھی کئی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور پاپڑ مفت میں نہیں ملتے یہ تو آپ کو بھی معلوم ہے اور مجھے بھی۔ لیکن اگر آپ ہر سطر کو غور سے اور تسلسل کر ساتھ پڑھتے جائیں گے تو آپ کو میرے پیچیدہ و گنجلک فلسفے کی سمجھ باآسانی آ جائے گی۔ اور آپ مجھ سے سوفیصد اتفاق کریں گے لیکن ایسا اتفاق رائے نہیں جس کے تحت اکثر سیاسی جماعتیں بلدیاتی ٹکٹ بانٹ رہی ہیں ۔ سرائیکی میں کہتے ہیں ''انھاں ونڈے ریوڑیاں تاں ول ول ڈیوے آپنٹڑیاں نوں''۔ یہ مثال ویسے ہی یاد آ گئی وگرنہ میں اتنا کم فہم شخص نہیں کہ دن رات جمہوریت کا راگ الاپنے والوں پر ایسے کڑوے کیسلے جملے کسوں ؟؟۔

موقع کی مناسب سے ایک واقعہ یاد آ گیا' چلو آپ سے بھی شیئر کر لیتے ہیں 'ہم کوئی فلاں جمہوری پارٹی کے صدر تھوڑی ہیں جو کچھ بھی شئیر نہیں کرتے ۔ الیکشن

مئی 2013 سے قبل مجھے دوجوان دوستوکے ساتھ جمہوریت کا بینڈ باجہ بجانے والی ایک سیاسی جماعت کی میٹنگ میں جانے کااتفاق ہوا۔اس علاقہ کے صدر صاحب بڑے جوش وجذبے کے ساتھ کارکنان کے خون میں گرمی پیداکررہے تھے کہ ''میرے عزیزدوستواُٹھواورجنگ لڑوجاگیردارکے خلاف' سرمایہ دارکے خلاف'' اپنی عادت سے مجبور ہم ماہی بے آب کی مانند تڑپنے لگے کیونکہ ہمیں اُس کی تقریر میں سے تصنع وبناوٹ کی بوآرہی تھی (گوکہ اسوقت اسکی جماعت جمہوری لگتی تھی) پھر جیسے ہی اُس کے لفظوں کے پھریرے کم پڑنے لگے اور سوالات کامدہم ساآغاز ہواتوہم نے بھی حصہ ڈالاکہ جناب عالی''آپ جن وڈیروکے خلاف ان انجان جوانوکواُکسارہے ہیں اگرآپ کی جماعت نے انھیں گلے سے لگالیاتو پھران جوانوکاکیاہوگا؟؟''جواب ملا''کارکنان سے رائے لی جائے گی'ہم ان کی رائے کوہی اہمیت دیں گے''۔بلاتامل ہم نے جواب داغاکہ ''یہ توذوالفقار علی بھٹونے بھی کہاتھااورآج اُس کی جماعت میں کارکنان کاکیاحال ہے(اللہ کرے بلاول صاحب جیالوں پرعنایات کریں وگرنہ۔۔)''یہ سن کرانھوں نے بغیرجواب دیئے محفل برخاست کردی۔کچھ جوانونے مجھ سے شکوہ کے انداز میں کہاکہ آپ نوجوان طبقے کے حوصلے پست کررہے تھے'کچھ نے کہاکہ بات درست تھی موقع غلط۔ہم مسکرائے اورجواب دیاوقت کاانتظارکیجئے۔مگراسکے بعدان مظلموں کے ساتھ تقدیرنے ایساستم کیاکہ جس کی مجھے بھی توقع نہیں تھی۔گویاتنظیم نہ ہوئی کٹھ پتلی ہوئی جس کی ڈور مقہور و مجبور جوانو کو نچاتونہیں سکی لیکن ان کی امیدیں خاک میں مل'

گئیں۔ لیکن اس علاقے میں جوانو نے خوب رنگ دکھایا (الیکشن سے پہلے) ان کی بدولت انکی پارٹی کے اُمیدوار کامیاب ہوئے۔ جن کے ہارنے کا یقین کامل تھا وہ فاتح ٹھہرے۔ اب غور کیجئے کہ سیاست کی ہولی کس نے کھیلی ؟ جواب : غریب نے۔ جیتا کون ؟ جواب: امیر' جاگیر دار یا سرمایہ دار۔ ایسا محض ایک حلقے میں نہیں ہوا بلکہ معمولی فرق سے ایسا اتفاق کم و بیش پاکستان کے طول و عرض میں ہوتا رہتا ہے۔

اب آتے ہیں اس بات کی جانب کہ ''نہ کھاؤ نہ پیو''۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ہم الٹا چل رہے ہیں پہلے ٹائٹل کے آخری الفاظ ''بس سیاست کرو غریبو'' پر طبع آزمائی کی اور پھر ''ابتدائی'' الفاظ پر۔ تو جناب صرف ہم ایسا نہیں کرتے بلکہ سب کرتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ ایک ملک ''پانی'' کا کیس تقریبا ہار گیا ہے اور پھر بھی خوشیاں منا رہا ہے تو پھر ہم الٹ کیوں نہیں چل سکتے ؟۔ ہاں تو ہم پھر موضوع سے ہٹ گئے جیسے سیاسی جماعتیں پاکستان میں الیکشن جیتنے کے بعد اپنے وعدوں سے ہٹ جاتی ہیں اور وہ بھی جمپ مار کے۔ اچھا تو جناب سنیئے ایک تازہ رپورٹ کے مطابق رواں مالی سال میں کھانے پینے کی اشیاء میں 35 فیصد اضافہ ہوا ہے (رپورٹ اپنی جگہ مگر ذاتی تجربہ یہ کہ ایک جگہ پالک دس روپے کلو اور پھر وہاں سے تقریبا ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر پالک ستر روپے کلو لیکن بدگمانی نہ کیجئے پوری بات سنیئے دس روپے والی پالک کا سبز رنگ تھا جبکہ ستر روپے والی ہرے رنگ کی تھی)۔ یکم جولائی 2013 سے ابتک آٹا 12 فیصد' گرم

مصالحہ 38 فیصداور' دال مونگ کی قیمت محض 35 فیصد بڑھی ہے۔ دودھ
سرف' صابن' خوردنی تیل اور گیس کی قیمتوں میں سترہ فیصد اضافہ ممکن ہو سکا ہے۔ دال' مسور' ثابت مسور' دال ماش' کی قیمتوں میں 25 فیصد اضافہ ہوا۔ آٹے کی قیمت بڑھ کر 45 روپے فی کلو تک جا پہنچی ہے۔ سرخ مرچ 120 روپے سے بڑھ کر ڈیڑھ سو روپے کلو ہو گئی ہے۔ ہمہ اقسام کی چائے کی پتی میں قریباً پندرہ فیصد اضافہ نوٹ کیا گیا۔ الائچی کلاں' لونگ اور کالی مرچ میں بھی حسب توفیق اضافہ کیا گیا' لفظ حسب توفیق "" قلم سے اس لیئے سرک جاتا ہے کیونکہ کچھ اضافے ہمارے دکاندار' ہول سیل
ڈیلر' بروکر اور پرچون برادران اپنی مرضی سے بھی کرتے رہتے ہیں۔ اب آپ کے ذہن میں آئے گا کہ میں حکومت کی طرف داری کر رہا ہوں ایسا ہرگز نہیں ہے میں آپ کو صرف حقائق سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں اور آپ بھی سن کر حیران ہونگے کہ یہ تمام قسم کے دکاندار حکومتی دائرہ کار سے باہر ہیں ورنہ سیدھے نہ ہو جاتے۔ اب دیکھ لیجیے چینی کی قیمت آٹھ فیصد کم ہوئی کیونکہ یہ چاروں صوبوں کے انڈر ہے۔
اب ذرا سوچیئے کہ ان اضافہ شدہ ریٹس کے بعد غریب لوگ کیا ہر روز گرم مصالحہ لہسن' ٹماٹر' ادرک' پیاز اور معیار کے مطابق گھی سالن میں ڈال سکتے ہیں ؟ ہرگز نہیں' ۔ روٹی دو کی جگہ ایک کھاتے ہیں۔ گوشت مہنگا ہو جائے تو سال میں ایک دفعہ ہی کھاتے ہیں۔ گیس کی تو خیر کوئی بات نہیں کیونکہ وہ تو ہوتی ہی نہیں

اورویسے بھی مزدور کا سالن آہوں پر بھی پک ہی جاتا ہے۔لیکن غربت کی چکی میں پسنے کے باوجود ہم سیاست ہر گز نہیں چھوڑتے ۔اکثر دھرنے دیتے ہیں'اب طاہر القادری'' تشریف لائے ہیں تو متوسط طبقے کہ ہم جیسے کئی جوان گھر کے چولہے کی'' فکر کیئے بغیر ادھر اُدھر سے روپے پکڑ کر جلسہ گاہ پہنچ کر سیاست کریں گے 'یخ بستہ ہوائیں ہمارے خون کو گرمائیں گی'خلافت کے دور کی باتیں ہمیں عزم واستقلال بخشیں گی اور ہم یہ بھول جائیں گے کہ سید نا عمرؓ کے پاس ایک سواری ہو تو بیت المقدس پہنچتے تک خادم اور حاکم باری باری سوار ہوتے تھے۔عمران خان صاحب بلائیں تب بھی جائیں گے ۔ممکن ہے نئے الیکشن سے قبل اگر کسی نئی جماعت کا ظہور ہوا اور اُس نے ٹھکیں لگائیں تو ہم اس پر بھی ضرور جان چھڑکیں گے ۔اور ہم یہ ہر گز نہیں سمجھیں گے کہ رات کو بھوکا سونے والے کا دکھ سات قسم کے کھانوں سے پیٹ بھرنے والا ہر گز نہیں سمجھے گا۔جس کا باپ یورپ سے نزلے کی دوائی لیتا ہو گا اُس کا بیٹا جھگی میں یا تنگ گلی میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے والے مرحوم کے بیٹے کے زخموں پر خاک مرہم رکھے گا۔لیکن بھینس کے آگے بین بجانا فضول ہے' میرے جیسے میرے غریب ہم وطنو!آپ نہ کھاؤ نہ پیوٗ بس سیاست کرو کیونکہ یہ ظالم لوگ ہمارے مشترکہ مسائل کو ہماری کمزوریاں سمجھ کر ہمیں استعمال کر رہے ہیں اور ہم آمنا صادقا کہہ رہے ہیں ۔اور ایسا ہم اُس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک ہمیں یہ یقین نہیں آجائے گا کہ یہ ملک ہم بھی چلا سکتے ہیں ۔اور جس دن ایسا ہو گیا ہم نے مساوات کا اصول سمجھ لیا تو پھر ہمارا کوئی نادار و زخم خوردہ

بھائی اُٹھے گا اور اللہ کی مدد سے انقلاب لے آئے گا۔ اور عدل وانصاف قائم کرکے انتہا پسندی کو جڑ سے اُکھاڑ دے گا اور کشکول تو خود بخود بکھر جائے گا۔

زرد صحافت

دنیائے صحافت میں بھی اسی طرح کھوٹے سکے ہیں جس طرح ہمارے گردوپیش کے ہر طبقے' ہر محکمے اور ہر سیاسی پارٹی میں ہیں۔ چونکہ سیاست اور صحافت سے عوام زیادہ اور براہ راست متاثر ہوتے ہیں اسلیئے اگر ان کالی بھیڑوں کے خاتمے کیلئے عوام' ریاست اور صحافی خود کوشش کریں تو مناسب پیمانے پر ان کی زرد صحافت کو تلف کیا جاسکتا ہے۔ان نام نہاد افراد کو میں صحافی نہیں بلکہ ''صافی'' کہتا ہوں' کیونکہ جس طرح دیسی صافی کا شربت پینے سے آپ کا خون صاف ہوتا ہے اسی طرح ان صافی افراد کو اپنا آلہ کار بنانے سے بعض سیاسی زعماء اور کچھ افسران بالا کا چہرہ بھی صاف ہوجاتا ہے ۔یاد رہے پنجاب کے کچھ علاقوں میں روٹی پکانے سے پہلے جس بوسیدہ کپڑے کے ٹکڑے سے توے کی کالک اتاری جاتی ہے اسے بھی ''صافی کہتے ہیں اور بعد میں اسی ''صافی ''کے ذریعے توے کو چولہے سے اتارا جاتا ہے تاکہ ہاتھ کالے نہ ہوں' سمجھ گئے ناں۔''صافی'' اخبار میں اپنے نان و نفقہ کے ذمہ داروں کی نیک نیتی' خلوص اور حب وطن کی ایسی تصویر تراشتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔

آپ کو''زرد صحافت''کی حقیقی تصویر دکھانے کیلئے اپنے ساتھ پیش آنے والے

واقعات پیش کرتا ہوں۔

جب پہلا کالم لکھ کرایک وسیع الاشاعت اخبار کے بزرگ رپوٹر کو تصیح کیلئے دیا تو وہ مجھے ساتھ لے کرایک اور چنگے وڈے اخبار کے رپوٹر کی دکان پر لے گئے۔جہاں ہماری باتیں سن کر دکاندار صاحب نے مقامی اخبار میں چھپوانے کیلئے مجھ سے دس روپیہ فی کالم مانگااور میں نے جواب دیا کہ اگر میری تحریر قابل اشاعت ہوئی تو مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں رہے گی۔اوراگر تحریر کمزور ہونے کے باوجود آپ کے ذریعے چھپ بھی گئی توجب میرا پہلا قدم غلط ہوگا تو پھر میرا مستقبل کیسا ہوگا؟صافی صاحب نے فرمایا کہ مفت میں کچھ نہیں ہوتا' مولوی صاحب آپ گزرے زمانے کی باتیں کرتے ہیں۔(پھر وہ بزرگ صحافی اور میں کسی اور جگہ جابیٹھے)۔یہی بات جب میں نے سینئر صحافی وکالم نگار محترم جبار مرزا کو سنائی تو کہنے لگے کہ کیا اس نے ڈاک خرچ مانگا تھا؟جواب : نہیں۔پھر جبار مرزا صاحب کہنے لگے اس نے مذاق کیا ہوگا تو میں نے کہا جناب وہ ''صافی'' چندہ والی صندوقچی ہے کوئی پانچ ڈالے 'دس ڈالے اسے کوئی انکار نہیں تو جناب جبار مرزا نے کہا یہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو قومی روزناموں میں اپنے کالم کی اشاعت کے لیئے دس دس ہزار دینے کیلئے تیار ہیں۔

میں نے خود تو کبھی ''صحافتی''تعارف کو استعمال نہیں کیا اسلیئے شناختی کارڈ کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروانے کیلئے تین مرتبہ ''وہاں'' جاناپڑا اور تیسری

مرتبہ چہرہ تبدیل تھاتو امید بندھی اوراس نیک اہلکار نے رپورٹ درج کی ۔البتہ پریس
کارڈ بکتے دیکھے ہیں اور خریداروں میں ڈاکٹرز تک کو دیکھا ہے'۔ برادرم فرخ شہباز وڑائچ
نے توپاپڑ اخبار کی بات کی ہے جبکہ تیسری دنیا کے ممالک میں تو"دہی بلے چینل"
سموسے چینل" "منتقلی ۔۔چینل" اور مشہور و معروف "گوڈے گٹے بھن"چینل بھی"
موجود ہیں۔اور جہاں تک اخبارات کا تعلق ہے تو یہ ایجوکیشن کی طرح ترقی پذیر ممالک
میں اب کاروبار بن چکا ہے۔میں نے ایک گیارہویں سکیل کے محافظ کو اپنی توصیفی
خبر کے بدلے صحافی کو سو روپے سے نوازتے دیکھا ہے۔ایسا بھی ہوا کہ ایم پی اے نے جب
اپنی طرف پھیر لیا اور دھڑا ptcl کال ملانے کے بعد ذرا توقف کیا تو صحافی یعنی صافی نے
دھڑ کالز ملاتا چلا گیا اور بیچارا سیاسی اپنے ذاتی فون سے کال ملانے کیلئے
کی بیچارگی پر رہ رہ کر ترس mpa انتظار کا کڑوا کسیلا اور لمبا گھونٹ پیتا رہا۔ مجھے آج بھی اس
آتا ہے۔ نت نئے روزنامے پبلش ہوتے ہیں جن میں دلکش تنخواہوں کے علاوہ لکھے
پریس کارڈ کے فوائد درج ہیں :اسکے علاوہ آپ گاڑی یا موٹر سائیکل کی نمبر پلیٹ پر پریس
رپوٹر لکھوا سکتے ہیں ۔ڈبل سواری پر پابندی کے دوران آپ کو رعائت ملے گی وغیرہ
وغیرہ۔لوگ لاکھ سمجھانے کے باوجود لٹے ہیں اور لٹتے چلے جا رہے ہیں۔
اس ضمن میں چار تجاویز ہیں: مقامی پریس کلب' صحافتی یونینز' اور پولیس ملکر نت نئے

اورپرانے ڈمی اخبارات کے خلاف ایکشن لیں‘ 2: اخبار یا چینل کی رجسٹریشن کے لیئے پانچ تا دس سال پریکٹیکل صحافت لازمی قرار دی جائے۔ 3 الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا پر نام نہاد قلم کے ٹھیکداروں کے خلاف بھرپور مہم چلائی جائے۔ 4: صحافیوں کی تنخواہ روکنے والے یا بلامعاوضہ کام کروانے والے اخبارات وچینلز کے خلاف کاروائی کی جائے۔ 5: سرکار سینئر صحافیوں سے اس مسلئے پر مشاورت کرکے مضبوط و قابل عمل لائحہ عمل طے کرے اور خلاف ورزی کرنے والے کی سزا مقرر کی جائے۔ الغرض اگر اس زرد صحافت کے طوفان بد تمیزی کو نہ روکا گیا تو ایک دن وہ آئے گا کہ دلال کی معاشرے میں وقعت ہوگی لیکن صحافی کی نہیں۔ اور یہ آندھی صرف صحافت کو نہیں بلکہ پورے معاشرے کو سیاسی‘ سماجی‘ معاشرتی و معاشی لحاظ سے تہس نہس کرکے رکھ دے گی۔

بیماری جڑ سے ختم کیجئے

اگر پاکستان میں انصاف 'مساوات اور برابری کی سطح پر قانون پر عمل درآمد کیا جائے تو اس پرآشوب وقت کی تنزلی کی جانب چلتی سوئیاں موڑی جاسکتی ہیں۔برداشت اور دوسرے کے موقف کے احترام سے ہمہ قسم کی انتہاپسندی کو جڑ سے اُکھاڑا جاسکتا ہے۔اگر سب کوایک ہی لاٹھی سے ہانکا جائے تو بہتری کی کرنیں طلوع ہوسکتی ہیں وگرنہ اندھیرا ہی اندھیرا۔

آپ اسوقت جتنے بھی معلومات کے ذرائع کو دیکھ لیجئے وہ مشرف کیس کی تصویر کے ہر رخ پر ہمہ تن گوش مصروف عمل ہیں۔چند ایک عوامی فلاح کے پروگرامز اور منصوبوں کے علاوہ باقی تمام توپوں اور کیمروں کارخ سابق بدقسمت جرنیل کی جانب ہے۔مہنگائی 'دہشت گردی 'غربت 'رسم ورواج اور سودی نظام کی چکی میں پستے مڈل کلاس اور غربت کی لکیر سے بہت نیچے رہنے والے پاکستان کے لوگوں کی اکثریت احساس کمتری اورآلام ومصیبتوں میں گھری ہے۔کوئی ان کاپرسان حال نہیں ۔ہم مذہب 'زبان 'فقہ 'علاقہ اور نسل کی بنیاد پرایک دوسرے کے درمیان خلیج میں کمی کے بجائے اضافہ ہی کرتے چلے جارہے ہیں۔

جمہوریت آئی اور مقدروں سے چل بھی پڑی 'لیکن امراء سے لے کر سرکار کے ادنی ملازم تک سب عجب ہی سرمستی کی کیفیت میں گم ہیں 'اپنے فرض کو چھوڑ کرادنی طبقہ اعلی طبقہ پر دشنام والزام کے تیر برساتا ہے جبکہ سیاست پیشہ سابق جرنیلوں پر زہر سے بجھے تیر برسا برسا کر خلق خدا کی خدمت کر رہے ہیں ۔ہر ایک اپنے تئیں پاکستان کی بنیاد کی الگ وجہ بنانے اور بتانے پر تلا ہوا ہے۔ مشرف کیس غداری ہے تو اس ملک کو تنہائی میسر کرنا کیا ہوا؟ پیاروں کو ظالموں کے حوالے کرنا کیا ہوا؟

ہمیں صبح شام بریف کیا جارہا ہے کہ مشرف کو پھانسی لگ گئی تو آئین امر ہو جائے گا۔پاکستان میں امن 'استحکام 'معاشی واقتصادی خوشحالی آئے گی اور جمہوریت کا بول بالا ہوگا' ہم ہرگز نہیں کہتے کہ اسے اس کے جرم کے مطابق سزا نہ دی جائے مگر کیا اس کے باقی سب ساتھی دودھ میں نہا چکے ہیں اور جو خود کو پیش کر رہے ہیں تو کیا ہمیں ان کی بڑائی کی داد نہ دینی چاہیئے ؟ کیا ان کی پیشکش کو اپنی مجبوریوں کی بناء پر ٹھکرادینے سے مورخ تاریخ کو نہیں لکھے گا' یادرکھیئے تاریخ کا حمام بہت ظالم ہوتا ہے۔ہمارے دماغ میں ایک راسخ العقیدہ فرد کی مانند یہ ٹھونسنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اگر جمہوریت کا علم سربلند نہ ہوا تو ملک برباد ہو جائے گا۔اور جمہوریت کا علم تب ہی قائم ودائم رہ سکتا ہے جب مشرف کو سزا ہو۔جناب بالکل درست ایسا ہی کردیا گیا تو کیا پھر آپ کے تئیں

آمر کاراستہ روک دیا گیا؟ مگر ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا کہ مشرف کو سزا مل جائے اور پھر مارشل لاء نہ آئے۔ جمہوریت کے فوائد ضرور مگر صرف مختلف خاندانوں کی حکومت سے یہ نہیں مل سکتے بلکہ چابی کے دانت بھی بنانے پڑیں گے تب تالا کھلے گا۔

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب بھی کوئی ملک مفتوح ہوا تو اس کی اصل وجہ لاقانونیت' عدم مساوات مہنگائی کا منہ زور اژدھا' اپنے ہر اہل و نااہل کو نوازنا جیسے مسائل سر دست رہے۔ یاد رکھیئے جب تک ہر شخص اپنے فرائض کی انجام دہی میں مستعد نہیں ہوگا' حکمران اور ریاست کے ادنی ترین فرد کے لیئے قانون کا اطلاق برابر نہیں ہوگا' جب تلک سرکاری ہسپتال اور سرکاری سکول میں امراء کے بچے داخل نہیں ہونگے' سرکاری آمد پر روڈ ہر خاص و عام کیلیئے کھلا نہیں ہوگا اسوقت تک' اسوقت تک آمر کا راستہ کھلا رہے گا۔ اس کے آنے پر مٹھائیاں بانٹی جائیں گی۔ اس پر پھول نچھاور کیئے جائیں گے۔ اور مرض کی شاخوں کو کاٹ کر علاج کا شور وغل کرنے والے منہ تکتے رہ جائیں گے۔ جب تک جڑ ختم نہیں ہوگی پودا پھلتا پھولتا رہے گا۔

مکتب عشق

عشق مکتب ہی اس نوع کا ہے کہ بندہ جس مزاج سے بھی تعلق رکھتا ہو اس کی جانب متوجہ لازمی ہوتا ہے۔اسکا شمہ بھر شغف رکھنے والا بھی اسکے تلاطم سے نبرد آزما ضرور ہوتا ہے۔ایسااس لیے بھی ہوتا ہے کہ عشق دنیاکا وہ واحد مکتب ہے جس میں داخلے کیلیئے کسی مذہب 'زبان 'رنگ 'نسل 'دیس پردیس'امارت غربت 'بڑھاپا یاجوانی کسی بھی شہ کی کوئی شرط نہیں۔ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس درسگاہ سے فیض یاب ہونے کیلیئے آپ کو آنکھوں اور کانوں کی بھی مطلق ضرورت نہ ہے۔ کسی خاص ذہنی استعداد کی بھی کوئی گرہ نہیں لگائی جاتی۔یہاں کے مدرسین میں مشہورزمانہ استاد وصل اورجناب فراق صاحب ہر سطح کی قوت حافظہ پر اپنا نقش اس خوبصورتی سے ثبت کرتے ہیں کہ نزع کی آخری ہچکی تک حرف حرف دماغ میں ایسے محفوظ ہو جاتا ہے جیسے معاملہ ایک آن پہلے ہی پیش آیا ہو۔

ہاں ! وصل کی آمد کے وقت شاگردوں کے چہروں پر طمانیت 'نینوں میں چاشنی'لبوں پر دل آویز مسکراہٹ 'قلوب میں پرسکون فضااور زبان پر مدح سرائی ایسے جاری ہوتی ہے جیسے سدابہار چشمے کی آبشاریں متحرک رہتی ہیں۔قابل استعجاب بات یہ ہے کہ استاد کی موجودگی کی بناء پر ایسا فیض جاری ہوتا ہے کہ گونگے 'بہرے اور اندھے

بھی بولنے 'سننے اور دیکھنے لگتے ہیں۔جب کہ بولنے 'سننے اور دیکھنے والوں پر سکتے کا عالم طاری ہوتا ہے ۔دیوانوں کی مجذوبیت عنقا ہو جاتی ہے اور اہل خرد پر سحر طاری رہتا ہے۔وصل کی خامی بس یہی ہے کہ اسکے باطن سے مغائرت کی بو آتی ہے۔جبکہ فراق کا معاملہ نہایت پیچیدہ ہے۔مسکراتے ہوئے چہرے جن کے اشاروں کنایوں سے کسی امارت کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے شخص کا گماں ہوتا ہے معاً منحنی اور غریب صورت میں بدل جاتے ہیں۔مقرر گنگ ہو جاتے ہیں۔قوت حافظہ پر نازاں غبی بن جاتے ہیں۔ یہ لمحات اس قدر جاگسل ہوتے ہیں کہ طالب علموں کی جان ناخن میں سما جاتی ہے۔پچھلے پیریڈ کی یاد پہاڑوں سے ٹکرانے والی سارس کی صدا کی مانند انکے لوں لوں میں گونجنے لگتی ہے۔چیں بجبیں کی کیفیت میں ڈوبے ہوئے اکثر بچے شاذ و نادر مدرس کو خشم ناک نگاہوں سے تکنے لگتے ہیں۔اور کنج قفس سے پرواز کی کوئی صورت نہ پاکر اپنے راہنماء فراق کی ذات مقدس میں نقائص کی خوشہ چینی میں محو ہو جاتے ہیں۔

معاملہ دراصل اس طرح چلتا ہے کہ جماعت کے شدید ردعمل کے باوجود "فراق صاحب ہی انہیں مسلسل پڑھانے آتے ہیں ۔پیریڈ کی طوالت اور بھاری بھر کم مشکل حروف میں" لکھی گئی کتابوں سے تنگ آکر سوادِ اعظم طفل مکتب "وصل" کی گردانیں دہرانے رہتے ہیں۔جبکہ کل آٹھ پرچوں میں سے سات کا تعلق ہجر کے لیے

چوڑے مضمون سے ہوتا ہے۔

وصل کی ایک ہی کتاب اپنی مختصر' جامع اور پر کیف لکھت کے باعث ہر دلعزیز رہتی ہے مگر فی الحقیقت وصل کا مضمون آپشنل ہوتا ہے۔ جسے محض سکول کے پرنسپل ''جناب صیاد'' کے حکم پر اس لیئے اثر انگیز انداز سے پڑھایا جاتا ہے کہ کمزور قوت اعصاب کے مالک طالب علم مدرسے سے راہ فرار ہی اختیار نہ کرلیں۔ اور یہ سلسلہ اس بات پر منتج ہوتا ہے کہ لازمی مضامین میں عدم دلچسپی کے باعث ننانوے اعشاریہ ننانوے فیصد طالب فیل ہو جاتے ہیں۔

امپروو کرنے 'کمپارٹ دینے یا از سر نو امتحان دینے کا کوئی قاعدہ اس بورڈ کے قوانین میں شامل نہیں۔ طالب علم محنت سے احتیاج برتنے کے باوجود رقابت کی شہ پا کر وصل کے مضمون میں اس قدر لگن سے کلفتیں اُٹھاتے ہیں کہ عملی دنیا میں کسی کام کے نہیں رہتے۔

ان کا کام آوارہ گردی اور صحرا نوردی کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ مکتب سے دھتکارتے لمحات میں انہیں جو عمل ان پر غم والم کا کوہ گراں بن کر گرتا ہے وہ وصل کی کتاب کا ہمیشہ کیلئے چھن جانا ہے۔

اکثر طفل مکتب اپنی حیات کے باقی لمحات حسرت ویاس اور غور وخوض میں گزار دیتے ہیں۔پانی سر سے گزرنے کے بعد وہ اس قابل ہو پاتے ہیں کے ''وصل ''اور ''ہجر''کے مضامین کا تقابل کر سکیں۔اور جب ان پر یہ عقدہ کھلتا ہے کہ انہیں جو کچھ حاصل ہوا وہ محترم فراق''ہی کے باعث ہوا'وصل تو سراب تھا لیکن صد افسوس !ایسا اس وقت'' ہوتا ہے جب انکی روح قصر عنصری سے پرواز کر رہی ہوتی ہے۔

مظلوم اسرائیل

مسلم امہ کو خشمناک نگاہوں سے دیکھنے والی عالمی برادری کو شاید اب رقص ابلیس نظر نہیں آرہا۔چند دنوں میں 200 کے قریب معصوم جانیں لی جاچکی ہیں' سینکڑوں زخمی ہیں مگر تف ہیں مسلم امہ کے میمنے حکمرانوں پر جنھیں سانپ سونگھ گیا ہے۔چاہیئے تو یہ تھا کہ عالم اسلام کے جن بارہ ممالک کے اسرائیل سے سفارتی تعلقات ہیں وہ مظلوم اسرائیل پر دباؤ ڈالتے اور تعلقات ختم کرنے کا بھی عندیہ دیتے مگر مگر کون ہے جو اپنے تخت کو خطرے میں ڈالے ؟۔لیکن اس بار پاکستان کے حکمران نے ہمت دکھائی اور پاکستانی عوام کی تو بات ہی کچھ اور ہے'جس کا فلسطینی سفیر نے باقاعدہ شکریہ بھی ادا کیا ہے۔مانا کہ ہم بھی حالت جنگ میں ہیں مگر وہ مبارک الفاظ بھی تو ہمارا ہی ورثہ ہیں کہ جب تین زخمی پانی لانے والے سے کہہ رہے تھے کہ ''پانی اسے دے دو' اسے دے دو''یعنی اپنی پیاس کہ اوپر اپنے بھائی کی پیاس کو مقدم جانااور پھر تینوں شہید ہو گئے ۔مگر باقی کے 60 مسلم ممالک ؟۔شنید ہے کہ اکادکا مسلمان حاکموں کی بھی درپردہ سپورٹ مظلوم اسرائیلیوں کے ساتھ ہے۔

اسلام دنیا کا دوسرا بڑامذہب ہونے کے باوجود عتاب کا کیوں شکار ہے ؟۔اسلیئے کہ ہم بھول چکے ''اللہ کی رسی کو مظبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو''۔یہ

مبارک الفاظ بھی یکسر بھلا بیٹھے ''مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں''۔ آج بھائی اے۔ ایم۔ ملک (کالم نگار روزنامہ خبریں) سے فلسطین کے متعلق گفتگو کی تو انہوں نے کہا کہ '' یہ وہی فلسطینی ہیں جنھوں نے مئی 1998 کے ایٹمی دھماکوں پر ہمارے لیئے دعائے خیر مانگی اور متوقع عالمی پابندیوں کے پیش نظر پاکستان کے لیئے چندہ اکھٹا کیا''۔ آج جب فلسطینی مسلمانوں پر ظلم و بربریت کی انتہا ہو چکی ہے تو ایسے میں انسانی حقوق کے وہ ٹھیکیدار جو خود کو لبرل مسلمان کہتے ہیں' کدھر گم ہیں' کدھر ہیں وہ جن کی دزدیدہ نگاہیں ہمہ وقت مسلمانوں کی خوبیوں میں سے بھی نقائص کی خوشہ چینی میں مصروف رہتی ہیں ؟ کیا اب وہ ہیومن رائٹس کا چرچہ نہیں کریں گے ؟ کیا انہیں امریکیوں کے دانشور نوئم چومسکی کے بیان تک رسائی نہیں ملی ؟ جس میں نوم چومسکی نے اسرائیل کے جارحانہ رویہ اور ظلم و تشدد کو نہ صرف جائز تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے بلکہ دلائل کی بنیاد پر اسے رد کر کے نہتے فلسطینیوں کے حق میں بات کی ہے۔ سادہ سی بات ہے کہ کیا اگر آج ٹیکسلا کو آباد کرنے والے بدھ مت کے لوگ ہم سے ٹیکسلا مانگیں گے تو کیا ہم ٹیکسلا ان کے حوالے کر دیں گے ؟ کیا ہمارے بچوں پر' بوڑھوں پر' جوانوں پر اور ہماری عزتوں پر اس آڑ میں ظلم روا رکھا جائے گا تو ہم دنیا کو یہ نہ بتائیں گے کہ جناب ہم یہاں صدیوں سے آباد ہیں اور یہ لوگ گڑھے مردے اُکھاڑنے کے چکر میں ہیں۔ ہم محض

صدائے احتجاج نہیں بلند کریں گے بلکہ مسئلے کا حل نہ پا کر کچھ جوان طاقت کا استعمال بھی کریں گے اور وہ نوجوان ہمارے معاشرے کی آنکھ کا تارہ بن جائیں گے۔ اور ایسے حالات میں ہی حماس کام کر رہی ہے۔ لیکن حیرت تو اس بات پر ہے کہ تازہ حملوں میں جنگ بندی کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ عالمی میڈیا اور استعمار کو جدید نیوی' ہیوی اسلحہ' ٹرینڈ فوج' آرٹلری' اور حساس جیٹ طیاروں سے لیس اسرائیل مظلوم نظر آتا ہے اور معصوم بے گور وکفن تڑپتی ہوئی لاشیں دہشت گرد لگتی ہیں جن میں سے بیشتر کے پاس رہنے کو کنکریٹ کی چھت نہیں' زندگی کی بنیادی سہولیات نہیں' ہیوی اسلحہ جنھوں نے فقط اپنے جسم کو مفلوج ہوتے ہوئے دیکھا' وہ ظالم ہیں۔۔۔۔۔۔؟

مسلم دنیا کی آبادی ایک ارب' پچاس کروڑ کے قریب ہے' انکے پاس دنیا کی چالیس میں سے تیرہ بندرگاہیں' ایٹمی طاقت' یورینیم' تیل' گیس کے وسیع وعریض ذخائر موجود ہیں لیکن اگر نہیں ہے تو منہ میں زبان نہیں ہے۔ یہ بے حسی دین سے دوری بھی ہے اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مات کھانے کی وجہ سے بھی۔ مستشرقین نے تسلیم کیا ہے کہ نویں صدی عیسوی تک سائنس کی زبان عربی ہی تھی۔ اور یہ مسلمانوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ اور جیسے ہی علم وحکمت کی چوکھٹ سے علیحدہ ہوئے غلامی ہمارا مقدر ٹھہری ۔آج مسلمانوں کی ایک مخصوص تعداد اس مسئلہ کا حل ظالموں کی مصنوعات کے بائیکاٹ میں ڈھونڈتی ہے۔ لیکن میں کلی طور پر اس سے متفق

نہیں کیونکہ جب تک روزمرہ کی اشیاء سے لے کر ٹیکنالوجی کے میدان تک آپ اپنی معیاری پروڈکٹ متعارف نہیں کروائیں گے اس لمحے تک آپ یوٹیوب بند کریں گے تو عوام اسے کسی دوسرے ذریعے سے اوپن کرلے گی۔آپ شیزان کیخلاف ہزاروں پوسٹر چھپوالیں لیکن جب تلک اس کے معیار کی کولڈڈرنک مارکیٹ میں دستیاب نہ ہوگی شیزان ہی چلے گی۔محبت میں درجات ہیں ہرانسان تواپناہاتھ ضروری اشیاء سے بائیکاٹ کی ایسی صورت میں نہیں روک سکتاجبکہ اسے متبادل بھی میسرنہ ہو۔امت مسلمہ کے امراء اور صاحب ثروت افراد کوچاہیئے کہ اعلی ترین علمی وتحقیقی درسگاہیں قائم کریں۔ہمارے ملک کی حالت یہ ہے کہ دنیا کی دوسو بہترین جامعات میں ہماری صرف دوجامعات شامل ہیں۔پچپن لاکھ بچے اب بھی سکول سے باہرہیں۔لیکن حکمرانوں کی عیاشیاں عروج پر ہیں۔بھلاہومیاں صاحب کاکہ اب سرکاری خرچ پرافطارپارٹیاں بند ہوئی ہیں ۔وگرنہ امراء توحج بھی عوام کے پیسے سے کرتے ہیں۔

اسرائیل نے تونازی جرمنوں سے بھی زیادہ درندگی کامظاہرہ کیاہے۔جرمن قتل کرتاتھاتوسرملااعتراف بھی کرتاتھالیکن یہ تومعصوم جسموں کے ٹکڑے کرنے کے باوجود ہٹ دھرمی کا ہولناک مظاہرہ کرتے ہیں اور حماس کے بالمقابل اپنے آپ کو مظلوم گردانتے ہیں۔حماس اتنی طاقتورہے کہ اسے ائیرفورس'ہیوی اسلحہ 'جیٹ طیارے 'ٹینک کی ضرورت بھی نہیں ۔لیکن اس کاساتھ دینے والے بچے آج بھی

پتھر سے ٹینک کا مقابلہ کرتے ہیں۔اوراس ضمن میں واقعی اسرائیل مظلوم ہے کہ اس کے پاس ایمان کی ایسی قوت نہیں ہے'اسکے پاس ایسے معصوم حملہ آور توکجاایساسپاہی بھی نہیں۔اوراس کابیچارہ فوجی جب تک ٹینک کی نالی پتھر کی راہگزر کی جانب موڑتا ہے اسوقت تک حملہ آور غائب ہوتا ہے۔کاش کہ مسلم امہ کے ان بچوں کی روح ہمارے حکمرانوں کے جسموں میں حلول کرجائے اور یہ غیرت ایمانی میں اپنی تمام تر قوت سائنس'ریسرچ اورلیبارٹریز پر لگا کرانسانیت کے بلاجوازاور بے جرم وخطاء قتل عام پر قدغن لگا سکیں'چاہے وہ ناجائز قتل مسلمان کا ہو عیسائی کا یا یہودی کا۔

میاں صاحب پاکستان کیلئے

14اگست کون جیتے گا مجھے یہ خبر تونہیں ہاں مگر اتنااندازضرور ہے کہ اگراصلی والامارچ ہواتو موجودہ حالات کے تناظر میں ایک فریق کلی طور پر یہ بازی ہارجائے گا۔اور وہ ہے پاکستان کا غریب طبقہ بشمول پاکستان۔
کالم کی طوالت سے بچنے کیلئے ہم براہ راست موضوع کی جانب آئیں گے۔میاں صاحب 'خان صاحب کے مقابلے میں زیادہ تجربہ کارہیں۔سیاسی بلوغت بھی زیادہ مگرعوام اب اس بہترین تجربے سے مستفید بھی ہوناچاہتے ہیں۔اس میں توکوئی دورائے نہیں کہ جس طرح کی توقعات لے کر عوام نے ن لیگ پر بھروسہ کیا تھاوہ ابھی تک کافی حدتک تشنہ ہے۔اسکی ایک وجہ تویہ ہے کہ جب آپ کسی سے توقع کرتے ہیں تواسے ٹائم اورسکون بھی دیجئے تب ہی کام بنے گا۔دوسری بڑی وجہ بیوروکریسی میں موجودغریب دشمن عناصرہیں۔میاں صاحب کو چندایک اقدامات فوری کرنے کی ضرورت ہے۔1 :پہلی فرصت میں اپنے اورساتھیوں کے عزیزواقارب کوباعزت رخصت کریں تاکہ ملک کی بڑی سیاسی جماعت پر سے اقرباء پروری کالیبل اکھڑسکے۔2: قومی اسمبلی وسینٹ کے اجلاس میں متواترتشریف لاکر تندوتیز سوالات کاسامناکریں۔اس سے برداشت کی صلاحیت میں اضافہ ہوگااورپارلیمنٹ کاوقاربحال

ہوگا۔3: کم از کم ایسا توضرور ہو کہ ن لیگ کے تمام منتخب نمائندے آپ سے مل سکیں' تبادلہ خیالات کر سکیں اس سے پارٹی میں موجود دراڑیں ختم ہوں گی اور عوامی مسائل کے حل میں کچھ نہ کچھ مدد ضرور ملے گی۔4: خان صاحب سے مذاکرات کیلئے سابق صدر سے مستفید ہوں اور اگر کپتان کے پاس بھی جانا پڑے تو پاکستان کو انارکی سے بچانے کیلئے ایسا ضرور کریں۔5اپنی مجلس مشاورت کا دائرہ وسیع کریں اور چودہ اگست کو اگر ''کارکن مارچ'' ہو تو انتظامی معاملات کی براہ راست خود نگرانی کریں اور وزیراعلی پنجاب کے مشوروں پر بھی اس ضمن میں عمل کیجئے۔6: تمام اہل وطن سمیت ن لیگ کے ارکان کو استغفار کرنے کی تلقین کریں اور ان بیانات پر محظوظ مت ہوں جن میں کہا جارہا ہے کہ اگر ہماری حکومت گرائی گئی تو ہمارے کارکن بھی چین سے نہ بیٹھیں گے۔بلکہ اہل نظر سے رابطہ رکھیئے۔7: اور اگر پانچ سال پر سکون ہو کر کام کرنا چاہتے ہیں تو چوہدری برادران کو ن لیگ میں ضم کر لیجئے اور اگر اتنا بھی نہ ہو سکے تو پھر شیخ رشید جیسی نایاب ڈھال کو اپنا لیجئے۔یہ گھونٹ کڑوا ہے تو پنیر کی سی طاقت بھی رکھتا ہے۔8 اخبار میں حزب مخالف اور کرائم و مسائل کے گوشوں کا بلاناغہ مطالعہ کیجئے اور مہینہ میں ایک آدھ مرتبہ کسی متاثرہ مظلوم کی دادرسی کیلئے اسکے گھر اور متعلقہ دفتر کا چکر بھی لگایئے ۔اس سے عوام میں حوصلہ پیدا ہوگا کہ وہ جو ووٹ اور ٹیکس دے رہے ہیں اس کے مقابلے میں انکی جان و مال کی حفاظت بھی کی جارہی ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہو گا کے ادارے درست سمت چل پڑیں گے۔اور آپ بھی

مسائل کی حقیقت اور گیرائی از خود ماپ سکیں گے۔ 9: اور اگر ہو سکے تو پارٹی کے خاص وعام ممبران کو مخالفین کے رکیک جملوں کے مقابلے میں نرم گفتاری اور برداشت کا سبق دیجئے۔

اگر میاں صاحب اپنا انداز حکمرانی نہ بدل سکے تو "کارکن مارچ" کسی حد تک عوامی مارچ میں بدل سکتا ہے اور اگر یہ آج ممکن نہ ہو سکا تو کل کسی نہ کسی صورت میں ضرور جلوہ گر ہوگا۔ گو کہ یہ ایک ایسا جائز عمل ہے جس کا موقع محل قطعاً درست نہیں مگر نقصان کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ میں نے آج تک جتنے بھی جنازے پڑھے ہیں ان میں باآواز بلند یہ بات ضرور سنی ہے "میں میت کا ولی ہوں' فوت ہونے والے نے جس کسی کے روپے پیسے دینے ہوں وہ مجھ سے لے سکتا ہے اور اگر کوئی کوتاہی ہو تو معاف کر دیجئے" میں نے آج تک کسی کو میت کی موجودگی میں پیسوں کا تقاضا کرتے نہیں دیکھا' حالانکہ پاکستان کے حالات بتا رہے ہیں کہ کم وبیش ہر میت لازمی مقروض ہوتی ہے۔ یقین ہے کہ آپ نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ بعد کی بات اور ہے۔ ہر چیز موقع کی مناسبت سے ہی جچتی ہے۔ شادی جائز اور سنت ہے مگر بلوغت کے بعد۔ معاف کیجئے گا آج عجب مثالیں تحریر ہوئیں۔ خان صاحب اگر آپ کی حق تلفی ہوئی ہے تو مناسب وقت کا انتظار کیجئے اور فی الحال مذاکرات کیجئے اسی میں آپ کا اور ملت کا فائدہ ہے۔ اس کالم کی دوسری قسط "خان صاحب پاکستان کیلئے" ایک دو دن تک آپ کی نظروں کے سامنے ہوگی۔

خان صاحب پاکستان کیلئے۔۔۔

ptiپاکستان کی تیسری بڑی پارٹی ہے جس کی kpkمیں حکومت بھی ہے۔ گزشتہ الیکشن میں پنجاب میں دوسرے نمبر پر انہی کے اُمیدوار تھے۔اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس پارٹی کو ہر سطح پر اچھے رہنماء میسر آئے تو چار سال بعد یہ ملک کی سب سے بڑی پارٹی بننے کی اہلیت رکھتی ہے۔ لیکن اس کیلئے انہیں اپنے کارکنوں کو اخلاقی 'معاشرتی اور سیاسی تربیت کے کوہلو میں سے گزارنا ہوگا ورنہ محض جذبات اور جلسے الیکشن میں اچھے نتائج مہیا نہیں کر سکتے۔kpkمیں ایک ماڈل بھی ہر حال میں پیش کرنا ہوگا۔ ورنہ kpkکے عوام انہیںanpاورmmaکی طرح سیاسی منظر سے غائب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تیسری بات یہ کہ انہیں سیاست کرنا ہوگی نہ کہ جنگ۔

عوامی حلقوں میں تاثر اُبھر رہا ہے کہ خان صاحب بھی اب پکے سیاسی بنتے جارہے ہیں۔اور اگر خان صاحب 14 اگست کو پرانے سیاسی رہنماؤں کی مانند مطالبات پیش کرتے ہیں تو ممکن ہے مہر بھی ثبت ہو جائے۔انہیں چاہیئے کہ idpsاور لوڈشیڈنگ کو بھی سرفہرست رکھیں 'کم وبیش دس لاکھ آئی ڈی پیز kpkکی حکومت کے بے گھر اور بے بس مہمان ہیں ۔ ملکی حالات کے پیش نظر خان صاحب کو امن وامان کے انتظامات بھی کرنا ہوں گے۔اپنی صفوں میں شرپسند عناصر کو وہ کیسے کنٹرول

کرپائیں گے ؟اسکے لیئے ناچیز کی رائے میں انہیں چند اقدامات فوری کرنے چاہیں۔1 لانگ مارچ کے دوران بہتر ہے کہ ڈویژن لیول پر سیکورٹی کمیٹیاں بنائی جائیں اوراس: ڈویژن سے متعلقہ افراد اپنے ڈویژن کے حصار میں ہی رہیں'اس سے بد نظمی پھیلانے والوں کی نشاندہی میں مدد مل سکتی ہے۔2: سیکورٹی کے افراد اپنے حلقے کے بااثراورجذبات سے مغلوب نہ ہونے والے انسان ہوں۔3: سیکورٹی کے علاوہ کسی کے پاس ڈنڈا' چاقویااسلحہ نہ ہواور سب سے بہتر ہے کہ سیکورٹی والے بھی ہتھیار پاس نہ رکھیں کیونکہ انہوں نے محض نہتے لوگوں کو کنٹرول کرنا ہے۔4: خان صاحب دھرنے کو طول نہ دیں کیونکہ اس سے ہزاروں مزدور بے روزگاراوراسلام آباد کے 12 لاکھ شہری مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔5: خان صاحب کے مطالبات آئینی تو ہوں گے ہی سہی لیکن مطالبات موقع اورحالات کی مناسبت سے قابل عمل بھی ہونے چاہیں۔6: خان صاحب اپنے مطالبات میں غزہ کے معصوم لوگوں کے حق میں توانا آواز بلند کرنے کیلیئے حکومت پر دباؤڈالیں۔7: سندھ اور بلوچستان میں اقلیتوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ریکارڈ پیش کرکے حکومت سے ان کے تحفظ کی ضمانت لیں۔8: بائیو میٹرک الیکٹوریل سسٹم اورانتخابی اصلاحات کیلیئے فوری اور موءثراقدامات کامطالبہ کریں۔9: آئی ڈی پیز کے مسائل اور بلوچستان میں موجودانتشاراورانکے حقوق کیلیئے آواز بلند کریں۔10: خان صاحب اپنے ساتھ موجود لوگوں کوایسی باتیں کہنے سے روک دیں جن میں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ قومی اداروں کواپنی سیاست میں گھسیٹ کران کی ساکھ کو متاثر کر رہے ہیں۔

بہتر تو یہی تھا کہ خان صاحب لانگ مارچ ہی موخر کر دیتے لیکن اس ساری گیم میں حکومتی لغزشیں بھی شامل ہیں' ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی ۔ بہر حال خان صاحب کو اپنا دامن بچانا ہو گا اور مذاکرات کرنا ہوں گے ۔ سیاست میں بند گلی نہیں ہوتی اگر کسی کے مشورے پر ایسا ہوا تو ایک اور رانا مختار کا جنم ہو سکتا ہے اور یہ جمہوریت کے نقصان میں شمار ہو گا۔ کچھ دوست کہتے ہیں کہ پاکستان میں بائیو میٹرک سسٹم کامیاب نہیں ہو سکتا تو ان احباب سے گزارش ہے کہ انڈیا میں بائیو میٹرک سسٹم لاگو ہے اور وہاں بھی ان پڑھ لوگ موجود ہیں جب وہاں کامیابی سے الیکشن ہو گئے تو ہمارے ہاں کیوں نہیں ہو سکتے۔ رہ گئی بات موجودہ نظام کی تو میری رائے میں پاکستان کیلئے صدارتی جمہوری نظام بہتر ہے ۔ کیونکہ موجودہ نظام میں تو پیسہ لگا کر ہر ایرا غیرا شامل ہو کر وزارت سنبھال لیتا ہے اور لاکھ لگا کر کروڑوں کماتا ہے ۔ اور دوسری بات یہ کہ یہ ایم این اے حضرات شخصیات کے وفادار ہوتے ہیں ملک کے نہیں ۔ یہ ہمیشہ پارٹی کے مالک ہی کو وزیر اعظم بناتے ہیں چاہے وہ جیسا بھی ہو۔ جب صدارتی نظام ہو گا تو عوام اپنا رہنماء ڈائریکٹ چنیں گے ۔ اور وہ رہنماء وزارتیں پارلیمنٹ کو نہیں بانٹے گا بلکہ متعلقہ شعبے کہ ماہر ٹیکنو کریٹس لائے جائیں گے' کوئی زیر تعلیم ووٹ کے 'و' سے وزیر تعلیم نہیں بن سکے گا۔ پارلیمنٹ صرف قانون سازی

کرے گی۔ اسکے علاوہ قومی چینل پر وزیر اعظم یا صدر کے امیدوار کے درمیان قومی ایشوز پر مباحثہ بھی ہونا چاہیے تاکہ عوام انکے خیالات جانچ کر ہی انھیں ووٹ دیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی ارض وطن کو انتشار سے بچائے اور اس ملک کے دشمنوں اور سازشیوں کو بے نقاب کردے۔ امین

افسوس صد افسوس

چینوٹ :قرض سے تنگ برف فروش نے خود کشی کر لی۔2- پسرور میں میٹرک کے طالب علم نے گلے میں پھندا ڈال کر خود کشی کر لی۔ 3: خوشاب: میاں بیوی نے زیادتی کے ملزم جیل نہ بھجوانے پر خود کشی کرلی۔4: گلی میں شراب پینے سے روکنے پر گھر میں گھس کر خواتین کو تشدد کا نشانہ بنا ڈالا۔ یہ ایک قومی روزنامے سے لی گئی وہ خبریں ہیں جو 17 اگست کو پبلش ہوئیں مگر الیکٹرونک میڈیا اور پرنٹ میڈیا نے چونکہ اس پر زور شور نہیں کیا لہٰذا ان افراد کے گھر کوئی وزیر مشیر نہیں جائے گا۔ پشاور میں دس سے زائد پاکستانی بارش کے ہاتھوں جان دے بیٹھے اور ان کے سرپرست گم رہے۔ایک ہیجان بپا ہے۔ شام 4 سے لے کر صبح 3 بجے تک چینلز غریب کو بھول جاتے ہیں اور غریب کے خون سے اپنی سیاست کی بنیادیں مضبوط کرنے والوں کو کوریج دی جاتی ہے۔ان میں تمام سیاسی شامل ہیں۔

اہل غزہ کیلئے جماعت اسلامی نے 17 اگست کو کال دی ۔ امیر جماعت اسلامی کا خطاب بھی بیشتر جگہ مکمل نشر نہ ہوسکا۔ وجہ وہی جو ہم سب جانتے ہیں۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ دونوں دھرنوں کے رہنماؤں نے فلسطین کیلئے

توانا آواز بلند نہیں کی ۔ کاش چند گھنٹے ہی انسانیت کیلئے مختص کر دیئے جاتے مگر پھر سیاست کون کرتا۔ سچ ہے کہ سیاست کہ سینے میں دل نہیں ہوتا۔

افسوس حکومتی ارکان پر بھی ہے کہ جو پہلے دو دن مذاکرات کے ضمن میں سخت سست دکھائی دیئے ۔کیا انہوں نے پہلی دفعہ عوامی اجتماع کا سامنا کیا ہے؟۔اگر جلتی پر تیل کا کام نہ کیا جاتا تو شاید نوبت یہاں تک نہ پہنچتی ۔ ابھی بھی طعنہ زنی جاری ہے افسوس صدافسوس۔ اس ضمن میں الطاف حسین 'سراج الحق اور چوہدری سرور صاحب کا کردار قابل تحسین ہے۔ حکومت کو آگے بڑھنا ہوگا۔ قومی خزانے کا بہت نقصان ہوچکا' انتشار سے بچنے کیلئے ان معاملات کو تدبر اور صبر سے جلد از جلد سمیٹنا ہوگا۔ مزید سست روی کی گنجائش ہر گز نہیں ۔

خان صاحب کی سول نافرمانی کی استدعا مسترد ہو گئی اور ہونی بھی تھی ۔ نجانے انکے مشیر ان کو کیا بنا دینا چاہتے ہیں۔ خان صاحب کو ایک ایک لفظ خوب سوچ سمجھ کر بولنا چاہیئے 'ساری قوم انہیں سن رہی ہوتی ہے۔ اپنی ساکھ جذبات سے نہیں بلکہ کارکردگی سے بنائی جاتی ہے ۔ اگر غلطی ہوجائے تو اس کا اعتراف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔اس پر مصر رہنا زیادہ نقصان دہ ہے۔ حضرت علی کے ایک فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف

کرلینا آدھی معافی دلا دیتا ہے۔ ابھی بھی وقت ہے حکومت اور خان صاحب کے پاس کہ حالات کو سدھارلیں۔ اس میں ان کا بھی بھلا اوراس بیچاری قوم کا بھی جو عرصۂ دراز سے سہانے خوابوں کے سہارے لٹتی آئی ہے۔

ریڈزون میں ریاست کی عمارتیں ہیں۔ سفارت خانے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ خان صاحب کے مشیر جانتے ہوں گے کہ اسلام میں قاصد کی کیا اہمیت ہے۔ توپھر یہ دھمکی کیونکر؟۔ پاکستان تحریک انصاف ریڈزون میں داخل نہ ہونے کا وعدہ کرچکی ہے۔ کیا نئے پاکستان کی بنیاد وعدہ کی خلاف ورزی پر رکھی جائے گی؟ مجھے امید ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ مگر خون گرمانے کا یہ انداز بھی نہایت غیر اخلاقی اور غیر ذمہ دارانہ ہے۔ میری سماعت پر ''گو زرداری گو'' اور ''گو نواز گو'' کی آوازیں یکساں طور پر گراں گزری ہیں۔ مومن وہی جو اپنے لیئے چاہے وہی اپنے بھائی کیلئے۔ اللہ اس ملک کو سلامت رکھے ۔آمین۔

اے اللہ کپتان کو محفوظ رکھ

یہ کالم دن 12 بجے بروز منگل 19 اگست کو لکھا گیا۔خوب سجتی ہے انکی رونقیں جب انسانیت ہیجان میں مبتلا ہوتی ہے۔کوئی مرتا ہے تو گورکن کی آمدنی ہوتی ہے' کوئی بیمار ہوتا ہے تو ڈاکٹر کا روزگار چلتا ہے' مگر جو کسی کی موت اور بیماری کی دعا کرے صرف انکی روزی پر داغ لگتا ہے'لیکن یہاں تو معلومات پہنچانے کا دھندہ کرنے والے کم وبیش سب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پہلی بار دیکھا ہے کہ گھر میں لگی آگ کو کوئی پٹرول چھڑک کر بجھا رہا ہے۔آگ کی صفت جلانا ہے تو پٹرول کی بھڑکانا۔اب اگر پٹرول کو بجھانے کیلیئے استعمال کیا جائے اور کوئی نقصان ہو جائے تو مجرم دونوں ہوئے ناں'آگ بھی اور بجھانے والے بھی۔پھر پیش رفت کیسے ہو۔؟

اس ملک کو پینسٹھ برس بعد تیسری سیاسی قوت نصیب ہوئی جس کا نعرہ تبدیلی تھا۔ جسے شاید کسی بد نظر کی نظر لگ گئی ۔ تحریک انصاف نے ستر لاکھ کے قریب ووٹ حاصل کیئے اور اس حساب ملک کی دوسری بڑی پارٹی بنی۔لانگ مارچ میں شرکاء کی تعداد میں کمی کی وجوہات بہت بیان کی جارہی ہیں'لیکن میری نظر میں ایک اہم وجہ نظریاتی کارکنوں کی پارٹی الیکشن میں پسپائی بھی ہے'شاید قدرت نے خان صاحب کو دکھادیا ہے کہ اگر مخلص کارکنوں کو انکا حق نہ دیا جائے تو نتائج کتنے

بھیانک نکلتے ہیں۔ تحریک انصاف میں شامل وڈیرے ٗ جاگیر داراور سرمایہ داریا کرپٹ سوچ رکھنے والے ایسے افراد جن کی تحریک سے کوئی نظریاتی وابستگی نہیں انکی حالیہ ناکامی کا بڑا سبب ہیں۔اقتدار کی پلیٹ میں کھانا کھانے والے بے چین ہو کر قیادت کو غلط مشوروں سے نواز رہے ہیں جس کا نتیجہ پاکستانی قوم کو بھگتنا پڑے گا۔

گزشتہ چند سالوں میں عمران خان ایک بہادر اور ایماندار لیڈر کا سمبل بن کر اُبھرے ہیں۔مگر سول نافرمانی کے بیان ٗ ہوم ورک ٗ چارٹر آف ڈیمانڈ کی عدم موجودگی منجمد پالیسی ٗ اور سخت لہجے نے ان کی مقبولیت کو گہنا دیا ہے۔پارٹی ٹکٹ کی تقسیم کے ٗ وقت پارٹی نظریات اور مخلص اور ایماندار کارکنوں کو جس انداز میں کچھ لوگوں کی شہ پر نظرانداز کیا گیااس کے نتائج مزید واضح ہونا شروع ہو گئے ہیں۔دھرنے میں خواتین میں وہ اتنی تبدیلیkpkاوراعلی قیادت کے رقص نے دائیں بازو کے ووٹر کو متاثر کیا ہے۔ نہیں لا سکے جس کا خواب قوم نے دیکھا تھا۔اور نتائج منفی سمت کی جانب رواں دواں ہیں۔ تحریک انصاف خان صاحب کے دم سے ہے ٗ اللہ سے دعا ہے کہ انھیں اپنے پیاروں جیسا صبر عطاء کرے اور ان کیلیئے کوئی آسان راستہ نکل آئے تا کہ ملک و قوم قیمتی سرمائے سے محروم نہ ہو جائیں۔

آج شام خان صاحب نے وعدے کے باوجود ریڈزون کی جانب جانا ہے. مجھے اُمید ہے کہ

چوہدری نثارتدبر سے نمٹیں گے ۔اس کے نتائج تواللہ جانے مگر یہاں مجھے سیدناامام حسنؓ
کی یاد آ گئی ہے۔ جنھیں سرور کونین بچپن میں اُٹھا کر چوما کرتے تھے کہ میرا یہ
بیٹا دو مسلمان گروہوں میں صلح کرائے گا۔حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خلافت
سیدناامام حسنؓ کے پاس آئی۔پھرجب تصادم کی صورت نظر آئی تو سیدناامام حسنؓ نے
حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کااعلان کیااور مسلمان ایک بڑی
جنگ سے محفوظ ہوگئے ۔اگر شام 'لیبیااور مصر کے مسلمان حکمران جنت کے
سردار 'جگر گوشہء بی بی فاطمہؓ کی سنت پر عمل کرتے توکیامسلمان ملک انار کی
کاشکار ہوتے ؟؟؟؟؟؟؟؟ موجودہ دور میں ہے کوئی جواسلامی اصولوں کے مطابق امام
عالی مقام سیدنا حسنؓ سے زیادہ باصلاحیت ہو؟ پارسا ہو؟ بہادر ہو؟ پھر اپنے آپ ہی کو
حرف آخر کیوں تصور کیاجاتاہے ؟سورہ لقمان میں فرمان الٰہی ہے:''اور ہم نے دی ہے
لقمان کو عقل مندی'' پارہ 21 'آیت 12۔آخر میں دعاہے کہ اللہ پاکستان کو سلامت
رکھے ۔امین

19؟؟ دن بعد؟؟ خوف کیجئے

دنیا کی دو سو بہترین جامعات میں ہماری صرف 2 جامعات شامل ہیں۔شاید ہم دنیا کے ان آٹھ ممالک میں شامل ہیں جو اپنی gdp کا کم ترین حصہ تعلیم پر خرچ کرتے ہیں۔ہمارے پانچ لاکھ سے زائد بچے بنیادی تعلیم سے محروم ہیں' پھر بھی ہم مدہوش ہیں۔اسلام آباد میں گیارہ اگست کو کھلنے والے تعلیمی ادارے 19 دن بعد یعنی یکم ستمبر کو کھلیں گے۔کس جرم کے تحت ہم ان بچوں سے انکی زندگی کے قیمتی لمحات چھین رہے ہیں؟ کیا ہم اسی طرح اس ملک کو ترقی کے زینے طے کروائیں گے۔حکومت وقت اور خان صاحب میں ایک ہی بات پر ڈیڈلاک ہے اور وہ ہے جناب وزیراعظم کا استعفی' تحریک انصاف نے اپنے سخت موء قف میں لچک پیدا کرتے ہوئے ایک ماہ کی عارضی رخصت کا عندیہ دیا ہے جبکہ ن لیگ اسے ماننے سے بالکل انکاری ہے۔وجہ صاف کے انہیں دونوں ایوانوں کی بھرپور تائید حاصل ہے۔امام عالی مقام سیدنا و مولانا حسنؓ کی امت مسلمہ کیلئے خلافت سے دست.برداری کی مثال 19 اگست والے کالم میں دے چکا ہوں۔قوم کے افراد بہتر جانتے ہیں کہ دونوں میں سے کس شخصیت کو اپنی پوزیشن سے ہٹ کر ملک کی بہتری کیلئے قدم اٹھانا ہوگا۔آخر کوئی تو ہو جو اس سوئی ہوئی قوم کے مفاد میں سوچے؟ آج مجھ سے ایک آٹھ سال کی بچی نے پوچھا انکل آپ کس کے ہیں'عمران خان یا میاں نواز شریف

صاحب کے ؟ میں نے بلاتامل کہا صرف پاکستان کا۔ عجب خمار میں ہے یہ قوم ' اپنے اپنے لیڈر کو ملک کی محبت سے افضل گردانتی ہے ۔ سرور کونین 'محبوب خدا کے فرمان کا مفہوم ہے کہ وطن کی محبت ایمان کی نشانی ہے اس فرمان کی روشنی میں آج کل ہم کس مقام پر آتے ہیں ؟افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بچی نے اپنے وزیراعظم کا نام محض ''نواز'' کے ساتھ 'و' لگا کر لیا' اور میں نے کہا بیٹا آپ نے اپنی اور میاں صاحب کی عمر میں فرق بھی نہیں دیکھا۔ وہ آپ کے دادا کی عمر کے ہیں ۔بچی نے قدرے شرمندگی سے کہا ''نہیں جی''۔بچے بڑوں سے سیکھتے ہیں ۔جب بڑے ٹی وی سکرینوں پر ایک دوسرے کے نام انتہائی غیر ذمہ دارانہ انداز میں لیں گے تو بچوں کا کیا قصور؟؟

صبح جب عوامی رائے جانچنے کیلئے فیس بک کھولتا ہوں تو انتہائی غیر اخلاقی اپ ڈیٹس ہوتی ہیں۔pti اور ن لیگ کے حامیوں کو سمجھاتے سمجھاتے میرا بہت سے وقت صرف ہو جاتا ہے ۔ حد تو یہ ہے کہ سابق چیف جسٹس سے بھی رعایت نہیں برتی جارہی۔ موبائل پر ایس۔ایم ۔ایس کی پٹاری کھولئے تو بھی بندہ خدا کی پناہ مانگنے لگتا ہے۔ نجانے یہ ہیجان کب ختم ہوگا؟کیا جمہوریت اسی کو کہتے ہیں کہ اختلاف رائے رکھنے والے کے کپڑوں پر کیچڑ اُچھال دیا جائے 'گھٹیا اور نازیبا تصاویر اپ ڈیٹ کی جائیں ؟ایک شخص کی عمر کم وبیش چالیس کے لگ بھگ اور وہ ایک سیاسی گھرانے کی بیٹی کے متعلق ایک ایسی تصویر لگائی کہ دل

کھول اُٹھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ تصویر پر لکھی گئی بات جناب کی نظر میں غیر اخلاقی تھی یا نہیں مگر میری نظر میں مہذب معاشرے کی علامت ہر گز نہ تھی اور میں نے کمنٹس دیئے کہ بیٹیاں تو سب سانجھی ہوتی ہیں جناب۔

دوسری طرف کچھ سیاسی حلقے مذہبی گروہوں میں بھی ہلکی ہلکی پناہ ڈھونڈتے نظر آتے ہیں۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ قادری صاحب فلاں فرقے کا ایجنٹ ہے تو کوئی میاں صاحب پر ہرزہ سرائی کر رہا ہے۔ کسی کے پاس خان صاحب کے یہودیوں کے ایجنٹ ہونے کا سرٹیفیکیٹ ہے۔ رہ گیا میڈیا تو وہ نیوٹرل رہنے کے بجائے کسی نہ کسی پلڑے میں اپنا وزن ڈال رہا ہے۔ کچھ عرصہ قبل میڈیا کو امپائر کا درجہ دیا جاتا تھا اور اب یہ نوبت آن پہنچی ہے کہ لوگ کہتے ہیں یار فلاں چینل لگاؤ وہ ''مارچ'' کی صحیح خبر دے گا۔ کسی دوسری جگہ آواز گونجتی ہے یار کدھر گیا ریموٹ، چینل تبدیل کرو یہ چینل تو پکا ''مارچی'' ہے یہ ہمیشہ حکومت کیخلاف خبریں دیتا ہے۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ یہ اندازے لگانے والے ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔ قارئین آپ خود فیصلہ کیجئے۔

رہ گئی یہ بات کہ آگے کیا ہوگا؟ تو اتنا سمجھ لیجئے فی الحال کچھ سیاسی زعماء سیاست سیاست کھیل رہے ہیں۔ داؤ پیچ لگا رہے ہیں اور چند اینکر پرسن یہ کہہ کر جلتی پر تیل ڈال رہے ہیں کہ فلاں مطالبے سے اگر خان صاحب ہٹے تو انکی سیاسی موت ہوگی تو کچھ صاحبان کشف فرماتے ہیں کہ اگر حکومت ایک انچ بھی اپنے موقف

سے پیچھے ہٹی تو تاریخ میں بے حوصلہ لوگوں میں شمار کی جائیگی۔یہ بھی تو بار بار کہنا چاہیے کہ جب تک مشیر سوچ سمجھ کر نہیں رکھیں جائیں گے اسوقت تک خان صاحب کی نیت کی سچائی اور میاں صاحب کا تدبر اور صبر رنگ نہیں لاسکے گا۔

جہاں تک میرا خیال ہے تو بھائی میں بھی اسی طبقے کا فرد ہوں مجھے کیا لینا دینا کہ موجودہ سیاسی صورتحال سے غریب ملک کا کئی سوارب کا نقصان ہوچکا؟ مجھے اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ہمارا ہمسایہ ہماری سیاسی پریشانی دیکھ کر سرحدوں پر اشتعال انگیزی کررہا ہے۔ فلسطین سمیت مختلف خطوں میں انسانیت کا خون بہہ رہا ہے۔بھائی مجھے تو چٹ پٹے کرنٹ افیئر چاہیں تاکہ قاری کی توجہ حاصل کرسکوں۔کیا سمجھے ؟اور رہ گئی بات یہ کہ وفاق کے تعلیمی ادارے 19 دن بند رہیں گے تو اس سے سیاسی زعماء کو کیا ؟ ان کے بچے 'پوتے تو سکول وکالج جارہے ہیں ناں۔سیاسی رہنماؤں کی گفتگو سے انکے بچے تو متاثر نہیں ہورہے جو وہ پریشان ہوں لہذا پیارے ہم وطنو خود ہی خوف کھایئے اوراپنے بچوں کو اسی سیاسی ٹی وی سے دور کیجئے۔رہ گئی بات امراء کی تو انہیں تو الیکشن کی ہارجیت کی فکر ہے۔

گل کے لہجے میں گفتگو کی جائے

30 اگست کو رات دس بجے کے بعد سہانے خواب بیچ کر غریبوں کو جس قدر رسوا کیا گیا اسکی مثال تاریخ پاکستان میں دی جائیگی۔شیلنگ اور پتھراؤ دیکھ کر بھائی اے۔ایم ۔ملک کو میسج کیا کہ ''یہ کیا ہے 'کیا ہم پھر دھوکے میں ہیں''۔انہوں نے تو جواب نہ دیا البتہ حالات نے ضرور دے دیا۔آنکھیں نم تھیں اور راقم رات کے 2 بجے فیس بک پر یہ اپ ڈیٹ کر رہا تھا:

مذاکرات کا طریقہ کار

خوشبوؤں کی زبان اپنا کر گل کے لہجے میں گفتگو کی جائے

کسی ذمہ دار شخصیت نے زچ آ کر ٹی وی پر کہہ دیا کہ '' اب مذاکرات نہیں ہونگے اور شاید بات اب مذاکرات سے نہ بنے''تو راقم نے فیس بک پر یہ اپ ڈیٹ دی: مفہوم میدان کربلا میں چھ ماہ کے سیدنا علی اصغر سمیت جب 71 3اہل بیت واصحاب شہید ہو چکے تو اسوقت بھی میرے امام عالی مقام سیدنا حسینؑ نے۔یزیدیوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کیلیئے پیغام امن دیا''۔یعنی اسوہ آقا جی ﷺ پر میرے حسینؑ کا عمل ہماری لیئے مشعل راہ ہے اگر ہم عمل کریں۔مذاکرات 'مذاکرات اور صرف مذاکرات'

اپنی ذات سے بالاتر ہو کر۔ مہلت کم ہے بہت کم اگر اب بھی سیاستدان مسئلہ کا حل اپنی انا میں تلاش کرتے رہے تو پھر اپنی اپنی جمہوریت کہ بارے کہتے پھریں گے

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا' افسانہ تھا

میڈیا سب کا ساانجھا ہوتا ہے۔ مگر نجانے کیوں مارچ اور وردی والے میڈیا پر بھی برس پڑے۔ وجہ گوہر ملسیانی کے اشعار میں ملاحظہ کیجئے

ایک قدغن لگی ہے اظہار پر وقت بھاری ہے بہت سنسار پر

آ گئی پھر چھیڑنے اس کو ہوا جب رکھا ہم نے دیا دیوار پر

ارض وطن میں تبدیلیوں کے کئی زمانے اور وعدے جن کے چہرے کی جھریوں پر نقش ہیں ایسے ہی عمر رسیدہ جوانوں سے رائے لی تو بہت ساروں کا جواب تھا

نسل در نسل انتظار رہا قفل ٹوٹے نہ بے نوائی گئی

کچھ ایسے بھی ملے

موسم گل ہو کہ پت جھڑ ہو بلا سے اپنی ہم کہ شامل ہیں نہ کھلنے میں نہ مرجھانے میں

آخرالذکر کا خیال اس بات کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ ''عوامی امنگیں'' آئین' قانون اور اخلاقی دائرہ سے نکلنے والوں کے خیالات اور اعمالات سے بیزار ہیں۔

ارض وطن میں اب بھی اکا دکا ایسے لوگ ہیں جو اس نازک موقع پر اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر کسی ایک پلڑے میں اپنا مکمل اور عوام کا خیالی وزن ڈالے بیٹھے ہیں اور ایسے سرکاری نوکر بھی ہیں جو وقت و حالات کا ڈھونگ نچا کر قانون کو پامال کر رہے ہیں۔ بقول شاعر

جو لوگ اپنے لفظ و صدا بیچتے رہے انسانیت کی رنگین قبا بیچتے رہے

ہر موڑ پر ہر ایک نئے راہزن کے ہاتھ اس کارواں کو راہ نما بیچتے رہے

اطہر! بفیض مصلحت عصر' باغباں خود گلستاں کی ہوا بیچتے رہے

پی ٹی وی اور ریاستی اداروں پر حملہ ہر حال میں قابل مذمت ہے اور ریاست سے بغاوت ہے اسکی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ وزیر اعظم ہاؤس کی جانب پیش قدمی اگر آئین کی خلاف ورزی ہے تو ہم بھی اسکے مخالف ہیں۔ اگر کسی کے پاس ڈنڈے ہوں تو انکے عزائم پر شبہ کیا جا سکتا ہے اور انہیں روکنا یا نہتا کر آگے جانے دینا بھی سمجھ میں آتا ہے لیکن 17 جون کی 75 روز بعد کٹنے والی ایف آئی آر اور گزشتہ روز بیس گھنٹوں میں کٹنے والی تازہ ایف آئی آر پر دل کہہ اُٹھتا ہے

آدمی وہ بھی آدمی ہم بھی آدمی آدمی میں اتنا فرق

ایک محترم نے فرمایا کہ ہمیں 45 دن پہلے پتہ تھا کہ دونوں دھرنے اکھٹے ہونگے اور دنگا ہوگا۔ تو جان کی امان پا کر عرض ہے جناب عالی اس معلومات کے بعد تو آپ

کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں تھیں ناں۔۔۔۔۔

رہ گئی بات خان صاحب کی تو ان کا برملا اعلان کہ جاوید ہاشمی اب تمہارے اور میرے راستے جدا ہیں اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ جمہوریت کی تعریف ہر کوئی اپنی مرضی کے مطابق کرتا ہے۔ میرے پاس نہ چڑیا ہے اور نہ طلسمی قوت کہ مخدوم کے مکمل بیان کی تائید کروں البتہ انکے اختلاف رائے کی جرات کو ضرور سراہتا ہوں۔

آخر میں میری رائے یہی ہے کہ چھ سالہ کلچر کی روایت کو دیکھتے ہوئے ریاست کو مظاہرین کیلئے ہائیڈپارک بنانا چاہیئے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ کچھ جماعتوں کے پاس اب واویلا کرنا ہی باقی رہ جائے گا۔خدانہ کرے ایسا ہو۔اے اللہ میرے ملک کو سلامت رکھ (آمین)۔

تصویر کا دوسرا رخ

معاشرے جب تباہی کے دہانے پر پہنچتے ہیں تو مبالغہ آرائی اپنے عروج پر ہوتی ہے ۔ضمیر دھڑا دھڑ بکتے ہیں 'حکمران آنکھیں رکھتے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے 'کان رکھتے ہیں پر سن نہیں سکتے ۔اس دوران کئی شعبدہ باز بھی آتے ہیں لیکن محض قوم کی آنکھیں کھلوانے کی خاطراور پھر انہیں فطرت راہ سے ہٹا کر بکھرے ہجوم کو ایسا رہنماء میسر کرتی ہے کہ تاریخ رقم ہوتی ہے۔مگر شرط ہوتی ہے 'یہاں بھی غیر مشروط طور پر کچھ نہیں ملتا۔دیدہ بینا'خلوص نیت'انتظامی صلاحیت اورجرات شرط اول وآخر۔

اسوقت غربت 'انارکی'دشمنوں کی پیوندگی دہشت گردی'مہنگائی 'لوڈشیڈنگ'اقرباپروری'اغوابرائے تاوان' بے لباسی'سرعام خواتین کا رقص 'دروغ گوئی الغرض ہر سماجی'معاشرتی ومعاشی.برائی بدرجہ اتم ہم میں موجود ہے اوران میں سے بیشتر کی جڑیں لاقانونیت میں پیوست ہیں ۔ہم جس آئین کا رونا روکراس فرسودہ نظام جمہوریت کی حمایت کررہے ہیں اس پر عمل درآمد ہی نہیں ہورہا اگر محض اسی آئین کی ہر شق قابل عمل بنادی جائے تو پاکستانی عوام میں خوشحالی آسکتی ہے۔لفافہ کا الزام سہہ کر بھی چند کالم نویس محض اس وجہ سے حکومت وقت کا ساتھ دے رہے ہیں کہ انتشار کسی مسئلے کا حل نہیں 'ریاستی عمارتوں پر حملوں کی وجہ سے آج جو جماعتیں زیر عتاب ہیں اگرچہ کچھ عرصہ میں

طرز حکمرانی نہ بدلا تو ان کے قلم بھی رخ تبدیل کرنے میں دیر نہ لگائیں گے۔ پھر چاہے ووٹ کے ذریعے تبدیلی آئے چاہے تباہی کے ذریعے اسکے ذمہ دار پرانی سیاسی روش پر قائم امراء و سیاستدان ہونگے۔ قلم کار جو فطری طور پر غریب کے دل کی آواز ہوتا ہے کب تک آخر کب تک اس شورزدہ سیاسی زمین کو تحفظ فراہم کرے گا؟ ان کی چاہت تو یہی ہے کہ بغیر کسی جانی ومالی نقصان کے سب کچھ امن وامان سے ہو جائے اگر ایسا نہ ہوسکا اور عوام نے حق چھیننا شروع کر دیا تو موت کے فرشتے کے نظر آنے کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔ دھرنے والوں کے استعفی کا مطالبہ جائز ہے مگر بزور دھرنا اسے حاصل کرنا ناجائز بات ہے۔ دھاندلی کے متعلق کچھ فیصد مقرر ہونی چاہیئے کے اگر اتنی مقدار میں دھاندلی ثابت ہو گئی تو وزیراعظم استعفی دے دینگے۔ یہی معقول اور آئینی راستہ ہے۔ آئین واقعی انسان کا بنایا ہوا ہے اسے بدلا جاسکتا ہے ترمیم کی جاسکتی ہے مگر جب ہم ایک قوم ہوں تب ایسا ممکن ہوگا' جو بن چکا سو بن چکا اب دور دور تک کسی نئے متفقہ آئین کی منظوری کی اُمید نہیں۔

سیاست دانوں سمیت کوئی بھی شخص اگر تائب ہو جائے تو اسے سینے سے لگانے میں دیر نہیں کرنی چاہیئے مگر اکثر تو آج تک قرون وسطی میں جی رہے ہیں اور ببانگ دہل دربار میں کہتے رہے کہ ''عوام نے معزز درباری کو ہاتھی پر سے اتار کر قبیح حرکت کا ارتکاب کیا ہے' انکے خلاف تحقیق کی جائے' وغیرہ وغیرہ''۔ حیرت ہے ہاتھی پر سوار ہونے والے اور اسکے حمایتی بھول گئے کہ ان کے جسم میں

دوڑتا خون اپنی خوراک خط غربت سے نیچے بسنے والوں پر محصول لگا کر وصول کرتا ہے۔ اگر معزز ہیں تو پھر وہی اشخاص معزز ہیں جو بغیر کچھ کام کیئے آپ کو' آپ کی تنخواہ ادا کرتے ہیں' سودا سلف لانے اور نااہل ہونے کے باوجود آپ کو نوکری دینے پر بضد ہیں مگر ظلم کے خلاف جتنی دیر سے اُٹھاجائے قیمت بھی اتنی ہی ادا کرنی پڑتی ہے۔ بعض کی عقل گھاس چرنے گئی ہے اور آخری سانس تک واپسی کی کوئی اُمید نہیں کی جا سکتی' انہونی ہو جانا الگ معاملہ ہے۔

مانا کہ دھرنے کی طوالت نے بہت سے نقصان کیئے مگر اسکے مثبت اثرات بھی منظر عام پر آچکے'۔کچھ احباب دھرنے کی تعداد کے متعلق چٹ پٹی باتیں کرکے قہقے لگاتے ہیں ۔اگر پانچ ہزار یا چھ ہزار دھرنے کے شرکاء کی تعداد ہے اور دوسری جانب حکومتی ارکان پارلیمنٹ تو واضح لفظوں میں یوں ہوا کہ حکومت کو 294 (افراد کی اور دھرنے والوں کو پانچ ہزار افراد کی سپورٹ حاصل ہے۔اگر آپ کہتے ہیں کہ ارکان پارلیمنٹ ووٹ کی طاقت سے آئے ہیں اور صرف حکومتی ارکان کو سوا یا ڈیڑھ کروڑ ووٹ ملے کو محض 4 یا 5 ہزار لوگ سپورٹ pti ہیں تو پھر سن لیجئے آپ کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ کر رہے ہیں' انہیں جنرل الیکشن میں 75 لاکھ ووٹ ملے ہیں ان کے دھرنے کا مطلب لاکھ ووٹرز کی سپورٹ ہے' جسے 18 کروڑ عوام میں تقسیم کریں تو انکے حامیوں کی 75 تعداد پانچ کروڑ کے لگ بھگ بنتی ہے۔ جسے کبھی جلسیوں اور دھرنیوں کا نام دیا جاتا ہے۔ایک اور زاویہ یہ ہے کہ کچھ ارباب

اختیار اس بات پر بضد ہیں کہ اسوقت خان صاحب مکمل عوامی حمایت کھو چکے ہیں تو ان سے عرض ہے کہ جناب آپ بغیر کسی پروٹوکول کہ تن تنہا ملک کے کوچہ و بازار سے گزر کر دیکھیں تو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کے پاس اب کتنی حمایت باقی ہے۔اگر آپ دھرنے کو معاشرتی و اسلامی پیمانے پر تولنا چاہتے ہیں تو دین کے پردے کے احکامات کسی عالم سے پوچھ لیجئے اور معاشرے کے متعلق آپ کو اندازہ ہونا چاہیے کہ ہم مشرق میں جی رہے ہیں مگر اس ترازو میں صرف ایک جماعت کو نہیں بلکہ ان جماعتوں کو بھی شامل رکھیئے جو دین کا لبادہ اوڑھے بیٹھی ہیں اور انکی پارٹی میں بھی برصغیر کی بیٹی پارلیمان کی ممبر ہے۔ایک نہیں تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھنا سیکھیے 'جن لوگوں کے توسط سے آپ کو بات پہنچ رہی ہے ان کے اپنے پیشے سے اخلاص کو جانے بغیر آپ سو فیصد فیصلہ نہیں کر سکتے اگرچہ یہ ایک مشکل زاویہ ہے مگر حقیقت یہی ہے۔

اور فوج کو زیر عتاب لانے والوں کے پاس کوئی شہید صوبیدار عناب ہے تو بتائیے جو isi بغیر کسی رنگ 'نسل 'زبان اور فرقہ وارانہ عصبیت کے غریب پاکستانیوں کی جان بچانے کی خاطر محفوظ مقام سے سیلاب کی بے رحم موجوں میں کود پڑا ہو 'کوئی معزز و مقدس پارلیمان میں صوبیدار عناب جیسا فرد اب بھی موجود ہے تو بتائیے ہم صوبیدار عناب کے ساتھ ساتھ اسے بھی سلام پیش کریں گے۔مانا کہ ان اداروں کے چند افراد سے انفرادی غلطیاں ہوئیں مگر اسکا الزام افواج پاکستان

پر رکھنا اور ہر الٹی سیدھی حرکت کو افواج پاکستان سے سونپ کر ''بہادر'' کہلوانے کا شوق رکھنے والے بتائیں کیا افواج پاکستان کو ایک ہی رخ سے دیکھنا چاہیئے کہ انھوں نے جمہوریت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟؟ کیا ضرب عضب' غیر ملکی دشمنوں سے جنگیں اور سوئے ہوئے پاکستانی حکمرانوں کے ادوار میں آنے والے سیلابوں میں افواج پاکستان کی بیش بہا خدمات اتنی مختصر ہیں کہ انھیں فراموش کر دیا جائے۔ اگر سیاستدانوں کی کوتاہیوں کے باوجود جمہوریت معصوم ہے تو پھر دوسروں کی تصویر کا ایک ہی رخ کیوں دکھایا جاتا ہے اور وہ بھی مسخ کر کے۔

معاشرے جب تباہی کے دہانے پر پہنچتے ہیں تو مبالغہ آرائی اپنے عروج پر ہوتی ہے ۔ ضمیر دھڑا دھڑ بکتے ہیں' حکمران آنکھیں رکھتے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے' کان رکھتے ہیں پر سن نہیں سکتے ۔ اس دوران کئی شعبدہ باز بھی آتے ہیں لیکن محض قوم کی آنکھیں کھلوانے کی خاطر اور پھر انہیں فطرت راہ سے ہٹا کر بکھرے ہوئے ہجوم کو ایسا رہنماء میسر کرتی ہے کہ تاریخ رقم ہوتی ہے۔ مگر شرط ہوتی ہے' یہاں بھی غیر مشروط طور پر کچھ نہیں ملتا۔ دیدہ بینا' خلوص نیت' اخلاقی برتری' انتظامی صلاحیت اور جرات شرط اول وآخر۔

فرمان شیخ عبدالقادرؒ اور 12 اکتوبر

حضرت عبدالقادر جن کا لقب محی الدین تھا گیلان کے چھوٹے سے قصبے میں 470 ہجری میں پیدا ہوئے۔ مولانا جامی اپنی کتاب "نفحات الانس من حضرات اقدس" میں رقمطراز ہیں کہ "سیدنا شیخ عبدالقادر ثابت النسب سید ہیں۔ جامع حسب ونسب ہیں۔ آپ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی جانب سے حسینی ہیں"۔ حصول علم کیلئے چار سو میل کا سفر طے کیا اور بغداد میں شریعت کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے مسند ارشاد قائم کی اور بے راہ لوگوں کو راہ حق دکھائی۔ مجلس میں کثیر تعداد کی حاضری کی وجہ سے 528 ہجری میں عمدہ و وسیع عمارت کی بنیاد رکھی۔ روایت کے مطابق آپ کی ایک ایک مجلس میں حاضر افراد کی تعداد پچاس ہزار سے تجاوز کر جاتی جس میں علماء و مشائخ بھی شامل ہوتے تھے۔

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے ایک مرید کو خلافت سے نوازا اور اسکے لیئے ایک مقام مقرر کیا کہ فلاں جگہ جا کر دین کی تبلیغ واشاعت کا کام کرو۔ رخصت ہوتے وقت بھی علم وحکمت کے پیاسے مرید نے اپنی تشنگی کی تسکین کیلئے عرض کیا کہ کوئی نصیحت فرمایئے۔۔ شیخ عبدالقادرؒ نے ارشاد فرمایا کہ خدائی کا

دعوی نہ کرنا اور نبوت کا دعوی بھی نہ کرنا۔ آپ کا مرید یہ نصیحت سن کر حیران وششدہ رہ گیا کہ عالی جناب میں مدت سے آپ کی صحبت سے فیض یاب ہو رہا ہوں ۔کیا اب بھی یہ ممکن تھا کہ میں خدائی اور نبوت کا دعوی کرنے کی جسارت کروں گا؟۔ علم وحکمت کے خزانے نے فرمایا کہ خدائی اور نبوت کے دعوے کا مطلب اچھی طرح سمجھ لو پھر گفتگو کرو۔ خدائے ذوالجلال کی ذات وہ ہے کہ جو فرمادے وہی اٹل ہو۔ اس سے اختلاف کبھی نہیں ہو سکتا جو بشر اپنی رائے کو اس درجہ میں پیش کرے کہ وہ اٹل ہو اسکے خلاف نہ ہوسکے کوئی بندہ اپنی رائے پر اتنا اصرار کرے تو اس سے بڑھ کر خدائی کا دعوی کیا ہوگا؟ اور نبی وہ ہے کہ جو زبان سے فرمائے وہ سچی بات ہے کبھی جھوٹ نہیں ہو سکتا جو شخص اپنے قول کے بارے میں کہے کہ یہ اتنی سچی بات ہے کہ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا وہ درپردہ گویا نبوت کا مدعی ہے کہ میری بات غلط نہیں ہو سکتی۔۔ حالانکہ اسکی رائے ہے۔

شیخ شریعت کے اس قول پر غور کے بعد میں جب محترمہ نصرت بھٹو مرحوم کے اس قول ''bhuttos are born for rule'' کو پڑھتا ہوں کہ تب بھی کانپ جاتا ہوں۔ میں جب مکے لہراتے ہوئے بشر کی ویڈیو دیکھتا ہوں اور پھر اسکی نظربندی کی خبریں پڑھتا ہوں تب بھی استغفار کرنے لگتا ہوں۔ اسی مکے لہراتے ہوئے انسان نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر ترقی کے زینوں کا سوچا اور پھر قدرت نے اسے یہ کہنے پر مجبور کردیا کہ چند سیکنڈز میں سالوں کی محنت خاک ہو گئی (زلزلہ کشمیر)''۔ مینڈیٹ 'مینڈیٹ''

کو رٹا لگانے والوں مختلف لوگوں کو میں جب پس زندان دیکھتا ہوں تو حضرت

عبدالقادرؒ کے فرمان کی معرفت پاتا ہوں۔اپنی رائے کو اہمیت دینا اور "no" کیلئے عدم

برداشت کا رویہ انا و تکبر کی نشانی ہے اور متکبر کو اللہ کڑی سزا دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ''میں نے رسول اللہ سے زیادہ کسی شخص کو اپنے

ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں پایا'' (ترمذی)۔ان پیارے اصولوں کو جو بھی

نظر انداز کرتا ہے وہ دھرنے میں ہو یا اقتدار میں اپنے لیئے خود تباہی لاتا ہے۔ پھر بارہ

اکتوبر ہی جنم لیتا ہے چاہے اخلاق کے خاتمے کی نوید ہو' اقتدار کے خاتمے کی صورت میں

ہو یا متزلزل تخت کی۔اللہ ہمیں اور ہمارے تمام سیاستدانوں کو مشاورت تسلیم کرنے کی

توفیق عطا فرمائے۔اور اس ارض پاک کو انتشار سے محفوظ رکھے۔

اندھی تقلید

معاشرہ جس عمارت میں زوال پذیر ہوتا ہے اسکا ایک اہم ستون اندھی تقلید بھی ہے۔جس معاشرے میں رائے سننے اور رائے دینے کی اہمیت وجرات ختم ہو جائے وہاں بے حسی جنم لیتی ہے جو دیمک کی مانند اخلاقی اقدار کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہے۔"

نیک عمل کی تقلید (اطاعت) معاشرے کو جنت کا نموبہ بناتی ہے تو برے عمل کی تقلید معاشرے کو جیتے جی جہنم میں دھکیل دیتی ہے۔لفظ "باغی" اگر معاشرے کے ظلم وجبر کے خلاف کسی دوسرے شخص کیلئے استعمال ہو تو ہم میں سے سب اسے سراہتے ضرور ہیں لیکن اسکا ساتھ دینے یا ویسا بننے کی جسارت نہیں کرتے۔مثال کے طور پر ہمارے گھر میں سماج دشمن ڈراموں کی پذیرائی تو ممکن ہے مگر گھر میں ہی ویسا باغی جنم لے تو ہم اس کی صلاحیت کو "مصلحت" کے نشتر سے اس قدر زخمی کرتے ہیں کہ وہ مفقود و منجمد ہو کر رہ جاتی ہے۔وجہ یہ ہے کہ ہم سماج کے خلاف کچھ نہ کچھ سن بھی سکتے ہیں،سکرین پر دیکھ بھی سکتے ہیں،لکھ بھی سکتے ہیں،پڑھ بھی سکتے ہیں مگر رتی برابر عمل کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔یہ سب اسلیئے ہے کہ انسان نے اپنے معاشرے کی فرسودہ روایات کو اپنی ذات سے بھی مقدم بنا رکھا ہے اور اس پر رائے زنی کے دروازوں کو بند کر رکھا ہے۔البتہ چھوٹے

چھوٹے دریچوں میں سے کچھ صدائیں ہمیشہ بشری سماعت سے ٹکراتی رہی ہیں لیکن چونکہ اجتماعی حمایت حاصل نہیں کرپائیں اسلیئے وقفے وقفے سے دم توڑتی رہتی ہیں۔ تقلید کا سب سے برا پہلو اسوقت سامنے آتا ہے جب کسی بھی معاشرے میں کسی ایسے شخص کی تقلید شروع ہوجائے جس کی سیرت کامل نہ ہو۔اور ظاہر ہے کہ یہ وصف خدا کی ذات نے صرف پیغمبر میں رکھاہے تو کسی اور ذات میں اسکا تلاش کرنا ایسے ہی ہے جیسے دن میں ستارے تلاش کیئے جائیں۔جب کوئی شخصیت کامل ہی نہیں تو اسکی مکمل پیروی کرنا بھی فطری اصولوں کی خلاف ورزی ہے جس کا خمیازہ معاشرے کو بالاآخر بھگتنا پڑتا ہے۔

انسانی زندگی میں تقلید کا عمل بچے کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ بچپن میں ہر اچھی اور بری عادت کی تقلید کم وبیش سب انسانوں میں یکساں ہیں ماسوائے نبیوں اور رسولوں کے۔ پھر جیسے جیسے دن گزرتے جاتے ہیں وہ تقلید کرتے کرتے کچھ ایسی باتیں اپنے اندر سمولیتا ہے جن کا اچھا یا برا اثر تازندگی اسکی شخصیت پر قائم رہتا ہے۔بچہ جب بڑا ہوجائے تو وہ اپنی پسند ونا پسند کے مطابق تقلید کرتا ہے لیکن مذہبی نظریہ اس کا عموماً وہی رہتا ہے جو بچپن سے لے کر لڑکپن تک اس کے قریبی معاشرے نے اسکے اندر انڈیلا ہوتا ہے۔اسلام دنیا کا وہ مذہب ہے جس

نے انسان کی رائے دینے کی جبلی عادت اورزندگی کے معاملات کی تبدیل ہوتی ہوئی صورتحال کے پیش نظر اسے اجتہاد اورتدبر کا وسیع وکشادہ راستہ میسر کیا ہے۔دینی معاملات میں تواب بھی کسی حدتک اجتہاد جاری ہے لیکن دنیاوی معاملات میں مسلمان اپنے معاشرے کی روایات کے اچھے اور برے پہلوپر عملی اجتہاد کرتاہوا نظرنہیں آتا۔ اگر تقلیدکے ضمن میں پاکستان اور بالخصوص موجودہ زمانے کو دیکھا جائے توایسا لگتاہے کہ آج ہم صرف اہل مغرب کے منفی پہلو اجاگر کرتے اورانکی تقلید کرتے ہیں۔جابر حاکم کے سامنے کلمہء حق کہنے کو اسلام نے جہاد کا رتبہ دیاہے۔لیکن اس بیش قیمت اورلازوال جملے سے فائدہ ہم کم ہی اُٹھاتے ہیں۔اوراگرفائدہ اُٹھانے کی کوشش بھی کرتے ہیں تو ان نام نہاد سیاسی رہنماؤں کے ذریعے جن کے قول وفعل میں تضاد ہوتاہے۔ہمارے معاشرے میں جو کسی لیگ یا تحریک اورپارٹی کارکن ہے اس کے لیئے بس وہی حرف آخرہے یاپھر اسکاذاتی مفاد۔سیاسی معاملات میں ہم بحثیت مجموعی آج تک بچپن کی اس عمرمیں ہیں جہاں اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی بس پیشواکودیکھ کرہی عمل کرناہوتاہے۔ہم طوطے کی مانند رٹے 'رٹائے سبق کو ہی دہراتے ہیں اوربڑے صرف اس قدرہوئے ہیں کہ اس سبق کے حق میں دلائل ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔اس پر سوچ وبچار یاتو ہمیں نصیب ہی نہیں اوراگرکسی منچلے کو یہ سوجھ بھی جائے تو ہم لوٹے''کامفہوم سمجھے بغیراس حقیقی شخص''

کو بھی لوٹا قرار دے دیتے ہیں جو اپنی پارٹی کے غلط موقف یا اقدام کےخلاف آواز بلند کرتا ہے یا اسے خیر آباد کہتا ہے اور اکادکا ایسے منچلے بھی گزرے ہیں جو دلیری اور بیوقوفی میں فرق تلاش نہیں کرپائے اور جلد بازی میں اپنی جدوجہد کی اہمیت کھودیتے ہیں۔جس کا نتیجہ ہمارا معاشرہ بھگت رہا ہے 'تاریخ اُٹھا کر دیکھیں تو ہمیں دفتر سے لے کر ایوان پارلیمنٹ تک آمروں کی قطاریں نظر آتی ہیں۔ہمیں دین کے سرکش' جبر و سربیت کے مخالف اور' مفادات کی زنجیروں میں جکڑے فرد میں تفریق کرنا سیکھنا ہوگی۔جابر سلطان کے سامنے کلمہ ء حق کا مفہوم بہت وسیع پیغام لیئے ہوئے ہے ۔ہر وہ شخص جو کسی قبیلہ 'ادارہ یا تنظیم کا حاکم ہے وہ اس زمرے میں ہے۔ ہمیں چاہیئے کے اپنی اپنی سطح پر اندھی تقلید کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے اپنے مقام سے آوازِ حق بلند کریں ۔اوراس جانب پہلا قدم تب ہی اُٹھے گا جب ہم اپنے نفس کی تقلید سے انکار کردیں گے۔آیئے ضمیر کی آواز سنتے ہوئے اسکی رائے کو اہمیت دیتے ہوئے پاکستان کی تشکیل کی طرف پہلا قدم اُٹھاتے ہیں۔

معاشرہ جس عمارت میں زوال پذیر ہوتا ہے اسکا ایک اہم ستون اندھی تقلید بھی ہے۔جس معاشرے میں رائے سننے اور رائے دینے کی اہمیت وجرات ختم ہوجائے وہاں بے حسی جنم لیتی ہے جو دیمک کی مانند اخلاقی اقدار کو اندر سے کھوکھلا کردیتی ہے۔

چاول ٗبرفی اور لڈو

ٹرین کے ایک پورے ڈبے میں برات بیٹھی تھی ایک غیر آدمی کو جب کہیں جگہ نہ ملی تو وہ بھی ٹرین کے اس ڈبے میں آ کے بیٹھ گیا۔ ٹرین چل پڑی ۔کچھ دیر بعد براتیوں نے ایک ڈبا کھولااور اس میں سے میٹھے چاول نکالے اور ساری برات کو دیئے لیکن اس آدمی کو نہ دیے۔ وہ چپ کرکے بیٹھارہاکہ کوئی بات نہیں شاید انہوں نے مجھے دیکھانہیں۔کچھ دیر بعد براتیوں نے ایک اور ڈبا کھولااور اس میں سے برفی نکالی اور ساری برات میں تقسیم کی لیکن اس آدمی کو نہ دی۔اسے بہت غصہ آیا کہ ایک میں باہر کا آدمی ہوں مجھے بھی دے دیتے تو کیا تھا۔لیکن وہ ضبط کرکے بیٹھارہا۔ تیسری دفعہ براتیوں نے لڈو نکالے اور سب کو ایک ایک لڈو دیالیکن اس شخص کو نظرانداز کردیا۔اب تو اس آدمی کو بہت غصہ آیا وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ اللہ کرے اس ڈبے پر بجلی گرے اور تم سب مر جاؤ۔ براتیوں میں ایک سیانا آدمی کھڑا ہوااور بولا ”اگر اس ڈبے پر بجلی گری تو تم کیسے بچ جاؤگے ؟اس آدمی نے جواب دیا ”جیسے چاول ٗبرفی اور لڈوؤں کی دفعہ بچ گیا تھا۔“

اس میں دو تین سبق ہیں۔۔اس اقتدار کے کھیل میں عوام کو نہ میٹھے چاول ملتے ہیں نہ برفی اور لڈو تو پھر باباوہ ایسی صداؤں میں تو شامل ہو گی ناں جس میں

نشیمن پر بجلی گرانے کی باتیں ہو نگی ۔ذرا آپ بلدیاتی انتخابات کے ذریعے.برفی بانٹنے کا انتظام کریں پھر دیکھتے ہیں کہ جلسے گاہوں کی رونق بننے والے ننھے اونٹ کس کروٹ بیٹھتے ہیں۔اقتدار کا دستر خوان سجتا ہے تو تبھی کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے ۔پنجابی ادب کی شان بابا بلھے شاہ نے فرمایا تھا

سب نوں اپنی اپنی پے گئی

دھی ماں نوں لٹ کے لے گئی

مگر انتظامی مجبوریوں کے دلائل تو آپ کے پاس ہونگے لیکن ہمیں تو یہی لگتا ہے آپ اس بزرگ کی طرح ہیں جو شادی ہو یا فوتگی 'اسکی یہی خواہش ہوتی ہے کے دیگ پر اسی کا کنٹرول ہو۔یعنی سب کے اوپر اس کا احسان رہے۔حالانکہ شادی کے موقع پر خرچہ دولہے کا ہوتا ہے اور فوتگی کہ موقع پر مختلف لوگوں کا لیکن چودراہٹ اسی بوڑھے.بزرگ کی ہوتی ہے جس کا ٹکہ بھی نہیں لگتا بس وہ اپنی نام نہاد انتظامی صلاحیت کی بناء پر مسلط رہتا ہے اور دوسروں کا خرچ ہونے کے باوجود لوگ وقتی طور پر اسی کے ذریعے پلاؤ'بوٹیاں 'قورمہ کھاتے ہیں اور حقیقت جاننے کے باوجود اس کے شکر گزار ہوتے ہیں کہ اس نے نوازش کی۔مندرجہ بالا بابے کا قصہ دیہاتوں سے زیادہ تعلق رکھتا ہے جیسے ہماری جمہوریت پرانے یورپ سے مماثلت رکھتی ہے۔

پچھلے دورِ حکومت میں جب پی پی پی نے وفاق کے زیرِ انتظام ہیلتھ ورکرز کو مستقل کرنے کا اعلان کیا تھا تو میں اس وقت ایک صوبائی حکومت کے ملازم کے پاس اسکے میڈیکل سٹور پر موجود تھا۔ اس نے اعلان سنتے ہی کہا" دیکھو بھائی حصہ نکال دیا انہوں نے۔ وہ خود بھی کھاتے ہیں اور لٹاتے بھی ہیں تبھی انکی حکومت قائم ہیں۔ میاں صاحبان تو پولیو' مردم شماری سے لے کر ڈینگی وائرس تک اساتذہ کو گھسیٹتے ہیں پھر کون انکی خیر مانگے گا"۔ جب چھوٹے چھوٹے ملازمین کو مستقل کرنے کیلئے حکومت حد سے زیادہ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرے گی' نوجوان بے روزگار ہوں گے اور دوسری جانب اقتدار میں شریک افراد کروڑوں اڑائیں گے تو نفرت کا پھیلنا یقینی امر ہے۔ پھر اپوزیشن کیخلاف آپکے نعرے دم توڑ جائیں گے اور آپکے خلاف نعرے زبان زد عام ہو جائیں۔

a switch in time saves nine۔ انگریزی مقولہ ہے۔ ترجمہ : وقت پر لگایا ہوا ایک ٹانکا بعد میں لگائے جانے والے ننانوے ٹانکوں سے بہتر ہے۔

تیسری اور آخری بات یہ کہ وزیر اعظم یا وزیر اعلی کے صوابدیدی فنڈ کے متعلق بھی مضبوط نظام آڈٹ کیلئے اگر موجودہ حکومت ایک اچھی سی ترمیم کر جائے تو اسکا عوام پر احسان ہو گا۔ اور بہتر ہو گا کہ اگر اسکی limit محدود کردی جائے کیونکہ اس میں اضافے کا مطلب یہی ہے کہ آپ اپنی پارٹی میں موجود باقی افراد کو لڈو' برفی یا میٹھے چاول دینے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ آپ دس دس وزارتوں

کے ذریعے خرچ بچانے کے بجائے وزراء کے اخراجات کم کردیجئے اور یہ وزارتیں.برفی لڈو اور میٹھے چاولوں کی طرح اپنی.برات کے علاوہ بھی کسی کام کے آدمی کو دے دیجئے' تاکہ آپ کے اور ہمارے نشیمن پر بجلی گرانے کی بددعا کوئی نہ کرے۔ وگرنہ آپ کی پارٹی کے سیانے آدمی کو بھی وہی جواب ملے گا جو.برات کے سیانے آدمی کو ملا تھا۔ اللہ اس ملک کا حامی وناصر ہو۔

مسلمانو! سبق کربلا سیکھو

لفظوں کی زنجیریں کیا بناؤں گا۔وہ الفاظ کہاں سے لاؤں گا۔ہاتھ لرزتے تھے۔آنکھیں نم ہوتی تھیں۔چار سال گزر گئے۔سوچوں تو ہر بار نئی فکر'نیا سبق۔اک اک حرف'اک اک جنبش جن کی لازوال ہو ایسی ہستی پر لکھوں تو کیا لکھوں۔نسبت دیکھ کر سہم جاؤں کہ کہیں کمی نہ رہ جائے۔کرم ہے'کرم ہے کہ لکھ رہا ہوں'وگرنہ پیر مہر علی شاہ نے فرمایا تھا

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء

بادشاہ میرے حسینؑ کی آرام گاہ کانشان مٹاتے مٹاتے خود مٹ گئے۔بغض وکینہ کے بھرے صفحہ ہستی سے سسکتے سسکتے گزر گئے۔سیدنا امام عالی مقام اس جہان فانی سے اوجھل ہوئے تو سر مبارک سجدہ میں تھا۔یہ سب پیارے مدنی آقا کا فیضان نظر'تربیت اور صحبت تھی جو تاریخ میں آل پیمبر ساصاسراس امت میں نہ آئے گا۔اخلاقی جراءت 'قوت اقدام'راست بازی'راست کرداری'ثبات واستقلال 'ایثار وسخاوت'علم وعمل 'انکساری وجلال'صلح جوئی اور حکمت ہر اک معاملے میں میرا حسینؑ مسلمانوں میں یکتا تھے۔جب بھی دس محرم آئے گی'جب بھی کوئی جابر کے سامنے کھڑا ہوگا'جب بھی کوئی حق کی بات کرے گا'واقعہ کربلا اسکا معاون

ورہبر ہوگا۔ وہ مسلم ہو' ہند کا ہو یا سندھ کا' مشرق کا ہو یا مغرب کا' میرے حسینؓ کی بابرکت ہستی میں تو خدا نے ایسی تاثیر رکھ دی کہ خدا کو نہ ماننے والا کیمونسٹ بھی ابوالمساکین کی عظمت کو تسلیم کرتا ہے۔

نجانے کیوں جب بھی کوئی جنازہ اُٹھتا ہے مجھے جگر گوشۂ بتول 'فرزند حیدر' کے کربلا کا منظر یاد آتا ہے' وہ معتبر ہستی جس کے عید کے کپڑے فلک سے آتے ہوں اس کا جسم اطہر بے گوروکفن ؟۔ میری لوں لوں میں درد اتر جاتا ہے اور مجھے ایک نیا حوصلہ 'نیا ولولہ اور نئی قوت بھی عطا کر جاتا ہے۔ کربلا کے ایک ایک پرت میں فیض کے ہزاروں سبق پوشیدہ ہیں' ہاں مگر کوئی سوچے تو' کوئی سمجھے تو' یہاں معاملہ فقط عقل پر بھی نہیں موقوف ! اصل شہ کرم ہے کرم' تب ہی حجابات ہٹتے ہیں وگرنہ ابوجہل نے کیا معجزے نہ دیکھے تھے ؟ اور دوسری جانب کیا غازی علم دین شہید نے زمانہ سرورکائنات دیکھا تھا؟ نہیں ناں بس کرم' کرم۔ انگریز نے اردو کے سب سے بڑے مرثیہ نگار کو کہا تھا کہ اگر مسلمان کربلا سے سبق سیکھیں تو تاج برطانیہ لمحوں میں نیست ونابود ہو جائیگا۔ اور یہ اسوقت کہا تھا جب تاج برطانیہ کے محکوم علاقے میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔

ظالموں کے ظلم کا اندازہ امام کو تھا' مگر رب کائنات نے اپنے محبوب کے نواسے کو ناحق کے خلاف ڈٹ جانے کی ایسی قوت عطا کی تھی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور کافر فرنگی بھی کہہ اٹھتا ہے ''اور دنیا کی عظیم ترین ہستی کو

پھر شہید کر دیا گیا''۔

ہم غم حسینؓ میں ڈوبتے ہیں'ڈوبتے رہیں گے لیکن اگر لمحہ بھر کو سوچیں تو ہم اپنی زندگی میں کم وبیش ہر یزید وقت کو مانتے آئے ہیں۔ جھکتے آئے ہیں۔ مفادات کی خاطر مفاہمت کرتے آئے ہیں۔ حسینیت پر یزیدیت کو فوقیت دیتے آئے ہیں۔ یہ سب کچھ درحقیقت حسینیت سے انکار ہے۔ فلسفہ ء کربلا کی نفی ہے۔ جس دن ہم نے امام عالی مقام سیدنا حسینؓ کی ذات مبارک سے جڑے واقعہ کربلا کے فلسفہ کو سوچا اور سمجھا اور اس پر عمل کیا تو ہم محکوم نہیں رہیں گے۔ ہمارے ہاں بم دھماکے نہیں ہونگے ۔ہمارا کشمیر و فلسطین آزاد ہوگا۔ دنیا میں ہر مذہب وملت محفوظ ہو گی۔

حسینیت تو یہ ہے کہ تین دن سے مسلسل پانی نہ ملنے اور دشمن کے ہر حال میں آمادہ ء جنگ ہونے کے باوجود جنت کے سردار نے پہلے حملہ نہیں کیا اور آخری سانس تک صلح کی پیہم پیشکش فرماتے رہے 'ہم ہیں کہ ان کے پیروکار ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور مظلوم و بے قصور اقلیتیں ہوں یا اختلاف رائے رکھنے والے مسلمان سب کو بے دریغ قتل کرتے ہیں۔ قتل کے بدلے ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو معصوم ہیں۔ ہمیں امن' برداشت' صبر اور جبر کے خلاف ڈٹ جانے کا سبق کربلا سے سیکھنا ہوگا ورنہ ہم حسینیؓ و محمدی ﷺ کہلاتے تو رہیں گے لیکن ہمارے ضمیر

اورتاریخ کے اوراق ہمیں کوستے رہیں گے۔

یہ سب فیضان مصطفیٰ ہے کہ ثناء حسین عالی مقام رہتی دنیاتک اختتام پذیر نہیں ہو گی ۔میرے حسینؓ کو مسلم تو مانتاہی ہے۔کافر بھی کہتا ہے

Antoine Bara (Lebanese writer): "No battle in the modern and past history of mankind has earned more sympathy and admiration as well as provided more lessons than the martyrdom of Hussain in the battle of Karbala." (Hussian in Christian Ideology)

دنیا میں کسی لڑائی نے چاہے ماضیٰ یا حال کی تاریخ میں ہو' نہ تو اتنی ہمدردی حاصل کی ہے نہ تعریف اور نہ ہی زیادہ اسباق مہیا کیئے جتنے کہ حسینؑ کی شہادت نے میدان کربلا میں کیئے۔

Dr. Rajendra Prasad

"The sacrifice of Imam Hussain (A.S.) is not limited to one country, or nation, but it is the hereditary state of the brotherhood of all mankind."

امام حسینؑ کی قربانی کسی ایک قوم یا ملک تک محدود نہیں بلکہ ساری انسانیت کے بھائی چارے کیلئے موروثی حیثیت رکھتی ہے۔

لفظوں کی زنجیریں کیا بناؤں گا۔ وہ الفاظ کہاں سے لاؤں گا۔ ہاتھ لرزتے تھے۔ آنکھیں نم ہوتی تھیں۔ چار سال گزر گئے۔ سوچوں تو ہر بار نئی فکر' نیا سبق۔ اک اک حرف' اک اک جنبش جن کی لازوال ہو ایسی ہستی پر لکھوں تو کیا لکھوں۔ نسبت دیکھ کر سہم جاؤں کہ کہیں کمی نہ رہ جائے۔ کرم ہے' کرم ہے کہ لکھ رہا ہوں

وگرنہ پیر مہر علی شاہ نے فرمایا تھا'

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء

لکھوں بھی تو کیا لکھوں دو جہانوں کے سردار نے فرمایا ہے

عربی: حسین منی وانا من الحسین

ترجمہ: حسینؑ مجھ ﷺ سے ہے اور میں ﷺ حسینؑ سے ہوں

مذمت نہیں مرمت

جنگوں کی تاریخ کنگھالو یا آفاقی وارضی مذاہب کی تاریخ آپ کو معصوم علم کے پیاسے بچوں کے قتل عام کی ایسی بھیانک اورمذموم کاروائی نہ ملے گی۔بچوں کے چہروں اور سروں پر گولیاں برسائی گئیں ۔ اساتذہ کو زندہ جلایا گیا۔خولہ کو بھی ماردیا گیا جو پہلے دن سکول آئی تھی اور حد تو یہ تھی کہ عربی وفارسی بولنے والے یہ بھی کہہ رہے تھے کہ کلمہ پڑھو۔اکیسویں صدی میں تو یہ اندوہناک کاروائی دیکھ کر دل التجا کرتا ہے کہ یا خدا ایسے بے حس ٗبے ضمیر ٗلامذہب لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں ؟لیکن ان میں اورڈرون حملہ کرنے والوں میں بس اتنا فرق ہے کہ وہ نیٹ کے ذریعے معصوم بچوں کے لوتھڑے بکھرے ہوئے دیکھتے ہیں اور ان کذابوں نے برہنہ آنکھ سے دیکھے اور ان کے دل نہ پسیجے ۔ کبھی کبھی ان بدقسمت انسانوں کی بدترین قسمت سے خوف آتا ہے اور کبھی سر سجدہ شکراداکرتا ہے کہ میرے خدا تیرا شکریہ کہ میں ان ظالموں میں سے نہ تھا۔

سانحہ پشاور کو کم وبیش 96 گھنٹے گزرنے والے ہیں لیکن قوم آج بھی اسی طرح غمزدہ ہے۔ میری والدہ کہتی ہیں کہ ’’میں اس واقعے کی رپورٹنگ پانچ منٹ سے زیادہ نہ دیکھ سکی کہ میرا دل پھٹتا تھا ٗان ظالموں کو نیست ونابود

کر دینا چاہئے''۔جہاد اسلام کا لازمی جز ہے لیکن مفتیان اسلام کا فرض ہے کہ عوام کے دلوں میں ریاست کے فرائض اور احکام جہاد سے متعلق حقائق اتار دیں۔حکومت کا فرض ہے کہ مسالک کی بنیاد پر تقسیم مدارس پر پابندی عائد کرکے اسلام کی بنیاد پر ان کا نصاب ترتیب دیا جائے اور سائنسی علوم بھی لازم قرار دیئے جائیں۔ایک صاحب کا فرمانا ہے کہ جامعہ حفصہ کو بند کیا جائے ۔مانا کہ انہوں نے نیک نیتی کی بنیاد پر کہا ہوگا لیکن درسگاہ کا ماحول اور اساتذہ و نصاب کی تبدیلی سے اس بڑی درسگاہ کو جاری رکھا جاسکتا ہے۔

ضرب عضب کے دوران میڈیا' سیاستدانوں اور عوام کو یکجا ہونے کی سخت ضرورت ہے ۔معصوم لہو کی تاثیر نے ہم سب کو یکجا کر دیا ہے لیکن اب بھی ایسے عناصر موجود ہیں جو تاویلیں تراش خراش کر پیش کرتے ہیں۔بھائی ہمیں اچھے طالبان سے کوئی دشمنی نہیں لیکن ہمیں اپنے بچوں سے محبت ہے۔ ہماری فورسز موجود ہیں' انکی موجودگی میں جہادی گروپوں کی ضرورت نہیں۔مجھے نہیں معلوم کہ اصحاب رسول کے دور خلافت میں نجی فورسز بھی تھیں ؟ہاں تھیں لیکن ان کو جہادی نہیں کچھ اور پکارا جاتا تھا یعنی حضرت عثمان و مولا علی کے قاتل ۔اگر کوئی اسلام سے محبت کرتا ہے تو اس ضمن میں حکومت فورسز اور علماء سے مشاورت کے بعد عام معافی کا اعلان کر سکتی ہے تو ضرور کرے اور ایسے لوگ حکومتی سرپرستی میں اصلاح معاشرے کیلئے کام کریں مگر ان پر کڑی نظر رکھی جائے جب تک مناسب سمجھا جائے۔اور

جو لوگ ہتھیار نہ پھینکیں انکے اور انکے حامیوں کے خلاف بلا تفریق کاروائی کی جائے ۔روس نے سکول پر حملے کے ملزم سات دن کے اندر اندر لٹکا دیئے تھے گو کہ ہمارے پاس اتنی ٹیکنالوجی نہیں لیکن اب عمل ہوتا نظر آنا چاہیئے ۔جو نہیں کر سکتا استعفی دے دے۔

اب مذمت کا دور ختم ہو چکا جب تک مکمل مرمت نہ کی جائے گی ،کام نہیں بنے گا۔ تسلی بخش علاج ضروری ہو چکا اشد ضروری۔اور حکومت کو چاہیئے کہ ان کے سرپرستوں کو بھی بے نقاب کرے ۔حیرت تو ایسے استعماری ،سامراجی و ظلمت سے بھرے چہروں مہروں سے ہوتی ہے جو دہشت گردی کی بنیاد ہیں ۔جن کی وجہ سے یہ وجود میں آئی اور آج وہ اسکی مذمت کرتے ہیں تو جتنا دل دہشت گردوں کی کاروائیوں پر جلتا ہے اتنا ہی ایسے جابروں کے مذمتی بیان پر کڑھتا ہے۔حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق مسلمان کا خون حرمت کعبہ سے بڑھ کر ہے ۔ایک اور حدیث کے مطابق ایک انسان کی جان بچانا پوری انسانیت کو بچانے کے مترادف ہے ۔پھر یہ کون سا دین ہے جو خون انساں کی ندیاں بہا کر طمانیت محسوس کرتا ہے۔ان کی کوئی حد نہیں ،کوہاٹی چرچ ہو یا سانحہ پشاور،ڈرون ہو یا خود کش سب کا سدباب ضروری ہے۔آخر میں قارئین سے معذرت کہ میں اپنے ناقص علم کیمطابق بھی اس کالم کی ترتیب نہ رکھ سکا کہ قومی جذبات لفظوں کے محتاج نہیں ہوتے ۔

زندہ زخموں پر مرہم کون رکھے گا؟

سانحہ پشاور میں اس ملک کے ایک سو اکتالیس قیمتی انسان جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔جن میں 131 معصوم چہرے شامل تھے۔یہ وہ سانحہ ہے جس نے سقوط مشرقی پاکستان کے دن جنم لیا‘سقوط مشرقی پاکستان میں بھی ہزاروں افراد بے گناہ مارے گئے ۔ مکتی باہنی نے پاک فوج کا روپ دھار کر مظالم کے پہاڑ توڑے ۔ مختصر یہ کہ اس دن بھی پاکستانی شہید ہوئے اور سانحہ پشاور میں بھی۔شہداکے والدین کا غم کوہ گراں ہے ۔ دکھ درد اور غم والم کی تصویر بنے ان بہن بھائیوں کے دل میں دہشت گردی کا نشتر گہرا گھاؤ لگا گیا۔ان کا دکھ بھی کسی سے کم نہیں ۔لیکن انہیں کوئی آس نہیں جو مزید ان کی روح کو زہر بھرے خنجر سے زخمی کرے۔ان کے پیارے دلارے چلے گئے‘انکی قیمتی متاع لٹ گئی‘خواب بکھر گئے‘خیالات ہمیشہ کیلئے منتشر ہو کر رہ گئے۔اب انکی تھوڑی بہت تسلی و تشفی دہشت گردوں کو سزائے کامل دے کر کی جاسکتی ہے۔ وہ نہیں جانتے اچھے اور برے طالبان کیا ہیں ۔ وہ نہیں جانتے کہ غیر ملکی ایجنسیاں کیسے کیسے کھیل کھیلتی ہیں ۔وہ تو اپنی حکومت سے انصاف کی اپیل کر رہے ہیں اور قوم کے باقی بچوں کی حفاظت کیلئے زخمی دل سے دعامانگ رہے ہیں۔

اسی سانحہ کا ایک اور کربناک رخ وہ بچے ہیں جن کی سانسیں تو سلامت ہیں لیکن ان کے چہرے بگڑ چکے ہیں۔ان ظالمانِ انسانیت نے معصوم بچوں کے چہروں کو تاک کر نشان بنایا تاکہ انکی بربریت کا عملی ثبوت رہتی دنیا تک قائم رہے۔ایسے بچوں کی کل تعداد 65 ہے جس میں سے پچاس بچے سی ایم ایچ اور پندرہ بچے لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔۔ان کے والدین متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کے بچوں کی سانسیں تو قائم ہیں مگر یہ معصوم بچے اپنے رب کے دیئے ہوئے حسن سے محروم ہو چکے ہیں اور کچھ بچوں کو بیرون ملک بھی علاج کیلئے جانا پڑے گا۔۔چہرے کی سرجری کے اخراجات ان والدین کی روح کو ایک ایسے کرب میں مبتلا کیئے ہوئے ہیں جسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ تھوڑی دیر کیلئے آپ اپنے آپ کو ان والدین کی جگہ رکھے جن کے پھول بقید حیات ہیں مگر ان کے پاس ان کے مہنگے اور لمبے علاج کے لیئے پیسے نہیں ہیں اور ان کی معصوم کلیوں کے چہرے اس قدر زخمی ہیں کہ انھیں دیکھ کر ان کی روح ہمہ وقت ماہی بے آب کی مانند تڑپتی رہتی ہے' 'یقین کیجئے ایسا تصور کرنے سے روح کانپ جاتی ہے' حواس جواب دے دیتے ہیں۔حکومت وقت' اور خیبر پختونخواہ کی حکومت کا فرض ہے ان بچوں کے علاج کا مناسب بندوبست کرے۔مخیّر حضرات اس ضمن میں کردار ادا کریں۔طاہر القادری' عمران خان' میاں برادران' سابق صدر آصف زرداری' اور ملک کے صاحب ثروت افراد کا فرض ہے کہ حسب استطاعت' حکومتی خزانے اور عوامی مدد سے ان معصوم پھولوں کو مرجھانے سے بچائیں تاکہ وہ ایک احساس کمتری کی زندگی گزارنے سے بچ جائیں

اور انکے والدین سکھ کا سانس لیں۔

اسکے ساتھ ساتھ ہمیں تھر کے معصوم بچوں کے بارے میں بھی سوچنا چاہیئے ؟کہ یہ معصوم جانیں بھی لاپرواہی وبے حسی کی دہشت گردی کی بھینٹ چڑھتی رہیں گی ؟۔کیا تھر کے بچے ملک کا مستقبل نہیں ہیں؟کیا وہ اپنے والدین کے پھول نہیں ہیں؟ایوان اقتدار کب تک انھیں نظر انداز کرے گا؟کیا تھر کے بچوں کی سانسیں مذہبی انتہاپسندی روک رہی ہے؟ وہاں صحت کی سہولیات کی راہ میں نام نہاد طالبان رکاوٹ ہیں ؟کیا وہاں میٹھے وصاف پانی کا بندوبست کسی مولوی ٬علامہ یا ملا نے روک رکھا ہے؟ اگر نہیں تو پھر جو اس کا ذمہ دار ہے وہ بھی انتہاپسند ہے ۔ذات پسند ہے۔ بے حس ہے ۔ظالم ہے۔ جس طرح سانحہ پشاور کے ذمہ داروں کے خلاف بھرپوری کاروائی کی جارہی ہے اسی سرعت کے ساتھ تھر کے مجرموں کو بھی کیفر کردار تک پہنچایا جایااور آئین پاکستان کے مطابق جو انکی سزابنتی ہو اسے لاگوکیاجائے۔ تھر کے بیمار اور بھوک سے بلکتے بچے اور پشاور کے معصوم زیرعلاج بچے اس قوم کے زندہ زخم ہیں جو مرہم رکھے گاوہی مسیحا کہلائے گا۔زخم کا علاج بھی ہوناچاہیئے اورزخم دینے والے کوسزا بھی ملنی چاہیئے۔آخر میں دعا ہے کہ اللہ میرے پاک وطن کو ہمہ قسم کی دہشت گردی سے محفوظ رکھے اور ہمیں سندھی بلوچی ٬پٹھان اور شیعہ سنی کے بجائے مسلمان اور پاکستانی بننے کی توفیق عطاء ٬ کرے۔آمین۔

بی جے پی‘ 370 اور وادی کشمیر

انگریز سرکار نے ریاست جموں وکشمیر کو توڈوگرہ راجہ کے ہاتھوں 75 لاکھ کا بیچ دیا مگر کشمیری آج بھی زندہ ہے اور اپنی مظلومیت کا ثبوت بھی بار ہا دے چکا۔ ریاست کے موجودہ الیکشن میں بی جے پی نے دولت بھی لٹائی اور سنہرے خوابوں کا ابنار بھی لگایا لیکن شاید کشمیری گجرات کے فسادات نہیں بھول پائے۔ بھارتی جنتا پارٹی کے پیچھے کارفرما سخت گیر آر ایس ایس اور گجرات کے فسادات ایسی تصاویر ہیں جو اقلیتوں کے دلوں پر ضرب لگا کر انہیں جگاتی رہتی ہیں۔ وادی اور لداخ میں بی جے پی کوئی نشست حاصل نہیں کرپائی جب کہ اس کا منصوبہ سادہ اکثریت حاصل کر کے مسلم پرسنل لاء 370 کو تبدیل کر کے مسلم اکثریت پر کاری ضرب لگانے کا تھا‘ جسے ریاست کے غیور عوام نے ناکام بنا دیا۔

مفتی سعید اور انکی لخت جگر محبوبہ مفتی کی جماعت نے بی جے پی مخالف ووٹ کو کیش کروایااور ریاست میں 28 نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ 12 نشستوں پر کانگریس نے قبضہ جمایا۔ باقی عمر عبداللہ کی نیشنل کانفرنس‘ پیپلز کانفرنس اور آزاد اُمیدوار لے اُڑے۔

ریاست میں اسوقت اضطراب پایا جاتا ہے اور ہر جماعت آزاد امیدواروں کی حمایت حاصل کرنے کا دعوی بھی کر رہی ہے۔ آج یکم جنوری کو بھاجپا اور پی ڈی پی کے اتحاد کی خبریں سن کر سرینگر کے لوگوں نے اپنا احتجاج بھی ریکارڈ کروایا۔ وہ مفتی سعید ہوش میں آؤ اور بی جے پی کو مسلم دشمن قرار دیتے رہے۔ جبکہ دوسری جانب پی ڈی پی کے کامیاب امیدواران کی کچھ تعداد کا یہ کہنا ہے کہ اگر جماعت حزب اختلاف میں رہی تو پارٹی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے اسکے ساتھ ساتھ انکا یہ بھی موقف ہے کہ اگر پارٹی نے کانگریس کے ساتھ اتحاد کیا تو پھر بی جے پی مرکز سے فنڈ میں روڑے اٹکائے گی جس سے ریاست کے لوگ متاثر ہونگے اور سیلاب زدگان تنہارہ جائیں گے۔ پیپلز کانفرنس کے سجاد غنی لون نے بھی پی ڈی پی اور بی جے پی کو اتحاد کی صورت میں تعاون کا یقین دلایا ہے۔ اور اسے ریاست کیلئے فائدہ مند قرار دیتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ حزب اختلاف میں بھی خوشی سے بیٹھیں گے۔ آج بروز منگل بی جے پی کے ریاستی صدر جگل کشور شرما اور پارٹی کے جنرل سیکرٹری رام مادھو نے ریاستی گورنر این این ووہرا سے ملاقات کے بعد کہا کہ کل یکم جنوری کو گورنر سے ملاقات کے بعد حکومت سازی کیلئے اہم اعلان ہوگا۔ ان کے عزائم کانگریس کی گرینڈ الائنس کی خواہش کو خاک میں ملانے کے ہیں۔ آج پی ڈی پی کی صدر محبوبہ مفتی کی بھی گورنر سے ملاقات ہونا ہے۔

اسوقت اصل گیم پی ڈی پی کے ہاتھ میں ہے جو بی جے پی مخالف ووٹ لے کر اقتدار میں آئی ہے۔لیکن اقتدار ایک ایسا دستر خوان ہے کہ جس کے سجنے کے بعد اپنے پرائے کی تمیز کم ہی لوگوں کو رہ جاتی ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ پی ڈی پی اگر بی جے پی کے ساتھ اتحاد کرتی ہے تو کن شرائط پر ؟370 دفعہ کی حفاظت اور اپنے سیکولر امیج کو قائم رکھتے ہوئے بی جے پی کے ساتھ اتحاد دودھاری تلوار پر چلنے کے مترادف ہے۔یہ تو مان لیا کہ 44 کا ہندسہ نہ ملنے کی وجہ سے بی جے پی پورے تیئور میں وزیراعلی کا خواب نہیں دیکھ سکتی لیکن اگر بی جے پی یہ شرط جیتنے میں کامیاب ہو جاتی ہے کہ نصف مدت کیلئے اسکا وزیر اعلی ہوگا تو یہ پی ڈی پی کے مستقبل اور ریاست کی اقلیتوں کیلئے خطرے کی گھنٹی ہے اور ہمارے خیال میں یہ بی جے پی کی سیاسی جیت اور پی ڈی پی کی ملی غیرت کی موت ہوگی اور اُمید بھی یہی ہے کہ شرائط کچھ بھی ہوں پی ڈی پی اور بی جے پی کا اتحاد ہی ہوگا واللہ عالم)۔رہے ریاست کے عوام تو عوام بے چاری تو بس کبھی سیاسی نعرے کی غلامی) کرتی ہے کبھی مذہبی نعرے کی 'اسکے مقدر میں خوشحالی کم ہی آئی ہے۔الیکشن کا ضابطہ اخلاق ختم ہونے کے باوجود اسوقت انتظامیہ تقریبا جام ہے۔سیلاب زدگان بے آسرا ہیں۔

کل جماعتی حریت کانفرنس نے الیکشن کا مکمل بائیکاٹ کیا۔بی جے پی مرکز میں حکومت ہونے کے باوجود ریاست جموں وکشمیر کی راجیا سبھا میں محض پچیس نشستیں

جیت سکی۔یہ باتیں اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ کشمیر کا حل استصواب رائے ہے۔ریاست کی اکثریت اس نعرے کو رد کر چکی جو کہ بی جے پی نے الیکشن میں لگایا تھا کہ وہ ریاست کے آئین کی دفعہ 370 کو ختم کر کے کشمیر کو اٹوٹ انگ بنالے گی۔اس پر بی جے پی کو بھی سوچنا چاہیئے کہ وہ کثیر مذہبی 'لسانی و کثیر قومی ملک کی جماعت ہوتے ہوئے کسی ایک پلڑے میں وزن ڈالنا چھوڑ دے اور اپنے ملک کی بہتری کیلیے سب کو ساتھ لے کر چلے۔ حق دار کو اسکا حق دے وگرنہ تاریخ گواہ ہے جہاں ظلم ہو اس ملک کی سرحدیں ٹوٹ جایا کرتی ہیں۔

چائلڈ لیبر کا تازہ زخم

ہم ہیڈلائنز' ترقی یافتہ ممالک اور بریکنگ نیوز کے چکر میں بھول جاتے ہیں کے حقائق کیا ہیں۔ خبر سنی اور تبصرے کے لیئے تھڑے اور چوک میں حقائق کی بستی سے دور ایک لایعنی سی بحث کرتے ہوئے' جھگڑتے ہوئے گھروں کی راہ لی۔ جب تک دوسروں کے عقائد' نظریات وضروریات کا احترام نہیں سیکھیں گے ہم کبھی مذہبی تو کبھی سیاسی' لسانی' علاقائی' معاشی ولبرل گروہوں میں بٹے رہیں گے ایک قوم نہیں بن سکیں گے' اپنے بچوں' بوڑھوں' اور جوانوں کو محفوظ نہیں کر سکیں گے۔

9 جنوری کو ایک قومی اخبار نے اپنے اداریہ میں لکھا کہ ''ایک خبر کے مطابق پیپلز کالونی فیصل آباد میں مالکان نے استری کرتے ہوئے سوٹ جلانے پر تشدد کرکے ملازمہ کو قتل کردیا جبکہ دوسری 8 سالہ ملازمہ صفیہ کو زخمی حالت میں برآمد کرلیا گیا ہے۔ میاں بیوی گرفتار جبکہ آر پی او سے جناب وزیراعلی پنجاب نے رپورٹ طلب کر لی ہے اور کہا ہے کہ قانون کے مطابق ملزمان کیخلاف سخت کاروائی عمل میں لائی جائے''۔ پنجاب کے وزیراعلی نے رپورٹ تو لی ایسے ممالک بھی ہیں جن کے صوبوں کے وزیراعلی سانحات کے دوران بھی محورقص رہے۔ مگر معذرت کیساتھ کام رپورٹ لینے یا اس ایک کیس کو سلجھانے سے کام نہیں بنے گا بلکہ ایک مضبوط

ومربوط حکمت عملی بنانا ہوگی۔

چائلڈ لیبر اور چائلڈ ورک میں فرق ہے۔ چائلڈ لیبر ایسا کام ہے جس میں بچوں سے مقررہ وقت سے زیادہ یا اہلیت سے زیادہ کام لیا جائے' ان کی ذہنی' اخلاقی' جسمانی سطح متاثر ہو' انکی لازمی تعلیم میں حرج ہو یا ان کے کھیل کود اور بچپن کی خواہشوں ادھوری رہ جائیں 'خطرناک وکیمیائی ماحول وغیرہ۔ چائلڈ ورک سے مراد ایسا "کا." جسے بچے سکول سے فارغ ہونے کے بعد 'تعطیلات میں یا اپنے اضافی وقت کو استعمال میں لاتے ہوئے خاندانی کاروبار میں صرف کریں' چائلڈ ورک کہلاتا ہے۔ اس سے بچوں کی شخصیت پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔' ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ کے حصہ 3 اور سیکشن سات کے مطابق بچوں یا نابالغ کیلئے کام کا وقت سات گھنٹے ہے جس میں 3 گھنٹے بعد ایک گھنٹہ کا آرام شامل ہے یعنی کام کا وقت چھ گھنٹے ہے' اس حد سے تجاوز کیا جائے
گا تو چائلڈ لیبر میں شمار ہوگا' اور کام کی ترتیب بھی ایسے کرنا ضروری ہوگی کہ 3 گھنٹہ کام کے بعد ایک گھنٹہ آرام۔

پاکستان میں بچوں کے حقوق کیلئے کام کرنے والی تنظیم سپارک کے مطابق پاکستان میں تقریبا 2.5 کروڑ بچے تعلیم جیسی نعمت سے محروم ہیں۔ ارض وطن کے آئین کے آرٹیکل a-25 کے مطابق 5 سے 16 سال کے بچوں کو تعلیم دلانا حکومت کا فرض ہے اور یہ فرض تب ہی پورا ہو سکتا ہے جب صوبائی و مرکزی حکومتیں اپنے اخراجات

میں نمایاں کمی لاکر غریب والدین کے بچوں کو نہ صرف مفت تعلیم دلوائیں بلکہ انکے والدین کیلئے معقول آمدنی والا روزگار فراہم کریں۔ کیونکہ جس بچے کی ماں کو دوائی کی ضرورت ہے اور باپ سر پر نہیں اس بچے کے ہاتھ میں کتابیں تھمادینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اسکی مالی معاونت سے ہی خواب کو حقیقت میں بدلا جاسکتا ہے۔ اسوقت پاک وطن میں دس ملین بچے محنت ومزدوری پر مجبور ہیں۔ فیصل آباد ہی کے ایک اُستاد کومل کرمڈل سکول سے متعلق معلومات حاصل کیں تو جناب نے بتایا کہ ہم ہوا میں پالیسیاں بناتے ہیں اور اگر حکومت کچھ فراہم کرتی بھی ہے تو ہم میں سے جو لوگ مستحق نہیں ہوتے وہ بھی امداد لیتے ہیں اور اسطرح غریب کے حقوق غصب کرنے میں عوام کے بیشتر لوگ بھی شامل ہیں۔ ایک بچے کے بارے میں جناب نے بتایا کہ والدین نے اُسے سکول سے اُٹھا کر ہوٹل پر لگوادیا۔ جہاں سے وہ 4000 ماہانہ گھر لاتا ہے۔ استاد صاحب کہتے تھے کے جس بچے کے گھر چولہا نہیں جلتا وہ کاغذوں سے کیونکر کھیلے گا' اسکے خواب تو ٹوٹے ہیں لیکن شکم کی آگ بھی تو بجھانی ہے۔ محترم حافظ شفیق صاحب ایڈیٹر ایڈیٹوریل نئی بات نے ایسے ہی ملکی حالات میں ایک دکھ بھرا میسج بھیجا تھا ملاحظہ کیجئے

وجس کا ایک[illegible]ی بھا اور[illegible]ہوکا[illegible] پرو[illegible] کا

بتاؤ اہل دانش تم 'وہ کاپی لے یا روٹی لے

کی سپارک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں 1 کروڑ سے زائد بچے بامشقت محنت 2014

مزدوری کر رہے ہیں۔جن میں سے 60لاکھ بچے 10سال سے بھی کم عمر کے ہیں' ۔جب کہ پاکستانی قانون کے مطابق 16سال سے کم عمر کا بچہ مزدوری نہیں کر سکتا۔بچوں سے مشقت لینے میں پنجاب پہلے 'خیبر پختونخواہ دوسرے 'سندھ تیسرے اور بلوچستان چوتھے نمبر پر ہے۔18ترمیم کے مطابق محنت کا شعبہ صوبوں کو منتقل ہو گیا ہے۔لہٰذا صوبوں کو اس ضمن میں تیز رفتاری سے کام کرنا ہوگا۔اقوام متحدہ کے ادارے آئی ایل او کے تعاون سے حکومت پنجاب نے 8ہزار بچوں کی بحالی میں معاونت کی ہے جو کہ ایک اچھا اقدام ہے لیکن اُونٹ کے منہ میں زیرے کے برابر ہے۔بچوں سے مشقت لینے والی فہرست میں پاکستان نویں سے 8نمبر پر آگیا ہے جو کہ خوش آئند ہے مگر ابھی بہت کچھ یا سب کچھ کرنے کو پڑا ہے۔لیبر ایکٹ کے تحت انسپکٹر بھرتی کرنا ہوں گے۔رپورٹ کے مطابق جنوری 2010سے جون 2013تک کمسن پھولوں پر مظالم کے 41کیس سامنے آئے جن میں سے 19گل اندوہناک تشدد کا سامنا کرتے ہوئی مرجھاگئے۔

اب پاکستان میں چائلڈ لیبر کے قوانین کی جانب آتے ہیں۔آئین کے آرٹیکل 3کے تحت مملکت ہمہ قسم کے استحصال کے خاتمے اور اس بنیادی اصول کی تدریجی تکمیل کو یقینی بنائے گی کہ ہر شہری سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے گا اور ہر شہری کو اسکے کام کا مکمل و بروقت معاوضہ ادا کیا جائے گا۔آئین کے آرٹیکل 11کے مطابق 14سال سے کم عمر بچے کو کسی کارخانے 'کان یا خطرناک کام میں نہیں رکھا جائے گا(مثلاً50 وولٹ سے زائد بجلی کے کام' چارہ کاٹنے والی مشین' سپرے کرنا یا پیسٹی

سائیڈ محلول بنانا۔)۔آئین کے آرٹیکل 37 کے مطابق مملکت منصفانہ اور نرم شرائط کے تحت اس امر کی ضمانت دیتے ہوئے کہ بچوں اور خواتین سے ایسے پیشوں میں کام نہیں لیا جائے گا جوان کی عمر اور جنس کے لیئے موزوں نہ ہوں۔

اسکے علاوہ چائلڈ لیبر سے متعلق قوانین میں ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ 1991 ایمپلائمنٹ آف چلڈرن رولز 1995 جبکہ بچوں کی ملازمت سے متعلق قوانین میں' مائنز ایکٹ 1923' چلڈرن ایکٹ 1933' فیکٹریز ایکٹ 1934' روڈ ٹرانسپورٹ ورکرز آرڈیننس 1961' مرچنٹ شپنگ آرڈیننس 2001 وغیرہ۔ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ 1991 کی دفعہ 4 کے تحت حکومت نے 2005 میں ایسے پیشوں اور پیداواری عملوں پر پابندی کا نوٹیفیکیشن بھی جاری کیا ہے جہاں بچوں کی ملازمت پر مکمل پابندی ہے لیکن عمل ندارد کیونکہ بھوکے کو پہلے روٹی چاہیئے بعد میں کتاب۔

ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ کے تحت لفظ ''بچے'' سے مراد وہ شہری ہے جسکی عمر 14 سال سے کم ہو (اب سولہ سال) جبکہ نابالغ سے مراد وہ بچہ ہے جس کی عمر 14 سے 25 کو مد نظر رکھتے ہوئے 18 ترمیم a- زائد لیکن 18 سے کم ہو۔آئین کی شق 25 کی روح پر عمل پیرا a- میں ''بچے'' کی عمر 16 سال مقرر کی گئی ہے تاکہ ہو کر ریاست 5 سے 16 سال کے بچے کی تعلیم کافریضہ ادا کرسکے۔نیز چائلڈ لیبر سے نجات حاصل کرنے کیلیے تجاویز ہیں۔1. :حکومت ایسی ورکشاپس بنائے جہاں ایک سے دو گھنٹے فنی کام کی تربیت دی جائے اور ساتھ ہی 4 سے پانچ گھنٹے تعلیم کا

سلسلہ جاری رہے۔اس کام سے ہونے والی آمدن بچے کے والدین کے حوالے کی جاسکتی ہے۔2 : جن بچوں کے والدین بے روزگار ہیں ان کیلئے فنی تربیت کابندوبست کیاجائے ۔اگروالدبرسرروزگارہے تومعاشرتی حالات کے پیش نظر بچے کی والدہ کیلئے فنی تربیت ومالی امدادکے ذریعے ایسی سہولت فراہم کی جائے تاکہ وہ باپردہ کراپنے معاشی حالات سے نبردآزماہوسکے اوراُسے یہ بوجھ ننھے کندھوں پر منتقل کرنے کادکھ نہ سہناپڑے۔3 : ایسے بچے جن کے والدین فوت ہوچکے ہیں اوروہ 4-5 بہنوں کااکلوتایادوبھائی ہیں توحکومت ان کی بہنوں کی شادی کے اخراجات کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ان کے لیئے بھی فنی تربیت فراہم کرے ۔4 :یقینا حکومت کیلئے الگ ورکشاپس نماسکول کاجال بچھاناقدرے مشکل ہے لیکن موجودپرائمری ومڈل سکولوں میں فنی ماہرین بھرتی کرکے بھی یہ کام لیاجاسکتاہے۔جہاں چھوٹی چھوٹی آسان دستکاریاں یااسی نوعیت کے ایسے کام جوبچوں کیلئے کرناآسان ہواورمنافع بخش بھی۔5 : ان ورکشاپس یاسکولوں سے حاصل ہونے والے مال کوحکومتی سطح پرفروخت کرنے کانظام بنایاجائے تاکہ نقدآمدن ممکن ہوسکے۔اسکے علاوہ اسی موضوع پرحکومت مخلص ماہرین تعلیم سے مشاورت کرکے اوپرپیش کیئے گئے مشوروں سے ہزارگنازیادہ قابل عمل اورموزوں تدبیریں حاصل کرسکتی ہے 'لیکن ایساکرنے کیلئے دل میں کیلاش سیتارتھی الیکٹریکل انجینئرنگ کی ڈگری ہے لیکنmsc جیسادرد بھی ہوناچاہیئے ۔جس کے پاس اسکااوڑھنابچھوناان پھول جیسے بچوں کومرجھانے سے بچاناہے۔ہمیں تورحمت

العالمین ﷺ کا اُمتی ہونے کے ناطے ایسا ہو جانا چاہیئے کہ لوگ مسلمانوں کی مثالیں پیش کرتے پھریں مگر افسوس ہم زبانی جمع خرچ کے لوگ ہیں۔ اسلاف کے رعب و دبدبے کے واقعات سنا کر خود کو بہلاتے ہیں اور بس۔

مقبوضہ کشمیر اور دہلی الیکشن

مقبوضہ کشمیر میں حالیہ انتخابات کے دوران کل 87 نشستوں میں محبوبہ مفتی کی pdp نے 28 اور بی جے پی نے 25 کانگریس 12 عمر عبداللہ کی نیشنل کانفرنس 15 ، پیپلز کانفرس 2، پی ڈی ایف اور سی پی آئی ایم ایک ایک اور 3 نشستیں آزاد اُمیدوار لے اُڑے ۔ کسی جماعت کو واضح برتری نہ ملی۔ بی جے پی اس نعرے کیساتھ بھارتی الیکشن میں اُتری تھی کہ ریاست کی ڈیموگرافی تبدیل کرکے مسلم حیثیت ختم کردے گی،اس بناء پر جموں ولداخ میں غیر مسلم اکثریت کے علاقے میں اُسے کامیابی ہوئی۔پی ڈی پی نے الیکشن میں توپوں کا رخ بی جے پی کی جانب کردیااور مخالف ووٹ کیش کرایا۔ نتائج سامنے آنے کے بعدپی ڈی پی کو پراپنے ووٹرز کا دباؤ بڑھتاگیا، بات چیت کے باوجود وہ بی جے پی سے ہاتھ نہ ملا سکی۔ نیشنل کانفرنس نے pdp کو غیر مشروط حمایت کی یقین دہائی کرائی،کانگریس نے بھی بی جے پی کو مات دینے کیلئے گرینڈالائنس کی پیشکش کی لیکن پی ڈی پی کا خیال تھا کہ بی جے پی سے مخالفت مول لینے کا مقصد مرکز سے فنڈز کی عدم دستیابی کی صورت میں نکلے گا، لہذا وہ مخمصے کا شکار رہی اور اسی کش مکش میں بھارت نے کشمیر میں گورنر راج نافذ کردیا۔ گزشتہ 37 سالوں میں ریاست میں چھٹی بار گورنرراج قائم ہواہے۔

دوسری جانب دہلی میں 17فروری سے ہی صدر راج نافذ ہے۔ گزشتہ انتخابات میں عام آدمی پارٹی کو28'بی جے پی کو31اور کانگریس کو محض 8 سیٹیں ملیں اور عام آدمی پارٹی کے سربراہ اروند کجریوال نے کانگریس کے آٹھ ممبروں کے ساتھ مخلوط حکومت بنائی جو محض 49دن چل سکی۔انڈین الیکشن کمیشن کے سربراہ وی ایس سمپت نے ووٹرز اور70 سیٹوں کی مالک دہلی اسمبلی کے انتخابات 7فروری کو13085251 کرانے کااعلان کر کیاہے'10 فروری کو ووٹوں کی گنتی جبکہ 15تک فائنل رزلٹ سامنے آئے گا۔12 نشستیں مخصوص ہیں اور11763پولنگ مرکز قائم کیئے جائینگے۔شکست خوردہ کانگریس نے ابتک 24 نشستوں پر اُمیدوار کھڑے کیئے ہیں جبکہ اروند کجریوال نے تمام سیٹوں پر اُمیدواروں کا اعلان کرتے ہوئے خود ہلی سے الیکشن لڑنے کا اعلان کیاہے۔دہلی میں الیکشن کا ضابطہء اخلاق نافذ ہوچکاہے جبکہ آٹو رکشہ کے پیچھے اشتہاری مہم کامعاملہ ابھی عدالت میں ہے۔

اسوقت پورے ہندوستان میں محض دہلی اسمبلی میں انتخاب کا دنگل سجنے جارہاہے۔اس لیئے تمام پارٹیوں کی نگاہیں اسی الیکشن پر مرکوز ہیں۔خیال کیاجارہاہے کہ بی جے پی جو مقبوضہ وادی میں ریاست کی مسلم حیثیت کو ختم کرنے کا نعرہ لے کر لوک سبھاکے انتخابات جیتی ہے وہ فی الحال مقبوضہ کشمیر میں حکومت سازی کو لٹکائے رکھناچاہتی ہے کیونکہ اگر وہ پی ڈی پی سے ملکر کشمیر میں حکومت بناتی ہے تو اسے دہلی کے عوام کوجواب دہناہوگاکہ کس شرط پر

شراکت اقتدار کا معاہدہ ہوا۔ اگر وہ 370 پر نرم رویہ اپناتی ہے تو عام آدمی پارٹی اور کانگریس اس بات کو ایشو بنا کر اسکے گرد گھیرانگ کر سکتے ہیں۔ اسوقت عام آدمی پارٹی ہی بی جے پی کی مخالف نظر آرہی ہے کیونکہ کانگریس پرانی پالیسیوں کے ساتھ چل رہی ہے اس نے درمیانی عمر کے اجے ماکن کو انتخابی کمیٹی کا سربراہ بنا کر آغاز کیا ہے۔ عام آدمی پارٹی کیلئے یہ الیکشن جیتنا بہت ضروری ہے کیونکہ ہندوستان میں دہلی ہی اسکی پہچان بنا ہے اگر وہ اسے گنوادیتی ہے تو اسکے معدوم ہونے کا خطرہ ہے اور اگر جیت جاتی ہے تو مستقبل میں بی جے پی کیلئے خطرہ بن سکتی ہے۔ اسوقت ریڈیو مہم بھی بی جے پی اور عام آدمی پارٹی کے درمیان چل رہی ہے۔ بی جے پی کی سرکار سرحدوں پر خوف وہراس پھیلا کر بھی ہندو ووٹر کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے۔ 2014 میں کم و بیش سرحدی خلاف ورزیاں بھارت کی جانب سے کی گئیں۔ بھارت نے فلیگ میٹنگ 243 میں بھی دھوکہ سے پاکستان رینجرز کے نوجوانوں کو شہید کیا۔

گورنر راج کی مدت چھ ماہ ہے اگر اس دوران سیاسی حکومت تشکیل پا گئی تو درست ورنہ دوبارہ نئے انتخابات کا اعلان ہوگا۔

نیشنل کانفرنس کے عمر عبداللہ پی ڈی پی کو گورنر راج کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں کہ اس نے سیکولر جماعتوں کی حمایت کے باوجود بی جے پی کے ساتھ ہاتھ ملانے کی

کوشش کی اور گورنر راج لگ گیا۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے رہنماء شبیر احمد شاہ نے بھی
شرنارتھیوں کو شہریت دینے کے بھاجپا فیصلے کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اسے ریاست
میں مذہبی منافرت پھیلانے کے مترادف قرار دیا۔ جبکہ گورنر راج کو کل جماعتی حریت
کانفرنس کے رہنماء میر واعظ عمر فاروق اور بزرگ رہنماء سید علی گیلانی نے غیر اہم
قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہمارے لیئے اصل مسئلہ حق خود ارادیت ہے۔ تمام تر صورتحال
کے پیش نظر ہم یہ اندازہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ریاست کشمیر میں حکومت سازی
دہلی الیکشن تک موء خر رہنے کے امکان ہیں اور نتائج کے بعد ہی یہ اونٹ کسی کروٹ
بیٹھتا دکھائی دیتا ہے۔

گُستاخِ آقا جی کو ہم کب سزا دیں گے؟

محمد الیاس عادل اپنی کتاب ''نبی کریم ﷺ کے جانثار'' میں لکھتے ہیں: ''حضرت محمد بن مسلمہ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شامل ہوئے۔ ہجرت سے قبل اسلام قبول کیا۔ آپ کے متعلق سرکار دو جہاں ﷺ نے فرمایا ''میں اُس شخص کو پہچانتا ہوں جسے فتنہ ضرر نہ پہنچائے گا اور محمد بن مسلمہ کو یاد فرمایا۔ اصحاب رسول میں سب سے پہلے آپؓ کا نام محمد رکھا گیا۔

ہجرت کے تیسرے سال کعب بن اشرف یہودی (شاعر) نے جنگ بدر کی شکست پر کفار سے مکہ میں جا کر تعزیت کی اور وہاں ان کے قتل کا مرثیہ پڑھنے کے بعد سرکار دو جہاں ﷺ اور اصحاب کے بارے میں چند بے معنی جملے کہے۔ اس ملعون کی حرکت کا علم ہوا تو آپ ﷺ کی طبیعت عالیہ میں جلال پیدا ہوا۔ ''بخاری شریف میں حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کعب بن اشرف کے بارے میں فرمایا کہ کون ہے جو کعب کو قتل کرے کیونکہ وہ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا پہنچاتا ہے'' سرکار دو جہاں ﷺ کی اجازت سے محمد بن مسلمہؓ نے ایک حیلہ کے ذریعے کعب بن اشرف کو قتل کیا۔'' (اقتباس)۔

آپ ﷺ کافرمان ہے : مفہوم: ''تمہاراایمان اسوقت تک کامل نہیں ہوسکتاجب تک کہ میں ﷺ تمہیں اپنے مال'اولاد ووالدین سے عزیزنہ ہوجاؤں''۔حال ہی میں فرانسی رسالے چارلی ایبڈو نے سرکاردوجہاں ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی۔اس مرتبہ مسلمان ہی نہیں عیسائی دنیاکے پوپ بھی مذہبی گستاخی پر غصہ میں ہیں۔پھر مسلمان کا توایمان ہی سرکار کی محبت ہے لیکن گزشتہ.برسوں میں ایسی گستاخی کے واقعات رونماہوئے جن پر پوراعالم اسلام سرتاپااحتجاج بن گیا لیکن یہ سلسلہ نہ رکا۔آج پھر ہماری حمیت کو پکاراگیاہے اورہم رسمی احتجاج کرکے گھر بیٹھ رہے ہیں۔ایسی گستاخی پر ہم کبھی غیرملکی مصنوعات کا بائیکاٹ کرتے ہیں اور کبھی یوٹیوب بند کرتے ہیں۔نتیجہ ڈھاک کے تین پات کی صورت میں نکلتاہے۔میرے خیال میں یہ احتجاج' ریلیاں توڑپھوڑ'بیانات'مذمت سب فضول ہیں'ہمارے حکمران بھی رسمی بیانات دے کرچپ سادھ لیتے ہیں اوربس۔اگریہ بامعنی ہیں توان کا نتیجہ کیونکر نہیں نکلا؟؟۔ہمارے کچھ بھائی ہتھیار اُٹھاتے ہیں اور نتیجہ پھروہی'انکامحبت کااپناانداز ہے مگرافسوس کہ 30ہزار کی تعداد میں نکلنے والا''چارلی ایبڈو''اب 60لاکھ کی تعداد میں چھپے گا۔اپنے آپ کو شائستہ کہلوانے والے اہل مغرب نے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے والے رسالے کو لائنوں میں لگ کرخریدااورہمارا تمسخراُڑایا۔

میں بچپن سے دیکھ رہاہوں کہ مرزائیوں یعنی قادیانیوں کی مصنوعات : شیزان'تاج

وغیرہ کے خلاف پمفلٹ چھاپے جاتے ہیں مسجدوں میں انکی پروڈکٹس کو استعمالocs' گھی نہ کرنے کی ہدایات کی جاتی ہے مگر شیزان کی پروڈکٹس دھڑادھڑ چل بھی رہی ہیں اوراُن میں اضافہ بھی ہورہاہے۔وجہ یہ نہیں کہ اہل پاکستان میں ایمان نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہمارا طریقہ کار درست نہیں' ہماری معیاری اشیاء نہیں ۔ہم جوتا' صابن' سرف سے لے کر بیلٹ اور کھلونوں تک کیلئے یورپ کے محتاج ہیں پھر ہم کیونکر اپنی بات منوا سکیں گے؟آج اگر امریکہ اپنے ایک شہری کے قاتل کو دنیا کے جس کونے میں سے چاہے ڈھونڈ کر بدلہ لے سکتا ہے تو اسکی وجہ صاف ہے کہ وہ سائنس پر دسترس رکھتا ہے۔ٹیکنالوجی' اسلحہ میں اُس کا کوئی ثانی نہیں' اُس کا ہر شہری قانون پر عمل کرنے والا ہے' حتیٰ کے مسلم ممالک تیل کی دولت سے مالامال ہونے کے باوجود تیل نکالنے کیلئے اہل یورپ کے محتاج ہیں ۔کیا آج ہم بحثیت مسلمان اس نازک موقع پر جب کہ سرکار دوجہاں ﷺ کے دل کو ایذا پہنچائی گئی اپنے آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آج کے بعد اپنے ملک کو کرپشن' سستی' نااہلی' اقرباء پروری کے ناسور سے اجازت دلانے کیلئے اپنے آپ سے آغاز کریں گے ؟؟بدعنوانی چھوڑ دیں گے ؟مدرسوں اور سکولوں میں ایسا نظام لائیں گے کہ ان سے نکلنے والا جوان ایک اچھا انسان و مسلمان بھی ہوگا اور سائنسدان وانجینئر بھی؟کیا آج صاحب ثروت افراد اپنے پیارے رسول ﷺ کی محبت میں گستاخ رسول کو سزا دینے کیلئے فنڈ اکھٹا کرکے عصری علوم کی ایک بین الاقوامی معیار کی درسگاہ پاکستان میں بنائیں گے ؟تاکہ ہم ہر معاملہ میں خود کفیل

ہو سکیں؟ ہاں اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ہم بھی جہاں چاہیں گے اپنے پیارے رسول ﷺ کے گستاخ کو واصل جہنم کر سکیں گے۔ وگرنہ پھر یہی رسمی احتجاج توڑ پھوڑ اور حکمرانوں کے دل جلا دینے والے مذمتی بیانات ہمارا مقدر بنیں گے۔ اور ہم مغرب کی بچھائی ہوئی دلدل میں اس قدر دھنس جائیں گے کہ ہر مسلم ملک میں خوارج ہی خوارج ہوں گے اور ہمیں ہتھیار اُٹھانے پر مجبور کرنے والا تہذیب' اخلاق اور آزادی کی اپنی مرضی کی تشریح کرتا رہے گا۔ امریکہ کی سیکورٹی ایجنسی کے کالے کرتوت واضح کرنے والا ایڈورڈ سنوڈن معتوب ٹھہرے گا اور ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی روح کو کچلنے والا ''چارلی ایبڈو'' مہذب رہے گا' واہ رے آزادی اظہار رائے۔۔ کیا اب بھی ہم سرکار ﷺ کی خاطر سائنس و تحقیق سے رشتہ نہیں جوڑیں گے؟ پیارے مدنی آقا ﷺ کے تقدس کی حفاظت کرنی ہے تو آیئے آج اپنی ذات کو بدل کر گستاخ رسول کی سزا کا آغاز کریں اور دنیا کو پُر امن کر دیں۔

اوباما کی بھارت آمد

امن نوبل انعام یافتہ امریکی صدر باراک اوباما 3 روزہ دورے پر بھارت تشریف لارہے ہیں۔ جہاں وہ 26 جنوری کو ہونے والے جشن جمہوریہ ہند کی پریڈ کے مہمان خصوصی ہوں گے اور ایٹمی میزائل اگنی 5 کا معائنہ بھی کریں گے۔ ہم ایک نظر انڈیا کی سیاست 'تجارت 'مذہب اور سیکورٹی پر ڈالتے ہوئے اس دورے کے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

دہلی میں راجیہ سبھا کی الیکشن مہم زوروں پر ہے۔ بی جے پی کی یہ پہلی "پریڈ" ہے اورانا ہزارے کی تحریک رکن کرن بیدی کو بی جے پی نے ماتھے کا جھومر بنالیا ہے۔ 20 جنوری کا the hindu لکھتا ہے" bjp national president Amit shah had anounced that the decision to field kiran bedi as the cheif ministerial canidate was unanimous" یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جس کے بعد بی جے پی کے سپورٹرز نے دہلی آفس کے سامنے اپنا "تگڑا" احتجاج بھی ریکارڈ کرایا۔ جسے سیاسی وصحافتی پنڈت مختلف پیمانوں پر تول رہے ہیں۔ جبکہ بی جے پی کی دہلی الیکشن میں حریف جماعت عام آدمی پارٹی کے سربراہ اروند کجریوال کو اس بات پر الیکشن کمیشن نے دھر لیا ہے کہ انہوں نے اپنی عوامی تقریر میں

کہا: ''اگر بی جے پی یا کانگریس کی جانب سے تمہیں ووٹ کیلئے پیسہ دیا جائے تو دونوں جانب سے لے لینا کیونکہ یہ مختلف ذرائع سے لوٹی ہوئی ہندوستان کی دولت ہے لیکن ووٹ صرف ''آپ'' ہی کو دینا۔

نریندر مودی صاحب شیو سینا کے بانی رکن ہیں اور شنید ہے کے ویدک سائنس میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں خیر یہ توان کا دینی معاملہ ہے مگر ہندوتوا کے حامی اب بھارت میں تبدیلی ء مذہب کے خلاف قانون بنانا یا بنوانا چاہتے ہیں۔ انکے بقول ہندومت میں واپس آنا تو ایسے ہے جیسے کوئی اپنے گھر میں لوٹ آیا ہو مگر ہندومت چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرنا ''تبدیلی ء مذہب'' ہے اور اسکی سزا مقرر ہونی چاہیئے۔ جبکہ بی جے پی کے ممبر اسمبلی ساکشی مہاراج کہتے ہیں کہ ''گاؤ کشی'' کی سزا پھانسی ہونی چاہیئے۔ ساکشی مہاراج کبھی گاندھی کے قاتل کو محب وطن کہتے ہیں تو کبھی ہندو عورت کو چار بچے پیدا کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

تجارتی حوالے سے جتنا ہوشیار امریکہ ہے اُس سے کہیں زیادہ شاطر چالیں بھارت کا تاجر بھی چل لیتا ہے۔ امریکہ تو جاتا ہی وہاں ہے جہاں اُسے مفاد ملے۔ سابق صدر جارج بش نے پاکستان کو پس پشت ڈالتے ہوئے انڈیا سے سول نیوکلیئر ٹیکنالوجی کا معاہدہ کیا۔ لیکن بھارت بالآخر روس کی گود میں جا بیٹھا اور سول ایٹمی ریکٹر وغیرہ بھی اُسی سے حاصل کیئے۔ امریکی نالاں ہوئے مگر سمجھدار ہیں خاموش رہے وہ بھی بھارت کی کمزوریوں سے واقف ہیں۔ پاکستان کی

سرحدوں پر کھلی دست اندازی کی کھلی چھٹی بھی تو دے رکھی ہے بھارت کو۔ پھر چین کی طاقت ور ہوتی معیشت کا علاج بھی کرانا ہے۔ شاید امریکہ بھارت کو اس علاقہ کا ایسا طبیب مقرر کرنا چاہتا ہے جو مرض بھی اپنی مرضی کا مریض پر تھوپے اور علاج بھی اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق کرے۔ نریندر مودی کے گزشتہ امریکہ کے دورے میں بھی لے دے کے امریکہ ہی بہت کچھ لے اُڑا تھا اب کی بار دیکھئے کیا گل کھلتے ہیں۔

بھارت میں عام آدمی کی سیکورٹی کی صورتحال تو مخدوش ہے لیکن شنید ہے کہ امریکی صدر کی آمد پر راج پتھ واطراف کو نوفلائی زون قرار دیا جائے گا۔ امریکی سیکورٹی اداروں کی درخواست (یہ حکم نما ہوتی ہے) پر راج پتھ کے اطراف دفاتر وزیر زمین میٹرو کو جشن جمہوریہ ہند سے 72 گھنٹے قبل بند کرکے عوام کو سہولت بہم پہنچائی جائے گی۔ 15000 کے قریب سی سی ٹی وی کیمرے حرکت میں ہیں جن کے کمانڈ کنٹرول میں امریکی بھی شامل ہیں۔ دورے سے قبل بھارت کا ہر چھوٹا بڑا پاکستانی ہمسایہ اُچھل اُچھل کر پاکستان کی جانب سے سیکورٹی خدشات کا اظہار کر رہا ہے۔ امریکہ کو دکھانے کیلئے ورکنگ باؤنڈری پر 1200 اضافی بی ایس ایف اہلکار تعینات کر دیئے گئے ہیں۔ بھارتی وزیر خارجہ سشما سوراج ٗبری فوج کے سربراہ دلبیر سنگھ سہاگ ٗمرکزی وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ ٗ ویں کمانڈر کے۔ایچ۔ سنگھ ہوں یا وزیر مملکت برائے داخلہ کرن ریجو سب کو امریکی 16 صدر کی آمد پر

بُرے سپنے آرہے ہیں جس میں انہیں حساس اسرائیلی آلات کے باوجود پاکستان سے انتہاپسند آتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ لیفٹیننٹ جنرل کے ایچ سنگھ نے تو حد کردی کے جنگجو سرحد پار کرنے کے منتظر ہیں اور پاکستان تحریک طالبان لشکر طیبہ میں ضم 200 ہوسکتی ہے۔ انڈین ایکسپریس کے مطابق ایک گورنمنٹ آفیشل کا کہنا ہے کہ ''چونکہ صدر اوباما کہ راج پتھ کے علاوہ باہر جانے کے معاملات کا کلی طور پر علم نہیں اس لیئے سیکورٹی کو ہر سو ہائی الرٹ کیا جارہا ہے ممکن ہے صدر آگرہ بھی چلے جائیں''۔ جبکہ 20 جنوری کے انڈین ایکسپریس کے مطابق اس بارے ابھی تک بے یقینی کی صورتحال ہے کہ صدر اوباما جمہوریہ ہند کے صدر کے ساتھ انکی لیموزین میں راج پتھ جائیں گے ۔ کیونکہ امریکیوں کا اصرار ہے کہ اوباما اپنی انتہائی محفوظ کار بیسٹ پر راج پتھ جائیں۔ دوسری جانب اس موقع کی روایت یہ ہے کہ مہمان خصوصی ہند کے صدر کے ساتھ پریڈ کے مقام پر آتا ہے۔

اس تمام تر صورتحال کا دہلی الیکشن پر اثرانداز ہونا خارج از امکان نہیں قرار دیا جاسکتا۔ سیکورٹی و تجارت ایسے مسائل ہیں جنہیں الیکشن مہم میں اُچھالا جاسکتا ہے۔ صدر اوباما امریکہ کی گرتی ہوئی معیشت کو مضبوط کرنے کیلیے بڑے معاشی منصوبے طے کرنے کی کوشش کریں گے لیکن انڈیا پاکستان کی مانند ایک ہی پلڑے میں وزن ڈالنے کا قائل نہیں ۔ بی جے پی میں دراڑیں پڑتی نظر آرہی ہیں۔ کرن بیدی کو لے کر خوش ہونے والی بی جے پی کو اپنے سینئر سپوٹرز کی

جانب سے کل پنت مارگ واقع دفتر کے سامنے ایک بڑے احتجاج کا سامنا کرنا پڑا۔
پاکستان کو انتہاپسندوں کا گڑھ قرار دینے والا امن نوبل انعام یافتہ صدر اوباما 26 جنوری کو ایک ایسے ملک میں تشریف لا رہے ہیں جہاں ''آر۔ایس۔ایس اور وی ایچ پی نے گھر واپسی'' مہم کے تحت لوگوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ ہندومت اختیار کریں۔دیکھتے ہیں'' صدر صاحب ڈیموکریٹک خاصہ اپناتے ہوئے میزائل کی نمائش سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں یا پھر بھارت کے چالاک تاجر کو رام کرتے ہیں۔ بی جے پی کی کوشش ہوگی کہ ایسے معاہدے کرنے میں کامیاب ہو جائے جس سے وہ پاکستان و چین پر پریشر قائم کر سکے یا کم از کم الیکشن مہم ہی کو چار چاند لگا سکے۔ہمارے خیال میں صدر اوباما ایسا سب کر گزریں گے جس سے انکی معیشت کے پنجے بھارت میں گڑھ جائیں لیکن پاکستان کا حال بھارت کے سامنے ہے اور مکھن میں سے بال بھی نکالنا ہندو تاجر کو خوب آتا ہے۔
آخر میں یہ کہنے کو دل کر رہا ہے کہ اگر بھارت کشمیریوں کو انکا حق خودارادیت دے دے اور پاکستان و ہندوستان ایک دوسرے کے جذبات کی قدر کریں تو شاید انہیں کسی اور کو چوہدری نہ ماننا پڑے مگر اب تو بھارت خطرناک حد تک انتہاپسندی کی دلدل میں دھنستا جا رہا ہے جس سے یہی اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ امریکہ کی آس پر ہمارے اندر انتشار ہی کو ہوا دے سکتا ہے۔

مرحوم شاہ عبداللہ وئے بادشاہ محمد سلیمان

شاہی دنیاکے معمرترین فرد شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز اگست 1924 کوشاہ عبدالعزیز کی آٹھویں چہیتی بیوی فہدہ بنت عاصی الشریم کے بطن سے ریاض میں پیدا ہوئے۔ قبیلہ شمر سے تعلق رکھنے والی محترمہ فہدہ کے سات بیٹوں کو شاہی خاندان میں بااثر سمجھا جاتا تھاجن میں شاہ عبداللہ کے مرحوم جانشین سلطان اورنائف بھی شامل تھے۔شاہ عبداللہ 'ابن سعود کے 37 بیٹوں میں سے 13 نمبر پر تھے۔دنیاکے آٹھویں طاقتورترین بشر شاہ عبداللہ کو بروز جمعہ ان کے آبائی قبرستان العود میں دفن کیاگیا۔ان کی وفات پر پاکستان نے 1'مصر کے صدر عبدالفتاح السیسی نے 7'اُردن نے 40اور فلسطینی اتھارٹی کے صدر محمود عباس نے 3 روزہ سوگ کا اعلان کیا۔پاکستانی وزیراعظم جناب میاں نواز شریف وشہباز شریف جنازے میں شامل ہوئے۔

شاہ فیصل نے شاہ عبداللہ کو 1962 میں نیشنل گارڈ کا کمانڈر منتخب کیا۔1975 میں انہیں شاہ خالد نے نائب وزیر اعظم دوم بنایا۔1982 میں شاہ فہد نے انہیں اپنا ولی عہدونائب وزیر اعظم اول مقرر کیا۔شاہ فہد کی علالت کے باعث 1996 ہی سے شاہ عبداللہ انکے دست راست تھے اوراکثر معاملات.براہ راست دیکھتے تھے مگر باقاعدہ طورپر شاہ فہد کی وفات کے بعد 2005 میں تخت نشین ہوئے'شاہ فہد کی

وفات پر بھی پاکستان نے 3 روزہ سوگ منایا تھا۔علامہ ابن کثیر نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 72 سال کی عمر میں انسان کی بیشتر صلاحتیں مفقود ہوجاتی ہیں لیکن قدرت نے شاہ عبداللہ کو ایسی شخصیت عطاء کی تھی کہ وہ شاہ عبداللہ یونیورسٹی آف سائنس و ٹیکنالوجی اور خواتین کی شہزادی نورہ بنت عبدالرحمٰن یونیورسٹی سمیت 20 یونیورسٹیاں ‘لاتعداد کالج اور بیس ہزار کے قریب سکول اپنے ملک کو دے گئے جبکہ اس سے قبل کے شاہ مخصوص مکتبہ فکر کی دنیا میں اشاعت کو زیادہ توجہ کا مستحق سمجھتے تھے۔شاہ کا شوقِ مطالعہ ہی تھا جس نے اُن سے ریاض و مراکش کے شہر کاسابلانکا میں لائبریریاں تعمیر کروائیں۔2011 میں انہوں نے خواتین کو ووٹ کا حق دیا اور مستقبل میں بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی۔دارفر پر چاڈ اور سوڈان کے درمیان مصالحت کروانا بھی ان کے تدبر اور فہم وفراست کا گواہ ہے۔روایت کے مطابق ایک شاہ کے انتقال کے بعد ابن سعود کا ڈرا بیٹا ہی بادشاہ بنتا ہے۔2007 میں شاہ عبداللہ نے جانشینی پر ایک کمیشن بھی قائم کیا تھا۔انکی سفارتی پالیسی کا محور دائرہ اسلام ‘امریکہ و برطانیہ کے ساتھ ساتھ ساری دنیا پر پھیلا ہوا تھا لیکن اپنے ملک و اسلام کے مفادات کیلئے بھی کوشاں رہے۔ایک لبنانی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے 1997 میں انہوں نے کہا کہ ”سعودی عرب امریکہ کا رفیق رہے گا لیکن ہم امریکہ کے مفادات کو اپنے مفادات پر ترجیح نہیں دے سکتے“۔دنیا کے 7ارب انسانوں کی فلاح کیلئے انہوں نے 2008 میں جدہ میں عالمی توانائی سمٹ کا انعقاد کیا تاکہ تیل

کی بین الاقوامی قیمتوں میں استحکام رہ سکے۔ دنیا کے مختلف مذاہب کے درمیان باہمی مکالمہ کی بنیاد رکھنے میں بانی کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ مشرقِ وسطیٰ کی سیاسی تصویر کو بہتر انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔ ''کنگ عبداللہ اکنامک سٹی'' سمیت 4 معاشی شہر قائم کیئے اور عالم اسلام کے اتحاد پر زور دیتے رہے۔ پاکستان سے خصوصی محبت ان کا طرہ امتیاز تھا۔ زلزلہ کشمیر ہو یا 2010 کا سیلاب سعودیہ عرب نے پاکستان کی دل کھول کر امداد کی۔۔ مئی 2013 کے الیکشن کے بعد ڈیڑھ ارب ڈالر کی امداد دے کر پاک سعودیہ دوستی کا ثبوت دیا۔ حال ہی میں پاکستان کو 40 ڈالر فی بیرل کے حساب سے تیل کا معاہدہ ہوا۔

انہی کے دور میں ذرائع ابلاغ کو ایک خاص حدود میں رہتے ہوئے شاہی خاندان پر تنقید کی اجازت دی گئی۔ مسجد الحرام' مسجد نبوی' مقامات مقدس کی توسیع و تزین و آرائش اور حجاج اکرام و عمرہ کے آنے والوں کی سہولت پر انھوں نے وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اربوں ڈالر خرچ کیئے اور ناساز طبیعت کے باوجود مطلوبہ مقام پر
جا کر منصوبوں کا جائزہ لیا۔ شاہ عبداللہ کی انسان دوستی' مسلم دوستی' صفتِ اعتدال' تدبر اور فہم و فراست کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ پاکستان عرب دوستی ہی کی بناء پر 1969 میں جنوبی یمن سے تحفظ کی خاطر پاک فوج کے 15 ہزار فوجیوں نے سعودیہ کی حفاظت کی ۔ ایٹمی دھماکوں پر پاکستانی معیشت کو سہارا دیتے ہوئے سعودیہ نے deferred payment کی ٹرم پر روزانہ 50,000 ہزار بیرل تیل فراہم

کیا۔8اکتوبر 2005 کوآزاد کشمیر زلزلہ کے موقع پر دنیامیں سب سے زیادہ امداد 600 ملین ڈالراورمارچ 2008 میں 300 ملین ڈالر کی امداد عطیہ کے طورپر دی۔یہی وجہ ہے کہ آج بالعموم مسلمان اور بالخصوص پاکستان کے عوام غمزدہ ہیں۔اسی بناء پر ڈیلی گارڈین نے رپورٹ کیا کہ سعودیہw.q فنانشل ٹائمز،جرمنی کے ویکلی سسر واور امریکی، پاکستان کو ایٹمی صلاحیت کیلئے مدد دے رہاہے اورپاکستان مشکل وقت پر بنے بنائے بم سعودیہ کودے گا۔بعدمیں یہ افواہ غلط ثابت ہوئی۔اس سب کے باوجود کوئی بھی انسان، انبیاء کے علاوہ اپنی ذات میں کامل نہیں ہوتا۔اللہ کافرمان ہے ’’تم سب خطاکارہو،اللہ بخشنے والامہربان ہے (مفہوم)‘‘۔ممکن ہے کہ وہ عالم اسلام کے ماتھے کا جھومر ہونے کی بناء پر اتناکردار ادانہ کرسکے ہوں جتنا انکافرض تھایاکسی نظریے کے مطابق کسی موقع پر انہوں نے اپنے ملک کے مفادات کوترجیح دی ہو لیکن اب انکامعاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اوروہی بے نیاز جسے چاہے نوازدے،۔آہ کس قدر سبق پوشیدہ ہے کہ دنیاکے 8ویں طاقتور ترین بشر کو سپرد خاک کردیاگیا۔بابافرید فرماتے ہیں:

فریدا خاک نہ نندیئے خاکوجیڈنہ کو

جیوندیاں پیراں تلے مویااپر ہو

شاہ عبداللہ کی وفات کے بعد انکے سوتیلے بھائی محمد سلیمان بن عبدالعزیز تخت پر بیٹھے ہیں۔سعودیہ عرب کے 78 سالہ ساتویں بادشاہ محمد سلیمان کونائف بن

عبداللہ کی وفات کے بعد ولی عہد بنایا گیا۔ مرحبا پیلس میں پرورش پانے والے محمد سلیمان نے ریاض سے سیاسیات میں دوسری پوزیشن حاصل کی ۔ دوران تعلیم وہ ٹاپ ٹین پوزیشن ہولڈرز میں شامل رہے۔ 1954 میں انہیں محض 19. برس کی عمر میں ریاض کا میئر بنایا گیا۔ فروری 1963 میں ریاض کے گورنر بنے۔ کم وبیش پانچ عشروں تک وہ ریاض کے گورنر رہے اور اسے دنیا کے جدید ترین شہروں میں شامل کروا دیا۔ نومبر 2011 میں وزیر دفاع وولی عہد سلطان بن عبدالعزیز کی وفات پر محمد سلیمان وزیر دفاع بنے۔ اپنی وزارت کے دوران انہوں نے غیر معمولی طور پر اسلحہ کے خرید وفروخت کے معاہدے کیئے ۔ ڈیوڈ کیمرون اور امریکی صدر باراک اوباما سے ملاقاتیں کیں۔ اور اب اس نازک موقع پر جب عالم اسلام میں انتہا پسندوں کو ایک سازش کے تحت ڈمپ کر دیا گیا ہے محمد سلیمان مقاماتِ مقدسہ کی سرزمین کے بادشاہ بنے ہیں۔ تخت سنبھالنے کے پہلے روز آٹھ فرامین جاری کرنے والے شاہ کے سامنے مشرق وسطیٰ، کشمیر، قبرص، اور اسلامی دنیا کے لاتعداد مسائل انکی فہم وفراست کا امتحان لینے کیلئے موجود ہیں۔ عرب سپرنگ کے منفی اثرات سے شاہ عبداللہ نے اپنی سلطنت کو اصلاحات کا نفاذ کر کے ٹال دیا تھا مگر سعودیہ عرب جس کی دوتہائی آبادی 25 سال یا اس سے کم عمر کے نوجوانوں پر مشتمل ہے ہنوز اصلاحات کا متقاضی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ سعودیہ کے امن کیلئے ضروری ہے کہ وہ شاہ عبداللہ کے ولی عہدی سے متعلق کمیشن کو مضبوط کریں اور اُسے اسلامی سانچے میں ڈھالیں اور انتقال اقتدار کیلئے ستر برس سے زائد عمر کو کالعدم قرار دیں تاکہ ابن

سعود کے پوتوں کا پیمانہ صبر نہ ہی لبریز ہوا اور نہ ہی کوئی سازشی انہیں اپنے مقاصد میں استعمال کرنے میں کامیاب ہوں۔ انھوں نے تخت نشین ہوتے ہی کہا کہ وہ اپنے پیشرو کی پالیسیوں کو برقرار رکھیں گے لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اُن پالیسیوں کو کتنے احسن انداز میں چلاتے ہوئے بتدریج کس قدر بہتری کی جانب لے جاتے ہیں۔

لُوگ کیا کہیں گے

پاکستان آبادی کے لحاظ سے دنیا کا چھٹا بڑا ملک ہے۔ملک کی آبادی کا ساٹھ فیصد یعنی کم وبیش 110 ملین لوگ مختلف پیشوں سے وابستہ ہیں۔ انیس کروڑ' اکسٹھ لاکھ پاکستانی آبادی میں سے ایسے لوگ آپ کو بہت کم ملیں گے 'جو اپنی معاشی مشکلات کی وجہ اپنے کسی پروگرام یا فضول خرچی کو قرار دیں گے۔ارضِ وطن کے پانچ کروڑ اور 40 لاکھ افراد خطِ غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں 'سات کروڑ 60 لاکھ افراد کو لیٹرین کی سہولت میسر نہیں لیکن اس سب کی وجہ فقط حکومت نہیں 'ہمیں اپنی شاہ خرچیوں پر بھی نظرثانی کرنا ہوگی'ہم آلائشوں سے پاک معاشرتی زندگی کا تصور تب ہی کر سکتے ہیں' جب ہم اضافی اخراجات کا حُجم کم کرکے اپنے مستحق بھائیوں کی معاشی محرومیوں کو ختم کرنے میں ریاست کا ساتھ دیں۔ہم میں سے بیشتر لوگ صبح شام گورنمنٹ کو کوسنے دیتے ہوئے سنائی دیتے ہیں' مہنگائی عروج پر پہنچ گئی'کمرتوڑ مہنگائی'غریب کا جینا حرام ہوگیا وغیرہ وغیرہ۔ مجال ہے جو ہم لوگ اپنی حالت زار کو سنوارنے کیلئے اپنی ذات کی خوشہ چینی کی ہمت کریں ۔ایک حدیث شریف کے مفہوم میں ہے ۔"مبارک ہے ایسے شخص کیلئے جسے اپنی کوتاہیاں دوسروں کی عیب جوئی سے روک دیں۔"لیکن اس حدیث پر مجھ سمیت بیشتر لوگ شاذونادر ہی عمل کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ ممکن ہے اس کی وجہ ہماری کمزور نظر یا پُرانی عینک کے نیچے

شیشے ہوں مگر دال میں کچھ کالا ضرور رہے' چاہے وہ دال ہی کی صورت میں ہو۔
میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے شادی بیاہ سے لے کر کفن دفن تک ایک ہی جملے کو موجبِ مہنگائی پایا ہے۔ہماری سوچ' نظریہ' خیالات سب کے سب موقع کی مناسبت سے اسی جملے کے تابع نظر آتے ہیں۔ہم گھر سے باہر نکل رہے ہوں اور کپڑے ذرا ہمارے معیار سے کم ہوں تو اول تو ہمارے اندر بیٹھا کوئی توہم پرست یاانا پرست پُکار اٹھتا ہے یار کپڑے بدل' لوگ کیا کہیں گے''۔اگر اندر سے ایسی آواز برآمد نہ ہو تو گھر ہی کا کوئی فرد کہہ دیتا ہے' باہر جارہے ہو کپڑے تواچھے پہن لو (یاد رہے یہاں اچھے سے مراد وہ کپڑے ہیں جو ہم عام حالات میں نہیں پہنتے یا جن کی مالیت ہماری حیثیت سے بڑھ کر ہوتی ہے)۔پھر اگر ہمارے پاس موجود نہیں ہیں تو ہم ہمسائے سے مانگتے ہیں یا پھر اپنااورسب گھروالوں کا پیٹ کاٹ کر دو چار قیمتی جوڑے بنالیتے ہیں تاکہ ''نام نہاد عزت بنی رہے'اکثر سفید پوشوں کو اپنی عزت محفوظ رکھنے کیلئے میں نے لنڈابازار کارُخ'' کرتے بھی دیکھاہے۔جس کے پاس اچھے کپڑے اور بائیک ہے وہ دو قدم آگے بڑھ کر کار ''خرید لیتاہے تاکہ ''عزت ''بن جائے۔شادی یا جنازہ ہو ہمارے ہاں پھر گھر میں'' سرگوشیاں ہونے لگتی ہیں اب کیا کیا جائے؟ میری طرح کا کوئی سرپھرا کہہ دے کہ جو گنجائش ہے 'اسی کے مطابق چلو تو اُس کو سب نادان وناعاقبت اندیش قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں ''لوگ کیا کہیں گے؟'' سچ پوچھیئے تو

ہم نے اس ایک جملے ''لوگ کیا کہیں گے؟'' پر اتنا خرچ کیا ہے کہ اپنی جان تک کی پروا نہیں کی' بچوں کی نہیں' ماں باپ کی نہیں'۔

آپ معاشرے میں گھوم کر دیکھ لیجئے' آپ کو کئی ایسے گھر نظر آئیں گے' جہاں مریض موجود ہوں گے لیکن اُن کی دوا یا علاج کا پیسہ نہیں ہوگا۔ بیشتر ایسے گھرانے ملیں گے' جن کے چولہے میں دو وقت کی آگ بمشکل جلتی ہوگی۔ ان تمام گھرانوں کی شادی یا جنازے کے بعد کی صورتحال پر آپ نظر ڈالیں تو حیرانی و پریشانی کی نئی دنیا میں کھو جائیں گے ۔جس گھر میں مریض کے علاج کیلئے ہزار پندرہ سو دستیاب نہیں تھے' اب اسی گھر میں اُسی مریض کی وفات پر پلاؤ اور زردے کی دیگوں کی لائن لگی ہوگی۔ جس گھر میں دو وقت کو چولہا نہیں جلتا تھا اور گھر کا نگہبان کم پیسوں کی وجہ سے کھانستا رہتا تھا' اُس گھر میں ہزار ہا روپے کی ہوائی فائرنگ ہوگی' شادیانوں پر ہزاروں روپے اُڑیں گے' جو رشتے دار پھوپھا یا تایا جی کی قدیم کھانسی کی آواز سن کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے تھے اور دوائی کیلئے اُدھار رقم بھی نہیں دیتے تھے' وہ میراثیوں پر پیسہ لٹائیں گے اور پھوپھا شادی کی رات خوشی میں ایک گھنٹہ زیادہ کھانسے گا۔ میں تو اکثر اپنے قرب وجوار کے لوگوں کو کہتا ہوں کہ تم لوگ نیا مہمان لاتے ہو لیکن اسکے کھانے کیلئے گھر میں کچھ نہیں چھوڑتے ۔ اکثر لوگ دعوت ولیمہ کو سنت مبارکہ کہہ کر دامن چھڑا لیتے ہیں۔ بھائی اگر سنت ہے تو سادگی سے کیجئے ۔ اگر

دل میں نیکی ہی کا جذبہ ہے تو باہر گداگر و غریب لوگ کیوں برہنہ پا کھڑے زرق برق لباس والوں کو حسرت سے دیکھ رہے ہیں؟ پھر معیشت کے ستائے چیتھڑوں میں ملبوس اِن اہل اسلام کو کیوں بچا کھچا کھانا اندازِ بے نیازی میں بانٹا جاتا ہے؟ ایسا ہر گز نہیں کہ مریض کے فوت ہونے کے بعد یا شادی والے دن روپیہ درختوں پر لگ جاتا ہے یا چھپّر پھاڑ کر اشرفیاں برسنے لگتی ہیں بلکہ ہم ان شاہ خرچیوں کیلئے اُدھار کی گھٹڑیاں سر پر اُٹھا لیتے ہیں اور عمر بھر دہائی دیتے رہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں جو لوگ اُدھار اُٹھا کر شاہ خرچیاں کرتے ہیں' انکے پاس محلے کے چوک' تھڑے یا دیہاتوں کے ماچوں (بڑی چارپائی) پر بیٹھ کر حکومت کو آئی ایم ایف سے قرضہ لینے پر ملامت کرنے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں رہتا لہٰذا اُن کے خلاف کوئی بائیسویں یا تیئیسویں آئینی ترمیم کرکے سزا مقرر کی جانی چاہیئے۔ لیکن انکے خلاف اتنی سرعت کے ساتھ کاروائی نہیں کی جانی چاہیئے جتنی ہماری سیاسی اشرافیہ دہشت گردوں کے خلاف کر رہی ہے۔ آن کی آن میں سب مک گئے۔۔۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے ''عزت'' کے معیار بدل لیئے ہیں۔ روپے پیسے 'گاڑی' بنگلہ نے علم و حلم کی جگہ لے لی ہے۔ ہم لاعلمی کے ایسے قعرِ مذلت میں جا گرے ہیں جہاں سے ہمیں پاک کتاب ہی نکال سکتی ہے۔ مگر ہم تو تحقیق' جستجو' علم کو وہ رُتبہ ہی دینے کو تیار نہیں جو ہم روپے کو دیتے ہیں' جھوٹی انا و فضول

رسومات کو دیتے ہیں۔ہم فقط اس جملے پر اپنے گھر'صحت'معیشت'سب کے سب کو نذرِآتش کر دیتے ہیں کہ ''لوگ کیا کہیں گے؟''۔ میرا یقین کیجئے جس دن آپ اس جملے سے باہر نکل آئے پر سکون ہو جائیں گے'پھر بیٹیوں کی سر میں چاندی نہیں آئے گی'میت بننے سے پہلے اپنے عزیزِجاں مریض پر خرچ بھی کر سکیں گے'پچیس تاریخ کے بعد اُدھار بھی نہیں مانگنا پڑے گا۔ بو علی سینا کہتے ہیں۔ادھار کا دوسرا مطلب ذلت ہے۔ پھر ہمارے معاشرے میں شادی ہو یا غم کا موقع' اضطراب کا وہ ناسور ختم ہو جائے گا جو ہماری معیشت کو چاٹ جاتا ہے۔کیا حکومت ہمیں کہتی ہے کہ اپنے اخراجات سے بڑھ کر خرچ کریں؟پھر جب ہم خود ایسا کرتے ہیں تو لاچار سی حکومت کو کیوں کوسنے دیتے ہیں جو بیچاری اپنی ہی جان کو روتی رہتی ہے'مافیاز کے زیر عتاب رہتی ہے۔کل تک جو سائیکل پر تھا وہ آج موٹر سائیکل کا مالک ہے'بائیک والے کو اللہ نے کار دی ہے۔پھر ہم ہر وقت کیوں محض شکوہ ہی کو لب پر تخت نشین ہونے کا موقع دیتے رہتے ہیں۔پٹرول وڈیزل کی قیمتیں آسمان سے زمین پر آ گئی ہیں'پانچ سو کے پٹرول سے بائیک پورے شہر میں گھمایئے مگر شکرادا نہ کیجئے گا کہ پورے خطے میں سب سے زیادہ تیل ہمارے ہاں سستا ہوا۔بھارت میں اب بھی اکسٹھ کروڑ لوگ خطِ غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔یو۔این۔ڈی پی کی 2011 کی رپورٹ کے مطابق غریب افراد رکھنے والے ممالک میں چین 100'بھارت 134 جبکہ پاکستان 145ویں نمبر پر ہے۔لہذا ہمیں اپنی ذات پر توجہ دینا ہوگی۔اپنے آپ کو بدلیئے'اخراجات کو حدود میں رکھیئے'سادگی

اپنائیے 'نیا پاکستان خود بخود بن جائے گا۔ اُس کیلئے آپ کو دم گھٹ کر یا پیاسا نہیں مرنا پڑے گا۔

سُوچ کے زاویئے

کسی زمانے میں خطوط بھیجے جاتے تھے 'اُس زمانے میں قلمی دوستی ہوا کرتی تھی ' آج کے دور میں موبائل دوستی اور نیٹ دوستی (فیس بک 'یاہو'اور ٹوئٹر دوستی) معرضِ وجود میں آئی ہے۔زمانہ کتنی ترقی کر گیا ہے کہ ہم پاکستان ہی میں مختلف اشیاء بنا رہے ہیں یعنی میڈ ان پاکستان 'جیسے شیعہ 'سنی' وہابی ۔۔۔۔ایک لمبی لسٹ ہے لیکن آج تک لفظ''موبائل سیلولر فون'' کا اُردو میں مترادف نہیں تلاش کر پائے اور ٹرھکیں سُنیئے تو لاحول ولا پڑھنے کو دل کرتا ہے۔بدلتے زمانے میں موبائل دوستی سود مند بھی ہو سکتی ہے اور خطرناک بھی۔اکثر خواتین وجواں سالہ بچے اسی موبائل دوستی میں اپنی عفت کھو چکے ہیں۔ہمارا بھی ایک فیس بک اور موبائل دوست ہے۔جس کی سوچ کے اپنے ہی زاویئے ہیں۔انہی زاویوں کی موجودگی میں اُن کی بے لوث باتیں اور بسااوقات'' مدد''ہمارے دل میں اُن کیلیئے ایک تگڑا سا مقام بنا چکی ہے۔اس سب کے باوجود نہ وہ ملنے آئے ہیں' نہ ہم نے ہمت کی ہے۔اب تو وہ ایک کتاب کے مالک بھی بن چکے ہیں 'مالک سے یاد آیا اُن کا نام۔۔۔۔نام۔۔عبدالماجد ملک ہے۔ایک خوبصورت لوگو''عوام کی سوچ'' کے ساتھ کالم پر طبع آزمائی کرتے ہوئے اکثر اخباروں میں پائے جاتے ہیں۔

یوں تو چونکہ موبائل پر آج کل بندے کی فوٹو بھی نازل ہو جاتی ہے لیکن ہم انہیں خواب میں بھی کئی مرتبہ دیکھ چکے ہیں۔ان کی ایک خوبی کفایت شعاری ہے۔کفایت شعاری میں وہ اتنا کمال رکھتے ہیں کہ منت ترلہ کرنے کے باوجود مجھے خواب میں بھی اپنی کتاب نہیں دی۔ہم بھی انہی کے اہل وطن ہیں' لہٰذا ہم بھی کفایت شعاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے' محترم ناصر ملک کے پاس بیٹھے' بیٹھے مفت میں ان کی کتاب اُٹھائی اور پڑھنا شروع کر دی۔آج کے دور میں بجلی نام کو نہیں لیکن ماجد بھائی کی کتاب بندے کے ساتھ بجلی کی طرح چمٹ جاتی ہے اور بندے کو ویسا ہی کر دیتی ہے جیسا۔۔۔حال بجلی کرتی ہے یعنی آتی جاتی رہتی ہے' خیالوں میں۔ساٹھ فیصد کتاب پڑھنے کے باوجود دل کرتا ہے' اپنی معصوم سی لائبریری میں ماجد بھائی کی سوچوں کا ٹوکرا یعنی ''سوچ نگر'' کتاب لا کر رکھ دوں۔اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ جب بور اور بوجھل کرنے والی کتابیں پڑھ کر اکتا جاؤں گا تو ''سوچ نگر'' کا ایک آدھ مضمون دہرا لوں گا جیسے اُٹھ مجاہد جاگ ذرا' گداگری وغیرہ۔دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ میری کتابیں دیکھنے والے پر اچھا امپریشن پڑے گا کہ روزنامہ جناح کے وڈے لکھاری کی کتب' معاف کیجئے گا کتاب بھی لائبریری میں شامل ہے' وہ جرور سوچے گا کہ ہو نہ ہو یہ اس کا یار ہو گا۔اب آپ سوچیں گے کہ قاری کو کیسے پتہ چلے گا تو بھائی میں کتاب کے خالی صفحے پر لکھ دوں گا ناں' عبدالماجد ملک سکنہ رکھی' میانوالی کی طرف سے۔

کتاب کے متعلق ایک اہم بات آپ کیلیئے بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔کتاب خریدنے سے پہلے آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ لکھاری سیدھا سادہ بندہ ہے۔شلوار قمیض اور کبھی کبھی پینٹ شرٹ کے ساتھ ٹائی لگا کر لاہور کی گلیوں میں پھرتا ہے۔یہ سب معلومات مصدقہ ہیں اور میں نے نیٹ سے ڈائریکٹ حاصل کی ہیں لہذا غلط ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ہاں تو بات ہو رہی تھی ماجد بھائی کی کفایت شعاری کی تو اس کا ایک فائدہ قاری کو بھی پہنچتا ہے۔ماجد بھائی مضمون کے انتخاب میں بھی کفایت سے کام لیتے ہیں' کوئی ایسا موضوع کم چنتے ہیں جس میں کوئی پکوڑے یا گلے ' سڑے امرود بیچے۔وہ ہمیشہ رہنے والے اور معاشرتی وسماجی اصلاح کے موضاعات کو سپرد قلم کرتے ہیں۔البتہ ایک بیماری انہیں ہے' جس سے مجھے الرجی ہے۔بیماری کا آپ کا اسلیئے نہیں بتاؤں گا کہ کتاب پڑھ کر آپ کو خود بخود معلوم ہو جائے گا۔اگر آپ بھی میری طرح کنجوس 'مکھی چوس ہیں تو اس کتاب کو پڑھنے کیلیئے ''مکتبہ علم ودانش'' کی ویب سائٹ

پر جایئے اور لطف اُٹھایئے۔www.urdusukhun.com

عبدالماجد ملک آج کل لاہور کی ایک چنگی وڈی ڈائنوسار جتنی کمپنی میں مینیجر کے عہدے پر فائز ہیں۔کار بھی انہوں نے بدل لی ہے اسلیئے آج کل وہ فری رہتے ہیں کیونکہ پہلے میں نے جب بھی فون کیا وہ ورکشاپ ہی میں مصروف پائے گئے۔ایک مرتبہ تو نہیں معلوم کیا وجہ تھی کہ مجھ سے بات کرتے ہوئے فون بھائی فرخ

شہباز وڑائچ کو دے دیا۔ مجھے تو فائدہ پہنچا کہ ایک نئے وڈے صحافی سے شناسائی ہو گئی لیکن ماجد صاحب کا نقصان ہوا کہ موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی۔ سنا ہے جب ورکشاپ میں ہوتے ہیں تو کال اٹینڈ نہیں کرتے بلکہ مستری پر نظر رکھتے ہیں' کیونکہ وہ بھی تو ایک قسم کا کرنٹ افیئر ہی ہوا ناں جی۔ اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں آ رہا تو ''سوچ نگر'' پڑھیئے' آپ کو خود بخود اندازا ہو جائے گا کہ وہ کرنٹ افیئرز پر کتنی گہری نظر رکھتے ہیں۔ بات سے بات نکلتی ہے' لفظ دو ہیں ''کرنٹ'' اور ''افیئرز'' معلوم نہیں انکی دلچسپی کس میں ہے۔ اگر آپ کسی فیصلے پر پہنچ جائیں تو مجھے بھی ضرور اطلاع کیجئے گا۔

آخر میں آپ کا تجسس ختم کرنے کیلئے انکی بیماری کے متعلق لکھتا چلوں کہ انھیں غریب لوگوں کی مدد کرنے اور بغیر ڈیٹا کے کالم لکھنے کی بیماری ہے۔ بیماری کی شق دوم ہی کی بناء پر وہ دوسرے کالم نگاروں سے مختلف ہیں۔ لفاظی اور تصنع سے حتی الوسع کنارہ کش رہتے ہیں۔ شاعر بھی ہیں۔ اور یہ انکی بیماری کی تیسری شق ہے جس سے مجھے الرجی ہے کیونکہ ایک تو کوشش کے باوجود مجھے شاعری کرنی نہیں آتی' دوسرا سنا ہے کہ قومیں جب زوال پذیر ہوں تو کثرت سے شاعری کرتی ہیں اور جب ان کے عروج کا زمانہ ہو تو ''نثر تحریر ہوتی ہے۔ مغلیہ سلطنت کے عروج میں بادشاہوں نے ''تزک بابری'''' اور تزک جہانگیری لکھی اور بیش بہا نثر تخلیق ہوئی جبکہ زوال کا بادشاہ' بہادر شاہ ظفر جو کہ بلند پایہ شاعر تھا' غالب کو

اچھی تنخواہ بھی نہ دے سکتا تھا۔یہ بھی سن رکھا ہے کہ ایک بادشاہ نے اکبر اعظم کے متعلق کہا تھا کہ مجھے اس کی تلوار سے زیادہ اُس کے چہیتے لکھاری کی قلم سے زیادہ خوف آتا ہے۔لگتا ہے اسی عروج وزوال کے گھن چکر سے بچنے کیلئے عبدالماجد ملک نے پہلے نثر کی کتاب متعارت کروائی ہے۔اس لیئے میں نے سوچا کہ اسکا زوال آنے سے پہلے ہی کچھ لکھ دوں ،ممکن ہے ارادہ ترک کردے۔مگر دھن کا پکا ہے ،میانوالی کی مٹی سے خمیر اُٹھا ہے ،اُمید ہے ایسا نہیں کرے گا۔ایک تو آپ کو ہر بات مثال دے کر سمجھانی پڑتی ہے ،بھائی جب فائدہ ہو یا نقصان ہم چار مہینے دھرنا دے سکتے ہیں تو شاعری کیوں نہیں کر سکتے ،ہیں جی!

مختصر تاریخ دلی'جغرافیہ'شرحِ مذاہب

مختصر تاریخ دلی'جغرافیہ'شرحِ مذاہب'ایجوکیشن'شرحِ جرائم'وزرائے اعلی'عامی آدمی پارٹی'بی جے پی اور مستقبل

دریائے جمناکے کنارے یہ شہر چھ صدیاں قبل مسیح میں آباد ہوا۔دہلی جسے مقامی طورپر دلی کہاجاتاہے اسکارقبہ 1,484.0km2 ہے۔گورمکھی رسم الخط والی پنجابی اورہندی یہاں سب سے زیادہ بولی جاتی ہیں۔۔ہندوستان کے شمال میں 28.61 n 77.23E طول البلد وعرض البلدپرواقع ہے۔مشرق میں دلی کی سرحد ریاست اترپردیش اورشمال 'مغرب اورجنوب میں ریاست ہریانہ سے ملتی ہے۔مغلیہ عہدمیں جلال الدین اکبر کا پایہ تخت رہا۔پھر 1857 سے 1649 تک مغلیہ سلطنت کا دارلحکومت بنا۔1911 میں جارج پنجم نے اسے.برصغیر کادارالحکومت قراردیا' تقسیم ہند کے بعد سے اب تک یہ بھارت کادارلحکومت ہے۔2011 کی مردم شماری کے مطابق اسکی آبادی 16,753,235 ہے اورشرح خواندگی 86.34 فیصد ہے۔اسکے اضلاع کی تعداد گیارہ ہے۔دہلی کی تاریخ میں آبادی کاسب سے زیادہ اضافہ تقسیم.برصغیرکے وقت ہواجب 285,000 افرادنے دہلی کارُخ کیا۔یہ دنیاکاآٹھواں اوربھارت کا دوسرابڑاشہر ہے۔اس کی تاریخی عمارات میں قطب مینار'لال قلعہ اورمسجد قوت

اسلام مسلمانوں کے فن تعمیر کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ہندوؤں کا سب سے بڑا مندر بھی اسی شہر میں واقع ہے۔اسکے علاوہ ہمایوں کا مزار٬کناٹ پیلس٬انڈیا گیٹ اور جامع مسجد دلکش وحسین عمارات ہیں۔دلی سے گزرنے والی واحد بڑی یمنا ندی٬ ہندوؤں کی مقدس ندی ہے۔یمنا کے سیلابی میدان اور دلی کی ناہموار چوٹیاں اسکے دو نمایاں جغرافیائی پہلو ہیں۔
archaelogical survey of india نے دہلی میں موجود بارہ سو عمارات کو تاریخی ورثہ اور ایک سو پچہتر کو قومی یادگار قرار دیا۔بہائیوں کا 1986 میں مکمل ہونے والا lotus temple شہر کا ایک خوبصورت مقام ہے۔اس دیدہ زیب عمارت کی شکل پھول کی طرح ہے۔

دہلی میں ہندومت 81 فیصد٬اسلام 9.9 فیصد٬سکھ پانچ فیصد٬ جین ازم 1.1 فیصد اور باقی مذاہب 1.2 فیصد ہیں۔

انڈیا کے پرائیویٹ سکول اردو یا انگلش کو بطور نصاب استعمال کرتے ہیں۔ان کو تین انتظامی ادارے کنٹرول کرتے ہیں council for the indian school certificate examination٬central board for the secondary education اور نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن سکولنگ nios(٬ 2004اور2005 کی) رپورٹ کے مطابق پرائمری سکول کے طلباء کی تعداد 15.29 لاکھ٬مڈل سکول کے طلباء کی تعداد 8.2 لاکھ اور میٹرک کے طلباء کی تعداد 6.69 لاکھ تھی۔2006 تک دہلی میں ایک سو پینسٹھ کالج اور آٹھ یونیورسٹیز تھیں٬جن میں پانچ میڈیکل کالج اور آٹھ

انجینئرنگ کالج شامل تھے۔ 1999 میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی دہلی کو سائنس اور ٹیکنالوجی میں ایشیا کا چوتھا بہترین کالج قرار دیا گیا۔ سال دو ہزار آٹھ میں دہلی کی 16 بی ایل کے 'اپولو' سماء' aiims فیصد آبادی گریجویٹ تھی۔ دہلی کے بڑے ہسپتالوں میں میکس' فورٹس' آر ایم ایل اور سر گنگا رام ہسپتال شامل ہیں۔ '

یکم نومبر 1956 سے لے کر 2 دسمبر 1993 تک یعنی 37 سال دہلی کا کوئی چیف منسٹر نہیں تھا۔ نومبر 1993 سے نومبر 1998 تک بی جے پی کے مدن لال وزیر اعلی رہے اسمبلی کی وزیر اعلی انڈین نیشنل کانگریس کی legaslative۔ دوسری 49 bjp)) کے مدن لال لیڈر bjp جبکہ 17 نشستیں حاصل کرنے والی (inc52) شیلا ڈکشٹ تھی اسمبلی کی شیلا ڈکشٹ وزیر اعلی بنی تو legaslative آف اپوزیشن بنے۔ تیسری مرتبہ محض 20 نشستیں حاصل کر پائی۔ اکتوبر bjp کانگریس کے پاس 47 نشستیں تھیں اور سے نومبر 2013 میں ایک بار پھر قدرت کانگریس پر مہربان ہوئی اور اس بار 2008 اس کی نشستیں کم ہو کر 43 رہ گئیں اور بی جے پی کو 23 نشستیں ملیں۔ دسمبر 2013 سے فروری 2014 تک اروند کجریوال وزیر اعلی رہے۔ انہوں نے 49 دن حکومت کی ان سے پہلے دلی میں کم عرصہ حکومت کرنے کا ریکارڈ سشما سوراج کے پاس تھا' جو 52 دن وزیر اعلی رہی تھیں۔

india against اروند کجریوال کا چہرہ اسوقت سامنے آیا جب اناہزارے نے
corruption کی بنیاد رکھی گئی اور دسمبر aap تحریک کا آغاز کیا۔ نومبر 2011 میں
میں اس جماعت نے اپنی 28 اور کانگریس کی آٹھ نشتوں کے ساتھ حکومت 2013
بنائی' اسطرح دلی کی تاریخ میں یہ ایک ایسی جماعت بن گئی جس نے اپنے وجود میں آنے
کے پاس bjp31 کے بعد نہایت ہی مختصر عرصئے میں حکومت قائم کی۔ اپوزیشن میں
سیٹیں تھیں ۔اروند کجریوال نے یہ کہتے ہوئے فروری 2013 میں استعفی دے دیا تھا
بل کو منظور کرنے کیلئے اکثریت نہیں ہے jan lok pal کہ عام آدمی پارٹی کے پاس
اسلیئے حکومت میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔انکے استعفی کے بعد دلی میں 17 فروری کو
صدارتی راج نافذ ہوگیا جو کہ کم وبیش ایک سال قائم رہا۔ 4 نومبر 2014 کو دلی کے
گورنر نجیب جنگ نے اسمبلی تحلیل کردی اور انڈین الیکشن کمیشن کے سربراہ وی ایس
سمپت نے 7 فروری کو دلی کی 70 نشتوں پر الیکشن کروانے کا اعلان کیا' 12 نشتیں
مخصوص ہیں۔

تحریک سے اُٹھا' جسے india against corruption2011 عام آدمی پارٹی کا خمیر
میں اناہزارے نے شروع کیا تھا۔جس میں اروند کجریوال' منیش سسوڈیا اور پولیس
آفیسر مس کرن بیدی اسکے رفیق تھے۔ کجریوال کا خیال تھا کہ سیاسی قوت کے بغیر جان
لوک پال بل کو منظور کرانا اور کرپشن کا خاتمہ ناممکن ہے' جبکہ اناہزارے اپنی تحریک کو
سیاست سے پاک رکھنا چاہتے تھے۔ 26 نومبر

2012 کو عام آدمی منظرِ عام پر آئی اور نہایت ہی مختصر عرصہ میں حکومت تک پہنچنے والی پہلی جماعت بن گئی۔

اس مرتبہ دلت ووٹ کم وبیش عام آدمی پارٹی کو ملا۔ ایک اندازے کے مطابق اس الیکشن میں بیس لاکھ ووٹ کا اضافہ ہوا جو تقریباً عام آدمی پارٹی لے اُڑی۔ عام آدمی پارٹی دلفریب نعرے لے کر میدان میں اُتری تھی، جس میں سستی بجلی، دہلی کا اپنا پاور اسٹیشن، بیس ہزار لیٹر شفاف پانی کی فراہمی ہر گھر پر، کچے مکانات کو پکا کروانا، نئے کالجز اور یونیورسٹیوں کا قیام، آلائشوں سے پاک سیاست، جان لوک پال بل کی منظوری اور دہلی کو بدعنوانی سے پاک ریاست بنا کر سستا اور فوری انصاف مہیا کرنا شامل ہے۔ اگر اے اے پی کی گزشتہ انچاس دن کی حکومتی کارکردگی دیکھی جائے تو اسکے وزیر صحت نے انچاس دن میں ہسپتالوں کے دس وزٹ کیئے، پانی کی فراہمی شروع کی، ایسے اقدامات اُٹھائے جس سے سی این جی کی مد میں تیس فیصد کمی ہوئی۔ عام آدمی پارٹی نے برسراقتدار آتے ہی چار سو سے زائد یونٹ بجلی استعمال کرنے والوں کو سبسڈی دینے کا اعلان کیا، ایسے گھروں کو بیس ہزار لیٹر شفاف پانی مفت دینے کا کام شروع کیا جن پر میٹر انسٹال تھے، اضافی پانی استعمال کرنے والوں کو دس فیصد بل جمع کروانا ہوگا۔ انہوں نے پاور ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کا آڈٹ کروانے کے آڈر جاری کیئے۔

گزشتہ حکومت میں بیس جنوری کو اروند کجریوال اور انکے وزراء نے ریلی بھاون

پر ہوم منسٹری کیخلاف احتجاج کیا۔اروند کجریوال نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ انڈیا کی
تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی وزیر اعلی اپنی سرکاری مطالبات کیلئے شفاف انکوائری
کا مطالبہ کر رہا ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ احتجاج سے انکے کام پر کوئی فرق نہیں پڑے
گا کیونکہ وہ اپنی فائلز اپنے ساتھ لائے ہیں اور دوران احتجاج اپنا کام بھی جاری رکھیں
گے۔انکا موء قف تھا کہ دہلی پولیس کو دہلی کی گورنمنٹ کے ماتحت کیا جائے تا کہ وہ
آفیسرز کی لاپرواہی کا فوری نوٹس لے سکیں۔گورنر نجیب جنگ کی مداخلت پر احتجاج ختم
ہوا۔انہوں نے مطلوبہ دو پولیس افسران کیلئے جوڈیشل انکوائری شروع کرائی۔

کیخلاف prashant bhushan جنوری 2014 میں پارٹی کے غازی آباد دفتر میں
نے جموں وکشمیر میں prashant bhushan دائیں بازو کے لوگوں نے احتجاج کیا۔
آرمڈ فوورسز (سپیشل پاورز) ایکٹ کے بارے میں بیان دیا تھا کہ وہاں آرمی کی موجودگی
وغیر موجودگی کے متعلق ریفرینڈم ہونا چاہیئے۔

فروری 2014 میں عام آدمی پارٹی نے جان لوک پال بل کے ایشو پر استعفی دے
دیا کیونکہ کانگریس اور بی جے پی اسے منظور نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ظاہر ہے مکیش امبانی
جیسے صنعت کار کو نوازنے والی جماعت جان لوک پال بل کی کیسے حمایت کرتی۔

2014 کے جنرل الیکشن میں عام آدمی پارٹی نے اپنے 434 اُمیدوار متعارف کروائے۔ جس کا مطلب یہی لیا جاسکتا ہے کہ پارٹی رہنماء چاہتے تھے کہ انڈین الیکشن کمیشن اسے قومی پارٹی قرار دے۔ الیکشن نتائج جب جاری ہوئے تو پارٹی کو کل ووٹوں کا دو فیصد ووٹ ملا۔ اسکے چار امیدوار پنجاب سے کامیاب ہوئے اور اسکے 414 اُمیدواران کی ضمانتیں ضبط ہوئیں۔ جنرل الیکشن میں بھی پارٹی کو دہلی کے ووٹوں میں سے 32.2 فیصد ووٹ ملے تاہم دہلی سے اسکا کوئی امیدوار کامیاب نہیں ہو سکا۔ انڈیا ایک کثیر ثقافتی 'کثیر لسانی اور کثیر قومی ملک ہے جس کے مختلف علاقوں میں ووٹ حاصل کرنے کے مختلف طریقہ ء کار ہیں۔ جیسے اتر پردیش میں برادری کا ووٹ ہے۔ عام آدمی پارٹی کو زیادہ تر ووٹ اربن ایریا سے ملا۔

1,33,09,078 ووٹرز کیلئے 11,763 پولنگ اسٹیشن قائم ہوئے۔ ووٹ کا تناسب اسطرح سے ہے میل 73,89,089 'فی میل 59,19,127 'تھرڈ جینڈر 862 اور سروس 5,110 'نان ریذیڈینٹس آف انڈیا: 27۔ 2015 کے الیکشن میں کل 673 ' اُمیدواران نے حصہ لیا۔ جس میں دس فیصد کی شرح سے کل 66 خواتین نے شمولیت کی۔ اُمیدواران کی اخلاقی حالت کچھ اسطرح سے ہے '17 فیصد یعنی 114 پر کرمنل کیسز ہیں '34 فیصد یعنی 230 امیدوار کروڑپتی ہیں جبکہ گیارہ فیصد کی شرح سے 74 پر سنگین نوعیت کے مجرمانہ کیس ہیں۔

کی رپورٹ کے مطابق دلی کے چالیس فیصد ووٹرز اونچی ذاتوں سے تعلق رکھتےcsds ہیں۔جس میں بارہ فیصد برہمن٬ سات فیصد پنجابی کھتری٬سات فیصد راجپوت٬چھ فیصد ویش اور جین اور آٹھ فیصد دوسری بڑی ذاتیں شامل ہیں۔جٹ برادری پانچ فیصد ہے جو کہ تقریبا رولر ایریامیں رہائش پذیر ہے۔سترہ فیصد دلت اوراٹھارہ فیصد گجراوردوسری ذاتوں پر مشتمل لوگ ہیں۔

الیکشن نتائج نہایت حیران کن رہے۔ مرکز اور دس سے زائد صوبوں پر حکومت کرنیوالی کو شرمناک شکست کا سامنا کرناپڑا۔الیکشن ٹرن آوٹ 67.08 فیصد رہا۔جبکہbjp کے الیکشن میں ٹرن آوٹ 65.86 فیصد تھا٬اس حساب سے شرح ووٹ میں 2013 فیصد اضافہ ہوا۔54.3فیصد کی شرح سے عام آدمی پارٹی کو 1.2248,79,127 ووٹ ملے اور اسکی جھولی میں 67 نشتیں عوام نے ڈال دیں۔33.2فیصد کی شرح سے کو 28,91,510ووٹ ملے اور وہ محض تین نشتوں پر کامیاب ہو سکی۔bjp9.7 فیصد کی شرح سی ہندوستان کی بانی پارٹی انڈین نیشنل کانگریس کو 8,67,027ووٹ ملے اوروہ اپنا کھاتاہی نہ کھول پائی۔عام آدمی پارٹی کے ووٹ میں مثبت تبدیلی کیساتھ کے ووٹ میں 14.85 جبکہ کانگریس کے ووٹ میں bjp0.8٬فیصد اضافہ ہوا24.81 فیصد کمی ہوئی۔

سال 2015 کے دلی الیکشن میں مودی سرکار نے چال چلتے ہوئے انا ہزارے کی ایک ساتھی اور سابق پولیس آفیسر کرن بیدی کو 19 جنوری کو رات گئے وزیر اعلی کا امیدوار نامزد کر دیا۔ یہ ایک سابقہ پولیس آفیسر ہیں جو کہ بی جے پی کے کارکنوں پر اپنی سروس کے دوران لاٹھی چارج بھی کر چکی ہیں۔ بی جے پی کو چال الٹی پڑ گئی اور اس کے دلی دفتر میں کرن بیدی کے خلاف اور پرانے کارکنان کے حق میں زبردست مظاہرہ ہوا۔ آر ایس ایس سے تعلق رکھنے والے سینئر رہنما ہرش وردھن، جگدیش مکھی، ستیش اپادھیائے اور وجے گوئل اپنے ووٹرز میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ہرش وردھن گزشتہ الیکشن مہم کے سربراہ تھے جس میں بی جے پی کو اکتیس نشستیں ملی تھیں۔ کرن بیدی کی سلیکشن سے یہ بات بھی ووٹرز کے سامنے کھل گئی کہ اروند کیجریوال کی طرح کی اخلاقی برتری رکھنے والا کوئی بھی شخص بی جے پی کے پاس نہیں تھا، جس وجہ سے اسے درآمد کی پالیسی اختیار کرنا پڑی۔ مودی سرکار نے گزشتہ سال مئی میں ہونے والے لوک سبھا کے انتخابات میں بڑے بڑے وعدے کر کے کامیابی حاصل کی تھی۔ الیکشن مہم کے دوران بی جے پی نے وعدہ کیا تھا کہ بلیک منی واپس لا کر ہر شہری کے کھاتے میں پندرہ لاکھ ڈال دیئے جائیں گے، سو اسمارٹ شہروں کی تعمیر، روزگار کی فراہمی، تیز ترین ریلوے نیٹ ورک، ہمہ قسم کی بدعنوانی سے ہند کو پاک کرنے کا عزم، ٹیکس نظام میں اصلاحات کر کے بیرونی سرمایہ کار کو متوجہ کرنے، بے گھر کو گھر کی فراہمی، ہر گھر کو شفاف پانی کی فراہمی، نئی صحت پالیسی کے ذریعے

ہر فرد کیلئے علاج کی سہولیات قابلِ حصول بنانے سمیت کئی وعدے کیئے۔ جسے الیکشن جیتنے کے بعد پس پشت ڈال دیا گیا۔ مودی سرکار تکبر کا شکار ہو گئی۔ وہ بھول گئی کہ دنیا میں سب سے زیادہ قتل بھارت میں ہوتے ہیں۔ مودی سرکار کو یہ بھی نہ یاد رہا کہ بھارت کی تیس کروڑ کے لگ بھگ آبادی کے پاس دو وقت کا کھانا' رہنے کیلئے چھت اور ستر پوشی جتنا کپڑا ابھی نہیں ہے۔ مودی سرکار شاید اس بات سے بھی ناواقف تھی کہ پاپونی اگنی (۔(کے بعد سب سے زیادہ 845 زبانیں ہندوستان میں بولی جاتی ہیں' یہ ایک 169 کثیر لسانی' کثیر قومی و کثیر ثقافتی ملک ہے' اس میں انتہاپسندی کو رواج دینا مہلک ترین ہے۔ مودی سرکار کو اقوام متحدہ کے ادارے undp کی وہ رپورٹ بھی نظر نہ آئی جس میں بھارت کو غریب افراد رکھنے والے ممالک کی فہرست میں 134 واں درجہ ملا۔ اسے بس ایک جنون لاحق تھا کہ جمہوریہ بھارت کو ہندو راشٹریہ میں بدلنا ہے (اپنے مذہب کو ملک میں نافذ کیجئے مگر اقلیتوں کے حقوق تو انھیں دیجئے)۔آر۔ایس۔ایس اور وی ایچ پی جیسی سخت گیر تنظیموں نے گھر واپسی تحریک کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو بنانے کا عمل شروع کیا تو ان پر کوئی پابندی نہ لگائی گئی۔ ساکشی مہاراج' یوگی آدتیہ ناتھ نے اقلیتوں کے زخموں پر نمک چھڑکا تو ان کی مذمت نہیں کی گئی۔ دہلی الیکشن کے دوران چرچ پر حملہ ہوا' مسیحی سکول کو نقصان پہنچایا گیا لیکن مودی سرکار کے لب خاموش رہے جس کا واضح مطلب خاموش حمایت یا کھلی چھٹی ہی لیا جاسکتا ہے۔ حال ہی میں امریکی صدر باراک اوباما نے کہا کہ

ہندوستان میں مذہبی رواداری کی حالت ایسی ہے کہ اگر مہاتما گاندھی زندہ ہوتے تو دہل جاتے۔شاید سر سید احمد خان کی بات سچ ثابت ہوئی کہ اگر ہندوستان کی ہندو آبادی کو موقع ملا تو وہ اقلیتوں کو پامال ضرور کرے گی۔نیویارک ٹائمز نے اپنے ایک اداریہ میں لکھا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں پر بڑھتے مظالم اور پیسے دے کر یا دھمکا کر ان کا مذہب تبدیل کرنے پر مودی کی سرکار خاموش ہے'اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یا تو ان عناصر کو قابو نہیں کر رہی یا ان پر قابو ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔اخبار نے واضح طور پر لکھا کہ مودی کو اپنی یہ خاموشی توڑنا ہوگی۔دوسری جانب کچھ حلقوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ لوجہاد' تبدیلیء مذہب 'دفعہ 370'اور یکساں سول کوڈ پر حکومتی خاموشی سے جہاں سیکولر طبقہ اور اقلیتیں یہ سمجھ رہی ہیں کہ انتہاپسندوں کو کھلی چھٹی دی جا رہی ہے 'وہیں انتہاپسند تنظیمیں بھی تذبذب کا شکار تھیں اور مودی حکومت سے کھلی اور ڈنکے کی چوٹ پر حمایت کی آس لگائے بیٹھی تھیں جب ان کی یہ آس پوری نہ ہوئی تو انہوں نے مودی سرکار کو سائیڈ لائن پر لگا دیا۔

غربت کی چکی میں پستی عوام کو حقیقی معاشرتی اصلاحات سے غرض تھی 'جسے بی جے پی نہ نبھا سکی۔حد تو یہ ہے کہ بی جے پی کے سینئر ترین رہنماء امیت شاہ نے یہاں تک کہہ دیا کہ بلیک منی کے ذریعے ہر شہری کے کھاتے میں پندرہ لاکھ ایک سیاسی نعرہ تھا۔عوام کے زخموں پر ایسی نمک پاشی کے بعد ردعمل سامنے آیا

کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جمہوریہ ہندbjpتو بی جے پی دلی کی کمزور ترین جماعت بن گئی۔
میں بسنے والی اقلیتیں بھی اہمیت رکھتی ہیں۔ سوائے مصطفیٰ آباد کے مسلمان ووٹرز نے
عام آدمی پارٹی کو ووٹ دیا۔ بی جے پی کو شاید اب یقین آگیا ہو گا کہ بھارت میں بیس
کروڑ سے زائد مسلمان بھی بستے ہیں اور وہ بھارت کے ہندو شہری جتنے حقوق رکھتے ہیں۔
کے مطابقosacدہلی میں ایک مربع کلومیٹر پر 11,000 ہزار افراد بستے ہیں۔
افراد کیلئے دہلی میں صرف 129 پولیس آفیسر ہیں۔ جبکہ اقوام متحدہ کے100,000
مطابق دنیا میں نسبتاً 100,000 افراد کیلئے 350افسر ہیں۔ دہلی پولیس کی رپورٹ کے
مطابق 2011 میں 543افراد قتل ہوئے جبکہ 2012 میں 521افراد کے قتل کے
کیسز ریکارڈ ہوئے۔ اسطرح ان دو سالوں میں قتل کی واردات میں چار فیصد کمی
ہوئی۔ رپورٹ کے مطابق 1953 سے 2011تک دیکھا جائے تو قتل ہونے کے واقعات
میں 250 فیصد اضافہ ہوا۔
میں 572 ریپ کیسز ہوئے جبکہ 2012 میں 706 ریپ کیسز ریکارڈ کیئے2011
گئے۔ زیادہ تر کیسز ریکارڈ ہی نہیں ہوتے۔ دہلی کو ”ریپ دارالحکومت“ بھی
کہا جاتا ہے۔ نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کے مطابق انڈیا کے ریپ کیسز میں 873.3 فیصد
اضافہ ہوا ہے‘ 1971 میں اسکی تعداد2,487 تھی جبکہ 2011 میں یہ تعداد
تک جا پہنچی۔ 2012 میں دہلی پولیس نے 829 ڈرگ ٹریفکنگ کیسز ریکارڈ24,206
کیئے‘ جن

میں 61,272 کلو گرام ہیروئن‘ افیون 49,500 کلو گرام‘ 2,783 کلو گرام کوکین اور 1,895,068 کلو گرام marijuana برآمد کی گئی۔ رپورٹ کے مطابق حال ہی میں دہلی پولیس نے ایک سو کروڑ مالیت کی ایفی ڈرین اور پانچ کلو گرام ہیروئن دو مختلف گروہوں سے برآمد کی۔ نیشنل ہیومن رائٹس کمیشن کے مطابق دنیا میں اغوا برائے تاوان کی وارداتوں میں انڈیا کا پانچواں نمبر ہے۔ جبکہ دہلی میں سال 2011 میں اغوا برائے تاوان کے 35,29 اور 2012 میں 3,675 کیسز ریکارڈ ہوئے۔ سال 2012 میں گھریلو چوری کے 1746‘ دیگر چوری کے 5895‘ اغوا کے 274‘ مہلک ایکسڈینٹ کے 1822‘ غیر مہلک حادثات کے 5115 اور ڈکیتی کے 28 واقعات ہوئے۔ انڈیا میں عورت کے خلاف ہونے والے جرموں میں دہلی کا حصہ 15.4 فیصد ہے۔

دلی کے ایک کروڑ ایک لاکھ‘ انچاس ہزار افراد غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ دہلی کے 52% لوگ زندگی کی بنیادی سہولیات پینے کا صاف پانی‘ بجلی‘ سیورج سسٹم سے محروم کچے مکانات میں رہائش پذیر ہیں۔ یہ تمام مسائل اروند کجریوال کے سامنے اژدھا کی طرح پھن پھیلائے کھڑے انکی انتظامی

صلاحیت‘ خلوص‘ جذبے‘ اور ضمیر کا امتحان ہیں۔

حالیہ انتخابات میں دھماکہ چوکڑی مچانے والی عام آدمی پارٹی نے ہفتہ چودہ فروری کو رام لیلیٰ میدان میں اپنی تاجپوشی کی رسم ادا کی۔ اروند کجریوال کی چھ

وزراء کی کابینہ میں منیش سسوڈیا نائب وزیراعلی 'خزانہ' تعلیم 'اور شہری ترقیات کی وزارت کے حقدار قرار پائے۔ عاصم احمد کمال خوراک ورسد اور ماحولیات کے وزیر بنے۔ گوپال رائے کو نقل وحمل ترقی اور لیبر کی وزارت ملی۔ ستیندر جن بجلی صنعت 'صحت پی ڈبلیوڈی اور سندیپ کمار خواتین واطفال بہبود 'ایس سی 'ایس ٹی پر وزیر' مقرر ہوئے۔

دہلی کے آٹھویں وزیراعلی چھیالیس سالہ اروند کجریوال نے اپنی تقریر کے دوران اپنا روڈ میپ دیتے ہوئے کہاکہ فرقہ وارانہ انتہاپسندی کو فروغ دینے اوراس پر سیاست کرنے والے عناصر کو اب ہتھیارڈالنا ہوں گے 'ہم دہلی کو ایسا خطہ بنائیں گے جس میں جین' ہندو 'مسلمان 'سکھ اور ہر مذہب وہر کمیونٹی سے تعلق رکھنے والا شخص تحفظ کیساتھ رہ سکے گا۔ اپنے ارکان 'وزراء کو تکبر سے بچنے کا مشورہ دیا۔ میڈیا کو کہاکہ کسی کام کیلئے گھنٹے یا چوبیس گھنٹے مت پوچھیئے گا سب کام ہوجائیں گے اور بہتری کیساتھ ہوں گے۔ 48 وی آئی پی کلچر کی مذمت کی اور تاجروں کو ٹیکس اداکرنے کی تلقین کی۔ مودی سرکار کو دہلی کو مکمل ریاست کا درجہ دلانے کا وعدہ یاد دلایا۔ انہوں نے کہاکہ اگر کوئی شخص اے اے پی سے وابستگی ظاہر کرکے غلط کام نکالنے کی کوشش کرے تو اس کی سرکوبی کی جائے۔ انہوں نے مزید کہاکہ میں انکا بھی وزیراعلی ہوں جنہوں نے مجھے ووٹ نہیں دیا۔ ہر بوتھ پر ورک کریں گے۔ انکی تقریر کا مثبت پہلو یہ بھی تھاکہ انہوں نے اپنے مخالف امیدوار بی جے پی کی کرن بیدی کے

متعلق کہا کہ ان کے پاس پولیس انتظامیہ کا تجربہ ہے'میں ان سے اس معاملے میں فائدہ اٹھاؤں گا۔کانگریس کی الیکشن مہم کے سربراہ اجے ماکن کے بارے میں کہا کہ وہ انتظامی امور اور پالیسیاں بنانا جانتے ہیں اُن سے بھی استفادہ کروں گا۔یہ ایک ایسا بیان ہے جس سے اروند کی دوراندیشی'مصلحت اور کام پر توجہ مرکوز کرنے کی بو آتی ہے۔

۔اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنے دعوں کو کہاں تک نبھاتے ہیں۔مرکزی حکومت سے ٹکرالیئے بغیر کیسے عوام کی فلاح کے کام کرتے ہیں۔آئندہ بہار'اترپردیش اور بنگال میں الیکشن ہونا ہیں'فی الحال تواروند نے یہی کہا ہے کہ وہ اپنی توجہ دلی پر ہی مرکوز کریں گے لیکن اگر دلی میں یہ اچھی پرفارمنس دکھا پائے اور بی جے پی نے اپنااندازِ فکر نہ بدلا' تواسے بہار'اترپردیش اور بنگال میں نقصان ہوسکتاہے۔جمہوری پارٹی ہونے کے ناطے بی جے پی کا فرض بنتاہے کہ وہ اپنی خامیوں پر نظرثانی کرتے ہوئے ان پر قابو پائے اورایک مضبوط ہندوستان کی بنیادرکھے۔دوسری جانب عام آدمی پارٹی کو بھی یہ دیکھنا ہوگاکہ عوام نے کن مسائل سے تنگ آکر اسے بھاری ووٹ دیاہے'اگر وہ اس پر پورا نہ اُتری توعوام اسکا بھی کانگریس والا حشر کریں گے۔رہے مسلمان 'عیسائی اوراقلیتیں توانکے سامنے جلداروند کجریوال کی پوزیشن آجائے گی اورپھرانھیں جلد اپنے ووٹ کے مستقبل کے بارے فیصلہ کرنا ہوگا۔

اروند کجریوال کہتے ہیں کے بی جے پی کے اچھے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کریں گے
۔اس بیان کے تناظر میں پاکستانی سیاستدانوں کو بھی ایک دوسرے کیساتھ مل کر
چلنا چاہیئے۔پاکستانی چینلز ویلنٹائن ڈے کو کوریج دینا چاہتے ہیں تو انہیں ہم روک تو
نہیں سکتے البتہ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اروند کجریوال کے اس بیان کو سیاسی پارٹیوں کی
اصلاح کیلیئے کوریج دیں 'اس پر مباحثہ کریں۔پاکستانی عوام کو بھی چاہیئے کہ دہلی کی عوام
کی طرح اگلے الیکشن تک صبر کا مظاہرہ کرکے اپنے ووٹ کی طاقت سے غلط اور صحیح کو
الگ کردیں۔ذاتی مفادات سے بالاتر ہوکر قومی مفاد کی خاطر ووٹ کاسٹ کریں۔اس
بار دہلی کی عوام نے تو ایسی ہوشیاری دکھائی کہ بڑے بڑے میڈیا پنڈت بھی اسکی پہچان
نہ کرسکے۔یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب کوئی نظام اپنے تسلسل کے ساتھ چلتا رہے
۔پھر آہستہ آہستہ اس میں سے کھرا' کھوٹا مال خود بخود الگ ہوجاتا ہے۔حضرت علی کا
''فرمان عالیشان ہے۔مفہوم: ''کفر کی حکومت قائم رہ سکتی ہے لیکن ظلم کی نہیں۔

bjp کی شکست یا انتہا پسندی کی موت؟

بھارت کی راجدھانی دہلی کے 1,33,09,078 ووٹرز نے 48,79,127 ووٹ دے کر 54.3 فیصد کی شرح سے عام آدمی پارٹی کو ستر میں سے 67 سیٹیں دلوادیں جبکہ دہلی میں حکومت بنانے کیلیے کسی بھی جماعت کو 36 نشستیں درکار ہوتی ہیں۔bjp کو 32.2 کی شرح سے 28,91,510 ووٹ ملے لیکن اس کے حصے میں محض تین سیٹیں آئیں' جن پر اوم پرکاش شرما' مچلنا مشرا اور وجندرا گپتا کامیاب ہوئے۔ یہ وہی bjp ہے جس نے دہلی کے الیکشن 1993 میں 49 سیٹیں جیتیں تھیں' لیکن شاید اسکی تنگ نظری نے عوام کے دل پھیر دیئے۔انڈین نیشنل کانگریس جو کہ بھارت کی بانی پارٹی ہے اسکو 9.7 کی شرح سے 8,67,027 ووٹ ملے اور وہ اپنا کھاتا ہی نہ کھول پائی'اسے عوام نے کرپشن 'نااہلی اور مورثیت کی بناء پر رد کردیا۔اس میں پاکستان میں مورثیت کی حامی جماعتوں کیلیے سبق پوشیدہ ہے۔

دہلی الیکشن میں کل 673 امیدواران نے حصہ لیا۔جس میں دس فیصد کی شرح سے 66 خواتین شامل تھیں۔ان امیدواروں میں سے 114 پر کرمنل کیسز تھے۔74 پر سنگین نوعیت کے کرمنل کیسز تھے جبکہ 230 امیدوار کروڑپتی تھے۔الیکشن میں ٹرن آوٹ 67.08 فیصد رہا۔جبکہ گزشتہ دہلی الیکشن میں ٹرن آوٹ 65.86 فیصد تھا۔ووٹ میں

کے حق میں بہتر رہی۔ عام آدمی پارٹی کے ووٹ میں مثبت تبدیلی aap تبدیلی کی شرح
کی حمایت منفی 14.85 رہی جبکہ کانگریس کےbjp' کے ساتھ 24.81 فیصد اضافہ ہوا
ووٹ میں 0.8 فیصد کمی ہوئی۔ گزشتہ الیکشن میں عام آدمی پارٹی مختصر عرصے میں دیلی
india کی تاج پوشی تک پہنچنے والی واحد پارٹی بن گئی تھی۔2011 میں اناہزارے کی
تحریک کے خمیر سے اُٹھنے والی جماعت عام آدمی پارٹی کا وجودagainst corruption
میں منظر عام پر ہوا' دسمبر 2013 میں عام آدمی پارٹی نے اپنی 28 نشستوں اور2012
کانگریس کی آٹھ نشستوں کیساتھ حکومت بنائی جو کہ محض 49 دن چل سکی۔ اس سے پہلے
دن کی حکومت کا ریکارڈ سشما سوراج کے پاس تھا۔ گزشتہ برس اروند کجریوال نے یہ52
کہتے ہوئے استعفی دے دیا تھا کہ انکے پاس ''جان لوک پال بل'' کی منظوری کیلئے
اکثریت نہیں ہے' لہٰذا حکومت میں رہنا بے کار ہے۔لوک پال بل بھارت کی تاریخ
میں پہلی بار ایڈوکیٹ شانتی بھوشن کے ذریعے 1968 میں منظر عام پر
آیا'۔اناہزارے نے اسے 23 ویں مرتبہ نہایت ہی جاندار انداز میں اسے پیش کیا۔ عوامی
رائے کے مطابق اناہزارے کا جن لوک پال بل کرپشن کیخلاف ٹانک کا درجہ رکھتا ہے۔
ہمارے خیال میں کجریوال کی مدد کرنے میں بی جے پی کی وعدہ خلافی 'انتہاپسندرویہ
کانگریس کی کرپشن اور' مورثیت نے اہم کردار ادا کیا۔ بی جے پی نے لوک سبھا کے'
انتخابات میں وعدہ کیا تھا کہ 100 دن میں بلیک منی واپس لائی

جائے گی اور ہر شخص کے کھاتے میں پندرہ لاکھ روپے آئیں گے' اقتدار میں آتے ہی بی جے پی اپنا وعدہ بھول گئی۔ 46 سالہ اروند کجریوال نے ہفتہ کے روز آٹھویں وزیر اعلی کلچر' فرقہ پرستی' پارٹی پرستی اور کرپشن vip کے طور پر حلف اُٹھایا۔ جس میں انہوں نے کو ختم کرنے کا عندیہ دیا۔ رام لیلا میدان کی اس تاریخی تاج پوشی کے دوران کو یاد دلایا کہ وہ دہلی کو مکمل ریاست کا درجہ دینے کا وعدہ bjp اروند کجریوال نے پورا کرے۔ اپنی پارٹی کے نصب العین کا تذکرہ کرتے ہوئے اروند کا کہنا تھا کہ وہ جن لوک پال بل کو پاس کروا کرپشن کا خاتمہ کریں گے' بدعنوانی مخالف ٹیلی فون لائن کو دوبارہ بحال کریں گے جسے پچھلے 49 دنوں پر مشتمل حکومتی عرصۂ میں قائم کیا گیا تھا۔ اروند نے اپنے چھ وزراء کو قلمدان سونپے جن میں منیش سسودیا' سندیپ کمار' گوپال رائے' ستیندر جین' جتیندر سنگھ تومر اور ایک مسلمان عاصم احمد خان شامل ہیں۔ انکی کیبنٹ میں کوئی خاتون شامل نہیں جس پر اداکارہ ہما قریشی نے اعتراض کیا ہے جو کہ عام آدمی پارٹی کی چاہنے والی ہیں۔

حال ہی میں ایک چرچ اور جمعہ کے روز مسیحی سکول پر حملہ کی سخت مذمت کرتے ہوئے اروند نے کہا کہ '' مذہب کے نام پر سیاست کرنے والوں کو لوگ برداشت نہیں کریں گے ''۔ ہمارے خیال میں ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے' ہندوستان کے 30 کروڑ شہری دو وقت کی روٹی' چھت اور ستر پوشی جیسی بنیادی ضروریات سے محروم ہیں' جسے

ایک انتہاپسند ملک میں تبدیل کرنے جارہی تھی ۔ گزشتہ سال مئی کے انتخابات میںbjp بی جے پی کو اکثریت حاصل ہوئی 'لوک سبھاکہ انتخابات میں بی جے پی کا نعرہ سو سمارٹ شہروں کی تعمیر 'روزگار کی فراہمی 'ٹیکس پالیسی میں اصلاحات کرکے بیرونی سرمایہ کاروں کو متوجہ کرنے سمیت بڑے بڑے وعدے کیئے تھے مگر وعدوں کو بھلانے کیساتھ ساتھ بی جے پی نے یوگی آدتیہ ناتھ 'شاکسی مہاراج اوردوسرے نیتاؤں کو اقلیتوں کے زخموں پر نمک چھڑکنے کا کوئی ایکشن نہیں لیا۔اس نے انتہاپسندی پر خاموشی اختیار کیئے رکھی 'آر۔ایس۔ایس۔ اور وی ۔ایچ ۔پی جیسی سخت گیر تنظیموں نے سیدھے سادے عیسائی اور مسلمانوں کو ''گھرواپسی'' تحریک کے تحت ہندو بنایا مگر بی جے پی خاموش رہی' جس کا واضح مطلب خاموش حمایت ہی لیاجاسکتاہے۔'دنیامیں سب سے زیادہ زبانیں پاپونیوا گنی 869 اوراسکے بعد بھارت میں 845زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ایک ارب تیس کروڑ کی آبادی میں بیس کروڑ سے زائد مسلمان ہیں۔ہندوستان جیسے کثیر لسانی 'کثیر نسلی ومذہبی ملک میں انتہاپسندی ملک کیلیئے مہلک ہے' جس کا اظہار دہلی کے عوام نے بی جے پی کو مسترد کرکے دے دیاہے۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں دنیاکے سب سے زیادہ قتل ہوتے ہیں ۔ گزشتہ سالوں میں دہلی میں زیادتیوں کے کیسز میں بھی اضافہ ہوا۔اگر بی جے پی نے اپنی حالت نہ بدلی توآئندہ ہونے والے بنگال 'بہار اور اترپردیش کے انتخابات میں بھی اسے خمیازہ بھگتنا ہوگا۔لوگ حقیقی معاشرتی اصلاحات چاہتے ہیں۔دہلی پولیس کجریوال کے ماتحت نہیں

۔اب دیکھنا یہ ہے دہلی کے وزیر اعلی اروند کجریوال اپنے تاچپوشی کے اس وعدے کو کہاں تک نبھاتے ہیں کہ ہم دہلی کو ایسا مقام بنائیں گے کہ ایک سکھ ، ہندو، جین ،مسلمان اور ہر طبقے اور ہر ذات کے لوگ محفوظ رہ سکیں۔کشمیریوں کے متعلق انکی رائے اب سیاسی مصلحتوں کا شکار ہوتی ہے یا پھر وہ مردِ حق بن کر ڈٹ جاتے ہیں؟اگر وہ مذہبی انتہا پسندی کو روک پائے تو پھر یقینا ان کی جماعت کو دیرپا عروج حاصل ہوگااور ہندوستان صحیح معنوں میں ترقی کی طرف گامزن ہوگا۔انھوں نے تاچپوشی کی تقریر میں مثبت انداز اختیار کرتے ہوئے بی جے پی کی وزیر اعلی کی امیدوار کرن بیدی کے متعلق کہا کہ ان کا پولیس انتظامیہ کا تجربہ ہے، ہم ان سے فائدہ اٹھائیں گے ،کانگریس کے اجے ماکن کے بارے میں کہا کہ ان کو پالیسیاں بنانے اور حکومت چلانے میں کافی تجربہ ہے ،میں دہلی کو بہتر بنانے کیلئے ان سے بھی استفادہ کروں گا۔اروند کجریوال نے الیکشن مہم کے دوران مدت تعین کیئے بغیر سستی بجلی، شفاف پانی ،کچے مکانوں کو پکا کرنے'' دہلی کا اپنا پاور اسٹیشن ،سولر انرجی کے بڑے منصوبوں کا قیام ،نئے کالجز اور نئی یونیورسٹیاں بنانے کا وعدہ کیا تھا۔بہتر یہی ہوگا کہ وہ اپنے پچھلے دور حکومت کی طرح اس بار جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔انتخابی نعروں اور تاچپوشی تقریر پر کتنا عمل ہوتا ہے، یہ تو وقت بتائے گا لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ ہمیں بھی ویلنٹائن ڈے کی نقل کرنے کے بجائے اروند کجریوال کی نقل کرتے ہوئے تمام سیاسی جماعتوں کو منظم انداز میں ایک

دوسرے کے ساتھ تعاون پر آمادہ کرنا ہوگا اور یہ سب کچھ عوامی حمایت یا عوامی
پریشر کے ساتھ معرضِ وجود میں آ سکتا ہے۔

وزیراعلی پنجاب سے عوامی اپیل

پٹرول بم کچھ عرصۂ پہلے عوام پر گرا کرتے تھے۔اب وہ عالمی قیمتوں میں کمی سے معدوم ہوگئے ہیں۔اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ حکومت کی جانب سے ڈیزل وپٹرول کی قیمتوں میں کمی سے عوام کو فائدہ پہنچا ہے'مگر جس فائدے کی توقع کی جارہی تھی'وہ نہیں ملا۔حکومت نے ٹرانسپورٹ کے کرایوں میں کمی کااعلان ضرور کیا ہے اوراس پر کسی حدتک عمل بھی ہو رہاہے مگر کسی بھی ضلع میں اندرونِ شہر کرایوں میں کوئی فرق نہیں پڑا۔مثلا لاہور میں سٹاپ ٹوسٹاپ کرایہ تبدیل نہیں ہوا۔ڈائیو20 اورویگن ہنوز پندرہ روپے وصول کر رہی ہے۔فتح پور سے ایک قاری صلاح الدین نے ایس۔ایم۔ایس کیا ہے کہ جب پٹرول کی قیمت ایک سو سات روپے تھی'اسوقت بھی فتح پور سے چک 104t.d.a کا کرایہ 25روپے تھااوراب جبکہ پٹرول کی قیمت ستر روپے تک گرچکی ہے' تب بھی وہ صورتحال ہے۔ہمارے خیال میں اب جبکہ یکم مارچ پر پٹرول کی قیمت بڑھنے کا خدشہ ہے تو عوام بھی خاطرجمع رکھیں'ٹرانسپوٹر کرایہ میں پہلے ہی دن اضافہ کر دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ حکومتی اعلان کے بعدبڑے روٹس جیسے لاہورتاملتان' میانوالی تاملتان یااسلام آباد تاچکوال'ان کے کرایوں میں تیل کی قیمتوں میں اضافے

کے بعد کسی حد تک کمی ہو جاتی ہے لیکن کنڈیکٹر حضرات اور بعض ٹرانسپوٹر چھوٹے روٹس پر عوام کی چمڑی ادھیڑ لیتے ہیں۔دورانِ سفر اکثر یہی تکرار سننے کو ملتی ہے کہ پٹرول وڈیزل گر گیا تو جی ایس ٹی جو بڑھ گیا ہے' پھر ہم کرایہ کس طرح کم کریں۔ایک چنگ چی والے نے تو سواری کو ٹھیک ٹھاک جھاڑ پلادی۔کہنے لگا میرے پاس ذاتی استعمال کیلئے سائیکل ہے' اس میں پٹرول وڈیزل استعمال نہیں ہوتا لیکن میرا پورا گھرانہ کھاتا پیتا ہے پھر جب تیل کی قیمت کم ہو گی اور چینی' دال' اور پالک مہنگی ہو گی تو میں کرایہ کیسے کم کروں گا؟اس ضمن میں ہماری وزیرِ اعلی پنجاب جناب شہباز شریف سے اپیل ہے کہ وہ کسی بھی ٹرانسپورٹ کی سواری میں حکومت کی جانب سے جاری کردہ چھوٹے اور بڑے روٹس کا کرایہ نامہ آویزاں کرنے کا حکم دیں' تاکہ اس روٹ پر نیا مسافر دھوکہ نہ کھاجائے۔نیز یہ لسٹ لاری اڈہ کے مختلف مقامات اور ٹکٹ بک کرنے والی جگہ پر بھی موجود ہو۔اوراس پر سختی سے عمل کروایا جائے۔جو عمل نہ کرے اس پر جرمانہ عائد کیا جائے۔

پاکستان ویجیٹیبل گھی (pvma) رواں ماہ صوبائی وزیر خوراک جناب بلال یسین اور ملزایسوسی ایشن کے اجلاس میں گھی اور تیل کی قیمتوں میں پانچ روپے کمی کا اعلان کیا گیا' یہ کمی اپنے لحاظ سے کمی ہی ہے مگر تیل وگھی میں بننے والی اشیاء خوردونوش ہنوز اسی مقام پر دادِ گورننس دے رہی ہیں۔ہماری ایک یہ بھی

خامی ہے کہ سارا ملبہ حکومت پر گرا دیتے ہیں اور خود کسی ظالم سے لڑنے کا فیصلہ موء خر کر دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ تاجروں ' دکانداروں اور ٹرانسپوٹرز کو کنٹرول کرنا حکومتی ذمہ داریوں میں شامل ہے 'لیکن ہمیں اپنی اپنی سطح پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرنا ہوگا 'تب ہی معاشرے سے گند صاف ہو سکے گا۔ ہمیں چاہیئے کہ محلّہ کی سطح پر ایسے دکانداروں کا بائیکاٹ کریں جو کریانہ 'فروٹ یا سبزی مہنگی دیتے ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ حکومت کے اچھے اقدام اور ایمان اہلکاروں اور تاجروں کی حوصلہ افزائی کا اہتمام کریں۔ ہر ادارے 'ہر شعبے اور ہر سوسائٹی میں اچھے افراد موجود ہیں 'مگر ہم سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں۔ پچھلے دنوں میں اپنے محلے کے ایک فرد کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کے موبائل پر ٹون سنائی دی اور اس نے ignore کرتے ہوئے کہا کہ میں والدہ کو لے کر ضلعی ہسپتال گیا تھا اسی حوالے سے وزیر اعلی پنجاب کی جانب سے کال آ رہی ہے۔ میں نے کہا یہ تو اچھی بات ہے 'جواب دو۔ تو کہنے لگا کہ وہ ریکارڈ شدہ آواز ہوتی ہے۔ میں نے کہا بھائی! اب ہر جگہ وزیر اعلی تو فون نہیں کر سکتا۔ جب تعاون کے حوالے سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اب صورتحال تسلی بخش تو نہیں لیکن پہلے سے بہت بہتر ہے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ جب تک ہم اچھے کام پر response نہیں دیں گے تو وہ کیسے جاری رہے گا۔ ہمیں چاہیئے کہ شکایات سیل پر پیغام لازمی جمع کروائیں۔ مختلف اخبارات میں شکایات کی جگہ دی گئی ہے ان سے بھی رابطہ کریں۔ سفارش اور اقرباء پروری کی جو کوششیں ہم خود کرتے ہیں ان

پر بھی اپنا محاسبہ کریں تب جا کر ہم بہتر ہو سکیں گے۔ ضلعی سطح پر ڈی سی او اور متعلقہ افسران سے خود جا کر ملیں اور شکایات جمع کروائیں۔ اکثر افراد اس بات کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نقار خانے میں طوطی کی کوئی نہیں سنتا تو جناب ہماری عرض یہ ہے کہ کوشش جاری رکھیئے' اللہ کرم فرمائے گا۔ انسان ایک ہی دن میں یا ایک ہی افسر کے آنے سے نہیں سدھر جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی فلاح کیلئے ایک یا دو نہیں پورے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر معبوث فرمائے اور آخری پیغمبر کے بعد مسلمان کو اچھے کام کی ترغیب دینے اور برے کام سے روکنے کا حکم دیا۔ لاکھوں نعمتیں عطاء کی مگر انسان پھر بھی سرکش ہے۔ تو یہ سب کچھ ظاہر کرتا ہے کہ انسانی طبیعت مسلسل اصلاح مانگتی ہے' جس کیلئے ہمیں بلا تعطل کوشش جاری رکھنی چاہیئے۔

پی پی پی کے اندرونی اختلافات

ورکرز پر بڑھتا ہوا ضمیر کا دباؤ

بلاول اُمید کی کرن

برصغیر کی تقسیم کے بعد پاکستانی سیاست کے اُفق پر اُبھرنے والی سب سے توانا جماعت اسوقت اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہی ہے۔30 نومبر 1967 کو پارٹی چیئرمین کا عہدہ سنبھالنے والے جناب ذوالفقار علی بھٹو ایک طلسماتی شخصیت کے مالک تھے ٗ جو آج تک اپنے پارٹی ورکر کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

ppp کی باا‌ثر شخصیات میں اسوقت جناب آصف زرداری ٗاُن کی بہن فریال تالپور ٗمخدوم امین فہیم اورپارٹی کے مرکزی سیکرٹری جنرل لطیف کھوسہ سمیت پی پی پی کی سینٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی کے ممبر یوسف رضا گیلانی ہیں۔پی پی پی کی موجودہ رسی کشی مختلف گروپس کے ساتھ ساتھ پارٹی کے صدر آصف زرداری اور چیئرمین بلاول بھٹو زرداری کے مابین بھی جاری رہنے کی اطلاعات ہیں۔جب کراچی کے جلسے میں بلاول زرداری کو عوام سے متعارف کروایا گیا تو ان کے لہجے کی کاٹ بھٹو جیسی بنانے کیلئے بہت تگ و دو کی گئی۔نواسے ہونے کے ناطے بلاول زرداری بھی ایک

پُرجوش لیڈر رہیں۔ ذرائع کے مطابق بلاول زرداری پارٹی قیادت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں' جبکہ انکے والد اختیارات کا استعمال خود کرکے انہیں پارٹی میں فعال رکھنا چاہتے ہیں۔ کراچی کا بلاول سیکرٹریٹ بھی نامعلوم وجوہات کی بناء پر بند ہے۔ گو کہ پارٹی کے تمام عہدیدار جناب زرداری اور انکے فرزند کے درمیان کسی بھی قسم کی چپقلش کو خارج از امکان قرار دیتے ہیں' لیکن اگر پیپلزپارٹی کے یوم تاسیس' محترمہ بے نظیر بھٹو کی برسی اور محترم ذوالفقار علی بھٹو کی سالگرہ کی تقریبات پر نظر دوڑائی جائے تو بلاول زرداری فزیکلی غائب نظر آتے ہیں۔ ان کا اندرونِ سندھ سیلاب کے پانی میں غریب عوام تک چل کر جانا اور پھر منظر سے ہٹ جانا کسی اور بات کا پتہ دیتا ہے' یہ ایسی باتیں ہیں جس سے پارٹی کے دیرینہ ورکر کے قیاس کو تقویت ملتی ہے۔

دوسری جانب کچھ حلقوں کا کہنا ہے کہ اگلے ماہ پانچ تاریخ کو ہونے والے سینٹ انتخابات کی وجہ سے دانستہ طور پر بلاول زرداری کو پارٹی معاملات سے دور رکھا گیا ہے۔ پاکستان پیپلزپارٹی جس کے پاس اسوقت قومی اسمبلی کی 47' سینیٹ کی اور صوبائی اسمبلی کی 106 نشستیں ہیں' سینیٹ میں تیں نشستیں جیتنا چاہتی' 41 ہے۔ اسکے لیئے اس نے ایم کیوایم' مولانا فضل رحمان اور اندرونِ بلوچستان رابطے بڑھادیئے ہیں۔ بلاول زرداری اپنے تندوتیز بیانات کی وجہ سے ایم کیوایم کے علاوہ دیگر جماعتوں سے بھی پی پی پی کی دوری کا سبب بنے تھے' اسلیئے ممکن

ہے وہ سینیٹ انتخابات کے بعد منظرِ عام پر آ جائیں' لیکن ان باتوں سے پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو طفل تسلی نہیں دی جاسکتی۔ وہ فرزندِ بے نظیر کو فارم میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ بالخصوص پنجاب کی پی پی پی بلاول زرداری کے ایکٹیو ہونے کی پرزور حامی ہے۔

1970' 1977' 1988' 1993 اور 2008 میں برسر اقتدار آنے والی جماعت 2013 کے الیکشن میں بالکل بے بس نظر آئی۔ جنوبی پنجاب میں صرف ضلع رحیم یارخان میں قومی اسمبلی کی دو نشستیں اسے حاصل ہوئیں۔ جبکہ پنجاب کی صوبائی اسمبلی میں آٹھ نشستوں پر اسے قناعت کرنی پڑی۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو اپنے معمولی ورکرز کے بھی نام یادرکھا کرتے تھے' لیکن آج کی پی پی پی تنظیمی طور پر بھی اپنی پوزیشن بحال کرنے میں ناکام نظر آ رہی ہے۔ حال ہی میں مخدوم شہاب الدین کو ہٹا کر سابق گورنر مخدوم سید احمد محمود کو جنوبی پنجاب کا صدر مقرر کیا گیا ہے۔ کچھ حلقے اس بات کو بھی اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ مخدوم شہاب الدین اور سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے مابین اختلافات کی وجہ سے یہ ایکشن لیا گیا' جبکہ مخدوم شہاب الدین کا موء قف ہے کہ وہ گزشتہ چھ ماہ سے علیل تھے اور انہوں نے بغیر کسی دباؤ کے استعفی دیا۔ پی پی پی کی 2013 کی شکست کے حوالے سے مخدوم شہاب الدین کا موء قف ہے کہ ''ملک کی تقدیر کا فیصلہ کرنے والوں نے بھی پہلے سے طے کر رکھا تھا کہ اس دفعہ ppp کو اقتدار میں نہیں آنے دینا چاہیئے۔''

دوسری جانب سندھ میں بھی درگاہِ نوح کے سجادہ نشین اور پی پی کے دیرینہ ورکر مخدوم امین فہیم کے بارے بھی ایسی ہی اطلاعات ہیں کہ وہ پارٹی قیادت سے نالاں ہیں ۔گزشتہ دنوں پیر پگارو اور مخدوم امین فہیم کے درمیان ملاقات ہوئی ۔اطلاعات کے مطابق اس دوران مخدوم امین فہیم اور حُر جماعت کے روحانی پیشوا کے درمیان بلدیاتی انتخابات کے حوالے سے مشترکہ حکمتِ عملی پر غور کیا گیا' تاکہ سروری جماعت اور حُر جماعت کے اشتراک سے اپنے زیادہ اُمیدواروں کو کامیاب کرایا جاسکے۔اگر ایسا ہوتا ہے تو یقینا یہ بات آصف زرداری صاحب کیلئے ناگوار ہوگی' ذرائع کے مطابق اندرونِ سندھ بلدیاتی انتخابات کے دوران پی پی کی یہی کوشش ہے کہ پرانے ورکرز کو ٹکٹ دے کر راضی کیا جائے۔اس طرح کا الجھاؤ دونوں جانب نقصان کرسکتا ہے کیونکہ جس پیپلز پارٹی پارلیمینٹیرین کے ٹکٹ پر اسمبلی کے اُمیدوار جیتے ہیں' اس پر مخدوم امین فہیم کے بطور صدر دستخط ہیں اور اب سینیٹ کے ٹکٹس پر بھی انہی کے دستخط چلے ہیں۔

بدھ کے روز مخدوم امین فہیم نے لندن میں بلاول سے ملاقات کی۔اطلاعات ہیں کہ اس میں انہوں نے بلاول کو اپنی ناراضگی سے آگاہ کیا۔اب جب کے پی پی اور ایم کیو ایم میں پھر قربتیں بڑھ رہی ہیں ایسے میں ذوالفقار مرزا پھر سے ایکشن

میں ہیں۔ گزشتہ برس انہوں نے سر پر قرآن مجید رکھ کر ایم کیوایم پر سنگین نوعیت کے الزام لگائے تھے اور پھر یکلخت منظر سے ہٹ گئے تھے۔

انہوں نے ایک نجی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ پی پی پی کے چیئرمین بلاول زرداری اور آصف علی زرداری کے مابین شدید اختلافات ہیں۔انہوں نے چیلنج کیا کہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر آصف علی زرداری' بلاول کو بلا کر مجھے جھوٹا ثابت کردیں۔اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ بلاول زرداری سندھ کے وزیراعلی قائم علی شاہ کو ہٹا کر مراد کو وزیراعلی بنانا چاہتے تھے 'مگر آصف زرداری نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔انہوں نے پی پی پی کی قیادت پر الزامات کی برسات کرتے ہوئے انہیں انور مجید اور مظفر ٹپی پر نوازشات کرنے کی قدغن لگائی ۔جس کے جواب میں شرجیل میمن نے کہا کہ اگر بند شوگرملوں کو قانونی طریقہ سے انور مجید نے فعال کرکے ملک کی بہتری کیلئے قدم اُٹھایا ہے تو پھر اس میں کون سا جرم ہے۔ذوالفقار مرزا کی پریس کانفرنس کے بعد پی پی پی کی جانب سے انکی سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کی ممبرشپ معطل کردی گئی ہے۔

دنیا میں ازل سے اقتدار ہی کی رسی کشی چل رہی ہے' یہ ایک ایسی دنیا ہے جس کے دلائل بھی اپنے ہیں اور جج بھی اپنے ۔ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو پارٹی کے بانی چیئرمین تھے 'ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کے پارٹی کے وجود میں آنے سے لیکر جناب

بھٹو کی وفات 4 اپریل 1979 تک ان جیسی کرشماتی شخصیت پارٹی میں موجود نہ تھی لیکن انہوں نے بھی پارٹی انتخابات نہیں کروائے' نواب محمد احمد خان کے قتل کے الزام میں گرفتار ہونے سے قبل ہی جناب اپنی اہلیہ بیگم نصرت بھٹو کو چیئرپرسن نامزد کر گئے۔ پھر بیگم نصرت بھٹو صاحبہ نے دخترِ پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو کو شریک چیئرمین نامزد کر دیا۔ پھر دسمبر 1993 آیا اور محترمہ بے نظیر صاحبہ نے چیئرپرسن کی عدم موجودگی میں سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے اجلاس میں اکتیس ارکان کے متفقہ فیصلے سے خود کو چیئرپرسن منتخب کراتے ہوئے بیگم نصرت بھٹو کو معزول کر دیا' محترمہ 27 دسمبر 2007 تک پارٹی کی چیئرپرسن رہیں۔ اب پھر بظاہر ایک ایسی ہی صورتحال درپیش ہے ۔ وہ پارٹی جسے محترمہ بے نظیر بھٹو اور ذوالفقار علی بھٹو نے اپنا خون پسینا ایک کر کے ملک کی زنجیر بنا دیا تھا' اب شکستہ حال ہے۔ صوبہ خیبر پختونخواہ میں انکے پاس صرف صوبائی اسمبلی کی چھ نشستیں ہیں' بلوچستان میں زیرو' جنوبی پنجاب جو کہ پی پی پی کا ووٹ بینک تھا اسے پی پی پی کی کارکنان سے بے رُخی اور پاکستان تحریک انصاف اچک چکی ہے۔ عامر ڈوگر کی تحریک انصاف میں شمولیت کے بعد جاوید احمد صدیقی کو جنوبی پنجاب کا سیکرٹری مقرر کیا گیا ہے۔ جاوید احمد صدیقی اور صدر جنوبی پنجاب مخدوم سید احمد محمود پارٹی کو جنوبی پنجاب میں متحرک کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن پارٹی ورکرز شکستہ دل ہیں ۔ وہ بھٹو اور محترمہ کی محبت میں پارٹی سے لگاؤ رکھتے ہیں لیکن ملک میں گردش کرتی افواہیں

اور پارٹی کا عوام میں گرتا مورال ان کے حوصلے کو شکست دینے کی برابر کوشش کر رہا ہے۔ پارٹی کی جانب سے بلاول زرداری اور شریک چیئرمین سابق صدر کے درمیان اختیارات کے تنازعے کی تردید کے باوجود عام ورکر مطمئن نظر نہیں آتا۔ کہیں کہیں دیرینہ ورکر یہ کہتا ہوا پُرجوش ہو جاتا ہے کہ بھٹو آج بھی زندہ ہے۔ اس نعرے کے بعد اگر اسکے چہرے پر موجود پریشانی سے پیدا ہونے والے اتار چڑھاؤ پر نظر ڈالی جائے تو پارٹی کے عمومی تاثر کی کڑیاں صاف عیاں ہو جاتی ہیں۔ ہمارے ایک پیارے دوست اور پی پی کے چاہنے والے ضلع لیہ کے پہلے صاحبِ کتاب شاعر عباس زیدی صاحب کہتے ہیں کہ جب تک 73 کا آئین زندہ ہے' بھٹو بھی زندہ رہے گا۔ انکی الفت اپنی جگہ مگر سوچنے کا مقام ہے کہ جنابِ بھٹو اور پھر بے نظیر کے بعد پی پی میں کیا کوئی ایسا لیڈر نہیں جس کے لیئے کارکنان کے دلوں میں ویسی ہی محبت جنم لے' جیسی ان شخصیات کیلئے ہے ؟؟؟ جناب آصف زرداری صاحب اپنے دور حکومت میں ایک مضبوط عصاب کے سیاستدان کے طور پر اُبھرے 'مگر ان کیخلاف پھیلنے والی افواہیں اس قدر طاقتور ہیں کہ ان کی مفاہمت کی سیاست کے اعزاز کو بھی دھندلا دیتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عامی آدمی سوچتا ہے کہ اگر یہ مفاہمت عوام کیلئے سود مند ہے تو پھر اسکے ثمرات کیوں نظر نہیں آتے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کا ورکر سوچتا ہے کہ اگر یہ مفاہمت ملکی حالات کو سازگار بنانے میں مددگار ثابت ہوئی ہے تو پھر مجھے لوگ طعنہ کیوں دیتے ہیں کہ تمہارے دور میں فلاں جگہ کرپشن ہوئی' سفارش ہوئی' مہنگائی بڑھی' پی پی پی

کا ورکر جب اپنے اسلاف پر تنقید سنتا ہے تو اسکا پارہ چڑھ جاتا ہے لیکن اسکے پاس دوستوں اوراحباب کو رد کرنے کیلئے جتنا مواد ہوتا ہے وہ دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے جب اپنے رہنماء کی تکذیب کا جواب دیتا ہے تو ایک فقرہ اس کے دل و ضمیر پر بجلی بن کر گرتا ہے کہ ''بڑی طرفداری کرتے ہو' تمہیں پی پی پی نے کیا دیا؟ یہ کسی ایک نہیں بلکہ سندھ بلوچستان' جنوبی پنجاب اور خیبر پختونخواہ کے ورکرز کے بھی دُکھ کا قصہ ہے۔پی پی پی کے' ورکر کو کہا جاتا ہے کہ تم سات برس سے سندھ میں اقتدار میں ہو اور عروس البلاد کو ٹارگٹ کلنگ' اغواءبرائے تاوان' لینڈ مافیا' بھتہ خوری' سٹریٹ کرائمز' گینگ وار اور سیاسی عدم استحکام سے نجات دلانے میں ناکام ہوگئے ہو تو اسکے پاس جواب دینے کو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ بس یہی سوچتا ہے کہ یہ ایسی مفاہمت کا کیا فائدہ جس سے جنوبی پنجاب میں پی پی پی کا صفایا ہوا' کراچی خون میں نہایا' تھر کے سینکڑوں معصوم پھول جیسے بچے بن کھلے مرجھاگئے۔یہاں آکراُسے ذوالفقار مرزا کی کچھ باتوں میں سچائی نظر آنے لگتی ہے۔وہ سوچتا ہے کہ اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگانے والی پی پی پی کے دور میں اوراسکے آبائی صوبے میں ہی معصوم کلیاں بھوک سے بلک بلک کرماؤں کی گود میں دم توڑ رہی ہیں اورانکا پرسان حال کوئی نہیں 'ایسے میں انکی نظر جناب بلاول زرداری پر جاپڑتی ہے 'وہ اس امید کی کرن کے بارے میں سوچتے ہوئے اسوقت پریشان ہوتا ہے' جب اُسے سوشل میڈیا اورپرنٹ والیکٹرونک میڈیا میں گردش کرتی خبریں اورذوالفقار مرزا کے گرماگرم بیانات تکلیف دیتے ہیں۔ذوالفقار مرزا کے

بارے کبھی اُسے کہا جاتا ہے کہ وہ عذیر بلوچ کی گرفتاری کی وجہ سے پریشان ہے تو کبھی کوئی بیان دیا جاتا ہے۔ایسی الجھن زدہ فضا میں وہ جوش' وہ ولولہ جو ایک فعال سیاسی پارٹی کے رکن کی پہچان ہوتا ہے' اسکے اندر منجمد ہو جاتا ہے۔پیپلز پارٹی کے ورکرز کو لوگوں کو اس بات کا بھی جواب دینا پڑتا ہے کہ پانچ سالہ دورِ حکومت میں محترمہ کا قاتل نہیں ملا اور تم کیا کروگے ؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو اس کے دل ودماغ کو پہلے سے زیادہ منتشر کرتا ہے اور افواہوں کو اسکے اندر جگہ دیتا ہے۔پھر عام ورکر یہ سوچتا ہے کہ مبادا ذوالفقار مرزکی یہ بات سچ ہو کہ جناب بلاول زرداری کا ٹوئٹر اکاؤنٹ کوئی اوراپریٹ کررہا ہے۔۔۔ویسے ٹیکنالوجی اتنی جدید ہو گئی ہے کہ پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ٹویٹ کس ریجن سے ہوا ہے' جس میں ذوالفقار مرزا پر طنز کیا گیا ہے یا پی پی کے اندرونی اختلافات کو رد کیا گیا ہے۔مگر یہ کون کرے ؟اور کیوں کرے؟

پی پی جو کہ ایک مزدور کی جماعت تھی' اسکو فعال کرنے کیلئے اُمید کی کرن بلاول زرداری ہی ہو سکتے ہیں۔انھیں نوجوانوں میں گھل مل کر رہنا ہوگا۔اپنی والدہ کی مانند کبھی ریڑھی والے کے پاس چنے کھانا ہوں گے اور کبھی اپنے نانا کی طرح سکول کے دورے پر اساتذہ کی کرسی پر بیٹھنے سے انکار کرتے ہوئے موڑھے پر بیٹھنا ہوگا۔خلوص ومحبت کارکنان پر نچھاور کرنا ہوگی ۔ورکرز کے گلے

شکوے دور کرتے ہوئے پارٹی کو حتی الوسع کرپشن' سفارش' اقرباء پروری اور خوف سے نکالنا ہوگا۔پارٹی کے جمود کو توڑنے کیلئے انہیں ملک گیر دورے کرنا ہوں گے ۔پارٹی کے اندر نوجوان خون کو جگہ دینی ہوگی اور مخلص بزرگ اراکین کا احترام کرتے ہوئے اُن سے بہت کچھ سیکھنا ہوگا۔مفاہمت کی سیاست کو جاری رکھتے ہوئے اپنے تحفظات کا برملا اور بر موقع نہ صرف اظہار کرنا ہوگا بلکہ اپنی جماعت کو حقیقی اپوزیشن پارٹی کے طور پر اُبھارنا ہوگا۔پاکستان پیپلز پارٹی کو غریبوں اور مزدوروں کی جماعت بنانا ہوگا۔نیچے سے لے کر اوپر تک پارٹی کی ری کنسٹرکشن کرتے ہوئے ایماندار اور مخلص ساتھیوں کو سامنے لانا ہوگا۔اطلاعات کے مطابق پی پی پی میں چند ایسے افراد بھی ہیں جو انہیں مس گائیڈ کر سکتے ہیں'انکے ساتھ محتاط رویہ اختیار کرکے اپنے فطرتی لہجے اور انداز کو اپنانا ہوگا۔اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہوگئے اور پی پی پی کے بزرگ اراکین نے نئے خون کیلئے جگہ خالی کردی تو بلاشبہ اگلے الیکشن تک یہ جماعت اپنے آپ کو بھٹو کی جماعت کہلا کر فخر کرسکے گی۔اگر ایسا نہیں ہوتا تو نہ صرف بھٹو خاندان' پی پی پی کے چاہنے والوں بلکہ پاکستان کا نقصان بھی ہوگا۔ایسا تو نہیں کہ پانچ مرتبہ اقتدار میں آنے والی جماعت یکلخت دم توڑ دے گی لیکن ایسا ضرور ہے کہ اس سپیس سے جب کوئی اور مستفید ہوگا تو رفتہ رفتہ یہ جماعت اپنی وہ ساکھ کھو بیٹھے گی' جسے پانے کیلئے بھٹو خاندان اللہ کو پیارا ہوا۔بیگم نصرت بھٹو نے نجانے کس انداز سے یہ کہا تھا کہ bhuttos are born for rule ممکن ہے خدائے ذوالجلال کو یہ فقرہ ۔

پسند نہ آیا ہو۔

لومڑ ٹریڈنگ

سینیٹ ایک ایسا ادارہ ہے جس میں وفاقی اکائیوں کو برابر کی سطح پر نمائندگی دی کر وفاق کو مضبوط کیا گیا ہے‘ جبکہ اسکے برعکس قومی اسمبلی کی نشستیں آبادی کے تناسب سے صوبوں میں تقسیم کی گئی ہیں۔

1973 کے آئین کے آرٹیکل 59 کے تحت سینیٹ کے الیکشن آج وقوع پذیر ہونگے۔ سینیٹ کے ارکان کی مدت چھ سال ہے‘ جبکہ آدھے ممبران ہر 3 سال بعد ریٹائرڈ ہو جاتے ہیں۔ آئین کے مطابق جس صوبے سے سینیٹ کی ممبر شپ کیلئے درخواست دی جارہی ہے‘ امیدوار کو وہاں کا رہائشی ہونا ضروری ہے۔ اسوقت سینیٹ کی 52 نشستوں کیلئے 144 امیدواران میدانِ عمل میں ہیں جبکہ 40 کہ کاغذات مسترد ہوگئے ہیں۔ سندھ اور پنجاب سے گیارہ گیارہ‘ بلوچستان اور خیبر پختونخواہ سے بارہ‘ بارہ‘ فاٹا سے چار اور اسلام آباد سے دو ارکان کا انتخاب ہونا ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم بیماری کو جڑ سے ختم کرنے کے بجائے فقط اپنی راہ کے کانٹے شاخوں سے کاٹتے ہوئے نکل جاتے ہیں اور آنے والی نسلوں کو پھر خاردار راہوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسوقت سینیٹ کی نشست کیلئے صوبائی اسمبلی کے ممبروں کی قیمت لگنے کی بازگشت پورے ملک میں سنائی دے رہی ہے۔ اس کا آغاز

میں ہوا تھا جب پی پی پی اور ن لیگ نے زور آزمائی کی تھی۔ کپتان نے کہا کہ 1989 بولی دو کروڑ ہے۔ بلوچستان میں ایک ممبر کی بولی سترہ کروڑ کے قریب اور فاٹا میں اسکی قیمت بیس کروڑ سے تجاوز کر گئی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ پہلے نیب ان ممبران اسمبلی کو بلا کر قیمت کی آفر کرنے والے پر کیس چلائیں اور بعد میں الیکشن ہو مگر یہاں گنگا الٹی بہتی ہے۔ فاٹا کے ممبران کی بولی اسلیئے زیادہ لگتی ہے کیونکہ وہاں سے سینیٹر بننے کیلئے محض تین ایم پی ایز کے ووٹ درکار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فاٹا میں کل 43 امیدواران نے کاغذات جمع کروائے' جس میں سے بیس منظور ہوئے۔

سینیٹر بننے کیلئے ووٹ کی خرید وفروخت کے ذمہ داران سیاسی جماعتوں کے سرپرست ہیں۔ ان کیلئے ہارس ٹریڈنگ اور کھوتا ٹریڈنگ کی اصطلاح ہماری دانست میں غلط ہے۔ یہ کام لومڑی کا ہے کر لومڑ ہی کر سکتا ہے' اور اسکو یہ ٹیرننگ لومڑی یعنی اسکی سیاسی جماعت ہی دیتی ہے۔ یہ کوئی پریشان کن صورتحال نہیں بلکہ ہمارے معاشرے کی عکاسی ہے۔ جنرل الیکشن میں ہمارے سیاستدان وننگ امیدوار' پیسہ والا' سرمایہ دار اور چالاک وچتر قسم کا شخص تلاش کر کے اُسے ٹکٹ سے نوازتے ہیں۔ امیدوار کو ٹکٹ الاٹ کرتے ہوئے انکی نظر صرف الیکشن جیتنے پر ہوتی ہے اور اسطرح کئی اخلاقی برائیوں والے اشخاص بھی اسمبلیوں کی زینت بنتے ہیں اور پھر مختلف ذرائع سے اپنے الیکشن کا خرچ نکالتے ہیں' جس کا ایک انداز

سینیٹ الیکشن بھی ہے۔اگر جنرل الیکشن میں سیاسی جماعتیں اہل وایماندار افراد کو پارٹی ٹکٹ جاری کریں تو نہ صرف ملک کو فائدہ پہنچے گا بلکہ انہیں اس لومڑ ٹریڈنگ جیس آفت سے بھی واسطہ نہیں پڑے گا۔ تصویر کا دوسرا رُخ ہم خود ہیں ۔جس سوراخ سے ہمیں ڈسا جاتا ہے' وہیں ہم فلسفہ کربلاء بھول کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اپنی عملی زندگی میں ہر یزید کا ساتھ دیتے ہیں۔

اسوقت ''لومڑ ٹریڈنگ'' کا سب سے زیادہ خطرہ فاٹا' خیبر پختونخواہ اور بلوچستان اسمبلی میں ہے۔ خیبر پختونخواہ کے ممبرانِ اسمبلی نے ہم خیال گروپ اس لیئے تشکیل دیا ہے کہ ان کے مطابق پی ٹی آئی نے اپنے ورکرز کو پس پشت ڈال کر باہر کے افراد کو نوازا ہے۔ بلوچستان اسمبلی کے ممبران میاں صاحب کی دریا دلی اور پاکستان کے مفاد میں کیئے گئے اس فیصلے سے نالاں ہیں کہ انھوں نے اکثریت ہوتے ہوئے بھی قوم پرستوں کی جماعت کو کیوں وزیر اعلی کی نشست عنایت کی۔ سب اپنے اپنے غصے کا اظہار کر رہے ہیں۔ ''لومڑی ٹریڈنگ'' کا سدِ باب کرنے کے مختلف ذرائع ہیں۔ حکمران جماعت اور پی ٹی آئی نے اسکا حل شو آف ہینڈ اور بیلٹ پیپر پر ووٹ دینے والے کا نام درج کرنے کو قرار دیا۔ حکومت چاہتی ہے کہ آئین کے آرٹیکل 226 میں 22 ترمیم کی جائے ۔اس مقصد کیلیئے اے پی سی بلائی گئی جسے پی پی پی اور جے یو آئی ایف نے مسترد کر دیا۔ خورشید شاہ کہتے ہیں کہ جنرل الیکشن کی طرح سینیٹ کے الیکشن بھی براہِ راست ہوں' موزوں بھی یہی ہے۔ کم از کم نئے انتخابی

وعدے تو عوام کو ملیں گے ناں۔اس کا ایک اور طریقہ ءکار یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پارٹی جب ٹکٹ جاری کرتے تو اس میں اسکے متعلقہ صوبے سے تمام صوبائی ممبروں کی رضامندی لازمی قرار دی جائے۔ویسے تو پارٹی الیکشن میں بھی انکی رضامندی کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے جو کہ حقیقت سے کوسوں دور ہے۔اس عمل کو شفاف بنانے کیلئے یہ طریقہ ءکار اپنایا جا سکتا ہے کہ پہلے سیاسی جماعت ٹکٹ جاری کرنے کیلئے اپنے تمام ممبروں سے ان کی رضامندی حاصل کرے اور پھر ان کی رضامندی جانچنے کیلئے ایک غیر جانبدار کمیٹی یا پھر الیکشن کمیشن آف پاکستان متعلقہ جماعت کے ممبروں کی سینیٹ الیکشن ٹکٹس کے بارے خفیہ رائے شماری کرائے کہ آیا وہ اپنی جماعت کی جانب سے دیئے گئے سینیٹ کے ٹکٹس پر رضامند ہیں کہ نہیں اسطرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔اس رائے شماری کا تناسب نوے فیصد سے اوپر رکھا جائے۔اس طرح صوبائی اسمبلی کے ممبرز پر سیاسی جماعتوں کی دھونس بھی ختم ہو جائے گی اور غیر سیاسی افراد کا سینیٹ میں داخلہ بھی تقریباً مسدود ہو جائیگا۔

خیبر پختونخواہ میں سینیٹر بننے کیلئے 14 ووٹ' بلوچستان میں دس ووٹ' پنجاب میں بیالیس جبکہ سندھ میں 15 ووٹ درکار ہوں گے۔سندھ کی 124 نشستوں میں سے پی پی پی کی ایم کیو ایم کی 51' پی ایم ایل ایف کی 11' پی ایم ایل این کی 9 نشستیں ہیں۔پنجاب' 91 کی کل 371 نشستوں میں پی پی پی کی 8' پی ٹی آئی کی 30' پی ایم ایل

کیو 8' اپی ایم ایل کی 312 نشستیں ہیں۔ خیبر پختونخواہ میں پی ٹی آئی کی 56' پی پی پی کی 6 پی ایم ایل این کی 14' جے یو آئی ایف 17' جے آئی کی 8 اور قومی وطن پارٹی کی دس' نشستیں ہیں۔ بلوچستان میں پی ایم ایل این 22' پختونخواہ ملی عوامی پارٹی 14' این پی 10 جے یو آئی 8' پی ایم ایل کیو چار اور بلوچستان نیشنل پارٹی کی دو نشستیں ہیں۔'

اگر ووٹ کی طاقت کے تناسب سے دیکھا جائے تو ایک اندازے کے مطابق پی ایم ایل این سینیٹ میں 16' پی ٹی آئی 5' پی پی پی 9 اور ایم کیو ایم اپنے تین سینیٹرز بھیجے گی۔ جبکہ زمینی حقائق کے برعکس سیاسی جماعتوں نے اپنی قوت سے زیادہ امیدوار کھڑے کرکے لوٹر ٹریڈنگ ''کی زمینی حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ صرف خیبر پختونخواہ میں جہاں پی پی'' پی کی محض چھ نشستیں ہیں وہاں اسکے پانچ امیدوار کھڑے ہیں ۔ جمعیت علماء اسلام جہاں اپنے ووٹرز کی بنیاد پر ایک سیٹ جیت سکتی ہے وہاں اسکے دو امیدوار ہیں ۔ اسی طرح ق لیگ جس کے پنجاب میں صرف آٹھ ایم پے ہیں' شنید ہے وہ بھی ایک نشست پنجاب سے نکالنے کیلئے زور آزمائی کر سکتی ہے۔ حالانکہ وہاں وہ ایک نشست جیتنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی ۔ جبکہ پی پی پی کا موء قف ہے کہ امیدوار اسلیئے کھڑے کیئے ہیں تاکہ ہمارے ایم پی اے کا ووٹ ضائع نہ ہو اور دوسری جانب سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے چانس بھی باقی ہیں لیکن دوسری جماعتیں اس وجہ سے پریشان دکھائی دیتی ہیں اور اسے ''لوٹر ٹریڈنگ کے''

زمرے میں شامل کرتی ہیں۔پی پی پی کے شریک چیئرمین اور حالیہ سیاست کی چالوں کے بے تاج بادشاہ صدر آصف علی زرداری کے بارے اطلاعات ہیں کہ وہ سینیٹ کی چیئرمین شپ کے خواہش مند ہیں ۔اگر یہ نہ ملی تو ڈپٹی چیئرمین کا عہدہ تو وہ اپنے دامن میں سمیٹنے کی پرزور کوشش کریں گے۔شنید ہے کہ انھوں نے حکمران جماعت سے قومی اسمبلی میں مفاہمت کے بالمقابل سینیٹ میں اتحاد کرکے متفقہ چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین کا لائحہ عمل بھی پیش کیا ہے۔اب دیکھتے ہیں کہ وہ سیاست کی یہ بازی کس انداز میں کھیلتے ہیں۔جسے جیتنا انہیں خوب آتا ہے وگرنہ رلائیں گے تو ضرور۔

سینیٹ الیکشن کیلئے مختلف تجاویز ہیں ۔ براہِ راست 'اوپن بیلیٹنگ' شوآف ہینڈ جبکہ ہم اپنے تئیں براہِ راست انتخاب کو بہتر جانتے ہیں یا پھر سیاسی جماعتیں طے کرلیں کے جس اُمیدوار نے جنرل الیکشن میں بیس یا پچیس فیصد ووٹ حاصل کیئے ہوں 'وہی سینیٹ کا الیکشن لڑ سکتا ہے یعنی کوئی بھی مناسب' تناسب مقرر کردیں۔اس طرح غیر سیاسی افراد کا سینیٹ میں داخلہ بھی روکا جاسکے گا اور امیدوار اپنے حلقے یا علاقے میں جب جنرل الیکشن میں اپنی الیکشن مہم چلائیں گے تو عوام کو ان سے شناسائی ہوگی'امیدوار کو علاقے کے مسائل کا پتا چلے گا اس طرح وہ سینیٹ میں اپنے علاقے کے مسائل اجاگر کرکے انکے حل کی خاطر آواز بھی بلند کرسکے گا۔جب جنرل الیکشن میں ہماری جماعتیں ہر طرح کے میرٹ کو

اپنے پاؤں تلے روندتی ہیں' پارٹی فنڈ اور چندہ کی مد میں رشوت لیتی ہیں تو پھر سینیٹ کا الیکشن کیسے شفاف ہو سکتا ہے۔آج ہونے والے الیکشن میں بھی ایسی سیاسی جماعتیں ہیں جنھوں نے ایسے اُمیدوار بھی کھڑے کیئے ہیں جن کا متعلقہ صوبے سے تعلق نہیں ہے مثلا اسلام آباد میں مسلم لیگ ن کا امیدوار اور دوسری جانب پی ٹی آئی میں نئی شامل ہونے والی شخصیت ۔اس طرح وہ نوازنے کی پالیسی پر عمل کرکے خود ہی جمہوریت نامی شہ کی تذلیل کرتے ہوئے پائی گئی ہیں۔مگر یہ بھی خوش آئند بات ہے کہ جس طرح بھی ہوا' سینیٹ میں شفافیت کیلیئے آواز تو اُٹھی ۔کچھ حلقے اسی آواز ہی کو متنازعہ قرار دے رہے ہیں ۔ان کا کہنا ہے کہ پی ٹی آئی اور ن لیگ اپنی جماعتوں میں اپنا اثرورسوخ قائم رکھنے کیلیئے ایسا کررہی ہیں 'اگر انھیں شفافیت سے سروکار تھا تو پھر اکا دکا غیر معیاری لوگوں کو کیوں ٹکٹ فراہم کیئے۔ایسی رائے رکھنے والے حلقے استدلال پیش کرتے ہیں کہ پی ٹی آئی ملک کے مفاد میں پاس ہونے والی اکیسویں ترمیم کو منظور کرنے کیلیئے تو اسمبلیوں میں اس لیئے نہیں آئی کہ اس سے انکے اصولی موء قف کو زک پہنچتی تھی جبکہ اب بائیسویں آئینی ترمیم سے انکے سیاسی حقوق کا مفاد ممکن ہے تو وہ اسمبلیوں میں آنے کیلیئے
تیار ہے۔لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ کسی بھی طرح چلو انہوں نے اسمبلی کی حیثیت اور اہمیت تو تسلیم کر ہی لی ناں۔

: سائیڈ سٹوریز

1973 کے آئین میں سینیٹ کی کل نشستوں کی تعداد 45 تھی۔ جسے 1977 میں بڑھا کر 63 پھر 1985 میں 87 اور 2002 کے پرویز مشرف دور میں اسے 100 کر دیا گیا۔ بعد میں پی پی پی کے دورِ حکومت میں اٹھارہویں ترمیم کے ذریعے اس میں چار اقلیتی نشستیں شامل کی گئیں جو کہ ایک خوش آئند قدم تھا۔ یہ اقدام 2010 ایکٹ میں درج ہے۔x کے کلاز

ہارس ٹریڈنگ جمہوریت کیلئے کینسر ہے۔اپوزیشن لیڈر پی پی پی خورشید شاہ۔

ہارس ٹریڈنگ سیاسی دہشت گردی ہے۔امیر جماعت اسلامی سراج الحق۔

پاک بھارت تعلقات۔۔۔ مودی کا چکمہ یا حقیقت

یہ ایک تاریخی وزمینی حقیقت ہے کہ دو ہمسایہ ملک کبھی بھی ایک دوسرے کے دشمن رہ کر اور سازشوں کے جال بچھا کر اپنی عوام کے بنیادی حقوق پورے نہیں کر سکتے۔اقوام کی اقتصادی ترقی میں امن کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو انسانی جسم میں ''ریڑھ'' کی ہڈی کو حاصل ہے۔طاقتور اور برابر کی تو بات ہی دوسری ہے' مستقل کمزور دشمن بھی لوہے کے چنے چبانے پر مجبور کر دیتا ہے۔اس کی واضح مثال اسرائیل و فلسطین ہیں۔۔بے روزگار افراد احتجاج کرتے نظر آتے ہیں اور داخلی استحکام اور خوف اس قدر کے اسرائیل امریکہ ویورپ کی سپورٹ کے باوجود مظلوم فلسطینوں سے خوف زدہ ہے اور ان کے تمام راستے مسدود کرنے کے باوجود امریکی حمایت کے لیئے کلبلاتا رہتا ہے' جیسے آج کل نیتن یاہو امریکی کانگریس سے خطاب میں پریشان حال ہیں۔

اسے بدقسمتی کہیں یا اغیار کی گھناؤنی سازش کہ برصغیر کی تقسیم کے دوران اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ دونوں ممالک کبھی باہم تعاون نہ کر سکیں۔ان کے درمیان وادی جموں وکشمیر کو وجہ نزاع بنا کر انگریز یہاں سے چلتا بنا۔انگریز کی کسر انتہا پسند ہندوؤں اور سادھوؤں نے یہ کہہ کر پوری کر دی کہ کشمیر ہمارا اٹوٹ

انگ ہے' انکی آواز میں کانگریس اور بی جے پی کی آواز بیک وقت مختلف لب و لہجے کے ساتھ شامل رہی۔ 1965' 1971' کارگل جنگ ہو یا پھر سیاچن سب کی بنیاد ہنوز کشمیر ہی ہے۔ کشمیر دنیا کی ایسی واحد مقبوضہ آبادی ہے جہاں رقبے اور آبادی کے لحاظ سے سب سے زیادہ فوج تعینات ہے۔ بھارتی دانشوراروں دھتی رائے کہتی ہیں کہ '' سات لاکھ فوجی ایک چھوٹی سی وادی میں تعینات ہیں جو ایک سوالیہ نشان ہے۔

ایک ارب تیس کروڑ کی آبادی والا بھارت جس کی اسی فیصد آبادی ہندؤوں پر مشتمل ہے جہاں آر ایس ایس' بجرنگ دل' شیو سینا' انسو منڈل' راشٹریہ' شیو جیتی سمیتی' رام ترن منڈل' رام جنجر سنگھٹن' لکشمی سینا اور وشوا ہندو پریشد جیسی تنظیمیں پروان چڑھ رہی ہیں جن کا نصب العین ہی مسلمان اور پاکستان کا خاتمہ ہے۔ ہندوستان کے کم و بیش سب ہی' سیاستدان ایسی تنظیموں کا سدباب کرنے میں تقریباً ناکام رہے ہیں۔ انتہا پسند ہندؤوں نے پورے ملک میں مسلمانوں کا جینا حرام کیا ہوا ہے۔ اس سب کے باوجود پاکستان افواج اور سیاستدانوں نے ہر موقع پر خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے پاک بھارت تعلقات کو بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ نریندر مودی صاحب نے جب تخت سنبھالا تو تقریب حلف برداری میں پاکستانی وزیراعظم سمیت سارک ممالک کے سربراہان کو شمولیت کی دعوت دی۔ وزیراعظم پاکستان نیک نیتی کے جذبات لیئے مودی کی تقریبِ حلف برداری میں شامل ہوئے اور بھارت سنورنے کے بجائے مزید سخت ہو گیا۔ انھوں نے نرم رویہ کو پاکستان کی

کمزوری سمجھ لیا'۔پاکستان کو تحفے میں ویشوا ہندو پریشد کے رہنماء ماہون بھاگوت صاحب کا قول ملا کہ ''آٹھ سو سال بعد ہندوستان پر ہندوؤں کی حکومت آئی ہے۔''یعنی اب اصل ہندو بھارت کے سر کا تاج بنا ہے'شاید اشارہ 2002 کے گجرات فسادات کی جانب تھا'جہاں وزیر اعلی نریندر مودی تھے اور مسلمانوں کا بہیمانہ قتل عام کیا گیا۔معصوموں کو ایسے انداز میں ذبح کیا کہ انسانیت شرمسار ہے۔پھر آسام میں ہونے والا قتل عام جس میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچوں کو نکالا گیا اور انھیں اس بے دردی سے ذبح کیا کہ آج ''کرشن چندر'' زندہ ہوتے تو ان کا قلم انسانیت کے دکھ سے تڑپ اُٹھتا۔ منگل کے روز بھارتی سیکرٹری خارجہ سبرامینم نے پاکستان کے وزیر اعظم 'سیکرٹری خارجہ اعزاز چوہدری'مشیر خارجہ سرتاج عزیز اور وزیر اعظم کے معاون خصوصی طارق فاطمی سے ملاقاتیں کیں۔ملاقاتوں میں دونوں جانب کے ہائی کمشنر ڈاکٹر ٹی ایس راگھوان اور عبدالباسط نے بھی شرکت کی۔بھارتی سیکرٹری خارجہ نے کہا کہ ہم نے ممبئی حملہ کیس اُٹھایا ہے اور اسے منطقی انجام تک پہنچانے کی بات کی ہے'سرحدی کشیدگی اور دہشت گردی کے ایشو بھی زیر بحث رہے ہیں۔پاکستان کے سیکرٹری خارجہ نے کہا کہ ہم نے سمجھوتہ ایکسپریس سمیت سر کریک'سیاچین 'سرحدی کشیدگی'بلوچستان اور قبائلی علاقوں میں بھارتی مداخلت کا مسئلہ بھی سیکرٹری خارجہ کے سامنے رکھا۔اعزاز چوہدری نے پریس کانفرنس میں کہا کہ

مذاکرات میں دونوں جانب کے عوام میں رابطے بڑھانے اور سارک تنظیم کو مزید وسعت دینے اور فعال بنانے پر اتفاق ہوا۔پریس کانفرنس میں سیکرٹری خارجہ نے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے کہا کہ 2003کے سیز فائر معاہدے کی پابندی اورڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنزکے درمیان رابطے سے حالات کی کشیدگی کو کم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

پہلے مرحلے کے اختتام پرپریس کانفرنس میں موجود' ترجمان دفترخارجہ تسنیم اسلم نے مذاکراتی عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس سے دونوں ہمسایہ ممالک کے درمیان منجمد تعلقات کی برف پگھلی ہے۔

مذاکرات کے دوسرے مرحلے میں وزیراعظم کے معاون خصوصی طارق فاطمی اوروزیراعظم کے مشیر سرتاج عزیز سے بھارتی سیکرٹری خارجہ نے الگ الگ ملاقاتیں کیں۔

وزیراعظم پاکستان کو نریندر مودی کی نیک خواہشات پر مبنی خط بھی پہنچایاگیا۔وزیراعظم نے اپنی ملاقات کے دوران اس بات کا اظہارکیاکہ جنوبی ایشیاوسائل سے مالامال ہونے کے باوجودپریشان حال ہے'جس کی وجہ خطے میں موجود کشیدگی ہے۔انہوں نے کہا کہ پاک بھارت کی ڈیڑھ ارب عوام کو بہم سہولتیں پہنچانے کیلئے ہمیں ڈائیلاگ کے ذریعے ایک دوسرے کے مسائل حل کرنے

کی جانب توجہ دینا ہوگی۔وزیر اعظم نے کہا کہ پر امن ہمسائیگی میرا ویژن ہے ۔وزیر اعظم نے کہا کہ سارک ایسا فورم ہے جو خطے کے تمام ممالک کو یکجا کرنے کی سہولت فراہم کرتا ہے ۔انہوں نے ستائیس مئی کو ہونے والی مودی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم دونوں کی خواہش تھی کہ تعلقات کو بہتر بنایا جائے ۔وزیر اعظم نے من موہن سنگھ اور واجپائی سے ملاقات کا تذکرہ بھی کیا۔انہوں نے کہا کہ اب ہمیں اپنے مسائل حل کرنے کیلئے ایک نئے اور معنی خیز باب کا اضافہ کرنا ہوگا۔تاہم پاک بھارت ملاپ کی اس گھڑی میں بھی مذاکرات کی بحال کیلئے کوئی ٹائم فریم نہیں دیا گیا۔پاکستان نے اس کے دوران کشمیر پر بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ وادی سے متعلق ہماری موقف کسی سے ڈھکا چھپا نہیں اور ہم ان مذاکرات پر بھی کشمیری رہنماؤں کو اعتماد میں لیں گے۔

پاکستان و بھارت کی تاریخ میں ایسے موڑ بھی آیا کہ جب یہ قیاس آرائیاں اپنے عروج پر پہنچیں کہ ماضی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دونوں ممالک مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے قریب پہنچ گئے ہیں۔منموہن سنگھ کا دور شاید اس میں نمایاں تھا ،مگر انہیں آگے نہیں بڑھنے دیا گیا۔نریندر مودی کی تقریب حلف.برداری میں وزیر اعظم پاکستان کی شمولیت کے بعد یہ تاثر دیا گیا کہ پاک آرمی ہندوستان سے اچھے تعلقات کی حامی نہیں جو کہ حقائق سے کوسوں دور تھا۔جس کا اثر آہستہ آہستہ از خود زائل ہو گیا کیونکہ پراپر گینڈا'' وزارت کے پہلے وزیر اعلی نے''

اپنی موت کے وقت کہا تھا کہ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ کچھ لوگوں کو کچھ وقت کیلئے بیوقوف بنا سکتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو بہت دیر کیلئے بھی بیوقوف بنا سکتے ہیں لیکن تمام لوگوں کو ہمیشہ کیلئے بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا"۔اور اسکے پراپیگنڈے کے پیچھے کارفرما ہاتھ کی اصلیت اس وقت کھل کر سامنے آ گئی جب پاکستانی ہائی کمشنر عبدالباسط نے دہلی میں کشمیری رہنماؤں سے ملاقات کی۔ جس کے بعد بھارت نے مذاکرات کے عمل کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا کہ کشمیری رہنماؤں سے ملاقات کرنے سے پہلے بھارتی سرکار سے اجازت کیوں نہیں لی گئی اور اس بے بنیاد بات کو وجہ بناتے ہوئے یعنی رائی کو پہاڑ بناتے ہوئے بھارتی سرکار نے مذاکراتی عمل کو منجمد کر دیا۔رہا یہ مسئلہ کہ بھارت نے اب مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کا عندیہ دیا ہے تو اس پر بات کرنے سے قبل اسکا پس منظر دیکھنا ہوگا تاکہ بھارت کے عزائم کی گتھی سلجھ سکے۔

بھارتی یوم جمہوریہ پر ڈیموکریٹک صدر اوباما نہ کہا تھا کہ بھارت اگر ہمارے ساتھ جوہری معاہدے اور ترقی کی منازل طے کرنا چاہتا ہے تو اسے مذہبی رواداری اپنانا ہوگی' انہوں نے یہ بھی کہا کہ سیکولر بھارت کا خواب دیکھنے والے گاندھی اگر اب زندہ ہو جائیں تو بھارت کی مذہبی اشتعال انگیزی دیکھ کر وہ ایک دفعہ پھر غش کھا جائیں گے۔ان کے اس بیان پر جہاں انہیں امریکی اخبارات نے پذیرائی بخشی وہاں نریندر مودی صاحب کی اقلیتوں پر مسلسل ہوتے مظالم پر جاری خاموشی

کو بھی انہوں نے تاک کر نشانا بنایا۔ صدر اوباما نے بھارت کو سلامتی کونسل کی مستقل نشست کا لولی پاپ دینے کا عندیہ بھی دیا۔ بھارت بھی جانتا ہے کہ یہ لولی پاپ امریکہ نے جنوبی کوریا اور جاپان کو بھی دے رکھا ہے اسلیئے اس دوڑ میں پھرتیاں دکھاتے ہوئے امن کے ٹھیکیدار کے آگے جی حضوری کرتے ہوئے گھی ٹیڑھی انگلیوں سے نکالنا ہوگا۔

دوسری جانب 67برس سے بارود کی آگ میں جلتے ہوئے اس خطے کی پوزیشن بدلتی جارہی ہے۔ پچھلے تیرہ سال سے جنگ کا سامنا کرنا والی افغان قوم کو اب ضدی حامد کرزئی کہ بجائے صدر اشرف غنی مل چکا ہے۔ پشاور سانحہ کہ بعد جنرل راحیل شریف کے افغانستان کے دورے کے بعد پاک افغان تعلقات اب بہتری کی جانب گامزن ہے۔ پاکستان نے ایک بیان میں کہا کہ افغان کا دشمن پاکستان کا دشمن ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان انٹیلی جینس شیئرنگ کے تعاون سے سانحہ پشاور کے ملزمان بھی پکڑے جاچکے ہیں اور ملا فضل اللہ کے گرد گھیرا تنگ ہوچکا ہے۔ بھارت عرصۂ دراز سے اپنے افغانستان میں موجود قونصل خانوں کے ذریعے پاکستان میں دہشت گردی کی کاروائیاں کروارہا ہے' جواب اسے محدود ہوتی نظر آرہی ہیں۔

نومبر میں افغان طالبان نے بھی چین کا دورہ کیا ہے۔ انکے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد کا کہنا ہے کہا ثالثی کا کسی کو نہیں کہا البتہ طالبان دنیا کو باور کرانا چاہتے

ہیں کہ اب بھی انکے اپنے ہمسایہ ممالک کیسے اچھے تعلقات ہیں۔ چین بھی طالبان کے ذریعے اپنی افغان سرحد کو محفوظ بنانے کی جستجو کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ آنے والے وقت میں طالبان اور افغان حکومت کے درمیان مذاکرات میں امریکہ کے ساتھ ساتھ سعودیہ عرب اور چین کا نمائندہ بھی شامل ہو۔ جبکہ 2013 کے برعکس اب امریکہ چاہتا ہے کہ افغان اپنے مسائل کا حل خود تلاش کریں اور ممکن ہے یہ معاملات افغان حکومت اور طالبان کے درمیان براہِ راست بھی طے پا جائیں۔ افغان حکومت اور طالبان کے درمیان مذاکرات میں پاکستان نے اپنی بھرپور مدد کا یقین دلایا ہے۔ اطلاعات ہیں کہ قاری دین محمد کی قیادت میں ایک وفد عنقریب پاکستان آئے گا۔ یہ سب وہ معاملات ہیں جس سے بھارت کے بیانات میں نرمی کی وجہ قرار دے سکتے ہیں۔

اب ہم بھارت کی اندرونی سطح پر اکے مسلمانوں کے لیئے جذبات کا جائزہ لیتے ہیں ۔ بھارتی جنتا پارٹی سخت گیر ہندو تنظیم آر ایس ایس کا سیاسی ونگ ہے' نریندر مودی جس کے بانی ممبر ہیں۔ دو ہزار چودہ میں ہونے والے لوک سبھا کہ انتخابات میں جس قدر انتہاپسندی کو موضوع بنایا گیا اور ابھارا گیا شاید اس سے قبل ہندوستان کی تاریخ میں اس قدر پرزور مہم نہ چلی ہو۔ ریاست کشمیر سے متعلق ایکٹ 370 جس میں اسے مسلم اکثریتی ریاست تسلیم کرتے ہوئے اس کی ڈیموگرافی تبدیل نہ کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے' اسے تبدیل کرنے کا وعدہ بی جے پی

کا انتخابی نعرہ تھا۔شمال مشرقی ریاستوں میں ہندو کے جذبات بھڑکاتے ہوئے بی جے پی نے کہا کہ اگر بی جے پی اقتدار میں آئی تو آسام میں صرف ایسے بنگلہ دیشیوں کو رہنے کی اجازت دی جائے گی' جو ہندو ہیں۔ مسلمانوں کو بھگا دیا جائے گا۔ نیشنل ڈیمو کریٹک فرنٹ آف بوڈو لینڈ جسے کانگریسی دور میں بھی درپردہ حمایت حاصل تھی اب آر ایس ایس وبی جے پی کی شہ پا کر کھل کر مسلمانوں کو قتل کر رہا ہے اور آسام میں مسلمانوں کا مال وزر تو کجا عزت بھی محفوظ نہیں۔آسام وہی ریاست ہے جہاں فسادات کے بعد مسلمانوں کی میتیں گلنے سڑنے لگیں تو ماضی کی ایک حکومت نے انکی تدفین کے بجائے ان پر بلڈوزر چلوائے۔گجرات 'اتر پردیش 'مدھیہ پردیش اور راجھستان کے بعد اب سنگھ کے ذریعے ndfb پریوار نے انیس سو چھیاسی سے قائم ہونے والی اس انتہاپسند تنظیم بوڈو مسلمانوں پر عرصۂ حیات انہی کی جنم بھومی میں تنگ کر رکھا ہے۔وہ وہاں کی آبادی کو تاثر دے رہے ہیں کہ مسلمانوں کی آبادی اگر اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو عنقریب ان ریاستوں میں ہندو اقلیت بن کر رہ جائیں گے 'اب ظاہر ہے اس طرح سے کسی بھی اکثریتی گروہ کے تعصب کو اُبھارا جائے تو وہ عصبیت کے زیر اثر اپنے سفلی جذبات کو پائے تکمیل تک پہنچانے میں بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔

ہندوستان میں مرکزی حیثیت میں اب ''لوجہاد'' ''گھر واپسی'' اور ''بھولاؤ بیٹی بچاؤ'' جیسی مکروہ تحریکیں اٹھ رہی ہیں۔لوجہاد کے ذریعے مسلمانوں کے جہاد پر

تمسخر اُڑا کر ہندوؤں کو ان سے خوف زدہ کیا جاتا ہے۔ گھر واپسی کے ذریعے مسلمانوں اور عیسائیوں کو دوبارہ ہندو بننے کی نہ صرف ترغیب دی جاتی ہے بلکہ کبھی دھونس' لالچ اور کبھی سماجی و معاشی ناطقہ بندی کے ذریعے اسے پروان چڑھایا جاتا ہے۔ ''بہولاؤ بیٹی بچاؤ'' جیسی سماج دشمنی' غیر اخلاقی تحریک کا مقصد ہے کہ ہندو مسلمانوں کی بیٹی سے شادی کریں اور اپنی بیٹی کو انکے گھرانے میں جانے سے روکیں۔ مذہبی جذبات اور اصولوں کے تحت اخلاقی تقاضہ تو یہی ہے کہ اگر لڑکی کو زبردستی مسلمان بیاہتا ہے تو یہ غلط ہے مگر جہاں وہ اپنی مرضی سے جاتی ہے تو اسے روکنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ جب اس کا مذہب بدل گیا تو دل خود بخود پرانی روایات سے اُچاٹ ہونا فطری امر ہے ۔ دوسری جانب مسلمان لڑکی زبردستی ہندو کی زینت بنائی جاتی ہے اور یہی اس تنظیم کا مقصد ہے تو یہ فعل قابلِ مذمت ہے' چاہے ایسا فعل مسلمان بھی انجام دے۔ سندھ و بلوچستان میں بھی ایسے اکا دکا واقعات دیکھنے میں آئے ہیں حکومتِ پاکستان کا فرض ہے کہ ہندو برادری کو تحفظ فراہم کرے۔ پاکستان پر اقلیتوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا مسلمانوں کا۔

کشمیر میں ایسے تباہ کن ہتھیار استعمال کیئے جارہے ہیں جن سے کشمیری کبھی بینائی کھورہے ہیں تو کبھی معذور ہورہے ہیں ۔ ان انسانیت دشمن ہتھیاروں میں سے بعض میں یورینیم استعمال کیا جاتا ہے' جو فوجی مشقوں میں استعمال کیئے جاتے ہیں

اور مقبوضہ کشمیر کے عوام انکے تابکاری اثرات سے زائل ہو رہے ہیں۔انسانیت کش ہتھیاروں میں ٹن پڑ رایکس پستول'پمپ ایکشن گن'پی بی ایل بندوق 'اور مرچی گرنیڈ شامل ہیں۔زہریلی گیس اور پیلٹ گن کے بے دریغ استعمال سے کشمیری بچے'بوڑھے اور جوان متعدد موذی امراض کا شکار ہو چکے ہیں۔پلیٹ گن کے استعمال پر حقوقِ انسانی کی تنظیموں کے ساتھ ساتھ میر واعظ عمر فاروق نے بھی فوری پابندی کا پرزور مطالبہ کیا ہے 'مگر بھارت کے انتہاپسندوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔انڈیا کا مقبوضہ وادی کیلئے 1990 سے قائم کردہ آرمڈ فورسز سپیشل پاورز ایکٹ ایسا مکروہ اور انسانیت دشمن قانون ہے کہ دہلی کے وزیر منیش سسوڈیا نے بھی ماضی میں اس پر تحفظات کا اظہار کیا 'جس پر انتہاپسندوں نے انکے دفتر پر بھی حملہ کیا۔اس ایکٹ کے تحت جنگی مجرموں کو تحفظ فراہم کیا گیا۔انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں میں بھارتی فوج کے کم و بیش پانچ سو کے قریب فوجی شامل ہیں'جن کا تذکرہ حال ہی میں انسانی حقوق سے متعلق ایک تنظیم نے کیا ہے۔2010 میں کشمیریوں کی تحریک سے گھبرا کر بھارتی فوجیوں نے جہاں ان پر مرچی گرنیڈوں سے حملہ کیا وہیں بھارتی سرکار کی جانب سے مقامی ٹی وی چینلوں پر پابندی عائد کر دی گئی' جو ہنوز جاری ہے۔ان تمام تر عوامل پر نظر دوڑانے کے بعد ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ بھارت میں موجود انتہاپسند کبھی بھی پاکستان کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔جب وہ اپنے ہم وطن مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں تو پھر پاکستان میں موجود مسلمانوں کے خیر خواہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

اقوام متحدہ میں وزیراعظم پاکستان کی مسئلہ کشمیر پر تقریر اور ایک غیر ملکی سربراہ کے بھارت کے دورے کے بعد گزشتہ سال سے کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر بھارت کی اشتعال انگیزی مسلسل بڑھ رہی ہے۔حال ہی میں پاک فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف سیالکوٹ تشریف لے گئے اور ہم وطنوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بھارت کو اپنی توپیں خاموش رکھنے کا کہا'انہوں نے مزید کہا کہ اگر بھارت باز نہ آیا تو اسے منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔ان کا کہنا تھا کہ بھارت ہماری امن کی جانب پیش قدمی اور علاقائی استحکام کیلئے نرم گوشہ رکھنے کو ہماری کمزوری نہ سمجھے۔اسکے ساتھ ساتھ اسوقت آئی ایس آئی کے سربراہ لیفٹننٹ جنرل رضوان اختر امریکی دورے پر ہیں۔ان کے ساتھ انسدادِ دہشت گردی کے ڈائریکٹر جنرل میجر جنرل طارق قدوس بھی امریکی دورے پر ہیں ۔لیفٹننٹ جنرل رضوان اختر نے افغان قونصل خانوں کی پاکستان میں انتہاپسندی سے متعلق ثبوت بھی امریکہ کو دیئے ۔اس سے قبل بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ کو پاکستان کے اسوقت کے وزیراعظم یوسف رضاگیلانی نے بھی پاکستان کے قبائلی علاقوں اور بلوچستان میں دراندازی کے بھارتی سے متعلق شواہد پیش کیئے تھے۔

یہ ہے وہ پس منظر جس کے دباؤ میں آ کر بھارت نے پاکستان کے ساتھ کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کی بات کی ہے۔اس بات میں شک نہیں کہ پاکستان اس دباؤ سے

باہر نکل آیا ہے جو امریکی صدر کے حالیہ دورہ بھارت سے تخلیق ہونا تھا یا ہوا تھا۔اس میں صدر اوباما کہ دورے بھارت کے دوران جنرل راحیل کے دورہ چین 'پھر اشرف غنی سے ملاقات ' اور اب آئی ایس آئی چیف کی امریکہ موجودگی اور ثبوت پیش کرنے نے اہم کردار ادا کیا۔یہاں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ بھارت اب بھی اپنی روایتی لیت ولعل ہی سے کام لے گا۔

بھارتی میڈیا اب بھی ہرزہ سرائی کر رہا ہے کہ یہ معمول کے مطابق دورہ ہے اور اس سے مسئلہ کشمیر کے حل کی اُمید لگا لینا درست نہیں ۔انکی یہ بات بھارت کی سرکشی کی منہ بولتی تصویر ہے ۔وہ بھارت جو پاکستان کے پانی کو غصب کرکے بیٹھا ہے 'جس کا پاکستانی دریاؤں پر کم وبیش ایک سو پچپن ڈیم بنانے کا ارادہ ہے 'جس میں سے پینسٹھ کا اعتراف من موہن سنگھ بھی کرچکے ہیں 'بھارت 2002 میں مقبوضہ وادی کی کٹھ پتلی حکومت کے توسط سے مقبوضہ کشمیر کی اسمبلی میں یہ قرارداد منظور کرواچکا ہے کہ موجودہ سندھ طاس معاہدہ ریاست کشمیر کے مفاد کے منافی ہے اسے تبدیل کیا جائے 'پھر کس طرح پاکستان کے ساتھ دوستی کا روادار ہو سکتا ہے۔ہاں اگر اسے ایسا کرنا ہے تو اس اپنے اندر موجود انتہاپسندوں کو روکنا ہوگا۔سیاسی مصلحتوں سے ہٹ کر نئی راہ پر چلنا ہوگا مگر افسوس کہ تاحال اس کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ۔بھارت نے حال ہی میں اپنے بجٹ میں بارہ اشاریہ پانچ فیصد اضافے کے ساتھ اسے 2467 ارب تک بڑھا دیا ہے۔اس جنگی جنون کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔حال ہی میں امریکی سنٹرل

کمانڈ کے سربراہ جنرل لائیڈ آسٹن نے کہا ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی خطے کے استحکام اور افغان سٹریٹیجی کیلئے سنگین خطرہ ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس سب کے پیچھے وہ مخصوص سوچ کاربند ہے جو پچاس برس سے دونوں ممالک کے درمیان فاصلے پیدا کیئے ہوئے ہے۔اسی سوچ نے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بننے میں مدددی اور پھر اس کے قیام پر کہا کہ اب دوقومی نظریہ دھان کے کھیتوں میں دفن ہوگیاہے۔ظاہر اسکا ریکشن ضروری تھا۔دونوں جانب کے سربراہان اسوقت تک کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں کر سکتے جب تک کے عوام کے دلوں کے فاصلے کم نہ کیئے جائیں ۔ایسا کرنے کیلئے سازشی دماغوں کو قدغن لگانا ہوگی اور دونوں ممالک کو استعماری قوتوں کے ہاتھوں کھلونا بننے سے بچنا ہوگا۔۔ سمجھوتہ ایکسپریس کے منصوبہ سازوں نے اپنے ہی اہل وطن ہندوؤں کو بھی ہندی مسلمانوں اورپاکستانی مسلمانوں کے ساتھ اس لیئے جلادیاتاکہ پاکستانی ایجنسی پر اسے تھوپ کر ہندوکو بھڑکایاجاسکے۔یہ تو نہیں کہاجاسکتاکہ بھارت کے اسی فیصد ہندوہی پاکستان کے دشمن ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ وہاں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کی خبریں جب پاکستان پہنچتی ہے توپاکستانی مسلمان یہ سوچ کر سجدہء شکرادا کرتے ہیں کہ ہم آزاد ہوگئے تھے لیکن ساتھ ہی ایک امت ہونے کے ناطے ان کے دل میں ہندی مسلمانوں کیلئے محبت جاگتی ہے اور ہندو سے نفرت جنم لیتی ہےپاکستان کے مسلمان میں تعداد میں اٹھارہ کروڑ کے لگ بھگ ہیں 'ایک امت ہونے کے ناطے انہیں بھارت سے اس لیئے

بھی دوستانہ تعلقات رکھنے چاہیں تاکہ وہاں موجود بیس کروڑ کے قریب مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جاسکے' اگر پاکستان کا مقصد اسلام و مسلمانوں کا تحفظ ہے تو پھر انہیں ایسا کرنا ہوگا۔اسکے ساتھ ساتھ دونوں ملکوں کے قریب آنے کیلئے نصاب میں بھی ایسے اسباق شامل کیئے جائیں جو دونوں ممالک کے تحفظات کا احاطہ کرتے ہوئے ان کی قربت کو اہمیت دیں تاکہ نئی نسل جنگ سے محفوظ رہ سکے۔

مسئلہ کشمیر کا حل تب ہی نکل سکتا ہے جب ہندوستان اپنی رائے عامہ کو اس جانب گامزن کرے' اکیلی بھارتی حکومت کسی طور بھی اس بات کی متحمل نہیں ہوسکتی کہ کشمیر میں رائے شماری کروائے' مگر ایسا کرنے کیلئے اسے پہلے انتہاپسند رہنماؤں یوگی آدتیہ ناتھ' پروین توگڑیا' اشوک سنگھل کو روک لگانا ہوگی۔جو تاحال ناممکن نظر آتا ہے کیونکہ اگر بی جے پی نے ایسا کیا تو غالب امکان ہے کہ آر ایس ایس ان کا ساتھ چھوڑ دے گی۔پاکستانی عوام کی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ جو چیز بھارت سے سستی دستیاب ہے اسے بھارت سے ہی حاصل کیا جائے' مہنگی چیز کیوں خریدی جائے۔پاکستانیوں کو بھی اپنی صفوں سے ایسے افراد کو نکالنا ہوگا جو دشمنی برائے دشمنی کے قائل ہیں۔اقتصادی ترقی کیلئے دونوں ممالک کو قریب آنا ہوگا۔جنگ یا دشمنی کسی مسئلہ کا حل نہیں ہوتی۔کرکٹ کے بعد تجارت ہی سے دونوں ممالک قریب آسکتے ہیں۔یقیناپاکستان کی طرح ہندوستان کے تاجر کا بھی پریشر ہوگا کہ بھارتی حکومت پاکستان کے ساتھ تجارتی معاہدے کرے۔ان دونوں

ممالک کے بیچ دشمنی نہ صرف انکے عوام' جنوبی ایشیا بلکہ عالمی امن کیلئے بھی خطرہ ہے۔استعماری قوتوں کو چاہیئے کہ اپنے اسلحہ کی منڈی تلاش کرنے کے بجائے ہندوستان پر درست معنوں میں زور دیں کہ وہ پاکستان کی طرف خلوص سے بڑھے۔بین الاقوامی ذرائع ابلاغ اس بارے نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں رائے عامہ ہموار کرکے پاکستان و بھارت کے عوام کو قریب لا سکتا ہے۔اور یہی عالمی امن کیلئے سازگار و بہترین ہے وگرنہ ایٹمی جنگ سے عالمی امن کو بھی خطرہ ہوگا۔

سائیڈ سٹوری:

پاک بھارت دوستی کیلئے کشمیر کا حل ناگزیر ہے۔جس پر بات چیت کے ایک سو چونتیس دور ہو چکے ہیں۔مسئلہ کشمیر کے حل کیلئے ضروری ہے کہ بھارت اپنی عوامی رائے کو بدلتے ہوئے انتہاپسند رہنماؤں پروین توگڑیا' اشوک سنگھل اور یوگی آدتیہ ناتھ کو رام کرے۔مسلمان کجا ہند میں عیسائی بھی محفوظ نہیں' حال ہی میں ایک دہشت گرد گروہ کا کہنا ہے کہ ''ایک دن ایسا آئے گا کہ ہندوؤں کے گرجا گھروں کی دیواریں بھی منہدم ہو جائیں گی اور سرزمینِ ہند فقط ہندوؤں کی ہوگی۔

پاکستان کے مسلمان تعداد میں اٹھارہ کروڑ کے لگ بھگ ہیں' ایک امت ہونے کے ناطے انہیں بھارت سے اس لیئے بھی دوستانہ تعلقات رکھنے چاہیں تاکہ وہاں

موجود میں کروڑ کے قریب مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکے۔ یہ سب کچھ بھارت بارے سخت موء قف رکھنے والے پاکستانیوں ' دانشوروں 'امراء اور متحارب قوتوں کو بھی سمجھنا ہوگا۔

بین الاقوامی ذرائع ابلاغ اس بارے نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیامیں رائے عامہ ہموار کرکے پاکستان و بھارت کے عوام کو قریب لا سکتا ہے۔اور یہی عالمی امن کیلئے سازگار و بہترین ہے۔

بھارتی زبانی جمع خرچ میں نرمی کی وجہ آئی ایس آئی چیف کی بھارتی دراندازی کے ثبوت امریکی حکام کو پیش کرنا اور افغانستان و پاکستان کے تعلقات کی بہتری ہے۔

پاک بھارت دوستی کیلئے ضروری ہے کہ بھارت پاکستانی دریاؤں کے بہاؤ کو روکنے کیلئے ڈیم بنانے کا منصوبہ ترک کرتے ہوئے سندھ طاس معاہدے کی پابندی کرے۔ ستلج 155 چناب ' بیاس اور دریائے کابل کو تو وہ پہلے ہی نقصان پہنچا چکا ہے۔اب رتلی ڈیم ' پاکال دل 'لوئیر کئی ہائیڈرو جیسے متنازعہ منصوبوں پر مذاکرات کے باوجود تاخیری حربے استعمال کر رہا ہے۔

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ہندوستان کو ہندوراشٹریہ بنانا ہندوستان کی اسی فیصد ہندوآبادی کیلئے مشکل نہیں۔ان کا ملک ہے اوران کا مذہب' ہمیں فقط یہی اعتراض ہے کہ ''لوجہاد'' ''گھرواپسی'' اور''بہولاؤبیٹی بچاؤ'' جیسی اقلیت کش تحریکیں اگراُٹھیں تو یہ انسانی حقوق اورمذہبی رواداری کے خلاف ہے۔اس سے نہ صرف بھارت کے بیس کروڑ مسلمانوں اورعیسائیوں کو قلق ہوگابلکہ ہندوستان بھی بٹ جائے گا۔ہندوریاست بنانا ہے توبنایئے مگراقلیتیوں کے حقوق پر ڈاکہ زنی بند کیجئے۔

دہشت گردی کی سلگتی آگ کہیں راکھ میں نہ چھپ جائے

دہشت گردی کا خمیر کسی ایک مذہب ٗتہذیب ٗمعاشرے یا سماج سے نہیں اُٹھتا بلکہ اس کے پیچھے کئی دہائیوں پر محیط معاشی ٗسماجی ٗعسکری ٗمذہبی اور علاقائی حق تلفیوں کی لمبی داستان کارفرما ہوتی ہے۔تاریخ کے جس دور میں بھی اس نے جنم لیا ٗاس کا لب لباب ہر طرح سے حق تلفی ہی تھا۔

جنوبی ایشیا میں اسکی پہلی جھلک کا حتمی تعین تو نہیں کیا جاسکتا لیکن ہماری دانست میں یہ عنصر انگریز سامراج کی ''لڑاؤ اور حکومت کرو پالیسی'' کے بعد اپنی پوری قوت سے سامنے آیا۔ تقسیمِ ہند کچھ اس انداز میں کی گئی کہ برصغیر میں آج تلک سکون نہیں۔اسکے بعد 1979 سے لے کر 1989 تک لڑی جانے والی امریکہ وسوویت یونین کی جنگ نے عمومی طور پر اس خطے اور خصوصی طور پر پاک ٗافغان اور بھارت کے درمیان لاتعداد مسائل کا انبار لگادیا۔پہلے پاک بھارت جنگ یا تنازع کشمیر تک محدود تھا اور اب افغانستان میں اثر ورسوخ اور ان ڈائریکٹ تسلط کا ہما بھی دونوں جانب پوری قوت سے بیٹھا ہوا ہے ٗاور یہ اس خطے کی جغرافیائی حدود ہی کی مرہون منت ہے ٗپاکستان کی تو افغانستان سے سرحدیں ٗثقافت ٗزبان اور مذہب ملتا ہے ٗآخر بھارت کسی زعم میں افغانستان میں

اثرورسوخ کا دعوے دار ہے ؟۔دوسری جانب امریکہ نے ایک خاص مذہبی نظریے کی ترقی وترویج کے بعد اپنے اگلے پلان کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے افغانستان میں تسلط حاصل کرنا چاہاتو اس جنگ میں جنرل پرویز مشرف نے بھی حصہ لیا اور یہ جنگ جو جسمانی طور پر افغانستان اور نظریاتی طور پر پاکستان میں لڑی جارہی تھی اپنی پوری آب وتاب کیساتھ پاکستان کی سرزمین کی جانب سرکنے لگی۔ایک مخصوص آب وہوا اس خطے میں پہلے ہی سرایت کرچکی تھی۔ کسی خاص مقصد کے تحت جنوبی ایشیاکے ایک ملک میں انقلاب کے بعد پاکستان میں اکابرین کی گستاخیاں اپنے عروج پر پہنچ چکی تھیں' دوسری جانب سے ایک اورمذہبی ملک نے اسکاجواب دینے کیلئے اپنے ہمنوالوگوں کی امداد کرکے موثر جواب دینے کی کوشش کی 'جس کا نتیجا پاکستان کو بہر طور بھگتنا تھا۔بلوچستان میں معدنیات اوراس کے کچھ حصے پر ہمسایہ ملک کے دعوے نے حالات کا رخ کسی اور جانب موڑ دیا۔بھارت جو پہلے ہی مقبوضہ کشمیر پر اپنا تسلط برقرار رکھنا چاہتا تھا'ایک پڑوسی ملک کے تعاون سے پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی کو فقہ وارانہ انتہاپسندی کانام دینے میں کامیاب ہوگیا۔انتہاپسندی کی اس جنگ میں پوری دنیاکے مسلمان کو اس طرح استعمال کیاگیاکہ عثمانی خلافت کے بعد اسے دنیاپر حکمرانی کے خواب دکھائے گئے اوردوسری جانب اسکے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کیلئے کبھی سرورکائنات' رحمت اللعالمین کی شان میں گستاخی کی گئی اور کبھی فلسطین 'چیچنیا'قبرص'کشمیر'یمن'صومالیہ الجزائر'عراق'اورشام میں مختلف ہتھکنڈوں'

کے ذریعے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ اسطرح افغانستان کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا کہ یہاں افغان و سوویت نہیں بلکہ عالم اسلام اور کفر نبرد آزما ہے اور اس جنگ کے بعد مسلمان دنیا پر حکمرانی کے لیئے آگے بڑھیں گے، جس کا نتیجا یہ نکلا کہ تمام عالمِ اسلام سے مسلمان اس جنگ میں کود پڑے۔ باقی جو مسلمان جہاں تھا، وہ سفید فام سے قربت محسوس نہ کر سکا، استعمار نے میڈیا کے زیر اثر مسلم کو معتوب بنا دیا اور پھر چند مسلم دیارِ غیر میں بھی انتہا پسند تنظیموں کے ہاتھ استعمال ہونے لگا، جس سے عالمی سطح پر اجاگر کرنے میں کارپوریٹ میڈیا نے پوری قوت لگا دی اور اسلام اور پاکستان کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔

استعمار نے اپنے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے کراچی میں لسانی اور مقامی و مہاجر کا جھگڑا کھڑا کیا۔ خیبر پختونخواہ پہلے ہی اپنی جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے آگ میں جھلس رہا تھا۔ بلوچستان میں محرومیوں کے شکار لوگوں کو مختلف این جی اوز اور غیر ملکی انٹیلی جینس اداروں کے ذریعے بندوق تھما دی گئی۔ پنجاب میں اہل بیت و اصحاب رسول ﷺ کی گستاخیاں کروا کر اسے بھی جہنم زار بنانے کی مکمل پلاننگ کی گئی، جس کے اثرات باقی ماندہ صوبوں پر بھی پڑنا یقینی امر تھا۔ اس سب میں پاکستان میں اقتدار کی رسہ کشی کا بہت عمل دخل رہا۔ سیاست دان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی جستجو میں اصل ہدف سے ہٹتے رہے، جس کے نتیجے میں لاقانونیت، غربت، جاہلیت اور معاشی ناہمواری نے بہت سے

قانون شکن پیدا کر دیئے 'جو انتہا پسندانہ عزائم رکھنے والی تنظیموں کے سر غنے بنے اور بعد میں دولت کے ڈھیر جمع کر لینے کے بعد سیاست میں بھی اپنے کارندے پیدا کر لیئے ۔اسطرح سیاسی دہشت گردی کی ایک نئی آگ پاکستان میں جنم لینے لگی۔سیاست میں موجود ان لوگوں نے بالعموم ملک اور بالخصوص پاکستان کی شہ رگ کراچی میں اپنی اپنی جماعت کے عسکری گروہ ترتیب دے لیئے۔اب یہ عناصر اتنی قوت اختیار کر چکے ہیں کہ بعض جماعتیں چاہتے ہوئے بھی انہیں اپنے آپ سے الگ کرنے میں ناکام رہی ہیں۔یہ لوگ بھتہ مافیا'اغوا برائے تاوان'منشیات'ٹارگٹ کلنگ اور فقہ وارانہ تشدد کے ذریعے اپنی مالی مشکلات کا غم غلط کرتے ہیں اور انہیں روکنے میں سیاسی مصلحتیں پاؤں کی زنجیر اور گفتار کی لگام بن چکی ہیں۔

پھر 16 دسمبر 2014 کا وہ تاریک ترین دن آیا جس میں معصوم طالب علموں کو ان نام نہاد مسلمانوں نے شہید کیا جو اپنے زعم میں سب سے بہتر مسلمان ہیں۔بربریت سفاکیت 'اور ظلم کی انتہا کی یہ مکروہ تصویر ایسی کربناک تھی کہ سیاسی قیادت کو ایک صفحہ' پر آنا پڑا' یہ عمل خوش آئند تھا۔پھر آئین میں 21 ترمیم کی گئی ۔پارلیمنٹ میں موجود 247 افراد کی حمایت سے اسے منظور کر لیا گیا۔اس ترمیم کی منظوری میں جماعت اسلامی اور juif نے حصہ نہیں لیا اور تحریک انصاف حکومت سے اختلافات کی بناء پر اسمبلی میں موجود نہیں تھی۔اس پر مولانا فضل الرحمٰن نے اپنا موء قف پیش کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گردی کو مذہب سے نہ جوڑا جائے۔دہشت

گردی تو دہشت گردی ہوتی ہے' اس کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔اگر لفظ مذہبی دہشت گردی استعمال کیا گیا ہے تو پھر سیاسی دہشت گردی کا لفظ بھی استعمال کیا جانا چاہیئے اور سیاسی دہشت گردوں کیخلاف بھی فوجی عدالتوں میں کاروائی ہونی چاہیئے۔

اکسویں آئینی ترمیم سے 1952 کے آرمی ایکٹ میں ترمیم کی منظوری دی گئی۔ان عدالتوں میں آنے والے کیسز کی کوئی اپیل نہیں ہوگی۔ان عدالتوں میں مقدمات آرمی ایکٹ کے تحت چلائے جائینگے لیکن ان کی منظوری یا اجازت جمہوری حکومت ہی دے گی۔یہ عدالتیں دوسال تک کارگرہوں گی۔ان عدالتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے محترم رضاربانی نے انہیں پارلیمنٹ کی موت قرار دیا تھا۔جبکہ مختلف ساستدانوں نے اس پر رائے دیتے ہوئے کہا کہ یہ مخصوص حالات کی وجہ سے قائم کی گئی ہے اور ایسا دنیا کے کئی ممالک میں ہوتا آیا ہے۔یہاں امر قابل ذکر ہے کہ جنرل کیانی کے سوات آپریشن سے لے کر ضرب عضب تک افواج پاکستان کی گہری دلچسپی ہی اس ناسور سے پیچھا چھڑانے کی کوششوں میں نمایاں رہی۔فوجی عدالتوں میں اول درجہ کے جوڈیشل مجسٹریٹ کی تعیناتی کا معاملہ ابھی تک کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔میڈیا رپورٹ کے مطابق 15 فروری کو صوبائی حکومتوں کی جانب سے متعلقہ ہائی کورٹس کو خط تحریر کیئے گئے تھے کہ صوبوں میں فوجی عدالتوں میں سماعت کیلیئے آنے والے مقدمات کے ملزمان کے اقبالی بیانات قلمبند کرنے کیلیے

جوڈیشل مجسٹریٹ تعینات کیئے جائیں تاکہ ضابطہ کے مطابق ابتدائی کاروائی کا آغاز کیا جائے۔جس کے نتیجے میں ہائیکورٹس نے جواب دیا کہ جوڈیشل مجسٹریٹ کی تعیناتی کا اختیار پچیس اکتوبر 2001 سے ہی ڈسٹرکٹ اور سیشن ججز کو سونپ دیا گیا ہے۔اس ضمن میں متعلقہ اضلاع کے سیشن ججز سے ہی رجوع کیا جاسکتا ہے۔اگر اسی رفتار سے ہماری کوششیں جاری رہیں تو کہا جاسکتا ہے کہ فوجی عدالتوں کی کاروائی شروع کرنے میں بہت تاخیر ہوجائے گی۔درحقیقت سیاسی زعماء کہنے کو تو ایک صفحہ پر ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض سیاست دان اکثر مواقع پر اپنی سیاسی مفادات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی قدم اُٹھاتے ہیں۔

پنجاب میں اسوقت افغان بھائیوں کی تعداد169,911 ہے جو کہ اس صوبہ کے تینتیس شہروں میں مقیم ہیں۔اپنے حالیہ بیان میں وزیراعلی پنجاب نے کہا ہے کہ انٹیلی جینس اداروں کو بہت جلد جدید خطوط پر استوار کرکے اس قابل بنایا جائے گا کہ ہر شہری کی نقل وحرکت پر نظر رکھی جاسکے۔مزید کہا کہ انسدادِ دہشت گردی فورس کا پہلا دستہ میدانِ عمل میں اُترچکا ہے۔دوسرا جون اور تیسرا رواں برس میں اگست کے مہینے تک اپنی تربیت کے تمام مراحل طے کرچکا ہوگا۔

جنوری کو وزیراعظم پاکستان جناب میاں نواز شریف نے کراچی میں ایکسپو کی 26 تقریب سے خطاب کے دوران کہا کہ فتنہ پھیلانے والی تنظیموں کو معاف نہیں کیا

جائے گا۔بندوق صرف ریاست کے پاس ہو گی۔ملیشیا جس جگہ ہو گی نہیں چھوڑیں گے۔کراچی سے خیبر تک دہشت گردوں کا صفایا کریں گے۔ملکی برآمدات بھی پچاس ارب ڈالرز تک لے جائیں گے۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ پاکستان میں انتہاپسندی کے فروغ میں جہاں مختلف ممالک کی ایجنسیاں کارفرما ہیں وہیں ہمارا ہمسایہ ملک بھارت بھی پوری آب وتاب کیساتھ اس کی سرپرستی کر رہا ہے۔ان باتوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وفاقی وزیر داخلہ خواجہ آصف نے بھی اعتراف کیا کہ پاکستان میں حالیہ دہشت گردی میں انڈیا ملوث ہے اور اس پر ہمیں سخت در عمل دینا ہوگا۔وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار افواج پاکستان کے ترجمان'ڈائریکٹر جنرل جناب عاصم سلیم باجوہ بارہا اس بات کا اظہار کر چکے ہیں کہ سرحد پار سے ہمارا ہمسایہ ٹی ٹی پی کر سرپرستی میں ملوث ہے۔

کے سربراہ لیفٹنٹ جنرل رضوان اختر اپنے پہلے دورہ امریکہ پر isi اس وقت ہیں۔رپورٹس کے مطابق انہوں نے امریکی انتظامیہ کے حکام سے ملاقاتوں کے علاوہ سی آئی اے'امریکی محکمہ دفاع'امریکی نیشنل سیکورٹی کے حکام سے بھی تفصیلی ملاقاتیں کیں اور نازک امور پر اور حساس معلومات کی شراکت پر مذاکرات کیئے۔اطلاعات کے مطابق انہوں نے امریکہ کو واشگاف الفاظ میں باور کروایا ہے

کہ ایک جانب بھارت سرحدی اشتعال انگیزی کے ذریعے پاکستان کی دہشت گردی کے خلاف جنگ کو متاثر کررہاہے تودوسری جانب افغانستان میں موجود اپنے کارندوں کے ذریعے پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی کی سرپرستی کررہاہے۔اطلاعات کے مطابق انہوں نے کچھ شواہد بھی امریکی حکام کو پیش کیئے ہیں۔امریکی اداروں پر اس بات کو واضح کیاکہ پاک افغان تعاون سے انتہاپسندوں کے حوصلے پست ہورہے ہیں اوردونوں ممالک کے درمیان اچھاماحول پیداہورہاہے۔انہوں نے مزید کہاکہ پاک افغان انٹیلی جینس شیئرنگ کو مزید بڑھاکردہشت گردی کیخلاف موثراورزیادہ کامیابیاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ان کے ساتھ انسدادِ دہشت گردی کے ڈائریکٹر جنرل میجرجنرل طارق قدوس بھی امریکی دورے پر ہیں ۔جواس بات کی جانب واضح اشارہ ہے کہ آئی ایس آئی کے سربراہ کایہ دورہ انسدادِ دہشت گردی اوراس سلسلے میں انٹیلی جینس اشتراک اورباہمی تعاون پر مشتمل ہے۔

پاک فوج کے ترجمان کے مطابق جمعرات کو پاک فوج کے چیف جنرل راحیل شریف نے سیالکوٹ ورکنگ باؤنڈری کادورہ کیااوربھارتی اشتعال انگیزی سے متاثرافراد کی حوصلہ افزائی کی۔انہوں نے کہاکہ بھارت مسلسل ورکنگ باؤنڈری اورکنٹرول لائن پرجنگ بندی کی خلاف ورزیاں کررہاہے،جس کا مقصدعلاقائی استحکام کو نقصان پہنچانااورپاکستان کی دہشت گردی کیخلاف جنگ کی راہ میں روڑے

اٹکانا ہے۔انہوں نے کہا کہ کوئی کسی خوش فہمی میں نہ رہے سرحدوں کی خلاف ورزی کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔انہوں نے متاثرہ گاؤں کے اہل وطن کیساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے کہا کہ پوری پاکستانی قوم وطن کے دفاع کیلئے افواج پاکستان کیساتھ کھڑی ہے۔

سینٹ کا قائمہ کمیٹی کو نادرا کی جانب سے بتایا گیا کہ 70161 غیر ملکیوں کو پاکستان میں میں رہائش کی سہولیات فراہم کرنے کیلئے دستاویزات فراہم کی گئیں۔ان میں بنگلہ دیش'ایران'عراق'وسطی ایشیا اور افریقہ کے ممالک شامل ہیں۔تاہم افغان مہاجرین اس میں شامل نہیں۔اجلاس میں بتائے گئے نادرا حکام کے اعداد و شمار کے مطابق اسوقت ملک کے طول و عرض میں 320000 سے زائد افغان مہاجرین رہائش پذیر ہیں ۔جن میں کم وبیش 16 لاکھ غیر رجسٹرڈ افغان شامل ہیں۔سہ فریقی معاہدے کے مطابق اکتیس دسمبر 2015تک افغان مہاجرین اپنے ملک واپس لوٹ جائیں گے۔کمیٹی نے عروس البلاد کراچی اور اسکے گردونواح میں پھیلے افغان مہاجرین کی نقل وحمل پر کڑی نظر رکھنے اور انکی سرگرمیاں محدود کرنے کی ہدایت بھی جاری کی۔

اگر عالمی سطح پر دہشت گردی کو دیکھا جائے تو کہنے کو توفرانس میں دنیا کے سرکردہ رہنماؤں نے عالمی امن واک کی لیکن اس ملک میں دنیا کے دوسرے بڑے مذہب

کے بانی سرورکائنات 'حضرت محمد ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی گئی۔پھر چارلی ہیبڈو پر حملہ ہوا' جسے ایک فرانسیسی سیاستدان نے بھی مشکوک قرار دیتے ہوئے اسے مسلمانوں سے جوڑنے کی مذمت کی۔پوری دنیاکے مسلمان سراپااحتجاج بن گئے اورامریکہ ویورپ نے اسے اظہار رائے کی آزادی قرار دے کر اسکی حمایت کی۔کیتھولک دنیاکے پوپ بھی اس گستاخی پر سراپااحتجاج بن گئے لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ایک طرف توامریکااپنے سیکورٹی اداروں کے مظالم کو فاش کرنے والے اپنے اہلکاروں کیخلاف کروائی کرتاہے تودوسری جانب رسالت ماب ﷺ کے گستاخوں کوآزادیء اظہاررائے کاتمغہ عنایت کرکے کھلی چھٹی دے دیتاہے ؟کیا یہ دوہرا معیار نہیں۔ صدر اوباماکہتے ہیں کہ دہشت گردی کیخلاف جنگ اسلام کیخلاف نہیں لیکن دوسری ہی سانس میں کہہ جاتے ہیں کہ یہ ان عناصر کیخلاف ہے جو مذہب کا نام استعمال کرنے والے مسلمان ہیں۔دنیاآج تک القاعدہ کے بانی کوتلاش کررہی ہے کہ اسکے پیچھے کس کاہاتھ کارفرماتھا۔اب داعش منصہ شہودپرآئی ہے توپاکستان کے بڑے تجزیہ نگاور بعض عالمی امورپر نظررکھنے والے غیرملکی دانشورراسے بھی مشکوک قراردے رہے ہیں۔امریکہ بھارت جیسے ملک کو جہاں وی ایچ پی اورآرایس ایس جیسی تنظیمیں مکمل طورپر فعال ہیں اسکو نیوکلیئر سپلائر گروپ میں شامل کرنے کا اظہار کرتاہے اورپاکستان پر توجہ ہی نہیں دیتا۔یہ سب پاکستانی سیاست دانوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہے کہ ذاتی اختلافات بھلاکراب ملک کوترقی کی جانب لے کر چلناہوگا۔تب ہی انتہاپسندی کاڈٹ کر

مقابلہ کیا جاسکے گا۔ بھارت 1 ارب 30 کروڑ آبادی کے ساتھ امریکی مصنوعات کا گڑھ بن سکتا ہے' جس کی وجہ سے امریکہ اس کی جانب کھنچا چلا آ رہا ہے۔ امریکی صدر نے اپنے دورہء بھارت میں ہندوستان کو سیکولر ریاست کی حیثیت سے اقلیتوں کے حقوق اور پاکستان سے تعلقات کی بہتری کا عندیہ دیا تھا۔ جس پر نریندر مودی صاحب نے میاں نواز شریف کو کال کر کے بتایا کہ بھارتی سیکرٹری خارجہ ایس جے شنکر پاکستان کا دورہ کریں گے اور کشمیر سمیت تمام ایشوز پر بھارت بات چیت کیلئے تیار ہے۔ اس ضمن میں دفتر خارجہ کی ترجمان تسنیم اسلم کا کہنا ہے کہ ایس جے شنکر اپنے دورے کے دوران پاکستانی سیکرٹری خارجہ اعزاز احمد چوہدری کے ساتھ ملاقات کریں گے اور دو طرفہ امور پر بات ہو گی جس میں ورکنگ باؤنڈری' کشمیر' سر کریک' سیاچین' پانی تجارت اور عوامی سطح پر رابطوں کے فروغ پر بات چیت ہو گی۔ اس دورے کو پاکستان میں مختلف زاویوں سے دیکھا جا رہا ہے جو کہ سارک ممالک کے دورے میں شامل ہے۔ ہاں یہ بات قابل غور ہے کہ بھارت نے کشمیر کے ایشو پر بات چیت کا کہا ہے لیکن کچھ حلقے یہ کہہ رہے ہیں کہ اس طرح اس نے ایسا دنیا پر اپنی مبینہ اقلیتی حقوق کی خلاف ورزیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے کیا ہے۔ جبکہ کچھ حلقے اسے مثبت اقدام قرار دیتے ہوئے خطے میں امن کی جانب بڑھتا ہوا قدم قرار دے رہے ہیں۔

بھارت اگر مثبت قدم اُٹھاتا ہے تو اس سے خطے میں پائیدار امن قائم

اور رلکے isi ہو سکتا ہے۔سابق جنرل پرویز مشرف نے کچھ دنوں پہلے بیان دیا تھا کہ درمیان موجود جمود کو توڑ کر اعتماد بحال کرنے سے خطے میں امن کی بحال میں مدد ملے گی۔

پاکستان کے وفاق اور صوبائی حکومتوں کو رات دن ایک کرکے دہشت گردی کے خلاف جنگ سے نکلنا ہوگا۔بھارت جو اپنے دفاعی اخراجات پر سات ارب ڈالر خرچ کردیتا ہے اگر بغور جائزہ لے تو وہ دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ اپنے ملک میں پائے گا۔جو غربت اور کسمپرسی میں مبتلا ہے۔اگر پاکستان وبھارت اس ضمن میں تعاون کریں تو دفاعی اخراجات میں کمی لاکر اسے اپنے شہریوں کی معاشی وسماجی حالت بہتر بنانے میں صرف کرسکتے ہیں۔کشمیر کے ایشو کو ہر صورت میں حل کیا جائے اور اس میں عالمی برادری کو تعاون کرنے کیلئے سفارتی سطح پر تیل سے مالامال اسلامی ممالک کو کردار ادا کرنے کی جانب راغب کیا جائے۔جب تک مسئلہ کشمیر باقی رہے گا دونوں ممالک پیچ وتاب کھاتے رہیں گے۔

اکیسویں ترمیم کے بعد مذہبی جماعتیں حکومت کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں۔ حکومت اگر چاہتی ہے کہ ریاست میں دیرپا اور پائیدار امن قائم ہو تو اسے بااثر مذہبی جماعتوں کو مطمئن کرنا ہوگا۔اسی سلسلے میں وزیر داخلہ چوہدری نثار نے کہا ہے کہ نوے فیصد مدرسے دہشت گردی سے پاک ہیں۔سات فیصد کا

انتہاپسندی میں ملوث ہونے کا شبہ ہے۔مدارس دین اسلام کی ترقی وترویج کا ذریعہ ہیں لیکن علماء کو بھی حکومتی ارکان کا ساتھ دیتے ہوئے مدارس میں عصری علوم کو فروغ دینا ہوگا تاکہ مدرسے سے فارغ التحصیل طالب علم کو معاشی مشکلات سے نجات مل سکے اور وہ انتہاپسندی کا نرم چارہ بننے سے محفوظ رہیں۔جس طرح ایک بیانیہ کے ذریعے پاکستان نے افغان وار لڑی تھی' اسی طرح اب وزیراعظم پاکستان جناب میاں نواز شریف صاحب کو عوام سے براہ راست خطاب کرتے ہوئے ایک نیا بیانیہ دینے کی ضرورت ہے۔اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ صدر بش کے الفاظ ''کروسیڈ'' کے بعد کم وبیش ہر مسلمان دہشت گردی کیخلاف جنگ کو اسلام کے خلاف جنگ گردانتا ہے۔ہر مسلم کسی نہ کسی انداز میں اپنی محرومیت اوراپنے اوپر ہونے والے مظالم کا مجرم عالمی طاقتوں کو سمجھتا ہے۔اسوقت پاکستان میں خصوصی طورپر اگر چل پھر کر دیکھا جائے تو محض مدارس ہی نہیں جدید تعلیمی اداروں کے طالب علم بھی انتہاپسندی سے متاثر ہیں۔کیا ان سب کو محض بندوق کے ذریعے ختم کیا جاسکے گا؟سانحہ پشاور کے بعد سانحہ شکارپوراور سانحہ حیات بادنے واضح کردیاہے کہ یہ جنگ طویل ہوگی۔حال ہی میں ٹی ٹی پی اور لشکرِ جھنگوی کے درمیان تعاون کی بازگشت ملکی میڈیا میں گردش کررہی ہے۔ضرورت اس امرکی ہے کہ ملک میں برداشت کے کلچر کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ پولیس کو جدید خطوط پر منظم کرتے ہوئے اسے سیاسی مداخلت سے پاک کیا جائے۔۔دہشت گردی اوربدعنوانی کیخلاف اچھی کارکردگی اور مفید معلومات لانے

والے پولیس رکن کیلئے مخصوص پیکج کا اعلان کیا جائے۔ ملک میں ایک آئینی ترمیم کے ذریعے اہل بیت رسول ﷺ اور اصحاب رسول کے گستاخوں کی سزا مقرر کی جائے تاکہ کوئی کسی کے جذبات سے نہ کھیل سکے۔ افغان بھائیوں کی وطن واپسی کیلئے عوامی سطح پر تعاون حاصل کیا جائے۔ جنرل پرویز مشرف کے دیئے گئے فارمولے کو پھر سے بحال کرکے افغان حکام کے سامنے رکھا جائے جس میں پاک افغان سرحد کو سیل کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا' اسطرح پاکستان وافغنستان میں مداخلت کے مواقع بہت محدود ہو جائیں گے۔ شرح خواندگی میں اضافے کیلئے ملک کے صاحب ثروت سیاست دانوں کو مفت تعلیم کیلئے اقدامات اٹھانا ہوں گے ورنہ یہ آگ ان کے گھر بھی پہنچ سکتی ہے۔ نیز تمام مسلم ممالک کو مل کر اہل مغرب سے توہینِ رسالت جیسے حساس موضوع پر بات چیت کے ذریعے مسئلہ کا حل تلاش کرنا ہوگا۔

سائیڈ سٹوریز

حکومت اپنے موقف کیلئے انتھک کوششوں کے ساتھ ملک کے طول وعرض میں علماء کی مدد سے انتہاپسندی کیخلاف ایک قومی محاذ تیار کرے' اسکے لیئے لازم ہے کہ حکومت کے ارکان کو بھی ایسا نظر آنا چاہیئے کہ ایک عام مسلمان انہیں طالبان سے زیادہ شعائر اسلام کا پابند سمجھے۔

دہشت گردی کیخلاف حقیقت کو سمجھنے کیلئے سانحہ مشرقی پاکستان پر نظر

دوڑانا ہوگی۔کیاوہاں کے نصاب میں مغربی پاکستان کو غاصب قرار دیا گیا تھا؟یقینا نہیں۔توپھر یہ کیسے ہوا؟جناب عالی وہاں موجود متعصب ہندو اساتذہ نے نصاب سے ہٹ کر طلباء کی ذہن سازی کی اور ایسا ماحول دیا کہ جب وہ درسگاہ سے نکلے تو مکتی باہنی جیسی تنظیم انہیں اپنے خوابوں کی تعبیر نظر آئی۔یہی کام سیاسی جماعتوں نے کیااور عام کارکنان نے بندوق تھام لی حالانکہ اسوقت تک مشرقی پاکستان کی کسی سیاسی جماعت کے تحریری منشور میں علیحدگی یاانتہا پسندی کادخل نہ تھا۔

گزشتہ روز مودی نے پارلیمنٹ میں پہلی بار اپنے اوپر لگنے والے فقہ واریت کاجواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ ہماراایک ہی مذہب ہے انڈیا فرسٹ۔اپوزیشن پر جوابی حملہ کرتے ہوئے کہاکہ میں نے 27اکتوبر 2013کوپٹنہ کے گاندھی میدان کی ریلی کے درمیان میں نے کیا کہا تھاکہ ہندو اور مسلم کو ایک دوسرے سے نہیں ،غربت ہی سے لڑنا ہے۔بظاہر دیکھاجائے تو یہ جنوبی ایشیاکی تاریخ میں ایک اچھا موڑ آیا ہے لیکن آگے چل کر خلوص نیت کا پتہ چلے گا۔

جبکہ بلوچستان میں قیامِ امن کیلئے وہاں نظامِ تعلیم کو بہتر کرنے کیساتھ ساتھ وہاں کی محرومیاں دور کرنا ہوں گی۔میں بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی کے ایک بلوچی طالب علم سے ملااور اُس سے عوامی رائے پوچھی تو اس نے کہا بلوچستان کے لوگوں کی وہی رائے ہوتی ہے جوان کے سرداروں کی ہوتی ہے ،وہاں دور دراز

علاقوں میں تعلیم نام کو نہیں 'پھر اُدھر کے باسی کیسے کسی مسئلے پر کھلی رائے دے سکتے ہیں۔وفاق کو ڈائریکٹ بلوچستان کے شہریوں سے رابطہ رکھ کر انکی معاشی وسماجی الجھنیں دور کرنا ہوں گی۔

سندھ میں قوم پرستوں اور لسانیت کیخلاف بھرپور عوامی تحریک چلا کر اسے عوامی سطح پر ہی مات دینا ہوگی۔نیز کراچی میں مقامی ومہاجر کی پہچان یا اس امر پر طنز و تشنیع کو قابلِ گرفت بنانا ہوگا۔تمام پارٹیز کے سیاسی ونگز کو ختم کرنے کیلئے وفاق کو حکمت عملی اور صوبہ کی جماعتوں کو دریادلی کا ثبوت فراہم کرنا ہوگا۔قومی ایکشن پلان اور کراچی آپریشن اس صوبہ میں تب ہی کامیاب ہو سکتے ہیں جب وہاں کی مقتدر قوتیں اس پر عمل کرنے میں خلوصِ نیت سے کام لیں۔

سرمایہ ہمیشہ ادھر ہی کا رُخ کرتا ہے جہاں راوی سکھ وچین کی بانسری بجا رہا ہو۔دہشت گردی ملکی معیشت کو دیمک کی طرح چاٹ گئی ہے۔غیر ملکی سرمایہ کار تو درکنار اپنی ہی سرمایہ دار شہری دوسرے ملکوں کو سدھار گئے۔سانحہ بلدیہ ٹاؤن کے بعد اسکے مالکان پردیس چلے گئے۔کیا کسی نے نوٹس لیا کہ وہ کیوں گئے؟وجوہات؟

نومبر میں افغان طالبان کا دورہ چین اس بات کا بین ثبوت ہے کہ طالبان افغانستان میں اثرورسوخ رکھتے ہیں اور عالمی منظر نامے پر چین بھی اس خطے میں

اپنی قوت اور سفارتی انداز کا مظاہرہ کر رہا ہے۔حال ہی میں طالبان نے پاکستان کے ذریعے افغان حکومت سے مذاکرات کی حامی بھری ہے۔جو اس بات کا ثبوت ہے کہ کم وبیش ہر جھگڑے کو بالآخر مکالمات کی میز پر آنا ہی پڑتا ہے۔

بنوں ' پشاور ' کراچی 'ملتان کے بعد اب گزشتہ روز اسلام آباد میں بھی چند شر پسند عناصر نے داعش کے حق میں وال چاکنگ کی۔حکومت کو چاہیئے کہ بروقت اقدام کرے اس سے پہلے کہ داعش یہاں کے معصوم لوگوں کیلیئے کوئی قابلِ قبول وپر کشش چارٹر پیش کرے اس کیخلاف بھرپور مہم چلا کراسکے یہاں پنپنے کے تمام موہوم سے امکانات کو بھی ختم کردیا جائے۔

ایک رپورٹ کے مطابق افغان مہاجرین کو 40ہزار کے قریب قومی شناختی کارڈ جاری کیئے گئے۔جس کی نشاندہی محبِ وطن فوج کی ایک شاخ isi نے کی اور 29ملوث اہلکاروں کے نام دیئے گئے' جن کو معلوم نہیں کب 'کہاں اور کتنی سزا دی گئی؟

"حضرت خواجہ باقی اللہ اور "دہلی

سمرقند کے قاضی عبدالسلام جب کابل تشریف لائے تو ان کے ہاں 1563 میں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام رضی الدین محمد باقی رکھا گیا۔ قاضی عبدالسلام متقی وپرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ کمال درجے تک پہنچے ہوئے عالم وفاضل تھے۔
قاضی عبدالسلام جب اپنے بیٹے کے چہرے کی جانب دیکھتے تو ان کی نگاہیں اپنے معصوم لختِ جگر کی پیشانی پر آکر رک جاتیں' جس میں سے نور کی شعاعیں ابھر رہی ہوتیں۔ اپنے بیٹے کے حالات دیکھ کر قاضی صاحب اپنی زوجہ کو مخاطب کرکے کہتے کہ "زوجہ! معلوم نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے گویا میرے گھر میں خورشید اتر آیا ہے اور آئندہ اس کی توانائی اور روشنی سے ایک زمانہ مستفید ہوگا۔" یہ سن کر خواجہ باقی کی والدہ بھی خاوند کی تائید کرتے ہوئے دعا کرتیں کہ خدا میرے مجازی خدا کی زبان مبارک کرے۔ پانچ سال کی عمر میں خواجہ باقی کابل کی مشہور درسگاہ خواجہ سعد کے مکتب میں داخل ہوئے۔ حفظِ قرآن کے مراحل طے کرتے ہوئے دس سال کی عمر میں عربی سیکھنا شروع کی۔ اسکے بعد اپنے زمانے کی ایک مشہور عالم وفاضل ہستی مولانا صادق حلوائی کی تربیت میں رہنے لگے۔ پھر استاد کے ہمراہ ماوراالنہر کی جانب رخت سفر باندھا اور وہاں جا کر بھی علم کی پیاس

بجھاتے رہے۔اپنی عمر کی تیس بہاریں دیکھنے کے بعد خواجہ محمد باقی اپنے وقت کے مشہور علماء میں شمار ہونے لگے۔

آپ ہی وہ ہستی ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی کے مرشد ہیں۔ تحصیل علم کے بعد آپ نے مرشدِ کامل کی تلاش میں صحرا و جنگل کہسار و بیابان سب چھان مارے ۔ایک دن ایسی ہستی کو دیکھا جو بظاہر ایک دیوانے کی سی صورت لیئے 'کون و مکاں اور اپنے بدن پر پڑتی نظروں کی پرواہ کیئے بغیر اپنی ہی مستی میں مست کبھی تیز اور کبھی آہستہ چلے جا رہے تھے۔خواجہ باقی اسکے پیچھے ہو لیئے 'اس دیوانے نے خواجہ کو ستانا شروع کر دیا' پتھر مارے 'چہرے پر طمانچے رسید کیئے 'حتی کہ سخت الفاظ کہتے ہوئے ان حدود کو پھلانگ گئے جسے سن کر آج کا ''ملا'' پلک جھپکے ہوئے بغیر اجرت کے ''کفر'' کا فتوی داغ دیتا ہے ۔خواجہ سمجھ گئے یہ صوفیاء کہ ملامتی گروپ سے تعلق رکھتا ہے 'جو فضولیات میں غرق عوام کو اپنے سے دور رکھنے کیلیئے ایسی حرکات و سکنات اپناتے ہیں تاکہ کوئی ان کی تنہائی میں مخل نہ ہو۔درویش نے خواجہ کو کبھی زخمی کیا اور کبھی غائب ہوئے ۔اسی آنکھ مچولی میں ایک دن خواجہ کو برا بھلا کہا۔خواجہ نے کہا میں نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑنا۔درویش نے پتھر مار مار کر آپ کو لہولہان کر دیا اور پھر بھاگ کھڑا ہوا' پھر ایک جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔خواجہ نے جھانک کر دیکھا تو وہ بزرگ ایک چوکی پر بیٹھے مسکرا رہے تھے۔خواجہ کو دیکھ کر چوکی چھوڑ دی اور کہا

باقی اللہ ' آ۔۔اس پر بیٹھ''۔آپ نے کہا۔''باقی اللہ ۔۔کیا مطلب ؟ پہلے تو آپ مجھے'' اپنے قریب نہ آنے دیتے تھے اوراب یہ لقب عنایت فرمارہے ہیں۔''درویش نے کہا ''ہم نے اللہ کے کرم سے تجھے باقی اللہ کر دیا۔''

ایک دن خواجہ باقی اللہ کو کہا۔''تجھے ہم سے جو فیضان مل رہا ہے اس میں تیری ماں کی دعاؤں کا بڑا حصہ ہے۔''خواجہ نے عرض کیا۔''میری والدہ کی دعاؤں سے مراد؟''درویش نے محبت سے کہا۔''تیری ماں تیرے انتظار میں ہے باقی اللہ۔اورشب وروز اپنے رب سے یہی التجا کررہی ہے کہ میرے فرزند کو اسکی منزل جلدی مل جائے۔'' پھر کچھ عرصے بعد آپ اپنی ماورالنہر جاپہنچے۔آپ کی والدہ محترمہ بھی کابل سے اُدھر پہنچ چکی تھیں۔ماں نے اپنے فرزند کو سینے سے لگایااور خوشی کے آنسو چارنینوں سے رواں ہو گئے۔

ماوالنہر میں آپ کو محسوس ہوا کہ اب کسی بزرگ کی ظاہری بیعت ضروری ہے۔آپ حضرت املنگی کے آستانے پر پہنچے جو پہلے ہی اپنی خانقاہ سے باہر نکل کر کھڑے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔آپ کو دیکھتے ہی فرمایا۔''خواجہ باقی اللہ 'کدھر رہے ہو ابتک؟''آپ نے ادب سے عرض کیا''حضرت جب نام معلوم ہے تو یہ بھی معلوم ہو گاکہ تلاشِ حق میں کدھر کدھر پھرا ہوں۔''خواجہ املنگی نے فرمایا ''ہم تمہاری زبان سے سننا چاہتے ہیں۔''آپ نے داستانِ عشق میں صحرانوردی

وکھساروں کا احوال کہہ سنایا اور کہا اب میں جو کچھ بھی ہوں اسی بزرگ کے طفیل ہوں ۔حضرت الملتگی نے فرمایا۔"ہاں ! تیری تربیت کی خاطر وہ شخص اُس جانب بھیجا گیا تھا اور اس نے اپنے فرائض کی ادائیگی احسن طور پر نبھائی ہے۔" آپ نے انکی بیعت کی اور انہی کی خانقاہ میں ہی تصوف و سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے۔ مرشد کے زیر تربیت رہنے کے بعد مرشد کے مشورے سے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا۔ جب گھر لوٹے اور والدہ کو حقیقت سے آگاہ کیا تو وہ اشک بار آنکھوں سے بیٹے کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔"اسکا یہ مطلب ہے کہ مجھے اب پھر تیرے ہجر میں جلنا پڑے گا۔ میں تجھے روک بھی نہیں سکتی کہ تجھے اللہ نے اپنے لیئے نہیں میرے لیئے مانگا ہے۔" آپ نے والدہ سے عرض کیا۔"محترم والدہ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" آپ کی والدہ نے فرمایا۔"افسوس کے اب میں تجھے روک بھی نہیں سکتی کیونکہ اللہ نے تجھے اپنے لیئے نہیں میرے لیئے مانگا ہے۔" آپ نے عرض کیا والدہ میں سمجھا نہیں ۔آپ کی والدہ محترمہ نے فرمایا۔"میں نے اپنے رب سے دعا مانگی ہے کہ میرے فرزند کیلیئے وہی کر جو اسکے حق میں بہتر ہو۔ میں اس پر راضی ہوں ۔" آپ تذبذب کی حالت میں مرشد کے پاس پہنچے تو انہوں نے استخارے کا مشورہ دیا۔ استخارے کے بعد آپ نے جو کچھ عالم رویا میں دیکھا وہ مرشد کو بتایا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔"عزیز! طوطا خالص ہندی پرندہ ہے۔ ہند میں کوئی بشر تیرے سے فیضِ طریقت حاصل کرے اور تم بھی اس سے فیض یاب ہوگے۔" آپ دلی

کیلئے روانہ ہو گئے۔

دلی جا کر آپ نے دریائے جمنا کے کنارے قلعہ فیروز آباد کی وسیع وعریض مسجد میں ڈیرے ڈال دیئے۔ آپ کی پر نور تربیت کا چرچا گلی گلی کوچہ کوچہ ہونے لگا۔ حتی کے آپ کے پاس شیخ فرید بخاری' مرزا قلیچ خان صدرجہان اور عبدالرحیم خانخان جیسی حکومتی شخصیات بھی آنے لگیں۔ یہ اکبر اعظم کا دور تھا۔ جس میں ایک روایت کے مطابق ابولفضل اور اس کا فرزند فیضی بادشاہ کو از خود مجتھد ہونے کا احساس دلوا چکے تھے۔ آپ نے اس دور ابتلاء میں بھی اپنے پاس آنے والوں کو شریعت اور سنت کی طرف مائل کیا۔

ایک دن آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا جو کہ حج کو جا رہا تھا اور آپ کے متعلق یہ سن کر آیا کہ خواجہ باقی شریعت رسول ﷺ اور سنت نبوی کے اعلی درجے کے مبلغ ہیں اور ان کا اندازِ تبلیغ ایسا ہے کہ ان کہ پاس بیٹھے لوگ پتھر سے موم ہو جاتے ہیں ملحد توبہ تائب ہو جاتے ہیں۔ سرہند سے تعلق رکھنے والا شخص بغیر اجازت کے آپ کے' پاس آ کر بیٹھ گیا اور بات چیت کے بعد آپ نے اسے اس شرط پر مرید کیا کہ تم میری اولاد کی تربیت کروگے۔ آپ نے اس نئے مرید سے فرمایا میں نے استخارے میں جس ہندی طوطے کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور اس نے میرے منہ میں شکر ڈالی وہ تم ہو۔ تم مجھ سے فیض یاب ہوگے اور پھر میری اولاد کی تربیت کا

اہتمام تم سے ہوگا۔یہ مرید شیخ احمد سرہندی مجددالف ثانی کے نام سے مشہور ہوئے جنھوں نے دورِ اکبری میں سختیوں کے باوجود شریعت وسنت کو تھامے رکھا اوراحیائے اسلام کیا۔

آپ سادہ لباس پہنتے اورسادہ کھانا کھاتے۔حق گوئی وبیباکی کی تلقین کرتے اور بغیر مقصد کے بولنے اور فحش گوئی سے منع فرماتے ۔ایک دن آپ نے اپنے چاہنے والوں کو بتایا کہ میں نے مراقبے میں دیکھا ہے کہ سلسلہ نقشبندی کی کوئی مشہور شخصیت اس دارِ فانی سے کوچ کر گئی ہے۔مرید نے پوچھا کہ کیا آپ نے ان کا چہرہ دیکھا ہے ۔آپ نے فرمایا: چہرہ دیکھا ہے مگر پہچاننے سے قاصر رہا۔پھر 1012 ہجری 'پچیس جمادی الاول بروز ہفتہ آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔عصر کے بعد اس جہان سے جانے والی اس' عظیم شخصیت کا مزار قبرستان قدم شریف میں موجود ہے'جواب درگاہِ خواجہ باقی کے نام سے زیارت گاہِ بنا ہوا ہے۔

ایک رات آپ تہجد کیلئے اللہ کے حضور کھڑے ہوئے اور پھر کئی گھنٹے کی عبادت کے بعدجب بستر کی جانب بڑھے توآپ نے دیکھا کہ آپ کے بستر پر ایک بلی سورہی ہے۔آپ اس کے جاگنے کا انتظار کرتے رہے۔بلی سوتی رہی اور ہندوستان کا یہ عظیم ولی اللہ ایک جانور کی نیند میں خلل نہ ڈال سکا۔آپ پوری رات سخت سردی میں بستر سے الگ کھڑے رہے۔جب مؤذن نے فجر کی اذان شروع کی تو بلی بستر سے اتر گئی مگر خواجہ

باقی اب بستر سے لگنے کے بجائے فجر کی نماز پڑھنے چلے گئے۔آپ اپنی ذات سے انسان تو کجا جانور کو بھی تکلیف نہ آنے دیتے۔اور ایک ہم ہیں کہ آج اولیاء اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو بھول چکے ہیں۔نفسا نفسی میں ایسے کھوئے ہیں کہ جانور تو کجا انسانوں کی نیندیں اپنے معمولی مفادات کی خاطر اُڑا دیتے ہیں 'ایک دوسرے کی زندگیوں میں زہر گھول دیتے ہیں۔آج اگر ہم صوفیاء کی سرزمین برصغیر پر پریشان حال ہیں تو اس کا بڑا سبب اسلام اور اس کی اعلی شخصیات کی عدم پیروی ہے۔ہم تکفیر میں کھو کر ایک کلمہ گو کی گردن مارنے کو عین اسلام گردانتے ہیں اور ادھر وہ سرکارِ دوجہاں کے غلام ایک بلی کی خاطر سخت سردی میں بھی اپنی نیند قربان کر دیتے ہیں۔میرے خیال میں بلی تو مسلمان نہ تھی ؟آپ کیا کہتے ہیں ؟

اولادِ آدم کا قتل

آہ! قتل تو قتل ہوتا ہے' چاہے معصوم ایرانی کا ہو یا افغانی کا' پنجابی کا ہو یا بلوچ کا' ہند کے شہری کا ہو یا سندھ کے شہری کا' عیسائی کا ہو یا ہندو کا' ناحق قتل ہر صاحبِ ایمان شخص کو تکلیف دیتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت کے مطابق' سہیل بن حنیف اور قیس بن سعد جب قادسیہ کے مقام پر بیٹھے تھے کہ انکے قریب سے ایک جنازہ گزرا تو وہ دونوں اصحاب احتراماً کھڑے ہو گئے' جنازہ گزرنے کے بعد جب ان کو یہ بتایا گیا کہ یہ جنازہ ذمیوں میں سے ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ سرکار دوجہاں کے قریب سے ایک جنازہ گزرا تو رحمت اللعالمین کھڑے ہو گئے۔جب آپ کو بتایا گیا کہ یہ جنازہ غیر مسلم یہودی کا تھا تو سرکار دوجہاں نے فرمایا"الیست نفسا"مفہوم :کیا وہ انسان نہیں تھا؟۔ صحیح بخاری' کتاب الجنائز باب من قام لجنازہ یہودی ' حدیث 1312۔

افسوس کہ آج کچھ لوگ اغیار کی گود میں بیٹھ کر اقلیتوں پر زخم لگا کر اپنے خارجی ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔میڈیا کی اطلاعات کے مطابق آج لاہور کے علاقے یوحنا آباد میں جب دعائیہ تقریب جاری تھی' اس دوران کیتھڈرل اور کرائسٹ چرچ

میں ایک پولیس اہلکار'ایک بچہ اور دو خواتین سمیت گیارہ افراد اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔دو پولیس اہلکار اور تیس کے قریب افراد کی حالت تشویش ناک ہے۔واقعہ کے بعد سراج الحق سمیت مختلف سیاسی شخصیات نے اسکی مذمت کی اور وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب نے مذمت کیساتھ ساتھ پنجاب کے وزیر اعلی سے واقعے کی فوری رپورٹ طلب کر لی ہے۔دھماکہ کی جگہ ایک ایسا مقام ہے جہاں سے میاں برادران کی رہائش 5 کلومیٹر دور ہے'چرچ کے سامنے لاہور میٹرو کا ہیڈ کواٹر ہے اور پندرہ کلومیٹر کی دوری پر روزانہ پریڈ کی جاتی ہے۔یہ مقام چن کر شاید کمزور ہوتے دہشت گرد کوئی خاص پیغام دینا چاہتے ہوں گے مگر پاکستانی قوم دھماکوں کی آواز کے بعد جائے وقوعہ پر پہنچ گئی' زخمیوں کی امداد کرکے انہیں یہ پیغام دے دیا ہے کہ ہم زندہ قوم ہیں اور تمہارے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا کر دم لیں گے۔سیکورٹی گارڈز کمال دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں اندر جانے سے روکا'جس کی وجہ سے انہوں نے خود کو دھماکہ سے اُڑالیا۔سیکورٹی گارڈز نے ملک کے بہت سے شہریوں کی جانوں کا تحفظ کیا ہے اس پر ان کو جتنا سراہا جائے کم ہے۔حادثے کے بعد جنرل ہسپتال میں ایمرجنسی نافذ کرکے اضافی بیڈز لگادیئے گئے جبکہ لاہور کے باقی ہسپتالوں میں بھی ایمرجنسی نافذ کردی گئی۔مگر جو بات سب سے زیادہ کرب کا باعث ہے وہ ایک میڈیا کی اطلاع ہے۔جس کے مطابق متعلقہ مقام کو پہلے سے دھمکیاں مل چکی تھیں اور قانون کے محافظوں کو اطلاع دینے کے باوجود کوئی تحفظ فراہم نہیں کیا گیا۔اگر واقعی ایسا ہے تو

ذمہ دار افراد کو سزا دی جانے چاہیئے اور اگر ایسا کسی انتظامی نقص کی وجہ سے کیا گیا ہے تو کسی کو معطل کرنے کے بجائے اس بات پر غور کیا جائے کہ جب ہر طرف دھمکی آمیز پیغام موصول ہو رہے ہیں تو ایسے حالات میں پولیس اپنے محدود وسائل کیساتھ کیسے نبرد آزما ہو' یہ ہو وہ نکتہ جس پر سوچ بچار کرنی چاہیئے نہ کہ جذباتی اقدامات اُٹھا کر ہمیں خاموش ہو جانا چاہیئے۔

یوحنا آباد ایک ایسا علاقہ ہے جہاں کم و بیش دس لاکھ عیسائی آباد ہیں۔ دھماکے کے بعد دو مشکوک افراد کو مشتعل اہل علاقہ نے زدو کوب کرکے مار ڈالا۔ اور انکی میت کو آگ لگادی گئی۔ یہ فعل قابلِ مذمت ہے' مانا کہ اسوقت سوگواران اور انکے رفقاء غم والم میں ڈوب چکے ہیں' انکے پیارے یا تو جا چکے ہیں یا زندگی و موت کی جنگ لڑ رہے ہیں مگر ماورائے عدالت ملزم کو سزا دینا اخلاقیات اور ریاستی اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔ اس سب کے باوجود کہیں ایسا تو نہیں کہ ریاست کے شہری اب حکومت سے مایوس ہو چکے ہیں اور انکا یہ عمل اس بات کی عکاسی ہے کہ ملزم عدالت سے بے گناہ قرار دیئے جائیں گے۔ میرے خیال میں اگر ایسا ہے تو یہ انکی غلط فہمی ہے جسے دور کرنا حکومتی ذمہ داری میں شامل ہے۔ حکومت کا حق ہے کہ سانحہ کے ملزمان کے ساتھ ساتھ ان دو مشکوک افراد کے قتل کے واقعہ کا بھی نوٹس لے تاکہ معاملے کی گہرائی تک جایا جاسکے۔

عیسائیوں پر یا کسی بھی اقلیت پر حملہ پاکستان پر حملے کے مترادف ہے۔ مگر عیسائی ہمارے اہل کتاب ہیں اور جب نجران کا وفد سرکار دوجہاں کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار دوجہاں نے انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور عیسائیوں کے وفد نے مسجد نبوی میں اپنے طریق کار کے مطابق عبادت کی۔ اس دوران سرکار نے ان سے ایک معاہدہ کیا جس کے چیدہ چیدہ نکات یہ ہیں: ''یہ پیغام محمد بن عبداللہ کی طرف سے عیسائیت قبول کرنے والوں کے ساتھ چاہے وہ دور ہوں یا نزدیک ایک عہد ہے کہ ہم انکے ساتھ ہیں۔ بے شک میں' میرے خدمتگار' مددگار اور پیروکار انکا تحفظ کریں گے۔ کیونکہ عیسائی بھی میرے شہری ہیں اور خدا کی قسم میں ہر اس بات سے اجتناب کروں گا جو انہیں ناخوش کرے۔ ان پر کوئی جبر نہیں ہوگا۔ نہ انکے منصفوں کو ان کے عہدوں سے ہٹایا جائے گا اور نہ ہی انکے راہبوں کو انکی خانقاہوں سے۔ انکی عبادت گاہوں کو کوئی بھی تباہ نہیں کرے گا' نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور نہ وہاں سے کوئی شہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں میں لے جائی جائے گی۔ اگر کسی نے وہاں سے کوئی چیز لی تو وہ خدا کے عہد کو توڑنے اور اسکے نبی کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا۔'' آخری الفاظ ہیں ''قوم کا کوئی فرد قیامت تک اس معاہدے سے روگردانی نہیں کرے گا (واللہ اعلم)۔''

ایک موقع پر سرکار دوجہان نے دورانِ قحط غیر مسلموں کیلئے ابر باراں کی دعا کہ اور ابر مسلسل سات روز برستا رہا' یہاں تک کہ پھر کفار نے سرکار کے پاس عرضی

گزاری اور رحمت اللعالمین نے دعا کی: 'اللھم حوالینا ولاعلینا مفہوم 'اے خدا ہمارے اردگرد برسا اور ہم پر نہ برسا۔ صیح بخاری۔ باب الاستقاء اذا استشفع المشرکون بالمسلمین حدیث 1020۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت تمام اقلیتوں کے متعلق آقاجی ﷺ کی تعلیمات عام مسلمانوں میں عام کرے 'تاکہ معاشرے میں منفی عناصر کا پراپگینڈہ زور نہ پکڑ سکے ۔ہندو' عیسائی سکھ سب کی حفاظت حکومت کیساتھ ساتھ ہم عوام کا بھی فرض ہے 'ہمیں چاہیں کہ معاشرتی وسماجی سطح پر انکے ساتھ اہل وطن سا برتاؤ کریں تاکہ پاکستان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس کے شہریوں میں دراڑ ڈالنا ناممکن ہے۔اقلیتوں کے ساتھ غیر اخلاقی رویہ کی شکایات کم ہیں مگر ان میں بتدریج کمی لانا ہر مسلمان کا اخلاقی ودینی فریضہ ہے۔اس امر میں کوئی شک نہیں کہ نیشنل ایکشن پلان بتدرریج بہتری کی جانب گامزن ہے مگر اسکے ساتھ ساتھ وزیراعظم پاکستان کو قوم سے خطاب کرکے ایک بیانیہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔اسکے ساتھ ساتھ سرحد پار کے عناصر کو لگام دینے کیلئے اقوام متحدہ میں انکی ہرزہ سرائی کے ثبوت دینے چاہیں تاکہ اقوام عالم جنوبی ایشیا میں پرامن حالات کیلئے یہاں موجود سخت گیر لوگوں کو ختم کرنے کیلئے انکی ریاستوں پر دباؤ ڈال سکے۔

آہ! قتل تو قتل ہوتا ہے' چاہے معصوم ایرانی کا ہو یا افغانی کا' پنجابی کا ہو یا بلوچ کا' ہند کے شہری کا ہو یا سندھ کے شہری کا' عیسائی کا ہو یا ہندو کا' ناحق قتل ہر صاحبِ ایمان شخص کو تکلیف دیتا ہے۔

عالمی کپ

پاکستانی ٹیم نے آئرلینڈ کے خلاف میچ جیت کے ناقدین کے منہ بند کر دیئے ہیں۔اپنے اہم کھلاڑیوں کے بغیر جس طرح پاکستانی ٹیم نے پہلے دو میچوں میں شکست کھائی' پھر سلسل چار میچ جیت کر داد و تحسین کی مستحق ٹھہری۔ عالمی کپ میں کم بیک کرکے پاکستانی ٹیم نے ثابت کر دیا کہ وہ باصلاحیت ٹیم ہے اور 23 سال بعد عالمی کپ جیتنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ میچ کی اہم بات پاکستان کی جانب سے سرفراز کی سنچری ہے جو کہ عالمی کپ 2015 میں پاکستان کی جانب سے پہلی سنچری ہے۔ سرفراز نے مسلسل دو بار مرد میدان کا اعزاز اپنے نام کیا اور اسطرح عالمی کپ میں وہ یہ اعزاز حاصل کرنے والے پہلے پاکستانی وکٹ کیپر بن گئے۔ وسیم اکرم کہتے ہیں کہ سرفراز پچاس اوورز کھیلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور آئرلینڈ کے خلاف انھوں نے نہ صرف عمدہ بلے بازی کی بلکہ اچھی کیپنگ بھی کی۔اب پاکستان کا مقابلہ کوارٹر فائنل میں آسٹریلین ٹیم سے اسکے ہوم گراؤنڈ میں 20 مارچ کو ہوگا۔

اگر ایشیا کے حوالے سے دیکھا جائے تو ایشیائی ٹیمیں 1992 سے لے کر 2011 تک چھ مرتبہ عالمی کپ کا فائنل کھیل چکی ہیں۔ بیانوے میں پاکستان' چھیانوے میں سری لنکا جبکہ 2011 میں بھارت نے ٹرافی جیتی تھی' بھارت اس سے پہلے 1983 میں

بھی یہ اعزاز اپنے نام کر چکا ہے۔اس طرح بھارت دو بار عالمی کپ جیتنے والی واحد ایشیائی ٹیم ہے۔ گزشتہ عالمی کپ میں یوراج سنگھ نے فیلڈنگ کے دوران پندرہ شکار کر کے بھارت کو عالمی چیمپئن بننے میں کافی مدد کی۔

ناک آؤٹ مرحلے میں پہلا میچ ساؤتھ افریقہ اور سری لنکا کے درمیان 18 مارچ کو سڈنی میں کھیلا جائے گا' جس میں آسٹریلوی امپائر روڈ ٹکر اور برطانوی امپائر نائجل لونگ امپائرنگ کریں گے۔ ساؤتھ افریقہ پول میچز میں دو بار بڑا مجموعی سکور کر چکی ہے جس میں ویسٹ انڈیز کے خلاف 408 اور آئرلینڈ کے خلاف چار سو گیارہ رنز سکور کیئے۔ تجزیہ نگار ساؤتھ افریقہ کو فیلڈنگ' بلے بازی اور باؤلنگ میں مکمل ٹیم قرار دے چکے ہیں۔افریقی بلے باز چھ سنچریاں اس کپ میں جڑ چکے ہیں۔ افریقہ کے ڈیل سٹین ایک درجے ترقی سے دنیا کے دوسرے بہترین باؤلر ہیں۔ جبکہ سری لنکا کی جانب دیکھا جائے تو ان کے پاس سنگاکارا جیسا بہترین بلے باز ہے جو چار سنچریوں کے ساتھ حالیہ کپ میں پہلے نمبر پر ہے۔ سنگاکارا اب تک ننانوے سٹمپ بھی کر چکے ہیں' اگر وہ 18 مارچ کو ایک مزید سٹمپ کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو وہ سو سٹمپ کرنے والے دنیا کے واحد وکٹ کیپر بن جائیں گے۔ تلکرتنے اور جے وردھنے بھی ایک ایک سنچری داغ چکے ہیں۔انجیلو میتھوز کو سری لنکن وزیر اعظم ڈویلیئر سے محتاط رہنے کا مشورہ دے چکے ہیں

۔

دوسرا کواٹر فائنل دو ایشیائی ٹیموں کے درمیان انیس مارچ کو آسٹریلیا کے شہر ملبورن میں کھیلا جانا ہے۔ بھارت 'بنگلہ دیش کے اس ٹاکرے کی امپائرنگ علیم ڈار اور برطانوی امپائر آئن گولڈ کریں گے۔ بنگلہ دیش ایک کمزور ٹیم ہے اور بھارت اپنے پول کی وہ واحد ٹیم ہے جو تمام میچ جیت چکی ہے لیکن میکاولی کی سیاست کی طرح کرکٹ میں بھی کسی بات کو خارج از امکان نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بھارت کے بلے باز کپ میں چار اور بنگال کے بلے باز تین سنچریاں بنا چکے ہیں۔

تیسرا کواٹر فائنل پاکستان اور آسٹریلیا کے مابین بیس مارچ کو ایڈیلیڈ میں کھیلا جائے گا۔ اسکی امپائرنگ کے فرائض افریقہ کے ایرسمس اور سری لنکا کے کمار دھرماسینا انجام دیں گے۔ آسٹریلیا اس ٹورنامنٹ میں سب سے زیادہ مجموعی سکور بنانے والی ٹیم ہے۔ آسٹریلیا نے افغانستان کیخلاف چار سو سترہ رنز بنائے۔ پاکستان اور آسٹریلیا کے درمیان اب تک عالمی مقابلوں میں چھ میچز ہو چکے ہیں 'جن میں تین 'تین کے حساب سے دونوں ٹیموں کا پلڑا برابر ہے۔ مستقبل خدا جانتا ہے لیکن انسانی صلاحیت کے مطابق ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس میچ میں اہم چیز فیلڈنگ ہو گی جبکہ ٹاس بھی اہم کردار ادا کرے گا کیونکہ پاکستان کی ٹیم پہلے بلے باری کرے تو اسکے جیتنے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا تھا کہ caught the cathces won the

۔ہیڈ کوچ وقار یونس ،گرانٹ فلاور اور گرانٹ لڈن کی بات ٹیم کو غور سےmatches سننا ہوگی ۔پاکستان کی ٹیم اس سے قبل وقار یونس اور ڈیو واٹمور کے گزشتہ عرصے میں بھی فیلڈنگ کے حوالے سے کوچز سے سخت کلامی اور محنت نہ کرنے جیسے مسائل کا شکار رہ چکی ہے مگر عالمی کپ کے اس میچ میں ایسی غلطی پہاڑ بن سکتی ہے۔۔اس میدان پر پاکستان اپنے پول کے دو میچز کھیل کر آسٹریلیا پر برتری رکھتا ہے۔آسٹریلیا پر اپنی عوام کا پریشر بھی ہوگا جبکہ پاکستانی اس سے آزاد ہونگے ۔اسی گراونڈ پر آئرلینڈ کے خلاف میچ جیت کر قومی ٹیم کوارٹر فائنل میں پہنچی ہے۔۔آسٹریلیا عالمی کپ ہونے کی بناء پر باؤنسی پچ بھی نہیں بناسکے گا۔۔سٹیون سمتھ ،مائیکل کلارک ،براڈ ہیڈن اور میکس ویل کو جلدی آوٹ کرنے میں ہی پاکستان کی بہتری ہے ،اسکے ساتھ ساتھ رنز روک کر پاکستان آسٹریلین بیٹنگ لائن کو پریشر میں لاسکتا ہے۔اس کپ میں بلے بازی کے مجموعی سکور میں کینگروز کا پہلا اور پانچواں نمبر ہے۔پہلا افغان ٹیم کے خلاف اور دوسرا جو اس نے انگلینڈ کے خلاف تین سو بیالیس رنز سکور کرکے حاصل کیا۔۔آسٹریلین بلے باز وارنر اور فنچ سپن باؤلرز کو اچھا نہیں کھیلتے ،ان پر سپن اٹیک کرکے انکی خامیوں سے کھیلا جاسکتا ہے۔آفریدی جو کہ چار سو وکٹوں کے قریب ہیں اور نوجوان حارث بال تھوڑا سا پرانا ہونے کی صورت میں ٹرن کروانے کی صلاحیت رکھتے ہیں ۔آسٹریلیا کے باؤلنگ اٹیک میں مچل جانسن اور مچل سٹارک ہیں اسکے متبادل پاکستان کے پاس (عرفان کی عدم موجودگی میں) راحت علی اور اس کپ کے 154 کی رفتار سے باؤلنگ

کرانے والے تیز ترین باؤلر وہاب ریاض بھی ہیں۔وہاب ریاض ایسے باصلاحیت وخوش قسمت کھلاڑی ہیں کہ انھوں نے اپنے پہلے ٹیسٹ میچ میں پہلی ہی اننگز میں انگلستان کے پانچ کھلاڑیوں کو پویلین کی راہ دکھائی۔ون ڈے رینکنگ میں پہلے ٹاپ ٹین میں تیسرے نمبر پر قابض مچل سٹارک کے دس اوورز میں اگر پاکستان بغیر وکٹ گنوائے پینتیس سے پینتالیس کے درمیان سکور کرلیتاہے تو یہ عمدہ کارکردگی ہوگی۔ایڈیلیڈ گراؤنڈ میں بال پرانا ہونے کے بعد وہاب ریاض ریورس سوئنگ کے ذریعے آسٹریلین باؤلنگ کو شدید نقصان پہنچا سکتاہے۔مزید سلپ لے کر بھی مصباح کو فائدہ حاصل
کرنا ہوگا۔سابق کرکٹر اور تجزیہ نگار رمیز راجہ کہتے ہیں کہ لیگ سپنر یاسر شاہ آسٹریلیا کے خلاف وکٹ ٹیکر باؤلر ہو سکتے ہیں'ان کو نہ کھلا کر پاکستان سرفراز کو مس کرنے والی غلطی دہرا رہاہے جبکہ بعض تجزیہ نگار یاسر شاہ کو اس لیئے مس کرنے کے حق میں ہیں کہ آفریدی اور حارث کی صورت میں پاکستان کے پاس پہلے ہی دو سپن باؤلر ہیں۔مگر آفریدی کا اس عالمی کپ میں وکٹ لینے کا ردھم نہیں دکھائی دیا تاہم انھوں نے جمود توڑ کر اپنا کھاتا کھول لیا ہے اور ایک وکٹ حاصل کر چکے ہیں۔ایک اور سابق کھلاڑی باسط علی کا کہنا ہے کہ عرفان کی انجری کے پیشِ نظر پاکستان کرکٹ بورڈ کے پاس سنہری موقع ہے کہ وہ دنیا کے ٹاپ سپنر سعید اجمل کا نام آئی سی سی کو بھجوائے۔باسط علی کا کہنا ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سعید اجمل کچھ عرصہ سے کرکٹ سے دور ہیں تاہم وہ اپنے تجربہ کی بنیاد پر قومی ٹیم کیلئے

سود مند ثابت ہو سکتے ہیں اور ایڈیلیڈ کی سلو وکٹ بھی لیجنڈ سعید اجمل کو مدد فراہم کرے گی ۔ ویسے دیکھا جائے تو باسط علی کا مشورہ قومی ٹیم کیلئے ٹانک کا درجہ رکھتا ہے۔ پاکستان کی بیٹنگ دیکھی جائے تو اسوقت پاکستان کے پاس میچ ونر وکٹ کیپر بلے باز سرفراز موجود ہے۔اسکے علاوہ اوپنر شہزاد نے بھی پچھلے میچ میں پچاس سکور کیئے ہیں جو کہ آئرلینڈ جیسی کمزور باؤلنگ والی ٹیم کے خلاف ہیں مگر اس ففٹی سے شہزاد کے اعتماد میں اضافہ ہوا ہے۔ کپتان مصباح اسوقت عالمی رینکنگ میں تیرہویں نمبر پر ہیں ۔ اس کپ میں انکی کارکردگی بھی شاندار رہی ہے'مگر اس میچ میں انہیں اگر شروع میں وکٹ محفوظ رکھنی ہے تو آخر میں جارحانہ کھیل بھی کھیلنا ہوگا تاکہ رن ریٹ نہ گرے۔ عمر اکمل کو ذمہ داری کا مظاہرہ کرنا ہوگا'عمر اکمل اور شہزاد کے بارے کسی نے سچ کہا ہے کہ انھوں نے ابھی تک اپنے اندر موجود ٹیلنٹ سے مکمل انصاف نہیں کیا۔۔ شاہد آفریدی جو کہ دنیا کے بہترین آل راؤنڈر بھی ہیں اس کپ میں اپنے آٹھ ہزار رنز مکمل کر چکے ہیں ۔ وہ کرکٹ کی تیز ترین دس سنچریوں میں سے دو پر قابض ہیں ۔ ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے نیچرل انداز میں وہ آسٹریلین باؤلرز کی اچھی درگت بنا سکے ہیں۔پل شارت اور کور ڈرائیو کے ماہر صہیب مقصود اور سپن آل راؤنڈر حارث سہیل بھی اچھا کھیل پیش کر گئے تو پاکستان کو جیتنے سے کوئی نہیں روک

سکتا۔پاکستان آج سے تیئس سال قبل بیانوے میں چیمپئن بنا تھا۔اور 2004اور 2007میں پہلے مرحلے میں اسے باہر ہوناپڑا۔

کپتان مصباح جو کہ ایک محتاط اور خاموش کپتان کے طور پر مشہور ہیں انھیں اس میچ میں جارحانہ انداز اپنا کر کھلاڑیوں کے مورال کو میچ کے کسی بھی حصے میں اور ہر طرح کی صورتحال میں بلند کرنا ہوگا۔ایک بہترین ٹیم ورک اور جارحانہ حکمت عملی پاکستان کی جیت میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

آخری اور چوتھا کواٹر فائنل ویسٹ انڈیز اور نیوزی لینڈ کے مابین اکیس مارچ کو نیوزی لینڈ کے شہر ولنگٹن میں کھیلا جائے گا۔اسکی امپائرنگ برطانوی امپائر رچرڈ کیٹلبرا اور آسٹریلوی بروس اوزانفورڈ کریں گے۔اب تک نیوزی لینڈ کوئی عالمی کپ نہیں جیت سکی لیکن اس کپ میں نیوزی لینڈ اپنے پول کے تمام میچ جیت چکی ہے۔اس کے باؤلر ٹم ساؤتھ مکمل ردھم میں ہیں ۔اسکے پاس تین سپیشلسٹ فاسٹ باؤلر ہیں ۔ٹم ساؤتھی اس کپ کے ایک میچ میں سات وکٹ حاصل کرکے یہ اعزاز حاصل کرنے والے دنیاکے چوتھے باؤلر بن چکے ہیں ۔ان سے پہلے یہ اعزاز سری لنکاکے چمند واس آسٹریلیاکے مگراتھ اور اینڈی بکل کے پاس تھا۔ویسٹ انڈیز کا باؤلنگ اٹیک بھی اچھا' ہے اور امید ہے کرس گیل بلے بازی کی اوپننگ کریں گے۔کرس گیل زمبابوے کے خلاف اس کپ کا سب سے بڑا انفرادی سکور

دو سو پندرہ کر چکے ہیں۔اس میچ میں ویسٹ انڈیز نے زمبابوے کیخلاف تین سو بہتر رنز سکور کیئے ۔ویسٹ انڈیز نے مسلسل پہلے دو عالمی کپ جیتے ہیں جبکہ تیسرے کپ میں بھارت سے فائنل میں شکست کھائی ۔اسطرح ویسٹ انڈیز اب تک تین فائنل کھیل چکی ہے۔

اگر اس کپ میں بلے بازی کو دیکھا جائے تو پینتیس سنچریاں سکور ہوئی ہیں۔ کرس گیل کے 215 'ڈویلئر کے 150 اور سنگاکارا کی چار سنچریوں نے عالمی کپ میں رنگ بھر دیئے ۔اس مرتبہ تو امریکہ کی عوام میں بھی کرکٹ کا بخار دیکھا جا رہا ہے۔کالی آندھی کے کرس گیل 'بنگلہ ٹائیگر محمود اللہ 'سری لنکا کے تلکرتنے 'بھارت کے شیکھر دھون 'زمبابوے کے برینڈن ٹیلر نے دو دو سنچریاں سکور کیں ۔کمار سنگاکارا نے مسلسل چار سنچریاں داغ کر عالمی ریکارڈ بھی قائم کیا۔اس عالمی کپ میں سوائے افغانستان کے تمام ٹیموں کے کھلاڑیوں نے سنچریاں سکور کیں۔۔ جنوبی افریقہ کے بلے بازوں نے چھ 'آسٹریلیا تین 'ویسٹ انڈیز چھ 'بھارت چار 'یو اے ای دو 'سکاٹ لینڈ ایک 'انگلینڈ دو 'پاکستان ایک 'آئرلینڈ دو 'نیوزی لینڈ ایک ' بنگلہ دیش تین 'اور سری لنکا کے بلے بازوں نے چار سنچریاں سکور کیں۔

۔ایک ہیٹ ٹرک ہوئی ہے۔اس سے پہلے ہیٹ ٹرک 1987 میں پہلی بار چیتن شرما نے

نیوزی لینڈ کے خلاف کی۔ عالمی کپ کی دوسری ہیٹ ٹرک اسکے بارہ سال بعد آف سپنر ثقلین مشتاق نے انیس سو ناوے میں کی۔ تیسری ہیٹ ٹرک سری لنکا کے چمند واس نے عالمی کپ 2003 میں بنگلہ دیش کے خلاف کی ۔ چوتھی ہیٹ ٹرک اسی کپت میں آسٹریلین باؤلر بریٹ لی نے کی۔پانچویں سری لنکا کے ملنگا نے افریقہ کے خلاف کی۔ چھٹی ویسٹ انڈیز کے کماروچ نے نیڈرلینڈ کے خلاف کی ۔ ساتویں ہیٹ ٹرک عالمی کپ 2011 میں ملنگا نے کی اسطرح وہ عالمی کپ میں دوبار ہیٹ ٹرک کرنے والے پہلے اور واحد باؤلر بن گئے ۔اس کپ میں آٹھویں ہیٹ ٹرک ہوئی جو انگلش باؤلر سٹیون فن نے آسٹریلیا کے خلاف میچ میں کی۔

سائیڈ سٹوریز

۔ جنوبی افریقہ کے بلے بازوں نے چھ ٗآسٹریلیا تین ٗویسٹ انڈیز چھ ٗبھارت چار ٗیواے ای دو ٗسکاٹ لینڈ ایک ٗانگلینڈ دو ٗپاکستان ایک ٗآئرلینڈ دو ٗنیوزی لینڈ ایک ٗ بنگلہ دیش تین ٗاور سری لنکا کے بلے بازوں نے چار سنچریاں سکور کیں۔ کل پینتیس سنچریاں سکور ہوئیں۔

شراکت کا نیا ریکارڈ آسٹریلین بلے باز وارنر اور سمتھ دوسوساٹھ رنز کی شراکت سے بنا چکے ہیں۔

جنوبی افریقہ اس عالمی کپ میں مسلسل دوبار مجموعی سکور چار سو سے زائد بنا کر

یہ اعزاز حاصل کرنے والی پہلی ٹیم بن گئی ہے۔

مستقبل خدا جانتا ہے لیکن انسانی صلاحیت کے مطابق ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس میچ میں اہم چیز فیلڈنگ ہو گی جبکہ ٹاس بھی اہم کردار ادا کرے گا کیونکہ پاکستان کی ٹیم پہلے بلے بازی کرے تو اسکے جیتنے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا سابق کھلاڑی باسط علی کاcaught the cathces won the atches تھا کہ کہنا ہے کہ عرفان کی انجری کے پیشِ نظر پاکستان کرکٹ بورڈ کے پاس سنہری موقع ہے کہ وہ دنیا کے ٹاپ سپنر سعید اجمل کا نام آئی سی سی کو بھجوائے سنگاکارا اب تک ننانوے سٹمپ بھی کر چکے ہیں ' اگر وہ 18 مارچ کو ایک مزید سٹمپ کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں تو وہ سو سٹمپ کرنے والے دنیا کے واحد وکٹ کیپر بن جائیں گے۔

عروس البلاد کی دہائی

مظلوم کی آہ' غریب کی صدا' درد کی کراہ اور ظالم کی سوچ ہمیشہ آپس میں ٹکراتے رہے ہیں۔ مظلوم ہتھیار اُٹھا کر خود کو ظالموں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے' جواز خود جرم ہے ۔مگر کیا ایسے مجرم کیساتھ اس ظالم کو بھی سزا نہ دی جائے جو اسے ظلم کی دنیا میں پہنچانے کا سبب بنا؟؟؟؟

1978 میں الطاف بھائی نے جس جماعت کی درسگاہوں میں بنیاد رکھی' وہ جماعت 1984 میں مہاجروں کی جماعت کہلائی اور 1997 میں متحدہ قومی مومنٹ کا لیبل لگا کر قومی سیاست میں کود پڑی۔ جماعت نے نام بدلا مگر انداز نہ بدلا۔ ہم جب کراچی میں مہاجر کے حقوق پر ڈاکہ کے قصے سنتے تو اپنے قرب وجوار اور ملک کے طول و عرض میں پھیلے چکوک میں اپنے مقامی بھائیوں کے حالات زندگی کا جائزہ لیتے تو حقوق وآزادی کی معمولی سی تبدیلی بھی جٹ' پشتون' پنجابی' سرائیکی اور ان افراد کے درمیان نہ پاتے جن کے آباؤاجداد مہاجر تھے' جنھیں متحدہ قومی مومنٹ اب بھی مہاجر گردانتی ہے اور بعض بذاتِ خود یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں' شاید اس وجہ سے کہ یہ ایک معزز لفظ ہے۔ میاں صاحب کے تینوں ادوار میں کراچی میں ایم کیوایم پر آپریشن کیا گیا۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں' ایک یہ

کہ میاں صاحب کی ایم کیوایم سے کوئی دیرینہ مخالفت ہے' دوسرا میاں صاحب میں کراچی کوآزاد کروانے کاجذبہ کارفرماہے۔جواب: ن لیگ اور ایم کیوایم کوئی حریف سیاسی جماعتیں یاایک دوسرے کے وزن کی جماعتیں نہیں ہیں۔ایک کاووٹ بینک دوسرے کے ووٹ بینک کوزیادہ متاثر نہیں کر رہا'اس حقیقت سے توانکار ممکن نہیں کہ پنجاب میں تشریف لانے والے ہمارے معزز مہاجر بھائی ہمیشہ سے مسلم لیگ سے ہی والہانہ محبت کرتے آئے ہیں اورایم کیوایم کی پرزور مہم جوئی کے بعد بھی پنجاب میں موجود مقامی افراد جن کے آباؤاجداد مہاجر تھے اب بھی بطوراکثریت ن لیگ کے پلڑے میں ہی وزن ڈالتے ہیں اور مستقبل میں بھی ان میں سے چند ایک گھرانوں یاعلاقائی ولسانی لہر کے زیراثر معمولی سے تعداد کے ادھر اُدھر ہونے کاخطرہ لاحق تھا'اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ن لیگ کا کوئی ذاتی مفاد اس بات میں شامل نہیں تھاکہ ایم کیوایم کو کریش کردیاجائے'''مشترکہ مفاد''الگ شہ ہے جسے قیاس کیاجاسکتاہے۔پنجاب میں ن لیگ کیلئے اگر کوئی خطرہ بن سکتاہے تو ناقص رائے کے مطابق ان میں تحریک انصاف پچاس فیصد'بلاول زرداری پلس بھٹوخاندان تیس سے چالیس فیصد اوراگر کوئی نئی سیاسی جماعت جنم لیتی ہے تو پھر یہ اعدادوشمار کسی اورزاویہ سے مرتب ہوں گے۔

اگر نیشنل ایکشن پلان کی سندھ میٹنگ کاجائزہ لیں یاکراچی کی معاشی صورتحال کا توہمیں اندازہ ہوتاہے کہ اب کراچی کوآزاد کروانے میں سیاستدانوں سے

زیادہ ہماری پاک فوج کا کردار زیادہ نمایاں ہے جو لائق تحسین ہے۔ دوسرا پاکستانی سرمایہ دار طبقہ بھی اب اس میں امن چاہتا ہے اور وہ اسوقت ہی ممکن ہے جب کراچی کو تمام عسکری گروہوں سے پاک کردیا جائے۔ پھر نئے آنے والے سرمایہ کا تحفظ آسانی سے ممکن ہوگا اور اس بھتہ کی مد میں منافع کی بچت ہوگی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر کراچی کو پرامن کرنا ہے تو پھر پہلا ٹارگٹ متحدہ ہی کیوں ؟ تو اس کا جواب ہماری ناقص عقل یہ دیتی ہے کہ اول: ایم کیوایم کراچی کی سب سے بڑی جماعت ہے۔ 2۔ پنجاب 'سندھ 'بلوچستان اور خیبر پختونخواہ کے افراد پر ایم کیوایم کے خوف کا ایک تاثر: قائم ہے۔ سوم: کراچی کی سیاست پر حکمرانی کی وجہ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کا عسکری گروہ سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ 4: : عام پاکستانی یہ سمجھتا ہے کہ اگر کراچی میں متحدہ سے تعلق رکھنے والے ایسے افراد جو عسکری عزائم رکھتے ہیں اپنے انجام کو پہنچتے ہیں تو کراچی میں موجود ثانوی حیثیت رکھنے والے لسانی وعلاقائی گروہ بھی ہتھیار ڈال دیں گے یا ان سے ہتھیار ڈلوانا اتنا مشکل نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عروس البلاد کراچی کیا چاہتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ عروس البلاد دہائی دے رہا ہے کہ اگر اب بھی دمادم مست قلندر کی صدا گونجنے کے بعد خاموشی چھاتی ہے تو میرا کیا بنے گا؟ عروس البلاد کہتا ہے کہ مائنس ون فارمولا کوئی حل نہیں ؟ عروس البلاد کہتا ہے کہ کچھ بھی ہو' کیسے بھی ہو' جس

انداز سے بھی ہو 'زیادہ نہ سہی تو کم سہی مگر متحدہ قومی موومنٹ ایک حلقہ اثر رکھتی ہے ۔وہ کراچی کے ان لوگوں کی آواز بن چکی ہے جو جذباتی بنیادوں پر آج بھی لسانی لہر میں گم ہیں ۔الطاف حسین ان گونجتی صداؤں اور الزامات کی بوچھاڑ کے باوجود قومی وصوبائی اسمبلی بشمول سینیٹ میں اپنا حصہ رکھتے ہیں۔ان حالات کے تناظر میں دو ہی راستے ہیں ۔یا تو ایم کیو ایم اپنے اندر موجود آستین کے سانپوں تک قانون کو رسائی دے اور جذبات کے آئینے میں اپنے ووٹر کو مشتعل کرنے کا ارادہ ترک کر دے ۔دوسرا راستہ وہی ہے جس کے ذریعے سے ایم کیو ایم آج ملک کی چوتھی بڑی سیاسی جماعت ہونے کے باوجود ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جا رہی ہے ۔حالانکہ تنظیم سازی' نظم وضبط اور اچھے لوگ اس میں آج بھی موجود ہیں'جمہوری روایات پر عمل کرتے ہوئے متحدہ میں صلاحیت ہے کہ ایک صبر آزما دور سے گزرنے کے بعد وہ دوبارہ ملکی سیاست میں قدم جماسکے مگر اگر صبر نہ کیا تو پھر کراچی وسندھ کیا پاکستان کو ایک کڑے مرحلے سے گزرنا ہوگا۔جس کا فیصلہ سیاستدانوں کے تدبر' فہم وفراست اور انتظامی صلاحیتوں کا امتحان ہوگا اور اللہ کرے وہ اسے سیاسی مصلحت اور سیاسی رنگ نہ دیں۔۔آخری بات یہ کہ اگر متحدہ مجرم ثابت ہوتی ہے تو اس کو سزا دینے کے بعد کیا سماج میں موجود ان عناصر کا سد باب بھی کیا جائے گا جو نوجوانوں کو اس حد تک لائے کہ وہ اپنے روشن مستقبل اور جوانی کو اسلحے کے انبار کی نذر کر دیں ؟ صولت مرزا کو تو سزا ملے گی ؟ لیکن عروس البلاد کراچی دہائی دے رہا ہے کہ میرے فرزند صولت کے مجرموں کو

کب سزا ملے گی؟ عروس البلاد پکار رہا ہے کہ تم کہتے ہو کہ جس نے مجھے اکتیس سال سے یرغمال کیا اسے سزا ملے گی لیکن جس نے مجھے صدیوں سے یرغمال کر رکھا ہے' کیا اسے بھی سزا ملے گی؟؟؟؟

مظلوم کی آہ' غریب کی صدا' زخموں کی کراہ اور ظالم کی سوچ ہمیشہ آپس میں ٹکراتے رہے ہیں۔ مظلوم ہتھیار اُٹھا کر خود کو ظالموں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے' جواز خود جرم ہے۔ مگر کیا ایسے مجرم کیساتھ اس ظالم کو بھی سزا نہ دی جائے جو اسے ظلم کی دنیا میں پہنچانے کا سبب بنا؟؟؟

سعودیہ یمن تنازعہ یا ایران سعودیہ سرد جنگ

1990 میں متحد ہونے والے شمالی وجنوبی یمن کے باشندے بالاآخر اپنے اردگرد موجود ریاستوں کے مفادات کی جنگ اپنی سرزمین پر اپنے ہی لوگوں سے لڑ رہے ہیں۔

اس وقت حوثی جو کہ عقائد کے اعتبار سے شعیہ زیدی کہلاتے ہیں' دار لحکومت صنعاء پر ستمبر 2014 سے قابض ہیں۔یہ fivers بھی کہلاتے ہیں۔دور حاضر میں اس تحریک کا آغاز 2003 میں ہوا جب دار لحکومت صنعاء میں نمازیوں نے امریکہ واسرائیل مخالف نعرے لگائے۔یمنی صدر علی عبداللہ صالح جو کہ خود بھی شیعہ زیدی تھے ۔اس جماعت کے آٹھ سو کے قریب حمایتی 2004 میں پکڑے گئے۔یمنی صدر نے تنظیم کے سربراہ حسین الحوثی کو مذاکرات کی دعوت دی لیکن انھوں نے ٹھکرادی اور حکومت کیخلاف بغاوت کے دوران 18 جون 2014 میں مار دیئے گئے۔بغاوت جاری رہی اور 2010 میں ایک مصالحت کے تحت حوثیوں نے کاروائیاں روک دیں۔پھر 2011 کے یمنی انقلاب میں حوثیوں نے حصہ لیا' جس کے نتیجے میں نیشنل ڈائیلاگ کانفرنس ہوئی۔نومبر 2011 میں حوثیوں نے گلف کوپریشن ڈیل کو رد کردیا اوراسکے ساتھ ہی سابق صدر صالح کے لیئے چانسز کم کرتے ہوئے مخلوط سرکار کے منصوبے کو بھی ٹھکرادیا۔نومبر 2011 میں حوثیوں نے saada اور aljawf جیسے بڑے یمنی صوبوں

پر کنٹرول حاصل کرکے وہ دار الحکومت صنعاء تکhajjahپر کنٹرول حاصل کرلیا۔
کے بڑے حصے پر تسلط قائمhajjah پہنچنا چاہتے تھے۔ مئی 2012 میں حوثیوں نے
کرلیا۔21 ستمبر 2014 کو حوثیوں نے یمنی دار الحکومت کے بڑے حصے پر قبضہ جمالیا جس
میں ریڈیو سٹیشن اور اہم ملکی عمارتیں شامل تھیں۔ چھ جنوری 2015 کو حوثیوں نے
یمن کے صدارتی محل پر قبضہ حاصل کرلیا جبکہ صدر عبدالرب منصور ہادی محفوظ
رہے۔ چھ فروری کو حوثیوں نے پارلیمنٹ تحلیل کردی اور اختیارات اپنی انقلابی کونسل
مساجد میں خود کشal-hashooshکے سپرد کردیئے۔20 مارچ 2015 کو البدر اور
حملے ہوئے ،جس کے نتیجے میں 142 حوثی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور 351 زخمی ہوئے
یہ یمن کی تاریخ کی سب سے بڑی دہشت گردانہ کاروائی تھی۔ بائیس مارچ 2015،
کو اپنی ٹیلی ویژن خطاب میں حوثیوں کے رہنماء عبدالمالک حوثی نے اس دہشت گردی
کاروائی کو امریکہ اور اسرائیل کی کارستانی قرار دیا اور ساتھ ہی سعودیہ عرب سمیت کچھ
ممالک کو دہشت گرد گروپس کی مالی امداد کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس سے قبل عراق کی
شدت پسند تنظیم اس حملہ کی ذمہ داری قبول کرچکی تھی جبکہ القاعدہ نے اس سے براء
ت کا اعلان کیا۔

حوثیوں کی ممبر شپ 2005 میں ایک سے تین ہزار کے درمیان رہی۔2009 میں
سے دس ہزار۔ یمن پوسٹ کا دعوی ہے کہ ان کے پاس ایک لاکھ جنگجو ہیں۔ حوثی2000
ایکسپرٹ احمد البحری کے مطابق حوثیوں کی ممبر شپ میں ایک لاکھ سے ایک لاکھ بیس
ہزار تک افراد شامل ہیں ،جن میں مسلح اور غیر مسلح حمایتی شامل ہیں۔

حوثیوں کے سینئر رہنماء یحی بدرالدین الحوثی ہیں ؛پھر عبدالمالک بدرالدین حوثی ہیں ؛عبدالکریم بدرالدین ہائی رینکنگ کمانڈر ہیں ؛عبداللہ الرزامی سابق کمانڈر ہیں ؛ابو علی عبداللہ الحاکم الحوثی ملٹری لیڈر ہیں ؛جبکہ بدرالدین الحوثی انکے روحانی پیشوا تھے جو کہ 2010 میں وفات پاگئے تھے۔صالح ہبراسیاسی رہنماء ہیں اور فارس منا گورنر سعدا ہیں جو کہ صالح پریزیڈینشل کمیٹی کے فارمر ہیڈ بھی ہیں۔

مارچ 2015 کو 26.9 ملین آبادی والے سعودیہ عرب نے کویت ؛متحدہ عرب 27 امارات؛ مراکش؛ اردن؛ قطر؛ بحرین اور سوڈان کی حمایت سے ایک کروڑ کی آبادی کے حامل یمن پر فضائی بمباری کی۔اس آپریشن میں خلیجی ریاستوں کو امریکہ کی لاجسٹک اور انٹیلی جینس سپورٹ کے ساتھ ساتھ پروگرام ترتیب دینے میں بھی مدد شامل تھی۔

میں معرض وجود میں آنے والے سعودیہ عرب کی سرحد ایران ؛بحرین اور یمن 1932 کے ساتھ ملتی ہے۔جنوبی سرحد اومان اور یواے ای کے ساتھ ملتی ہے۔ایران اور سعودیہ کے تعلقات کوئی خوشگوار نہیں رہے۔جس کی وجہ یمن میں دونوں ممالک کے مفادات کی جنگ اور فقہی بنیادیں بھی ہیں۔اسکے علاوہ ایران کے صوبے اصفہان کے شہر کاشان میں موجود ایک زیارت گاہ بھی وجہ تنازعہ ہے۔صفوی خاندان نے اسے عرب

کے خلاف عجم کی مزاحمت قرار دے کر زیارت گاہ میں ڈھالا۔ 2007 میں عربی علماء ایران سے اس عمارت کو منہدم کرنے کی درخواست کر چکے ہیں۔ 1980 سے لے کر اب تک ایران سعودیہ تعلقات منقطع رہے ہیں۔ ماضی میں سعودی سفیر عدیل الجبیر پا قاتلانہ حملہ کا الزام بھی ایران پر لگ چکا ہے۔ 1980 میں سعودیہ عرب نے صدام حسین کی حمایت کرتے ہوئے ایران عراق جنگ پر پچیس بلین ڈالر خرچ کیئے۔ تیرہ صوبوں پر مشتمل سعودیہ عرب اپنی جی ڈی پی کا دس فیصد اپنی آرمی پر خرچ کرتا ہے اوراس کی کل فوج کے حاضر سروس ملازموں کی تعداد دو لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

پاکستان کے سعودیہ عرب سے قریبی تعلقات ہیں۔ ماضی میں بھی جب سعودیہ عرب کو یمنی یلغار کا سامنا ہوا تو پاکستانی افواج نے مقدس سرزمین کی حفاظت کی۔ اسوقت بھی پاکستان کے 750 کے قریب فوجی سعودیہ عرب میں موجود ہیں۔

.بروز ہفتہ کی اطلاعات کے مطابق حوثی عدن کی بندرگاہ کی جانب پیش قدمی کر رہے 15 بحیرہ احمر میں گر کر تباہ ہوگیا۔ سعودی f. ہیں۔ اس دوران سعودیہ عرب کا طیارہ پائلٹس کو امریکیوں نے بچایا جبکہ حوثیوں کا دعوی ہے کہ ایک سوڈانی پائلٹ ان کے زیر حراست ہے اور طیارے کو انہوں نے اینٹی ائر کرافٹ گن سے گرایا ہے' سعودی عرب نے اس بات کی تردید کی ہے۔ امریکی وزارت دفاع کے ایک اہلکار نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو بتایا کہ قریبی ملک جبوتی سے پرواز کرنے والے ایک امریکی ہیلی

کاپٹر نے خلیج عدن میں جا کر اس طیارے کے پائلٹس کو بچایا۔
عدن وہ علاقہ ہے جہاں یمن کے معزول صدر عبدالرب ہادی منصوری بیٹھ کر اپنے کاروبار مملکت چلا رہے تھے ۔
اس ساری صورتحال میں سعودیہ عرب نے پاکستان سے سفارتی اور عسکری سطح پر امداد کا مطالبہ کیا ہے۔پاکستان نے سعودی عرب کے دفاع کا اعلان کیا ہے ۔ اور خانہ کعبہ پر حملے کی گردش کرتی خبروں پر کہا ہے کہ مقدس مقامات کی ہر صورت حفاظت کی جائیگی ۔پاکستانی وزیر دفاع جناب خواجہ آصف نے آج بروز ہفتہ قومی اسمبلی میں اپنے وضاحتی بیان میں کہا کہ پاکستان یمن میں زمینی کاروائی کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ اسکے برعکس مقدس سرزمین سعودیہ عرب پر حملہ ہوا تو اس کا مکمل دفاع کیا جائے گا۔پاکستان تحریک انصاف اور اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے سعودیہ عرب کی حکومتی حمایت کو آڑے ہاتھوں لیا اور کہا کہ پاکستان کو اس جنگ میں کودنے سے پرہیز کرنا چاہیئے ورنہ ہم تباہ ہوجائیں گے ۔شاید اس وجہ سے وزارت دفاع نے وضاحتی بیان جاری کیا۔ جبکہ وزارت دفاع نہ یہ بھی کہا کہ جنگ میں شامل ہونے یا اس سے متعلق کوئی بھی فیصلہ پارلیمنٹ کی رائے سے ہی ہوگا۔

یمن کی سرزمین پر لڑی جانے والی یہ جنگ سعودیہ اور ایران کی سرد جنگ کہی جا سکتی ہے۔اس کا اندازہ ایرانی سپریم رہنماء آیت اللہ خامنہ ای کے قریبی ساتھی اور بااثر رکن پارلیمنٹ علی رضا ذکانی کے بیان سے لگایا جاسکتا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ایران سعودیہ عرب پر کنٹرول حاصل کر لے اور اسوقت ایران یمن کے بیس میں سے چودہ صوبوں پر کنٹرول حاصل کر چکا ہے۔

لبنان میں موجود ایران کی مزاحمت کار تنظیم حزب اللہ کے سربراہ حسن نصر اللہ نے اپنے بیان میں سعودیہ عرب کے یمن پر فضائی حملے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ سعودیہ نے حملے سے متعلق جو دلائل دیئے ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔انہوں نے کہا کہ جب عرب ممالک 'مصر اور افریقہ میں اسلامی تحریکیں اُٹھیں اسوقت سعودیہ کہاں تھا؟اب سعودیہ خونی جنگ چھیڑنا چاہتا ہے۔ایران کا تذکرہ کرتے ہوئے حزب اللہ کے سربراہ نے کہا کہ ایران ہمارا اچھا دوست ہے۔

ترکی کے صدر رجب طیب ایردوان نے ایران کو خبردار کیا ہے کہ وہ اپنے توسیع پسندانہ عزائم سے باز رہے اور سعودی عرب کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

مصر کے شہر شرم الشیخ میں جاری عرب لیگ کے دو روزہ اجلاس میں یمن کی نمائندگی کرتے ہوئے صدر عبدالرب منصور ہادی نے کہا کہ حوثی ایران کے حمایت یافتہ ہیں

۔انھوں نے مطالبہ کیا کہ حوثیوں کے ہتھیار ڈالنے تک مسلح کاروائی جاری رہے۔
انھوں نے کہا کہ ملکی فوج حقیقی قیادت کے احکامات مانے اور سرکاری عمارات کی حفاظت کرے۔ اجلاس کے دوران یمن میں زمینی جنگ بھی موضوع بحث رہی۔ مصری صدر عبدالفتاح السیسی نے کہا کہ خطے کی صورتحال کے پیشِ نظر عرب لیگ کے تحت مشترکہ فورس کا قیام عمل میں لایا جائے۔

ہفتہ کے روز ہی امریکی صدر نے سعودیہ کے بادشاہ سلیمان بن عبدالعزیز کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔اور دونوں راہنماؤں نے یمن میں دیرپا امن کیلئے سیاسی مذاکراتی عمل پر اتفاق کیا۔

ایسوسی ایٹڈ پریس کے مطابق مصری اور سعودی بحری جہاز اور کشتیاں آبنائے باب المندب میں تعینات کردی گئی ہیں۔بحیرہ احمر سے نہر سویز میں داخلے کیلئے استعمال کی جانے والی یہ آبی گزرگاہ مصر کی قومی سلامتی کے حوالے سے حساس ہے۔

سعودی طیاروں نے صنعاء کے شمال میں ایک فوجی کیمپ کو بھی تباہ کیا۔2011 میں عوامی احتجاج کے نتیجے میں سبکدوش ہونے والے سابق یمنی صدر علی عبداللہ صالح نے حال ہی میں حوثیوں کے ساتھ اتحاد قائم کیا ہے'وہ حالیہ یمنی صدر عبدالرب

منصور ہادی کے ناقد ہیں اور زیدی شیعہ ہیں ۔اطلاعات کے مطابق انہوں نے ہی حوثیوں کو جنوبی یمن کے علاقوں پر دھاوا بولنے کی ترغیب دی تھی ۔ان کے بیٹے احمد علی عبداللہ صالح کی کمان میں علی صالح کی محبت کا دم بھرنے والے جنگجواور فوجی 'حوثیوں کے شانہ بشانہ لڑ رہے ہیں۔

اقوام متحدہ نے کہا ہے کہ ایک کروڑ آبادی والے اس ملک میں شہریوں کے پاس خوراک کی قلت ہے اور جنگ زدہ ملک میں انسانی المیہ جنم لے سکتا ہے۔

.بروز پیر یمن میں امریکہ کے سفیر میتھیو ٹولر نے کہا تھا کہ وہ پرامید ہیں کہ حوثی باغیوں اور یمنی صدر منصور ہادی کے درمیان مصالحت ہو جائے گی۔

بیس مارچ کو ہونے والے دھماکے کے بعد ہی امریکہ نے جنوبی یمن کے ہوائی اڈے پر تعینات اپنی سپیشل فورسز کے سواہلکاروں کو وطن واپس بلالیا تھاجو وہاں موجود رہ کر القاعدہ کے خلاف ڈرون حملے کرتے تھے۔یہ ایک عندیہ تھا کہ اب حالات ویسے نہیں رہیں گے۔

پاکستان جو گزشتہ تیس برس سے حالت جنگ میں ہے اور سرحد پار دراندازی سہہ رہاہے۔دو کروڑ کے شہر کراچی میں امن نام کو نہیں ۔اگر ایسے حالات میں

پاکستان سعودیہ کے ساتھ ملکر یمن میں زمینی یا فضائی کاروائی میں حصہ لیتا ہے تو پھر پاکستان کو ایران کی ناراضگی مول لیناپڑے گی جو کہ بھارت کا بھی دوست ملک ہے۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیاجاسکتاکہ سعودی عرب نے ہر مشکل وقت میں پاکستان کا ساتھ دیااور ہمارے گہرے سٹریٹیجک تعلقات ہیں۔سعودی عرب نے اسوقت بھی پاکستان کا ساتھ دیاجب اسے ایٹمی قوت بننے کیلئے مالی امداددرکار تھی۔ایٹمی دھماکوں کے بعد بھی پاکستان کو غیر معینہ مدت ڈیفرڈپیمنٹ کی بنیاد پر تیل ملتارہا۔ 1999 میں سعودیہ عرب نے پاکستان کو مفت تیل فراہم کیا۔ہر ناگہانی آفت میں سعودیہ عوام اورشاہ نے پاکستان کے عوام کادکھ سکھ میں ساتھ دیا۔مگر اس سب کے باوجود اپنے ملک کی سلامتی کو داؤپر نہیں لگاناچاہیے۔پاکستان کو چاہیئے کہ سعودیہ عرب اور یمن کے درمیان مصالحت کی کوئی راہ نکالے ۔پاکستان کے سعودی سرزمین کے دفاع کے اعلان کے بعد یمن میں محصورپاکستانیوں کیلئے مشکلات پیداہو گئی ہیں۔آج بروزہفتہ پاکستانی سفارت خانے سے رابطے کے بعد جب سترہ بسوں کا قافلہ الحدید کی جانب چلاتوحوثی باغیوں نے انہیں راستے میں روک لیا۔پاکستانی سفارت خانے نے باغیوں سے گزارش کی کہ انہیں چھوڑدیاجائے جسے انھوں نے رد کردیا۔اطلاعات کے مطابق یمن میں تین ہزارکے قریب پاکستانی پھنس چکے ہیں اور حوثی پاکستان کو اپنادشمن قراردے رہے ہیں ۔ایسی اطلاعات بھی ہیں کہ ممکن ہے وہ پاکستانی افراد کو ڈھال کے طورپر استعمال کریں۔وزیراعظم پاکستان کے مشیر برائے خارجہ

امور سرتاج عزیز کا کہنا ہے کہ چوبیں گھنٹے میں پاکستانیوں کو ریسکیو کرلیا جائے گا اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ جبکہ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق پاکستان کے سیکرٹری خارجہ اعزاز چوہدری نے ہنگامی پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ حوثی باغیوں نے پاکستانی افراد کو چھوڑ دیا ہے، جنھیں عنقریب وطن واپس لایا جایا گا۔ انھوں نے کہ کہ سعودی سرزمین پر حملہ پاکستان کیلئے باعث تشویش ہوگا۔ عدن کی صورتحال مخدوش ہے جیسے ہی حالات سنبھلے وہاں سے بھی پاکستانیوں کا نکال لیا جائے گا۔ پاکستانی وزیر دفاع نے سعودی ہم منصب سے ٹیلی فونک گفتگو بھی کی۔

اسوقت عالم اسلام میں ترکی، پاکستان، مصر اور ایران بڑی فوجی قوت والے ممالک ہیں۔ وسائل کے اعتبار سے سعودیہ عرب کے شہر الغوار میں دنیا میں سب سے زیادہ تیل پایا جاتا ہے، اندازہ ہے کہ یہ ذخیرہ 75 بلین بیرل کے قریب ہے۔۔ اگر اس جنگ کے تناظر میں مستقبل کو دیکھا جائے تو ترکی، سعودیہ، مصر اور پاکستان مل کر اگر یمن میں کاروائی کرتے ہیں تو ایران کو حوثیوں کی امداد کیلئے کودنا پڑے گا اور عالم اسلام کی طاقت آپس میں ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہوتی رہے گی۔ امریکہ سعودیہ کو عسکری امداد کے بدلے بھاری معاوضے کا کہہ سکتا ہے جیسا کہ عراق کا ہوا کھڑا کرکے کیا گیا اور ایک طویل عرصے تک تیل مفت لیا جاتا رہا۔ عالم اسلام کے سرکردہ ممالک اس جنگ کا حصہ بنتے گئے تو وہ عسکری لحاظ سے کمزور ہوتے جائیں گے۔ خلیجی ممالک اور مصر میں اسرائیلی تسلط میں

اضافہ ہوگا'مسئلہ فلسطین دب جائے گا۔ایران پاکستان سے مخالف میں ممکن ہے اندرون خانہ بھارت کاساتھ دے اسطرح ایران معاشی و عسکری طور پر کمزور ہوگا جس کے نتیجے میں پاکستان بھی اندرونی خلفشار کاشکار ہوجائے گا (اللہ نہ کرے) اور مسئلہ کشمیر لمبے عرصے کیلئے عالمی توجہ کھوسکتاہے۔امریکی تحقیقی ادارے انٹرا ایکٹو انفوگرافک کے مطابق پاکستان کے پاس 120 آٹومیٹک جوہری ہتھیار ہیں جو کہ بھارت سے دس گنازائد ہیں ۔شاید اسی رپورٹ پر استعماری قوتیں پاکستان کو کسی جنگ میں دھکیل کر اس کیلئے مشکلات کھڑی کرنا چاہتی ہیں۔

۔اس خطے میں بھارت کی عمل داری میں اضافہ ہوسکتاہے اور بالاآخر ایران بھی استعمار کیلئے نرم چارہ ثابت ہوگا۔

استعماری قوتیں پہلے لارنس آف عریبیہ کے ذریعے عثمانی سلطنت کو ٹکڑوں میں بکھیر چکی ہیں ۔اب شاید وہ ان ٹکڑوں کو ریزہ ریزہ کرکے مکمل تسلط چاہتی ہیں تاکہ ان کے وسائل سے بھرپور فائدہ اُٹھایا جاسکے۔ عراق پر تسلط قائم کیا گیااور اب وہاں دولت اسلامیہ کے ذریعے سستے داموں اور کئی مقامات سے مفت تیل ہڑپ کیاجارہاہے۔۔پہلے مختلف اسلامی ممالک میں مسلمانوں کو گروہوں کی صورت میں آپس میں فقہ کی بنیادپر لڑا کر مسلکی نورا کشتی کروائی گئی اور اب یہی مسلکی جنگ مختلف ممالک کے درمیان کروائی جارہی ہے۔ظاہر ہے جب یمن میں حوثی جان سے

جائیں گے 'لبنان کی حزب اللہ میدان میں آئے گی اور ایران بیچ میں کود پڑے گا تو سعودی میں موجود دس سے پچیس فیصد فقہ جعفریہ کے جذبات کو بھی مشتعل کیا جانا خارج از امکان نہیں قرار دیا جاسکتا'۔ جس کے نتیجے میں ہر سو دھواں ہی دھواں ہوگا اور ہر سمت میں ایک ہی صدا گونجے گی

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگی اس گھر کے چراغ سے

اس کا واحد حل یہ ہے کہ مسلم ممالک ایران کے ذریعے حوثیوں پر دباؤ ڈلوائیں اور دوسری جانب سعودیہ عرب کے حمایت یافتہ یمنی کوئی نرمی کا رخ دکھائیں پھر مذاکرات کے ذریعے اس معاملے کو ہمیشہ کیلئے دفن کر دیا جائے۔ اس سب کیلئے ایران' اور سعودیہ کو اپنے مذہبی خیالات کی ترویج کے بجائے اپنے شہریوں کی حفاظت اور ترقی کا سوچنا ہوگا۔ استعماری قوتیں ان اسلامی ممالک کو مسائل کے ایندھن میں دھکیل کر یہ کاروائی محض وسائل ہتھیانے کیلئے کر رہی ہیں۔

سعودیہ‘ یمن جنگ کے رُخ

دو کروڑ آبادی کا حامل یمن جنوب مغربی ایشیا میں واقع ہے۔زمین کے لحاظ سے دنیا کا پچاسواں بڑا ملک ہے۔شمالی اور جنوبی یمن 1990 میں متحد ہوئے۔یمن کے شمال میں سعودیہ عرب‘مشرق میں اومان‘بحیرہ عرب اور گلف آف ایڈن جنوب میں اور بحیرہ احمر مغرب میں واقع ہے۔اسکی 60-65%آبادی سنی اور35-40%فیصد شیعہ ہے۔سعودیہ اور یمن کی مشترکہ سرحد 1800کلومیٹر طویل ہونے کے ساتھ ساتھ مسام دار ہے‘یمن میں بیٹھا شخص جب چاہے سعودیہ عرب کو زخمی کر سکتاہے۔
حوثی 21ستمبر 2014سے دارلحکومت صنعاء پر قابض ہیں ۔ یمن کے جبری معزول صدر منصور ہادی نے سعودیہ عرب میں پناہ لے کر مداخلت کی اپیل کی‘جس کے نتیجے میں سعودیہ نے 27مارچ سے یمن پر فضائی بمباری کا آغاز کر رکھاہے۔2004میں حوثیوں کے عسکری ونگ انصاراللہ کا قائد حسین الحوثی حکومت سے بغاوت کے دوران اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ان کے بعد حوثیوں کی کمان انکے بھائی عبدالمالک حوثی چلارہے ہیں۔اب تک حوثیوں اور حکومت کے مابین کم وبیش چھ جنگیں لڑی جاچکی ہیں۔حال ہی میں سابق صدر علی عبداللہ صالح نے حوثیوں کے ساتھ اتحاد کیا ہے۔اسوقت انکے بیٹے احمد علی عبداللہ صالح کی کمان میں ریپبلکن گارڈ اور سابق

صدر علی عبداللہ کے فدائی حوثیوں کے ساتھ مل کر جنگ کر رہے ہیں۔احمد علی عبداللہ صالح نے سعودی حکومت کا اس شرط پر ساتھ دینے کا کہا کہ ان کے اور انکے والد کے اوپر قائم پابندیاں اُٹھالی جائیں لیکن اسے سعودیہ نے مسترد کر دیا۔

ایران کے بااثر رکن پارلیمنٹ علی رضا ذکانی سعودیہ عرب پر قبضے کا بیان بھی دے چکے ہیں۔ایرانی حمایت یافتہ لبنانی حزب اللہ کے سربراہ حسن نصراللہ نے بھی سعودیہ کی یمن میں کاروائی کو بے بنیاد قرار دیا۔ایران کے نائب وزیر خارجہ حسین عامر عبداللہ حیان کا کہنا ہے کہ یمن پر سعودیہ اور اتحادیوں کا حملہ پورے خطے کو جنگ کی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔بات چیت کے آپشن موجود ہیں اور انہی پر عمل کرنا سودمند ہوگا۔جبکہ دوسری جانب سعودی عرب بھی ان تمام قوتوں کے درمیان بات چیت کا خواہش مند ہے جو یمن کی سیاسی قوت ہیں اور اس سرزمین پر امن چاہتی ہیں۔ایران حوثیوں کو اس مذاکرات میں شامل کرنا چاہتا ہے جبکہ سعودیہ کے رویہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حوثی باغیوں کو کوئی مقام دینے کو تیار نہیں 'اگر ہمارا قیاس درست ہے تو پھر اس جنگ کے ٹلنے کے آثار کم نظر آتے ہیں 'اگر یہ باقاعدہ طور ختم بھی ہوگئی تو اس کے بھڑکنے کے مواقع باقی رہیں گے۔سعودیہ سمجھتا ہے کہ اگر حوثیوں کو حکومت میں بھرپور توانیائیاں خرچ کرنے کا موقع مل گیا تو ممکن ہے وہ ایران کی آشیرباد سے سعودیہ اور یمن کے مابین 1800 کلومیٹر طویل اور رخنہ دار سرحد کے ذریعے سعودیہ عرب کو نقصان

پہنچائے۔اوراس کا یہ قیاس رد بھی نہیں کیاجاسکتاکیونکہ سعودیہ میں بھی 10-25% فیصد شیعہ موجود ہیں اور ممکن ہے کل کلاں کو کوئی ان کے جذبات بھی بھڑکا دے اور اتنی طویل سرحد کی حفاظت بھی لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔

اس صورتحال میں حرمین شریفین پر قبضے کی بازگشت سنائی دی 'جس پر پاکستان نے سخت ردعمل ظاہر کیا۔اس کی 4 وجوہات ہیں ۔1۔ یہ کہ حرمین پوری دنیامیں موجود مسلمانوں کے لیئے مقدس ہیں 'انکی حفاظت میں ہر مسلمان اپنی جان بھی دے سکتاہے۔2۔ سعودیہ عرب ہمیشہ پاکستان کی مالی امداد کوآیا۔ایٹم بم کی تیاری سے لے کر ایٹمی دھماکوں کے بعد کی پابندیاں ہوں یا پھر ناگہانی آفات سعودیہ پیچھے کبھی نہیں ہٹا۔3 .۔ عرب ممالک میں تین ملین سے زائد پاکستانی موجود ہیں 'جواربوں ڈالرکازرمبادلہ پاکستان کو بھیجتے ہیں اگرپاکستان سعودیہ کی حفاظت سے پیچھے ہٹتاہے توممکن ہے عرب ممالک ان کو واپس کردیں 'ایسے میں پاکستانیوں کامستقبل اور معیشت پرپڑھنے والابوجھ بہت معنی رکھتے ہیں۔ ۔عرب ریاستوں کے ساتھ پاکستان کے سٹریٹجک تعلقات مضبوط ہیں۔پاکستانی افواج 4 پہلے بھی حرمین کی حفاظت کافریضہ اداکرچکے ہیں۔ساڑھے سات سوفوجی اس صورتحال سے قبل بھی سعودیہ میں موجود تھے۔

تصویرکادوسرارخ ایران ہے۔جواس سرد جنگ کا محرک بھی کہاجاسکتاہے۔ایران پاکستان کاہمسایہ ملک اورپاکستان کو سب سے پہلے تسلیم کرنے والاملک ہے۔فی

الحال مقدس مقامات کی حفاظت کے پاکستانی فیصلہ پر ایران کا کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ایران کو سعودیہ کی حفاظت سے تکلیف پہنچے گی کیونکہ 1980 سے سعودیہ وایران کے سفارتی تعلقات منقطع ہیں۔خدانہ کرے اگر جنگ طویل ہوتی ہے اور ایران کو دپڑتا ہے تو پھر یہ بات یقینی ہے کہ پاکستان ایک سرحدی ہمسایہ ملک کے تعاون سے کسی حد تک محروم ہوجائے گا۔چار مسلم ممالک بہترین آرمی رکھتے ہیں جن میں ایران 'پاکستان 'مصر'اور ترکی شامل ہیں۔اس جنگ میں پاکستان مصراور ترکی سعودیہ کے ساتھ ہیں اور ایران سرد جنگ کے ذریعے حوثیوں کے ساتھ۔' لبنان کی حزب اللہ ایران کے ساتھ۔

اگراستعماری قوتوں کا منصوبہ کامیاب ہوتا ہے اور یہ جنگ طویل ہوتی ہے توفوجی قوت والے یہ چار مسلم ملک آپس میں الجھ الجھ کرہی تباہ ہوتے رہیں گے اور دشمن انسانیت لطف اندوز ہوں گے۔عرب میں اسرائیل کا تسلط بڑھے گااور مسئلہ فلسطین کمزور ہوگا جبکہ جنوبی ایشیاسے یمن جنگ میں پاکستان کی شمولیت سے ایران بھارت کاساتھ دے گا اور مسئلہ کشمیر سمیت خود پاکستان میں مسائل کاانبار لگ سکتاہے'جس میں فقہ وارانہ تعصب کی نئی لہراُٹھ سکتی ہے اور ممکن ہے زیرزمین پلنے والادوسرا فقہی عسکری گروہ بھی اپنی طاقت کااظہار کردے۔عرب لیگ کے اجلاس میں مشترکہ عرب فورس کے قیام کا بھی منصوبہ

بن چکا ہے' مجھے اس کے قیام پر حیرت ہے اگر یہ مظلوم فلسطینیوں کیلئے بنتا تو بہتر تھا۔
پاکستانی وزارت دفاع کا وفد سعودی حکام سے ملنے سعودیہ پہنچ چکا ہے۔دوسری جانب پاکستان نے ایران سے بھی بات چیت شروع کردی ہے۔اس طرح مذاکرات کا ڈول ڈالا جاسکتا ہے اور یہی آخری اور بہترین آپشن ہے۔

پاکستان کو چاہیئے کہ یمن میں کسی صورت کسی بھی قسم کی کاروائی سے پرہیز کرتے ہوئے مقدس مقامات کی حفاظت کرے اور ساتھ ہی سعودیہ کو عسکری کاروائی کے بجائے مکمل طور پر مذاکرات کیلئے آمادہ کرے۔آخری تجزیہ ہے کہ عالم اسلام کے مقدس مقامات اور کسی بھی ملک کے امراء میں فرق ہے۔عالم اسلام کو چاہیئے کہ دنیا میں موجود مقدس مقامات کی حفاظت کیلئے ایک مشترکہ اسلامی فورس ہمیشہ کیلئے تشکیل دی جائے تاکہ کوئی بھی ملک مستقبل میں ان مقامات کو ایشو بنا کر اپنی پالیسیوں کی حفاظت نہ کرسکے' چاہے وہ سعودیہ ہو یا ایران 'ہمیں کسی بھی ملک سے زیادہ اسلام اور انسانیت سے محبت ہونی چاہیئے ۔اور اس فورس کے اخراجات مقدس مقامات سے ملنے والی رائلٹی اور متعلقہ حکومتیں ادا کریں۔

کپتان کی واپسی

کسی بھی سخت فیصلے کیلئے طویل مشاورت ‘اسرار رموز سے واقفیت ‘دیدہ بینا ‘حوصلہ اور فہم وفراست ایسی ہی ضروری ہے جیسے انسانی جسم کیلئے جان ‘تب جا کر انسان یا انسانوں کا کوئی گروہ کوئی مضبوط فیصلہ کرپاتاہے اور پھر اُس پر قائم بھی رہتاہے کیونکہ ایسے فیصلوں کو زمینی حقائق ‘ اس جماعت کے کارکنان کی اکثریت کی حمایت اور رہنماء کے تدبر کی آشیرباد حاصل ہوتی ہے ‘جبکہ دوسری جانب بغیر مشاورت اورجذباتی فیصلے جہاں حقائق سے دورلے جاتے ہیں وہیں بادبان کو طوفان کے رحم وکرم پر چھوڑنے پر مجبور بھی کردیتے ہیں جس کا مطلب شاید مورخ یہی لے گاکہ ملاح نے طوفان کیساتھ مصالحت کرلی۔

کپتان نے الیکشن کے بعد احتجاجی بیانات سے لے کر دھرنے میں بھی جو شرائط رکھیں وہ حقائق وحالات سے واقفیت ہی نہیں رکھتی تھیں۔پھر سانحہ پشاور نے جب قوم کو جھنجوڑا توکپتان کی دانست میں یہ بات آئی کہ اب ملک میں مزاحمت کی سیاست کا وقت نہیں ‘اکثر تجزیہ نگار اس کو بھی کپتان کا یوٹرن کہتے ہیں مگر ہم اس فیصلے کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔پھر قومی ایکشن پلان اور فوجی عدالتوں کی قرارداد پر تحریک انصاف کی اسمبلی سے غیر حاضری بھی ایک غلطی تھی

اگر بل کی مخالف کرنی ہی تھی تو پارلیمان میں جایا جاتا‘حمایت کا اصول بھی پارلیمنان‘ ہی ہے۔دھرنوں کے دوران حکمران جماعت کی حکمت عملی بھی بعض مقامات پر ڈگمگائی اگر آج دھرنوں کے دوران ن لیگ کے ریکارڈ پر طنز و تشنیع کے بیانات نہ ہوتے تو اس‘ کا سر فخر سے اوراونچا ہوتا‘ عوام کو سیاست میں اخلاقیات کا نیا سبق ن لیگ ہی سے ملتا یا یہ کہہ لیں کہ ملک میں سیاسی اخلاقیات کا نفاذ حکمران جماعت کی جانب سے ہی کیا جاتا مگر مجموعی طور پر ہم ایسا نہیں کہہ سکتے ہاں وزیر اعظم صاحب کا ریکارڈ مخالف جماعت سے زیادہ شفاف ہے۔

اب کی بار اسمبلیوں میں یمن کے ایشو پر پی ٹی آئی اسمبلیوں میں پہنچی‘ سیاست دان ہمیشہ ایشوز ہی چاہتے ہیں اور ان ہی کے لبادوں میں اپنے فیصلے عوام کے سامنے رکھتے ہیں۔کپتان کی اسمبلیوں میں واپسی کے چار نتائج پاکستانی عوام کو ذہن نشین کر لینے چاہیئں۔1۔پاکستان کا بہترین مستقبل پر امن انتقالِ اقتدار میں ہے۔2۔مزاحمتی قوت سے ملک میں خون خرابے کی گنجائش نہیں اور نہ ہی اس سے ملک کا مستقبل سنوارا جا سکتا ہے۔3۔شفاف نظام الیکشن اور الیکشن اصلاحات کسی جماعت کا مخصوص ایجنڈا نہیں‘سب اپنی اپنی سیاست کھیلتے ہیں۔4۔ کسی بھی جماعت کے ٹکٹ پر نہیں بلکہ امیدوار کی ذاتی اہلیت پر اسے ووٹ دیں۔5۔ کسی بھی جماعت کے ہیرے اور جواہرات میں لدے خوابوں کا اسیر بننے سے پہلے بات کو ہر رُخ سے پرکھ کر دیکھیں‘ تجزیہ نگاروں اور تحریر کے شہنشاہوں کو سنیں اور پڑھیں

ضرور لیکن دونوں آنکھیں کھلی رکھتے ہوئے اپنا دماغ بھی استعمال کریں۔

کپتان کی واپسی اور یمن کے ایشو پر بلائے گئے اجلاس میں جس طرح کا انداز اختیار کیا گیا وہ مہذب سیاست کے منہ پر طمانچہ ہے' اجلاس میں اور اجلاس کے بعد بیانات کو دیکھیں تو دونوں طرفین نے عوام کو بتا دیا کہ ہم کس قدر پختہ اخلاق رکھتے ہیں۔ اجلاس کے بعد مجھے اس ذرائع کی خبر پر یقین ہو گزرا جس نے ستائیس مارچ کو کہا تھا کہ فیصلے ہو چکے۔ ن لیگ جو تحریک انصاف کو اسمبلیوں میں واپس لا کر سیاسی داؤ پیچ اور اخلاقی برتری کا معیار قائم کرنا چاہ رہی تھی وہ اجلاس کی دھول میں ہی اڑ گیا۔ اگر فیصلے ہو چکے تو اجلاس کا فائدہ ہی نہیں تھا اور اگر فیصلے نہیں ہوئے تو پھر اتنے اہم اجلاس میں ایک فضول ایشو اور ایک سیاسی حماقت پر بحث کرنا از خود دانائی سے دور ہے۔

ن لیگ پر اس وقت بھاری ذمہ داری عائد ہے۔ یمن سعودیہ جنگ میں ہمارا کردار اہم ہے مگر اس کا تعین پارلیمان میں کرنا باقی ہے۔ وسائل کی جنگ کو استعمار نے فقہی رنگ دینے کی جو کوشش کی ہے' ہم اسے مل جل کر مصالحت سے طے کر سکتے ہیں' او آئی سی کا اجلاس بلانے سمیت متعدد ایشوز زیر بحث لا کر کسی درست سمت جا سکتے ہیں۔ جو ہو چکا ہو چکا لہذا مٹی پاؤ کی پالیسی کے تحت اب ہمیں اگلا لائحہ عمل مرتب کرنا ہے۔ پارلیمنٹ کا ایک سنجیدہ اجلاس بلایا جائے اگر ایسے ممبران سب جماعتوں

میں نہیں ہیں تو امپورٹ کر لیجئے‘ ہر شخص میں اللہ نے مختلف صلاحتیں رکھ دی ہوتی ہیں مگر یہ اب اس کی مرضی ہے کہ کس صلاحیت کو پالش کر کے اپنے استعمال میں لے آتا ہے۔ ایم کیو ایم اور پی ٹی آئی کے مابین این اے 246 پر بھی تو تو تکار کے بعد ٹھہراؤ آ گیا ہے۔ اب شاید پھولوں کے ہار اگر پی ٹی آئی پہنتی ہے تو پھر الیکشن کے بعد پھولوں کے ہار کوئی اور پہنے گا۔ بہرحال کراچی و پاکستان کو نو گو ایریا نہیں ہونا چاہیئے ۔ تحریک انصاف ہو پی ٹی آئی یا بی این پی مینگل سمیت کوئی جماعت کسی کو بھی پورے پاکستان میں کہیں بھی الیکشن لڑنے کی بھرپور اجازت ہونی چاہیئے اور کسی بھی سطح پر ان کی راہ میں روڑے نہیں اٹکانے چاہییں۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی کپتان کی واپسی کی ۔ سو اختلافات سہی مگر کپتان کو اب ایک ایک کر کے اپنے تمام فیصلے واپس لیتے ہوئے میڈیا کا بائیکاٹ بھی ترک کر دینا چاہیئے ۔ ۔ اس سب کے ساتھ ساتھ کپتان کو ان اداروں سے بھی معذرت کرنی چاہیئے‘ جن کا مورال دھرنوں کے دوران مسخ کیا گیا۔ جہاں تک 126 دنوں کی تنخواہوں اور الاؤنسز کا تعلق ہے تو امید ہے تحریک انصاف ان سے دستبردار ہو جائے گی کیونکہ جب اسمبلی میں آپ خود نہیں آئے تو پھر آپ ان سہولتوں کا مطالبہ کرنے میں بھی حق بجانب نہیں۔ اس طرح کپتان پوری طرح گیم میں واپس آ کر مزاحمت شروع کر سکتا ہے اور ایک بھرپور اپوزیشن کا کردار اسے ادا کرنا ہوگا‘ جس کا نصب العین

مخالف برائے مخالف نہیں بلکہ تعمیر وترقی ہونا چاہیئے۔ وفاق کے اچھے فیصلوں کی حمایت اور غلط اقدامات پر اصلاح کرنا ہوگی۔ اگر یہ سب اقدامات کر لیئے جاتے ہیں تو یہ کپتان کا ٹرا ئین ہوگا اور اگلے الیکشن میں اسے جیتے جتائے امیدواروں کی بیسا کھیوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اللہ پاکستان کا حامی وناصر ہو۔

ہاشم پورہ کے 42 بے گناہ مسلمانوں کا خون۔۔۔۔۔

ہندوستان کے پہلے وزیر داخلہ سردار پٹیل ہندوستان کی پولیس میں مسلمانوں کا داخلہ بند کرکے مسلمانوں پر پولیس تشدد کی راہ ہموار کر گئے تھے۔ پچھلے چھ عشروں میں کم از کم ساٹھ ہزار کے قریب فرقہ وارانہ واقعات ہندوستان جیسے نام نہاد سیکولر ملک میں پیش آچکے ہیں' مگر پولیس پروانشل آرمڈ کانسٹیبلری (pac) نے جس طرح 22 مئی 1987 میں میرٹھ کے محلّہ ہاشم پورہ کے 42 بے گناہ مسلمانوں کا قتل کیا وہ سیکولر ہندوستان کے نقشے پر اقلیتوں کے حوالے سے ایک دردناک سوال ہے؟
میرٹھ میں فسادات کے دوران اترپردیش کی پولیس نے رات کے وقت ہاشم پورہ کے پچاس کے قریب مسلمانوں کو ٹرک میں بھیڑ بکریوں کی طرح لادا اور پولیس اسٹیشن کے بجائے مراد نگر ضلع غازی آباد کی اپر گنگا نہر پر لے گئے۔ پلاٹون کمانڈر سریندر پال سنگھ اور انیس پتھر دل انسان نما باوردی لوگوں نے غیر مذہب ہونے کے جرم میں بیالیس آدم زادوں کو نہر کے کنارے کھڑا کرکے قتل کردیا اور لاشیں نہر میں بہادیں' ایسے ظالمان کے ظلم پر ہی کرشن چندر جیسے افسانہ نگار کا قلم انسانیت کے دکھ سے کانپ اُٹھتا تھا اور اسی جرم کی پاداش میں اپنوں نے ان کی آخری رسومات میں شرکت سے گریز کیا۔۔اس دوران جب اسلحہ نفرت کی آگ

اگل رہا تھا' ایک پولیس والا بھی زخمی ہوا۔ پانچ مسلمان زخمی ہوئے جن میں مضیب الرحمٰن ' محمد عثمان' نعیم عارف اور ذو لفقار ناصر نے بعد ازاں 2007 میں پروسیکوشن کیس میں گواہی بھی دی۔ ملزموں کو کیا معلوم تھا کہ ان کے جرم کے نشانات زندہ انسانوں کی صورت میں باقی رہ جائیں گے ' اگر انھیں معلوم ہوتا تو ان آدم زادوں اور ہم وطنوں کو بھی عرب کی سرزمین سے پھوٹنے والی کرنوں سے اپنا سینہ منور کرنے کی کڑی سزا دیتے۔

انیس میں سے سولہ مجرموں نے 2001 میں سرنڈر کر دیا جو بعد ازاں ضمانت پر رہا ہو گئے جبکہ تین ملزم پہلے ہی دوران کیس اپنے خالقِ حقیقی کے پاس جا چکے تھے۔ 2002 میں سپریم کورٹ آف انڈیا نے کیس کو غازی آباد سے سیشن کورٹ دہلی کی تیس ہزاری کورٹ میں منتقل کرکے روزانہ کی بنیاد پر سماعت کا حکم دیا۔ لیکن اترپردیش کی حکومت سپیشل پبلک پروسیکیوٹر کی تعیناتی میں جان بوجھ کر لیت و لعل سے کام لیا اور ایک لمبے عرصے تک تو کیس لگ ہی نہیں سکا۔ واقعہ کے بیس سال بعد 24 مئی 2007 کو جب واقعہ میں بچ جانے والے دو مسلمانوں اور متاثرہ خاندان کے 36 افراد نے لکھنو میں ڈائریکٹر جنرل آف پولیس کے دفتر میں 615 درخواست the right to information act 2005 کے تحت بھری تا کہ کیس کے ملزمان کے متعلق جان سکیں۔ اس کے تحت ستمبر میں انکوائری ہوئی اور بتایا گیا کہ ہاشم پورہ کے ملزمان اسوقت حاضر سروس ہیں اور سالانہ کانفیڈینشل رپورٹ (acr)

میں ان ملزمان کے حوالے سے ہاشم پورہ کے واقعہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔

پھر 21 مارچ 2015 کا وہ منحوس ترین فیصلہ آیا جس میں تیس ہزار کورٹ نے کہا کہ اس نے ثبوتوں کی عدم موجودگی اور ملزموں کی پہچان نہ ہونے کی وجہ سے انھیں بری کر دیا ہے۔ اٹھائیس سال کے طویل صبر آزما دور سے گزرنے کے بعد بھی مسلمان ہونے کا جرم اتنا بڑا تھا کہ ہاشم پورہ کے بیالیس بے گناہ مسلمان سیکولر بھارت میں انصاف حاصل نہ کر سکے۔

واقعہ کے وقت راجیو گاندھی وزیر اعظم تھے۔ کانگریس جو مسلمانوں کے حقوق کی ٹھیکیدار بنتی ہے اور اتر پردیش کی سماج وادی جماعت بھی اسی قسم کا راگ الاپتی ہے' یہ سب کہاں گئے انکے دورِ اقتدار میں مسلمانوں کو انصاف دلانے کی کتنی کوشش کی گئی؟ یہ سب کچھ فیصلہ سے پتہ چلتا ہے۔ سماج وادی پارٹی کے ملائم سنگھ یادو بھی اپنے عرصۂ اقتدار میں مسلمانوں کے زخموں پر مرہم نہ رکھ سکے؟ سیکولر بھارت سے سوال ہے کہ کیا آدم زادوں کو سرزمینِ ہندوستان میں اپنی مرضی کے مذہب اور اپنی پسند ناپسند اختیار کرنے کا کوئی حق نہیں؟ کیا یہی سیکولر بھارت ہے جس میں بدنام زمانہ سوامی اگر یہ کہے کہ مسجد ایک عمارت ہے اسکی کوئی اہمیت نہیں تو بھارت خاموش ہے؟ سوال ہے کہ اگر بھارت کی تقسیم ایک سیاسی غلطی تھی تو 1949 میں اتر پردیش کے پہلے وزیر اعلی پنت نے ایک ایسی

مسجد میں جہاں 1515 سے اذان ونماز ہورہی تھی رات گئے مورتیاں کیوں رکھوائیں ؟کیا سخت گیر تنظیموں کی موجودگی اورسیاسی پشت پناہی نے بات یہاں تک نہیں پہنچادی کہ جو چاہے جب چاہے اقلیتوں کو روندتا پھرے اوروہ بھی خصوصا مسلمانوں کو۔آج اٹھائیس.برس بعد بھی میرٹھ کے محلّہ کے مزدورپیشہ 42 بے گناہ مسلمانوں کا خون دہلی کی گلیوں میں انصاف کا متلاشی ہے؟کیا ایسے حالات میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بھارت پاکستان کا پسندیدہ ملک ہونا چاہیئے ؟کیا یہ حقیقت نہیں کہ دہلی کی تیس ہزاری عدالت میں یہ سب سے پرانا کیس تھا جس کا فیصلہ ہونا باقی تھا؟آخرمیں ہماری عرض اتنی ہے کہ اگربھارت مسلمانوں کو اپنا محب وطن اورپاکستانیوں کے ساتھ بہتر تعلقات چاہتاہے تو ہاشم پورہ سمیت مسلمانوں کے خون میں ہاتھ رنگنے والے عناصر کو لگام دے کر تختہ دارتک پہنچائے 'تاکہ مسلم 'عیسائی سمیت تمام اقلیتیں بھارت میں محفوظ ہوسکیں اوربھارت کے ہمسایہ مسلم ممالک اوردنیا میں اسکا اچھاتاثر قائم ہوسکے۔ورنہ ہر کوئی کہتا پھرے گا منہ میں رام رام بغل میں چھری۔۔۔

غریب کی جورو سب کی بھابی۔۔۔؟

افسوس‘ دکھ اور ہر وہ کیفیت ہم سمیت ہر اس محب وطن پر طاری ہے جس نے متحدہ عرب امارات کے وزیر محترم ڈاکٹر انور محمد قرقاش کے غیر ذمہ دارانہ الفاظ سنے یا پڑھے۔سینئے کل تک انھیں صحراؤں کی ایک ایسی شخصیت کو جنرل ایوب نے طیارے میں بٹھایا جو اس نوع کی کسی تخلیق کو حیرت سے تکتا رہ گیا۔آج ہمیں کوئی استعماری قوت نہیں‘کوئی یہودی ملک نہیں‘کوئی سرمایہ دار یا کمیونسٹ ملک نہیں بلکہ ”برادر اسلامی ملک“ متحدہ عرب امارات کی ذمہ دار شخصیت نے یہ دھمکی آمیز پیغام دیا ہے کہ پاکستان کو مبہم موقف پر بھاری قیمت ادا کرنا ہوگی۔اس بیان پر جہاں غیور پاکستانی کے دل کو کچوکے لگے ہیں وہیں پاکستان کے وزیر داخلہ جناب چوہدری نثار کا بیان ہمارے لیئے حوصلہ افزا بھی ہے۔انھوں نے کہا”امارت کے وزیر کا بیان نا قابل قبول ہے‘قوم کی توہین ہوئی ہے۔“مزید کہا ستم ظریفی ہی نہیں یہ لمحہ فکریہ بھی ہے کہ یو اے ای کا وزیر ہمیں دھمکا رہا ہے۔چوہدری نثار علی خان نے یہ بھی کہا کہ یو اے ای کے وزیر کا بیان بین الاقوامی سفارتی مروجہ اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔اس سے ہماری عزت نفس مجروح ہوئی ہے۔ہمیں لگتا ہے کہ جناب چوہدری نثار علی خان نے یہ بیان دے کر جہاں قوم کے زخموں پر مرہم رکھا ہے وہیں مفاد پرست اسے اپنے زخموں پر نمک پاشی سمجھ کر تڑپ رہے ہیں۔وزیر داخلہ

نے خارجہ امور کے حصے کا بیان بھی دے دیا ہے' اب اُمید ہے کے ملک کے سربراہ بھی نرم لہجے میں اس ہتک عزت کا جواب مثبت انداز میں دیں گے۔

واشنگٹن یونیورسٹی سے ماسٹر اور لندن کے کنگز کالج سے پی ایچ ڈی کرنے والے کنگ مزاج یو اے ای کے وزیر شاید پاکستان کو بھی کسی بادشاہ کا دست نگر سمجھتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض حلقے ن لیگ کے سربراہوں کو بادشاہ قرار دیتے ہیں' لیکن اب کی بار متفقہ قرارداد نے یہ بات واضح کردی ہے کہ میاں برادران پارلیمان کو بھی اہمیت دینے لگے ہیں یا دیتے ہیں۔ کوئی یو اے ای کے محترم وزیر کو سمجھائے کہ پاکستان ایک جمہوری ملک ہے' جہاں ایسے فیصلے عوام کے منتخب پارلیمان میں عوامی رد عمل کو سامنے رکھ کر کیئے جاتے ہیں' یک جنبش قلم پاک وطن کو ایسی خونی جنگوں میں اتارنے کا دور لد چکا اور دوسرا اسکے اپنے اندر آگ سلگ رہی ہے' کہیں ٹی ٹی پی سے ضرب عضب جاری ہے تو کہیں دو کروڑ کے شہر کراچی میں آئے روز کئی لوگ ہلاک کر دیئے جاتے ہیں ۔بلوچستان میں بدامنی ہے' جہاں ہمسایہ ممالک کی چیرہ دستیاں کھل کر سامنے آرہی ہیں۔ یو اے ای کے وزیر فرماتے ہیں کہ پاکستان کی قرارداد مبہم ہے۔جناب والا قرارداد میں واضح ہے کہ پاکستان یمن کی جنگ میں غیر جانب دار رہے۔دوسرا نکتہ یہ ہے کہ سعودی عرب ہمارا اسٹریٹجک پارٹنر ہے لہٰذا ہم اسکی سالمیت کا دفاع

کریں گے ۔یہ موقف ایک ذمہ دار ملک کا موقف ہے۔ہم نے بین الاقوامی مروجہ اصولوں کواپناتے ہوئے کسی ملک میں دراندازی سے گریز کی پالیسی اپنائی ہے اگرآپ سمجھتے ہیں کہ جس طرح اردن کے شاہ حسین کے کہنے پر ہم نے اپنی فوجیں وہاں اتار دیں تھیں توجناب وہ وقت تاریخ ہوچکااب کی بار امید ہے ایسانہیں ہو گا۔

ایسا کیوں ہے کہ عالم اسلام میں واحدایٹمی قوت کوایک سادہ سی فوج رکھنے والے برادراسلامی ملک کا وزیر دھمکیاں دینے پر اُترآیاہے؟اس کی 6 وجوہات ہیں۔1 :۔یہاں ایسے اہل وطن بھی بستے ہیں جو پاکستان سے زیادہ ایران وعرب کے حمایتی ہیں۔2 ۔یہاں کی مذہبی جماعتیں اپنے پروردممالک سے پاکستان کی زمین پر رہتے ہوئے حق وفاداری اداکرتی ہیں کیونکہ انھیں اپنے مدارس کیلئے عرب وعجم سے امداد ملتی ہے۔3 ۔پاکستان کے حکمرانوں کے کاروبار وہاں موجود ہیں ۔4۔پاکستان کے لاکھوں شہری عرب ممالک میں محنت مزدوری کرتے ہیں اورایک کثیرزرمبادلہ پاکستان کو بھیجتے ہیں اس نازک موقع پر عرب ممالک ان کو ہتھیارکے طورپراستعمال کر سکتے ہیں یعنی وطن' بدر کرنے کاآپشن۔5۔ہمارا کشکول۔6۔عرب ممالک تیل کی دولت سے لدے پھندے ہیں۔

ان نکات کو اگرسامنے رکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ پاکستان کوآہستہ

آہستہ ذہنی طور پر مختلف ممالک کی شہریت رکھنے والے افراد کو بھی سمجھانا ہوگا۔کیا یہ بے وفائی کی پست ترین سطح نہیں کہ آپ پاکستان کی سرزمین سے وفاداری کا حلف لے کر ذہنی طور پر یا عملی طور پر کسی اور ملک کو پاکستان پر ترجیح دیتے ہیں (واضح رہے مقدس مقامات کا معاملہ دوسرا ہے)۔اب وقت آگیا ہے کہ پاکستان فقہ ومسلک 'علاقائی ولسانیت کی بنیاد پر موجود مدارس اور جماعتوں کے سدباب کیلئے کوئی حکمت عملی اپنائے تاکہ نازک مواقع پر پاکستانی قوم کو تقسیم کرنے والی قوتیں دم توڑ سکیں۔ہمارے امراء پاک وطن سے کما کر باہر انویسٹ کرتے ہیں انھیں بھی آنکھیں کھولنی چاہیں اور اگر وہ اب بھی آنکھیں بند رکھتے ہیں تو غیور پاکستانیو کا حق ہے کہ انتخاب میں یہ بات ثابت کردیں کہ جو پاکستان کی عزت نفس کے مجروح ہونے پر بھی نہیں پسیجا اسے پاکستانی عوام رد کرتی ہے۔تیسرا اگر عرب ممالک پاکستانی محنت کشوں کو بے دخل کرنے کا آپشن استعمال کرتے ہیں تو پھر پاکستان کو بھی متبادل تیار رکھنا چاہیئے 'لیکن یہ کرنا اتنا آسان بھی نہیں ہے کیونکہ عرب کا انفراسٹرکچر تعمیر کرنے اور قائم رکھنے میں پاکستانی ماہرین ومزدوروں کی بڑی کاوش شامل ہے۔

آخری بات یہ کہ اب پاکستانی قوم کو ہوش کے ناخن لیتے ہوئے یہ بات سمجھنا ہوگی کہ امداد دینے والا کبھی نہ کبھی جتاہی دیا کرتا ہے 'چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ہم کب تک کشکول اُٹھائے منگتے بنے رہیں گے ۔مثل مشہور ہے کہ غریب کی جورو سب کی بھابی ۔یعنی غریب آدمی کی بیوی کو اپنے نامساعد حالات کی وجہ سے

چونکہ انکار کی قوت نہیں ہوتی اس لیئے ہر آس پاس کا فرد یا خاتون خانہ اسے اپنی بھابی قرار دے کر اس سے گھر کے مختلف کام کاج لے لیتے ہیں۔ جناب اگر ہم اسی طرح مختلف مواقع پر بھیک لیتے رہے ،جس کی اصل بنیاد الیکشن میں ہم عوام کا دہرا رویہ ہے تو پھر کل کو مزید چھوٹے ممالک بھی ہم کو دھمکی دیں گے۔

۱

پاکستان کے دورے پر آئے محترم سعودی وزیر کا کہنا ہے کہ یو اے ای کے وزیر کا بیان ایک بھائی کا دوسرے بھائی سے شکوہ ہے۔ ہم محترم سعودی وزیر سے اتنا عرض کریں گے کہ جناب والا اس بیان پر آپ کا حق بنتا تھا کہ یو اے ای کے وزیر کو معذرت کرنے یا بیان واپس لینے کیلئے کہتے لیکن آپ نے زبان کے زخم سے زخمی پاکستانی بھائی کو سمجھانے میں ہی بہتری جانی۔ جب ہم ایرانی وزیر خارجہ کو کہہ چکے کہ حوثیوں کی بغاوت غیر قانونی ہے اسے ختم ہونا چاہیئے ،جب ہم کہہ چکے کہ سعودیہ و خلیجی ممالک کے ساتھ کھڑے ہیں ، جب ہم کہہ چکے کہ یمن کی سرزمین پر نہ کودیں گے تو پھر محترم سعودی وزیر آپ ہم سے ، مزید کس بات کی توقع رکھتے ہیں ۔۔۔۔ ہم ایک بار نہیں لاکھوں بار آپ کی امداد کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہر دکھ سکھ میں سعودیہ عرب نے ہماری امداد کی ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ پاکستان کی شکار گاہیں اور نایاب پرندے عرب شہزادوں کیلیئے ہم وقت حاضر رہتے ہیں ؟ کیا ہمارا کوئی ذاتی جھگڑا ہے اسرائیل سے ؟؟ کیا ہمارے پاسپورٹ پر عربی بھائیوں کی محبت میں یہ نہیں لکھا کہ اسے اسرائیل کے علاوہ ہر ملک کیلیئے استعمال کیا جا سکتا ہے ؟ کیا ہم نے ماضی میں

حرمین شریفین کی حفاظت نہیں کی؟ کیا آپ نے اسی طرح ہمارے کشمیری بھائیوں کی سفارتی مدد کی' جیسی ہم یمن جنگ پر آپ کی کر رہے ہیں؟ جناب والا آپ نے ہماری ثالثی کو مذاق کہا جب کہ ہم سمجھتے ہیں کہ حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ ہم نے اسی روشنی میں عرب کو آگ سے بچانے کیلئے ترکی کے ساتھ مل کر مصالحت کا کہا۔ شاید آپ کو یہ منظور نہیں اور آپ خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی کا وار کر رہے ہیں۔ ہم آپ کے اس موقف کی بھی تائید کرتے ہیں کہ حوثی الیکشن کے ذریعے برسر اقتدار آئیں تو سعودیہ کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا لیکن جانب والا آپ کچھ اور چاہتے ہیں' جس کا فی الحال ماحول نہیں بن رہا۔۔۔۔۔ اگر بن گیا تو نجانے عرب و پاکستان کا کیا بنے گا۔ ہم پھر دعا گو ہیں کہ ایسی تمام تر افواہ اور خبریں غلط ثابت ہوں جن میں کہا جا رہا ہے کہ مداخلت کے بارے فیصلے ہو چکے۔

پاکستان کو چاہیے کہ او آئی سی کا سربراہی اجلاس طلب کر کے عالم اسلام کے مسائل و شورش پر کوئی حل نکالے' اور اگر انسانیت کے وسیع تر مفاد میں ہو تو او آئی سی کی فوج کی تشکیل بھی دے دے تاکہ ہوس کے پجاری انسانیت کو زخموں کی دلدل میں نہ دھکیل سکیں۔ اللہ امت مسلمہ سمیت تمام عالم انسانیت کو جنگ جیسی منحوس نحوست سے محفوظ رکھے آمین۔

ایٹمی دھماکے ہمیں کیا کھویا؟ کیا پایا؟

1998 کا سال نہایت گرما گرم گزر رہا تھا۔ ایشو تھا کہ پاکستان کو ایٹمی دھماکے کرنے چاہیئے یا نہیں ؟ میاں صاحب مشوروں کی پٹاری بار بار کھول رہے تھے اور محترمہ بے نظیر بھٹو (مرحوم) پُرجوش تقاریر کر رہی تھیں' ہم سکول میں تھے بس دادا جی ! سے اتنا سنا کہ آج بی بی نے جلسہ میں اپنی چوڑیاں اچھال دیں اور کہا میاں صاحب یہ لیجئے' پہن لیجئے ۔اسے ایک طرف حب الوطنی کا جوش بھی قرار دے سکتے ہیں تو دوسری جانب عوام کی حمایت لینے کا انداز بھی' جو جیسے سمجھے مگر اس سارے تماشے میں جو اہم فون لگا وہ محترم مجید نظامی مرحوم کا تھا جس کے کم و بیش الفاظ ایسے ہی تھے ''میاں صاحب ! دھماکے کر دیجئے ورنہ قوم آپ کا دھماکہ کر دے گی''۔اس فون کے بعد دھماکے تو ہو گئے لیکن کچھ ذرائع کہتے ہیں کہ اسی جرم میں پھر میاں صاحب کا دھماکہ عوام نے نہیں تو کسی اور نے کر دیا۔۔۔؟ لیکن یہاں ایک سوال باقی ہے کہ اگر قوم کہ ہر فرد کی خواہش و ضرورت ایٹمی دھماکے ہی تھے تو پھر جب جنرل مشرف نے اقتدار سنبھالا تو سوا پارٹی ورکرز کے کسی ذی روح نے احتجاج کیوں نہیں کیا؟ حق تو یہ تھا کہ عوام جنرل کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوتی کہ جناب والا آپ ہمارے ہیرو سے زیادتی کر رہے ہیں ؟ ایسا کیوں نہ ہوا ؟ آیئے اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں۔

دفاع ہر ریاست کیلئے ایسے ضروری ہوتا ہے جیسے کسی بشر کیلئے اپنی جان' پھر اس جان کو قائم رکھنے کیلئے ہتھیار وہی کام دیتے ہیں جو انسان کیلئے خوراک مہیا کرتی ہے۔ عوام ہمیشہ اپنی زمینی سرحدوں کی حفاظت کو اپنا دینی فریضہ سمجھ کر پرجوش ہو جاتے ہیں اور اس کیلئے قربانیاں بھی ازل سے دیتے آئے ہیں۔اس سب کے باوجود کسی بھی ملک کے شہری کیلئے اپنی جان کا تحفظ' اپنے کنبے کا تحفظ بھی ضروری ہوتا ہے۔ایٹمی دھماکے ہو گئے' بھارت ٹھٹھک گیا لیکن عوام اس لیئے میاں صاحب کے حق میں نہ کھڑی ہوئی کہ اسکی اپنی جان کو محفوظ کرنے کیلئے اس کے پاس خوراک نامی اسلحہ ناپید تھا یا پھر پہنچ سے
دور ہو گیا تھا۔ مہنگائی' امراء ریاست کی اقرباء پروری' رشوت اور بہت کچھ نے جنرل کا ساتھ دیا اور وہ صدر پاکستان کے عہدے پر بھی قبضہ جما گئے۔

جن وجوہات کو پیش کرکے جنرل نے اقتدار حاصل کیا' ان کے دور بابرکت میں بھی وہ نہ مٹ سکیں ۔ عوام ذلیل وخوار ہوتی رہی۔ہاں کچھ تعمیری کام ہوئے کچھ ایسے کام بھی ہوئے جو یاد رکھے جائیں گے لیکن عوام کے دلوں میں محبت کے محل تعمیر کرنے کا کام مشرف صاحب بھی بھول گئے ۔پرویزالٰہی صاحب کی 1122 سروس ایسی ہے کہ یاد رکھی جائے گی باقی دودھ کی نہریں وہ بھی نہ چلا سکے' رہی نشانی تو لال مسجد ان کے دور کی ایک اندوہناک کہانی ہے' ہمیں خودکش بمبار کا تحفہ

اسی دور میں ملا۔اسکے بعد 2008 میں ہمیں پھر جمہوریت کا لالی پاپ دیا گیا' عوام خوش ہوئے کہ ابراہیم لنکن والی جمہوریت آئی ہے '۔ابراہیم لنکن نے انیس نومبر 1863 کو جمعرات کی سہ پہر گٹنز برگ میں تاریخ ساز الفاظ کہے' انکی یہ تقریر امریکن تاریخ کی چند مشہور تقاریر میں سے ایک ہے۔ یہ امریکن سول وار کے دوران گٹنز برگ کے فاتح میں ''soldiers national cemetry'' اور شہدا کے اعزاز میں کی گئی تقریب وقوع پذیر ہوئی۔ لنکن نے کہا اور مورخ نے الفاظ کو ایسے سمیٹا جیسے کوئی خزانہ محفوظ کرتا ہے'government of the people , by the people ,for the people'' ۔مگر افسوس امریکہ سمیت تیسری دنیا کہ ممالک میں ان الفاظ کی حقیقت کو چند ہی رہنماء اپنا پائے اور ہمارے ہاں تو سرے سے جمہوریت ہے ہی نہیں' بس نام استعمال ہوتا ہے اور موجیں کرتے ہیں سیاست دان۔ پی پی پی کا یہ دور 2008 سے ایسا اعصاب شکن تھا کہ عام آدمی جس نے 1999 میں مشرف کے 2013 military coup میں میاں صاحب کا ساتھ نہیں دیا تھا بالآخر روایتی سیاست کی پٹری پر چلتے ہوئے میاں صاحب کو اپنا رہنماء چن بیٹھا۔

مئی 2013 سے اب تک دو برس بیت چکے' عوام کے لیئے جتنے کام ہوئے' اتنی ہی حمایت باقی ہے۔آج مئی 1998 کے دھماکوں کو پندرہ برس ہونے کو ہیں' ہمارے ملک سے مہنگائی' اقرباء پروری' رشوت خوری' لوڈشیڈنگ' کرمنل کیسز اور دہشت گردی سب میں اضافہ ہی ہوا ہے۔خدا نہ کرے آج بھی کوئی اور اقتدار سنبھالے تو میرا نہیں

خیال کہ عوام کا ریلا اسکے سامنے سینہ سپر ہو جائے گا کہ ٹھہرو! ہماری منتخب حکومت کو مت لتاڑو۔ وجہ صاف ہے کہ جب تک کوئی حکمران اور اسکی پوری ٹیم عوامی امنگوں کا خیال نہیں رکھتی تو پھر ان پر مشکل آنے پر عوام بھی انکا ساتھ نہیں دیتی' محض دفاع کیلئے اُٹھائے گئے اقدامات ناکافی ہوتے ہیں بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بے معنی سے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ پاکستان کے ایٹمی دھماکوں پر s.e کالج بہاول پور کے پروفیسر محترم اجمل صاحب نے کہا تھا کہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ طالب علموں نے پوچھا وہ کیوں ؟انھوں نے کہا کہ ایک بندہ ایک بندوق بردار کو مار رہا تھا اور بندوق والا کہہ رہا تھا کہ اب اگر مارا تو پھر میں گولی چلادوں گا۔ اور یہ عمل برابر جاری تھا' وہ تھپڑ کھاتا اور کہتا رہا کہ اب اگر مارا تو گولی چلادوں گا۔۔۔۔۔ جناب والا طاقت ہونے کیساتھ ساتھ آپ کے اندر اخلاقی جراءت 'عوامی حمایت اور معیشت کا مضبوط ہونا لازمی امر ہے ورنہ سب بے کار۔

اس سب کی ذمہ داری سیاست دانوں سمیت ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ ہم مختلف فرقوں سمیت لسانی 'علاقائی اور طرح طرح کے تعصب میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ہم الیکشن سے لے کر ہر قومی سطح کے کام کو تعصب کی نگاہ سے دیکھتے اور ذاتی مفاد کے ترازو میں تولتے ہیں۔ کالا باغ ڈیم ہو یا پاک چین راہداری سب کام ہماری نااہلی اور حکمرانوں کی نالائقی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ اپریل میں ہماری آبائی تحصیل

کا بازار بند تھا' وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ پاک چین راہداری والا پل ہماری جانب بننا تھا اور اب وہ دوسری تحصیل میں بنے گا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ ہمیں اس بات کی سزا دی جا رہی ہے کہ ہم نے پی ٹی آئی کو ووٹ دیئے ہیں ۔ان تمام لوگوں کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں تھی 'میں نے سوچا کہ اگر اسی طرح پورے پاکستان میں اس راہداری کے روٹ اور پلوں پر جھگڑا چلتا رہا تو پھر ہم کبھی بھی ترقی نہیں کر پائیں گے ۔یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ساتویں اور مسلم دنیا کی واحد ایٹمی قوت ہونے کے باوجود ہم نہ آج تک بھارت کی دراندازی روک پائے ہیں اور نہ ہی مسلم دنیا اور اقوام عالم میں اپنا کوئی خاص مقام بنا پائے ہیں 'اگر ترقی کرنا ہے تو ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر سوچنا ہوگا اور اس سرزمین پر رہنے والے ہر پر امن انسان کو پاکستانی سمجھنا ہوگا۔ یہ کام نہ اکیلے میاں صاحب نے کرنا ہے نہ زرداری صاحب اور کپتان نے۔کیا یہ سوچنے کا مقام نہیں کہ صدیوں ادھر رہنے والے ہندو پاکستانی کسی پردیسی ملک میں پناہ لے رہے ہیں ؟اگر مجھے pessimist کا خطاب نہ دیجئے تو اتنا کہہ دوں کہ ہم اپنے شہری بھی کھو رہے ہیں 'آیئے مل کر چلیں اور پاکستان کو ترقی یافتہ بنادیں ۔ہاں اتنا ضرور ہوا ہے کہ کرکٹ میں اب امپائر انگلی کھڑی نہیں کرتا بلکہ بلے باز کو اپنی مرضی کے مطابق بلے بازی کرواتا ہے۔۔۔۔

صحافیوں اور وکلاء پر تشدد

ویسے تو بد قسمتی سے لفظ ''سانحہ''لکھتے لکھتے انگلیاں شل 'الفاظ بانجھ اورآنکھیں خشک ہوگئیں ہیں'لیکن شاید نہ ہماری ریت بدلی ہے 'نہ امراء وسرکاری رکھوالوں کی۔ پیرکے روز ڈسکہ میں جس قدر پولیس گردی کا مظاہرہ ہوایہ کسی اخلاقی سانحہ سے کم نہیں ۔تجاوازات کے خلاف آپریشن میں پولیس والوں اور وکلاء کے درمیان تلخ کلامی ہوئی'ایک ذرائع کی خبر کے مطابق مقتول وکیل کی جانب سے غیر اخلاقی الفاظ کا استعمال ہوا'پریشر دینے کی کوشش کی گئی 'مگر کیا جس کے ہاتھ میں قانون کی رکھوالی کرنے کیلئے ریاست نے ہتھیار دیئے ہیں وہ اس قدر بے حوصلہ بشر ہے کہ اپنے مرتبے 'فرض اوراخلاقیات وقانون کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے اتنا بے قابو ہوگیا کہ دووکلاء کی جان لی اوردوراہ گیراسکے اس جذباتی اقدام سے شدید زخمی ہوگئے۔

حیرت ہے اس ملک کی انتظامیہ پر جس نے جذبات کے اندرپیچ وخم کھانے والے شخص کواتنااہم منصب سونپ دیا۔ایک قومی اخبار نے اپنے اداریے میں لکھا ہے کہ ''موصوف کے تشدد سے پہلے بھی ایک حوالاتی جاں بحق ہوچکاہے'جس کے بعد موصوف باہرکے ملک فرار ہوئے'سپریم کورٹ کے حکم پر گرفتار ہوئے اور پھر مدعی پر دباؤ

ڈال کر صلح کروالی ''۔ جو کہ اس ملک کے جابروں کا پرانا وطیرہ ہے۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن میں اٹھارہ افراد کا خون ابھی خشک ہوا نہیں اور ایک اور سانحہ نے جنم لے لیا۔ ایسا کیوں ہے کہ ہم اسی وقت لکھتے 'پڑھتے اور سوچتے ہیں جب سانحات جنم لیتے ہیں اور اسکے بعد مظلوموں کا خون وقت کی گرد تلے جم جاتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم
لکھاریوں 'امراء 'سرکاری افسران سب ڈنگ ٹپاؤ پالیسی پر عمل پیرا ہیں ۔اتنے سانحات کے باوجود پولیس کی اخلاقی تربیت کا کوئی مستقل بندوبست نہیں کیا گیا۔
دوسری جانب اس سانحہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے وکلاء جو کہ ایک پڑھی لکھی اور قانون کی سوجھ بوجھ رکھنے والی اور اسکی ایمپلیمنٹ کا انداز سمجھانے والی کمیونٹی ہے اسکی جانب سے جلاؤ گھیراؤ 'توڑ پھوڑ کے واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ وہ 'تہذیب سے دانستہ دور ہوتے جارہے ہیں۔ ڈی ایس پی آفس 'ٹی ایم اے آفس اور اے سی آفس کو وکلاء کی جانب سے آگ لگادی گئی۔ وکلاء اور انکے حمایتی افراد نے ڈسکہ شہر کی اہم شاہراؤں کو ٹائر جلا کر ایسے بلاک کر دیا جیسے یہ '' بنانا ریپبلک '' ہو۔ کیا قانون کے رکھوالے قانون شکنی کا جواب قانون شکنی سے ہی دیں گے ؟ لیکن اس سارے عمل میں ایک بات جو ہماری ناقص عقل میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ وکلاء اس ملک کی نچلی عدالتی صلاحیت اسکے کام کرنے کے انداز 'پولیس کے پینترے اور سیاسی مداخلت کا روزانہ کی بنیاد پر مشاہدہ ومطالعہ کرتے ہیں 'کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ سمجھتے ہوں کہ جب تک اس ملک میں شور وواویلا نہ

مچایا جاتے کوئی ایکشن نہیں ہوتا' کوئی ڈس مس نہیں ہوتا۔ اس سارے عمل میں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ وکلاء کے سامنے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ معاملات جیسے بھی ہوں پولیس والے اپنے ساتھیوں کو بچالیتے ہیں۔ گو کہ اس ساری بات سے وکلاء کہ غیر قانونی اقدام کو قانونی حیثیت تو حاصل نہیں ہو جاتی مگر یہ بات ضرور سامنے آتی ہے کہ ملک کی باگ ڈور سنبھالنے والوں سے مایوس ہو کر ہی متاثرین قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں۔ جہاں قانون کو توڑنے کا عمل قابلِ مذمت ہے وہیں قانون کو کمزور اور حیلہ جوئی کے عادی اور بے ہوش سیاستدانوں کا عمل بھی اتنا ہی قابلِ گرفت ہے۔ ان سے تو بہتر اشوک اعظم تھا کہ جس شہر میں قانون کی پامالی ہوتی اسکا منتظم سے چند دن میں حل تلاش کروالیتا کیونکہ دوسری صورت میں منتظم صاحب جیل کی ہوا کھاتے یعنی جیل میں ہی رہتے تھے۔ یہ غالبا قبل مسیح کا حاکم تھا اور آج اکسویں صدی میں برصغیر کے دونوں ممالک اس جیسی انتظامی صلاحیت سے محروم ہیں۔

دوسری جانب ہفتہ کے روز بھی پولیس کی جانب سے اختیارات سے تجاوز کی ایک نئی مثال قائم کی گئی۔ اس واقعہ میں پاکستان پیپلز پارٹی کے باغی رہنماء اور سابق وزیر داخلہ سندھ ذوالفقار مرزا کی سندھ ہائی کورٹ میں پیشی کے موقع پر قانون کے رکھوالوں نے اخلاقی حدود کو پامال کرتے ہوئے صحافی برادری کے نہتے افراد پر ڈنڈے برسائے۔ جس میں پولیس افسر کی جانب سے یہ موء قف اختیار کیا گیا کہ

ہمیں حکم ملا تھا کہ سابق وزیر داخلہ کو ہر حال میں گرفتار کرکے لانا ہے۔اس لیئے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ صحافیوں کو کوریج سے روک دیا جائے۔ صد معذرت کیساتھ اسکے اور بھی بہت سے مہذب طریقے تھے 'آخر سب اپنی اپنی طاقت کا غیر قانونی استعمال کرکے دوسروں کی عزت سے کیوں کھیلتے ہیں۔یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر وکلاء پر پولیس کی جارحیت کی وجہ انکی دھمکیاں یا غیر اخلاقی گفتگو بنی تو یہاں تو ایسی کوئی بات ابتک سامنے نہیں آئی۔اگر دونوں واقعات کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات باآسانی سمجھ آتی ہے کہ پولیس کی تربیت کا فقدان 'ان میں حوصلہ کی کمی 'اور قانون کی حفاظت کیلئے قانون توڑنے کا عمل ان میں زور پکڑ رہا ہے۔ارباب اختیار کو چاہیئے کہ ان اداروں میں سیاسی مداخلت بند کرتے ہوئے 'باحوصلہ اور فہم وفراست والے افراد منتخب کریں خصوصا اہم پوسٹوں پر جذبات سے مغلوب ہونے والے افسران کو ہر گز نہ '
لگایا جائے۔اور وکلاء کو بھی چاہیئے کہ صبر کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور پر امن شہری ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے قانونی راستہ اختیار کریں۔کیونکہ قوم کسی کے بھی غیر قانونی اقدام کی حمایت نہیں کرسکتی۔

آپ کا خوف یا جبلی بے حیائی؟

ایک سال قبل 26 مئی کو بھارت کی مرکزی سرکار سنبھالنے والی بی جے پی ہمہ وقت پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کا طوفانِ بد تمیزی کھڑا کیئے رکھتی ہے۔ایک سال مکمل ہونے پر مرکزی سرکار کے تیں وزراء کے خلاف مجرمانہ مقدمات چل رہے ہیں۔ جن میں سے سترہ پر قتل'فرقہ واریت جیسے سنگین الزامات ہیں۔ایک وقت تھا کہ جب بی جے پی نے اپوزیشن میں رہتے ہوئے رام ولاس پاسوان کے بنگلہ دیشیوں کو شہریت دینے کے معاملے پر ہرزہ سرائی کی تھی 'اوراب وہ ان کی حکومت میں وزیر ہیں۔کانگریس نے درست تجزیہ کیا کہ ''مودی سرکار کا ایک سال دیش بدحال''۔ گزشتہ روز بھارتی مرکزی وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ نے پھر توہین آمیز اور متعصب الفاظ کے استعمال سے کشمیری عوام کے دلوں پر چوٹ لگاتے ہوئے کہا کہ ''پاکستان زندہ باد کا نعرہ غیر اسلامی'' ہے۔درحقیقت یہ اس بات کی عکاسی ہے کہ بھارتی سرکار پاکستان پر کسی بھی طرح کی ضرب لگانے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی اور ایسا الیکشن میں تو اس لیئے ہوتا ہے کہ ووٹ کھرے کیئے جائیں لیکن الیکشن کے بعد اس لیئے ہوتا ہے کہ اپنے کالے کرتوت اور نااہلی کو چھپا کر بھارتی عوام کے جذبات سے کھیلا جائے۔بھارتی حکومت کے اسی رویہ کی

وجہ سے وزیراعظم پاکستان کے مشیر برائے خارجہ امور طارق فاطمی کو کہناپڑاکہ بھارتی ریاست کی خارجہ پالیسی کامحور پاکستان دشمن رویہ وسوچ کی عکاسی کرتاہے۔حق تو یہ تھا کہ مودی کی تقریب حلف برداری میں شمولیت کے بعد بھارتی سرکار اسے مضبوط بنیاد بناتے ہوئے اپنی عوام کے دل میں سے نفرت کے کانٹے اکھاڑتی لیکن اس نے توزہر اگلنے والی نئی فصل کی تیاری کاکام شروع کررکھاہے۔وزیراعظم پاکستان کے اس دورے پر ہی چند واقفانِ حال نے کہہ دیا تھاکہ اب بھارت سرچڑھ جائے گا۔

اس صورتحال کو سمجھنے کیلئے بھارت کی اندرونی کیفیات کامطالعہ بھی ضروری ہے۔نئی دہلی میں بی جے پی سرکاراے اے پی سے منہ کی کھاکراب اوچھے ہتھکنڈوں پر اترآئی ہے۔بی جے پی جسے پہلے ہی سخت گیر تنظیموں کی درپردہ حمایت حاصل ہے یاایسے کہیں کہ یہ ان کا سیاسی ونگ ہے توکچھ زیادہ غلط نہیں ہوگا۔نئی دہلی میں بھارتی مرکزی سرکار نے ایم ایچ اینز نوٹیفیکیشن کے تحت بہت سارے اضافی اختیارات لیفٹیننٹ گورنر کوسونپ دیئے ہیں جس کاواضح مقصد عام آدمی پارٹی کے اختیارات پر کاری ضرب لگاناہے۔اس بات پر شدید رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے دہلی کے ڈپٹی چیف منسٹر منیش سسوڈیانے اسے 125برس قبل انگریز کی دورغلامی سے بھی بدتر قراردیاہے۔انہوں نے کہاکہ وہ اقتدار میں آنے سے پہلے جانتے تھے کہ پبلک آرڈر'پولیس اور لینڈکے مسائل ان کے دائرہ اختیار میں نہیں

لیکن باقی تمام معاملات دہلی اسمبلی ہی کے ماتحت آتے ہیں۔انہوں نے کہاکہ ” یہ دہلی پر صدارتی راج نافذ کرنے اور آئین کی توہین کے مترادف ہے‘ درحقیقت سرکار ہمارے سودن کے کام سے خوفزدہ ہے اور دہلی میں پہلا ایسا وزیراعلی آیا ہے جو کسی بھی محکمے میں کرپشن برداشت نہیں کرتا“۔دہلی سرکار نے اسمبلی میں اس ”غیر قانونی“ اقدام کے خلاف قرارداد بھی پاس کی اور عام آدمی پارٹی کے وزیراعلی اروند کجریوال نے کہاکہ یہ اقدام ملک کو ڈکٹیٹرشپ کی جانب دھکیلنے کے مترادف ہے۔

اس حقیقت سے تو انکار ممکن نہیں کہ بھارتی سیاست دان اپنی سیاسی بنیاد پاکستان دشمنی پر رکھتے آئے ہیں لیکن الیکشن کے بعد اس صورتحال کو تبدیل کر دینا ہی عقل کے زیادہ قریب ہے۔ قومیں بلاجواز تعصب اور انتہاپسندی کے قعرِ مذلت میں گر کر کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔بھارتی مرکزی سرکار چونکہ اپنے کسی انتخابی نعرے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکی اسلیئے وہ پاکستان کے خلاف بیانات دے کر اور سرحدی خلاف ورزیاں کرکے عوام کارخ موڑنا چاہتی ہے۔نریندر مودی صاحب نے سودن میں کالادھن لانے کا وعدہ کیا جو خواب ثابت ہوا‘ جس پر پارٹی کے صدر امیت شاہ نے کہاکہ یہ ایک انتخابی نعرہ تھا ایسا حقیقت میں کرنا ممکن ہی نہیں ۔دوم ۔کسانوں کی پیداوار قیمتوں میں پچاس فیصد اضافہ کرنے کا وعدہ کیا گیا جو ابھی تک ہوا میں ہی لٹکا ہوا ہے اور حد تو یہ ہے کہ ایک وزیر نے کسانوں کو

کائر" قرار دے دیا۔ رندیپ سرجیولا اس لیئے کہتے ہیں کہ مودی سرکار نے پورا سال "اشتہاری مہم چلائی اور سارا سال دیش والوں سے جھوٹ بولتے رہے۔

پاکستان پر ہرزہ سرائی کی ایک اور بنیادی وجہ مسئلہ کشمیر ہے' جسے اپنانے کیلئے آٹھ لاکھ کے قریب بھارتی فوجی ایک چھوٹی سی وادی میں دندناتے پھرتے ہیں۔ مفتی محمود کے ذریعے بی جے پی پہلی بار ریاست میں شریک اقتدار ہوچکی ہے' 370 دفعہ کو تبدیل کرنے کیلئے پر تول رہی ہے جو انشااللہ کبھی نہیں ہوگا۔ مسئلہ کشمیر پر پاکستان اور کشمیری رہنماؤں سے سے زائد بار گفتگو کے دور چلنے کے باوجود بھارتی سوئی ایک بے بنیاد ڈھکوسلے کے 125 گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ پچھلے سال اگست میں ممکنہ سیکرٹری سطح کے مذاکرات کو بھارت نے یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ پاکستانی ہائی کمشنران کی اجازت کے بغیر کشمیری رہنماؤں سے کیوں ملے ہیں۔ اسی سال جب بھارتی سیکرٹری خارجہ اپنے معمول کے سارک دورے کے تحت پاکستان آئے تو کچھ دور کی کوڑی لانے والے لکھ رہے تھے کہ اب یہ ہوجائے گا' وہ ہوجائے گا' بھارت بازی لے گیا' بھارت پاکستان کے ساتھ چلنا چاہتا ہے۔ اب انھیں چاہیئے کہ لکھیں کہ بھارت کے وزیر داخلہ پاکستان کے خلاف دہشت گرد تنظیموں کو استعمال کرنے کی بات کرکے بین الاقوامی قانون کی دھجیاں اڑا رہے ہیں۔ لکھیں کہ بھارت اندرونی سیاسی خوف کے ساتھ ساتھ جبلی بے حیائی پر اتر کر اپنی عوام کو دشمنی برائے دشمنی کے خطرناک آتشی کھیل میں دھکیل.

رہا ہے۔ناچیز نے تواس وقت بھی ناقص عقل کے تحت عرض کی تھی کہ یہ معمول کا دورہ ہے اور اس سے نہ ہی کشمیر کا مسئلہ حل ہونے کا کوئی خاص چانس ہے اور نہ ہی حالات کی بہتری کی امید۔ہاں ایسا ہونا ضرور چاہیئے کہ 67 برس سے دشمنی کی پالیسی اپنا کر ہم دونوں نے کیا حاصل کیا؟؟؟اربوں 'کھربوں کے فولادی اور آتشیں اسلحے کے استعمال سے ہمارے کتنے شہری خوشحال ہوئے؟؟؟'مگر قارئین دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیے کیا تالی ایک ہاتھ سے بجتی ہے؟؟؟؟؟

برما کے مظلوم

حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں 'جب جسم کے کسی ایک حصے کو تکلیف پہنچتی ہے تو یہ درد پورا جسم محسوس کرتا ہے۔" لیکن افسوس ہم اور ایشوز کو چنتے رہے اور اپنی ذاتی مصروفیات میں محو ہو کر برما کہ مسلمانوں کی حالتِ زار پر توجہ نہ دی۔ ملکی سطح پر بھی برما کے مظلموں کو وہ پذیرائی نہ ملی جو ان کا حق تھا۔ اس کی وجہ ہم اہل قلم اور میڈیا کے افراد کی ترجیحات بھی ہیں۔ بھلا ہو رضوان اللہ خان فیچر رائٹر نئی بات اور سبوخ سید کا جن کی تحریروں کو پڑھ کر ہم نے بھی لکھنے کیلئے قلم اُٹھالیا۔ سوشل میڈیا پر ہم نے بھی 27 مئی کو لکھا لیکن افسوس کہ اخبارات کے صفحات پر لکھنے کیلئے فرصت کے لمحات تلاش کرتے رہے۔ اور اب بھی جتنا کچھ اخبارات میں لکھا جارہا ہے 'یہ جو سائیڈ خبر اور اندرونی صفحات پر چھوٹی سی خبر لگ رہی ہے 'یہ سب سوشل میڈیا کہ قلم کاروں کی مرہون منت ہی ہے۔ اس ضمن میں چند دن پہلے جہان نے بھی ایک پر اثر اداریہ لکھا 'اور برما کہ مظلوموں کے حق میں توانا آواز اُٹھائی۔ برما کہ مظلوم مسلمان بھائی اس مذہب کے جنونیوں کے شکنجے میں پھنسے ہیں جو درخت کاٹنے سے بھی منع کرتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کا عظیم فرمانروا اشوک اعظم

جس نے سرزمینِ ہند کو خون سے رنگین کر دیا تھا بعد ازاں بدھ مت اختیار کیا اور فوج کا محکمہ ہی ختم کر دیا' اپنے مذہب کے تحت اس نے جنگی پالیسی ترک کر کے ملک کو چار چاند لگا دیئے کہ سرحد پر بیٹھے منگول بھی اُس کی جانب میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکتے تھے۔ مگر افسوس کے اس مذہب کے جنونی یا باغی اب انسان کے خون سے نہا رہے ہیں ۔برما کی سرزمین پر مسلمان کو ان تمام حقوق سے یکسر محروم رکھا گیا ہے جو کہ ایک ملک کے شہری کا بنیادی حق ہے' حتی کے مسلمان وہاں معیاری تعلیم بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس وقت ہزار ہا برمی مسلمان بنگلہ دیش کی سرزمین پر کیمپوں میں موجود ہیں 'جنھیں حسینہ واجد کی حکومت نے اپنے ملک واپس جانے کا حکم دیتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ چونکہ یہ برما کہ شہری ہیں لہٰذا ان کی حفاظت برما کی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ نہیں معلوم محترمہ حسینہ واجد میڈیا سے نابلد ہیں یا ان کے اندر انسانی محبت کا فقدان ہے۔ وہ برمی حکومت جو مسلمانوں کی بستیوں کے جلنے 'معصوم بچوں کے تیز دھار آلہ سے کٹنے اور مسجدوں میں قتل عام پر نہیں پسیجی اب کیونکر مسلمانوں کو اپنے ملک میں جگہ دے گی۔ ہزار ہا برمی مسلمان سمندر میں پکار رہے ہیں کہ 'ایٹمی قوت کے مالک اور مکہ ومدینہ کے تاجداروں تم کدھر کھو گئے ہو؟؟؟ بھلا ہو عثمانی خلافت کی سرزمین ترک کا جنھوں نے ان بے آسرا و پردیسی مسلمان بھائیوں کے زخموں پر مرہم رکھا۔

افسوس کے ستاون اسلامی ممالک غش کھا کر سو گئے۔ مسلمانوں کی سبھی تنظیمیں خاموش۔اب کیوں نہ عرب میں ایک ایسی فورس کی تیاری کی بات کی جاتی جو کہ برماکہ مسلمانوں کو ظلم سے نجات دلائے ؟؟۔برماکے مسلمان ان قلم کاروں سے شکوہ کناں ہیں جنھوں نے سعودیہ کے یمن پر حملے کو توجائز قرار دینے کیلئے صبح وشام تحریریں لکھیں اورآج ان کے قلم درد کی وہ شدت اختیار نہیں کررہے جو کہ برمی مسلمانوں کا حق ہے۔ہمارے قلم کار بھائی یہ بھی کہتے نہیں تھکتے تھے کہ یمن کی جنگ سے کعبہ کو خطرہ ہے۔ہم پوچھتے ہیں کہ کیاسرکارِ دوجہاں نے نہیں فرمایاکہ مسلمان کا خون کعبہ کی حرمت سے بھی افضل ہے؟؟۔

جب مشرقی تیمور میں عیسائیوں کے ساتھ معاملات پیش آئے تواقوام متحدہ سمیت تمام حقوقِ انسانی کے ٹھیکیدار میدان میں آگئے'اب ؟؟؟ہم ہرگزیہ نہیں کہتے کہ عیسائیوں پر یاکسی مذہب کے ماننے والوں پر ظلم ہوتوآواز نہیں بلند کرنی چاہیئے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کی حرمت بلامذہب ونسل اورعلاقائی ولسانی تعصبات سے مبرا ہونی چاہیئے۔اب انسانی حقوق کاعالمی ادارہ بھی خاموش ہے اورپاکستان میں انسانی حقوق کاواویلامچانے والی نام نہاد مذہب مخالف این جی اوز بھی۔رہیں برماکی وہ محترمہ آنگ سانگ سوچی جنھیں انوبل انعام ملاتھاان کے لبوں کو بھی نہ جانے کن مجبوریوں نے قفل لگادیاہے۔سناہے کہ وہ

الیکشن بحالی کی تحریک چلارہی ہیں اور اس دوران وہ فاشسٹ حکومت کی دشمنی نہیں لینا چاہتیں۔افسوس کہ ان باغیوں کو حکومت کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔

پاکستان اگرچہ اسوقت مسائل کے لامتناہی سلسلے سے نبرد آزما ہے لیکن ایک ذمہ دار مسلم ملک ہونے کہ ناطے اس کا فرض بنتا ہے کہ ریاستی سطح پر برما کی حکومت سے اس معاملے پر بات چیت کرے۔اسکے ساتھ ساتھ تمام اسلامی کو چاہیئے کہ برما کی حکومت کو الٹی میٹم دیں اور اگر وہ باز نہ آئے تو پھر اس سے سفارتی تعلقات ختم کردینے چاہیئں۔اس ضمن میں ان تمام غیراسلامی ممالک کی مدد بھی لی جائے جو دردِ دل رکھتے ہیں۔

محبت میں مفاد ہوس اور ذاتی پسند و ناپسند

محبت اخلاص سچائی اور روحانی پاکیزگی کا نام ہے۔جب بھی محبت میں مفاد ہوس اور ذاتی پسند و ناپسند شامل ہوتی ہے تو وہ محبت نہیں رہتی اسے ہم دوغلی محبت کہتے ہیں۔ کچھ احباب کہتے ہیں کہ انسان کی محبت جسمانی تقاضوں سے مبرا و غافل نہیں ہوسکتی جب کہ ہم کہتے ہیں کہ محبوب کو دیکھ کر اسکو سوچ کر یا اسکے دل میں اتر جانے کے بعد انسان میں ہوس کا وجود اور اسکی حیثیت بے معنی سی ہو جاتی ہے۔ لفظ محبت کی گنتی میں ہر رشتہ ناطہ تعلق شامل ہے۔ افسوس کہ آج کے معاشرے میں اخلاص کی اتنی ہی کمی ہے جتنی بازاری دودھ میں دودھ کی کمی ہوتی ہے۔آج کل کم وبیش ہر سطح پر پرفریب اور مکارانہ محبت کا آغاز ہو چکا ہے۔ عاشق اپنی جنس مخالف یا محبوب ہستی سے دغا کر رہا ہے سیاستدان کی تقریروں میں وطن سے محبت کیلیئے جو لفاظی استعمال ہوتی ہے اسے دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ایک ہی گھر کے افراد مفاد کی عمیق گہرائیوں کو ناپ کر ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔آہ وہ دور بھی تھا جب اخلاص اتنا ہی زیادہ تھا جتنا آج فریب ہے۔ مجھے اس بشر پر حیرانی ہوتی ہے جو محبت کا نام لے کر دوسروں کو دھوکہ دیتا ہے حالانکہ درحقیقت وہ اپنے اشرف المخلوقات ہونے سے انکار کر رہا ہوتا ہے۔

لوگ جھوٹی محبت میں اتنے تواتر سے محبت بھرے الفاظ بولتے ہیں کہ کسی طوطے کا سا گمان ہوتا ہے۔ شاید ہم لوگ لفظوں کی حرمت کے قائل نہیں رہے میں نے دیکھا ہے کہ کچھ لوگ جنس مخالف کو بہن کہتے ہیں لیکن ان کے لفظوں کے ادا کرنے۔ باڈی لینگویج اور ان کے دیکھنے کے انداز ان کے اپنے ادا کیئے ہوئے لفظوں کا ساتھ نہیں دے رہے ہوتے۔اہل علم کو چاہیئے کہ لفظوں کی حرمت سے کھیلنے والے کو وہی سزا دیں جو کہ ایک ریاست اپنے باغی کو دیتی ہے ویسے اس کی ضرورت اس لیئے نہیں کہ ایسے جھوٹے عاشقوں یا جھوٹے تعلق و رشتے قائم کرنے والوں سے سکون چھن جاتا ہے۔ مسخرے اور روحوں کے قاتل تو کجا اکا دکا روحانی استاد بھی اس قعرمذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں بصد شوق غوطے کھا رہے ہیں۔

جھوٹی محبت کا ایک روشن پہلو کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ اپنے دینی پیشوائوں سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔بڑے.بڑے بول بولتے ہیں جب کہ درحقیقت یہ ایک عورت سے جھوٹا پیار کرنے والے عاشق سے بھی کم درجے پر فائز ہوتے ہیں۔ انکے قول و فعل میں بس اتناہی فاصلہ ہوتا ہے جتنا زمین اور آسمان میں ہے۔

ہم جذبات کی رو میں بہنے سے قبل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحافت کے کوچہ میں بھی کئی ایسے دیوزہ گر موجود ہیں جو اپنے پیشے سے جھوٹی محبت کا دم بھرتے ہیں اور الفاظ سے وہی کھیل کھیلتے ہیں جو ایک روحانی مجرم کسی رقاصہ سے کھیلتا ہے۔

ایجوکیشن کی صورتحال

سرکارِ دو جہاں کا فرمان ہمارے لیئے مشعل راہ ہے ’’علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔‘‘ مگر افسوس کہ ہم جہالت کے قعر مذلات کی عمیق گہرائیوں میں بصد شوق غوطہ زن ہیں۔ ہم شاید دنیا کی وہ پہلی امت ہیں جن کے پاک رسول ﷺ نے کفار کے جنگی قیدیوں سے فدیہ کے بدلے اپنے بچوں کو تعلیم کا ہنر دینے کا فرمایا مگر صد افسوس ہم قرآن و رسول پاک ﷺ کی اس قیمتی تعلیم کو نظر انداز کر بیٹھے اور آج استعمار کی قوتیں زمین کے ہر کونے پر مسلم خون سے کھیل رہی ہیں۔ ہم نے اولیاء کی سرزمین پر دور حاضر کے اہل نظر کو کہتے سنا کہ ’’دوسری زبانیں سیکھنا اللہ کی معرفت میں داخل ہونا ہے۔‘‘ مگر آج بھی ایسے ناعاقبت اندیش موجود ہیں جو سائنس سے دوری کو دینی کامیابی کی ضمانت سمجھتے ہیں یا پھر جو اس چیز کو سمجھتے ہیں وہ اپنے بچوں کو بیرون ملک تعلیم دلواتے ہیں اور پاکستان میں محض حکومت کرنے آتے ہیں۔

امریکہ کے پہلے اعزازی شہری بننے والے برطانوی وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل نے جنگ عظیم دوم کے دوران جنگ کی تباہ کاری کے اثرات سے متعلق کسی کے استفسار پر کہا کہ جب تک ہماری درسگاہیں علم بانٹ رہی ہیں اور عدالتیں انصاف فراہم

کر رہی ہیں اسوقت تک۔برطانیہ قائم رہے گا اور آج پاکستان سے کم رقبہ کا حامل۔برطانیہ ہم سے ہزار ہا قدم آگے ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ درسگاہوں کا عالمی معیار جانچنے والے ادارے ٹائمز ہائیر ایجوکیشن (ٹی ایچ ای) کی 2015 کی فہرست میں ارضِ وطن کی ایک درسگاہ بھی شامل نہیں۔ ہندوستان کے ادارے انڈین انسٹیوٹ آف سائنس نے 37 ویں پوزیشن حاصل کی ہے جو کہ پچھلے برس پنجاب یونیورسٹی کے پاس تھی۔اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار نے کہا کہ ''ان خدشات میں سے ایک یہ ہے کہ پاکستان میں وسائل کا فقدان ہے اور ریسرچ اور ڈویلپمنٹ کیلئے مشکل سے ہی رقم مختص کی جاتی ہے اس طرح کی صورتحال میں اداروں کیلئے ریسرچ کا کلچر پیدا کرنا مشکل کام ہے۔'' ان کا یہ شکوہ کسی حد تک بجا بھی ہے کیونکہ ہمارے ہاں جی ڈی پی کا چھ فیصد تعلیم کیلئے مقرر کرنا اب ایک خواب بن کر رہ گیا ہے۔اسکے ساتھ ساتھ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ پچھلے برس چاروں صوبوں میں مکمل تعلیمی بجٹ خرچ ہی نہ ہوسکا یا پھر ادھورے اور بے معنی منصوبوں پر خرچ ہوتا رہا۔ٹی ایچ ای کے ایڈیٹر فل باٹے نے بھی پاکستان میں یونیورسٹیز کیلئے فنڈز کی کمی کا رونا رویا انہوں نے کہا کہ ہمارے معیار پر پورا اترنے کیلئے پانچ شعبوں تدریس۔ تحقیق۔مثالوں کے اثرات۔ صنعتوں سے آمدنی اور بین الاقوامی نکتہ نظر میں مضبوط کارکردگی کا ہونا لازمی ہے'بد قسمتی سے ہمارے ہاں ان کا فقدان ہے۔اپنے فنڈ میں سے زیادہ رقم خرچ کرنے کے حوالے سے پہلا نمبر پنجاب ہی کو حاصل

رہا۔ ہمارے بعد وجود میں آنے والے ہمسایہ ملک چین نے اکیس یونیورسٹیوں کے ساتھ اس سروے میں مجموعی طور پر پہلی پوزیشن حاصل کر لی ہے جبکہ پہلی یونیورسٹی کا اعزاز ایٹم بم سے زخم خوردہ جاپان نے حاصل کیا۔

پاکستان ایجوکیشن سٹیٹ اسٹکس کی رپورٹ کے مطابق ملک بھر کے ایک لاکھ پینتالیس ہزار چار سو اکیانوے سرکاری و نجی سکولوں میں ایک کروڑ ستر لاکھ بچوں نے داخلہ لیا' جبکہ اٹھارہ لاکھ چالیس ہزار طالب علموں نے چودہ ہزار پانچ سو رجسٹرڈ مدرسوں میں داخلہ لیا۔ان مدارس میں سے محض 393 سرکاری طور پر چلائے جا رہے ہیں باقی نجی ملکیت ہیں۔

پرائمری سکول

اکیڈمی برائے تعلیمی منصوبہ بندی و مینجمنٹ 'ایجوکیشن مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم اور تعلیمی مہم الف اعلان کی یہ رپورٹ ہمارے دعوں کی قلعی کھولتے ہوئے بیان کرتی ہے کہ 2011-12' میں پرائمری سکولوں میں داخل ہونے والے بچوں کی تعداد ایک کروڑ لاکھ' 67ہزار' 5 سو اکیاسی تھی۔ رتی بھر اضافے کے ساتھ یہ تعداد سن 7513-2012 میں ایک کروڑ' 75 لاکھ' 74ہزار' آٹھ سو انچاس ہو گئی۔ جبکہ 2013.14 میں پرائمری سکول کے طلباء کی تعداد ایک کروڑ' 78 لاکھ' 69ہزار' آٹھ سو انسٹھ تھی۔

تعلیمی منصوبہ بندی میں سب سے اہم چیز اساتذہ اور طالب علموں کے مابین رابطہ وہم آہنگی ہے۔ اگر طالب علم کم ہوں گے تو انہیں استاد کے ساتھ رابطہ میں آسانی ہو گی جس سے انکا تعلیمی معیار بلند ہو گا لیکن اس رپورٹ کے مطابق پنجاب کے پرائمری سکولوں میں یہ شرح ایک استاد تینتیس طلباء' جبکہ سندھ میں ایک استاد انتیس طلباء' بلوچستان میں ایک استاد بتیس طلباء' خیبر پختونخواہ ایک استاد 43 طلباء اور اسلام آباد میں یہ شرح فی استاد 28 طلباء ہے۔

ہائی سکول

ہائی اسکولوں میں اگر تناسب کو دیکھا جائے تو وہ پچھلے عرصے کے مقابلے میں گزشتہ سال کم ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ تعلیمی سال 2011-12 کے دوران 26 لاکھ ' 91 ہزار پانچ سو پچانوے طلباء نے سکولوں کا رُخ کیا۔ 2012-13 میں اس تعداد میں اضافہ ہوا اور یہ تعداد 28 لاکھ ' پینتیس ہزار' تین سو چھبیس تک جا پہنچی ۔ 2013-14 کے تعلیمی سال میں اس میں کمی دیکھنے میں آئی اور یہ تعداد 23 لاکھ ' اٹھارہ ہزار' آٹھ سو چالیس تک محدود رہی۔

یونیسکو رپورٹ

ہم اگر سکول کی سطح پر تعلیم کا جائزہ لیں تو سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 54 لاکھ بچے سکول جانے سے قاصر ہیں اور جو سکول جاتے ہیں وہ دسویں جماعت تک

نہیں پہنچ پاتے۔اقوام متحدہ کے ادارہ.برائے تعلیم یونیسکو نے سن 2000 میں تعلیم کیلئے اہداف مقرر کیئے تھے جن میں بچوں کا سکول میں داخلہ 'بالغ افراد کی خواندگی کی شرح کو نصف کرنا'ثانوی تعلیمی سطح تک لڑکیوں اورلڑکوں کا تناسب.برابر کی سطح تک لے جاناشامل ہے۔2015کے حوالے سے یونیسکو کا کہنا ہے کہ پاکستان تعلیمی اہداف حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ جبکہ جنوبی ایشیاکے حوالے سے یونیسکو نے ہندوستان 'ایران اورنیپال کی پیش رفت کو سراہتے ہوئے پاکستان کو اس سے پیچھے رہ جانے والاملک قرار دیا۔رپورٹ میں کہا گیا کہ سن 2014 میں پاکستان کے مغربی صوبہ بلوچستان کے 33 فیصد بچے اردو اور مقامی زبان میں کہانی پڑھ سکتے تھے اور پنجاب میں انکی تعداد63 فیصد ہے۔ادارے نے یہ بھی کہا کہ اصلاحات کو سیاسی ترجیح نہیں دی جاتی اور نہ ہی انہیں عوامی حمایت حاصل رہتی ہے۔

یونیسکو کے عالمی تعلیمی ڈائجسٹ شمارہ 2009کے مطابق 6.3 فیصدپاکستانی 2007 میں جامعات سے فارغ التحصیل تھے۔پاکستان ان اعداد و شمار کو 2015 میں دس فیصد اور تک 15 فیصد کرنے کاارادہ رکھتاہے۔جس کی تاحال کوئی صورت نظر نہیں 2020 آتی۔2001 میں سینیگال کے دار لحکومت ڈاکار میں دنیا کے 164 ممالک نے 2015 تک تمام بچوں کو سکول داخل کروانے کے اعلامیے پر دستخط کیئے تھے لیکن یونیسکو کی حالیہ رپورٹ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ پاکستان اپنے ہدف

تک پہنچنے میں ناکام رہا ہے۔

جنوبی ایشیا میں بچوں کے سکول چھوڑنے کی شرح بہت کم ہوئی ہے اور پاکستان میں یہ شرح بہت زیادہ ہے۔یونیسکو کے مطابق پاکستان پرائمری کی سطح پر بچے اور بچیوں کے تناسب کو برابر کرنے کی سطح پر پہنچ چکا ہے۔

گھوسٹ سکول

ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کے مطابق صوبہ سندھ میں گھوسٹ سکولوں کی تعداد چھ ہزار چار سو سے زیادہ جبکہ بلوچستان میں یہ تعداد پانچ ہزار ہے۔گھوسٹ سکولوں سے سینکڑوں اساتذہ گھر بیٹھے تنخواہ لے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں 2010 میں بدعنوان ترین شعبوں میں تعلیم جیسا مقدس ادارہ چوتھے نمبر پر تھا۔ایک اندازے کے مطابق پنجاب میں 83 جبکہ خیبر پختونخواہ میں 1300 کے قریب گھوسٹ سکول ہیں۔یہ سکول مقامی بااثر افراد یا کسی اور محکمے کے کنٹرول میں ہیں۔ان اسکولوں کے اساتذہ محکمہ تعلیم پر بوجھ ہیں۔ان کی بڑی وجہ محکمہ میں سیاسی مداخلت ہے۔جب جعلی ڈگری والے منتخب ہوں گے تو ہم اُن سے بہتر معیارِ تعلیم کی کتنی اُمید رکھ سکتے ہیں؟ پنجاب میں گھوسٹ سکولوں کی کم تعداد اس بات کا مظہر بھی ہے کہ مکمل نہ سہی لیکن ''پڑھو پنجاب ۔۔۔بڑھو پنجاب'' پر کسی نہ کسی طور عمل ضرور ہو رہا ہے۔پنجاب کے 36 اضلاع میں پنجاب

ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے مالی تعاون سے تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی تعداد پندرہ لاکھ ہوچکی ہے جبکہ صوبے کے 55 ہزار بچے پنجاب ایجوکیشنل انڈومنٹ فنڈ کے ذریعے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ باقی صوبوں کو بھی قدم بڑھانا ہوں گے۔

ان سب معاملات کی جڑ تک پہنچنے کیلئے ہمیں اپنے نظام تعلیم کا از سر نو جائزہ لینا ہوگا۔ ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ کوئی بھی بچہ محض والدین کا نہیں بلکہ ریاست کا بھی اثاثہ ہے۔ ہمارے شہروں ٗ دیہاتوں ٗ غریبوں اور امیروں کیلئے نظام تعلیم الگ الگ ہیں۔ ملک کی شرح خواندگی کو بہتر بنانے کیلئے سول سوسائٹی ٗ والدین ٗ معاشرے کہ ذمہ دار افراد سمیت اس قوم کہ ہر فرد کو ایک مشن لے کر نکلنا ہوگا تب جا کر ہم جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں سے اپنی قوم کو نکال پائیں گے۔

اساتذہ کے مسائل

دنیاکے تمام ترقی یافتہ ممالک میں اساتذہ کو معاشرتی طور پر بہترین مقام حاصل ہے۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹوں کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ خلیفہ نے بچوں کو ڈانٹا کہ تم محض لوٹے سے استاد کے پاؤں دھلوا رہے ہو جبکہ تمہارا فرض تھا کہ دوسرے ہاتھ سے استاد کے پاؤں بھی دھوتے۔ جب تک کسی معاشرے میں استاد کو اس کا مقام نہیں دیا جاتا اسوقت تک وہ معاشرہ مہذب ٗ خواندہ

اور ترقی یافتہ نہیں بن سکتا۔پاکستان میں فوج کے بعد دوسرا بڑا ادارہ محکمہ تعلیم ہے جس میں اگر سرکاری و نجی اسکولوں کے اساتذہ کی گنتی کی جائے تو یہ تعداد 16 لاکھ سے زائد بنتی ہے مگر اساتذہ پوری عمر ایک اچھے مکان کو ترستے رہتے ہیں۔ تعلیمی سال کے دوران انہیں الیکشن، خسرہ، ڈینگی، پولیو اور یوتھ فسٹیول سمیت کئی کاموں میں غرقاب کیا جاتا ہے جس سے اساتذہ کی نفسیات سمیت بچوں کے مستقبل پر بُرے اثرات مرتب ہوتے

ہیں۔حکومت کو چاہیئے کہ اساتذہ کو مالی و معاشرتی سطح پر ایک اچھے مقام کا حامل بنائے نہ کہ گلی گلی گھوما کر ان کی تذلیل کی جائے۔

☆یکساں نظام تعلیم ملکی فلاح کیلئے اشد ضروری ہے۔امیر، غریب، شہر اور دیہات، پنجاب اور سندھ کی تفریق ختم کی جائے۔

☆ فنی ادارے قائم کیئے جائیں یا انہی اسکولوں میں فنی تربیت کا بندوبست

کیا جائے۔پرائمری سے جامعات تک ایسی حکمت عملی اپنائی جائے کہ غریب بچے عصری علوم کے ساتھ ساتھ ایک دو گھنٹے فنی تعلیم حاصل کرکے مصنوعات تیار کریں جنھیں سرکاری سطح پر خریدا جائے یا پھر انکے اسٹال لگانے میں حکومت مدد کرے۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ والدین اپنے بچوں کو ورکشاپ بھیجنے کے بجائے اسکول بھیجیں گے۔

☆

☆نظام تعلیم سے مایوسی کا بڑا سبب نوکریوں کا نہ ملنا اور میرٹ کا خون کرنا

بھی ہے۔یہ بھی ہمارے نظام تعلیم ہی کی خرابی کی مرہون منت ہے۔آپ کو چپڑاسی کی نوکری کیلئے ایم اے پاس افراد درخواست دیتے اس لیئے نظر آتے ہیں کہ ہائی سکول کی تعلیم کے بعد ان کے مستقبل کا فیصلہ دوسرے ممالک کی طرح ماہرین تعلیم کی کسی کمیٹی نے نہیں بلکہ ان کے لاعلم والدین یا پھر بھیڑ چال نے کیا تھا۔ہمیں چاہیئے کہ فنی تعلیم کے ادارے قائم کریں۔ایک جیسا نظام تعلیم لائیں ۔ بچوں کے رجحان کے مطابق ان کے تعلیمی مستقبل کا فیصلہ کریں اور تعلیمی اداروں میں تربیت کا بھی مناسب بندوبست کریں تاکہ ایک پڑھے لکھے فرد کی شخصیت سے مترشح ہو کہ ہم نے اسے نہ صرف کاغذ قلم دیا ہے بلکہ ایک مربوط و مضبوط نظام تعلیم کے تحت اسکی اخلاقی تربیت بھی کی گئی ہے۔

سائیڈ سٹوری:

اے ای پی اے ایم کی رپورٹ کے مطابق تعلیم کے میدان میں پاکستان بنگلہ دیش سے نچلی سطح پر جبکہ سری لنکا سے بہت نیچے ہے۔

کوالٹی سٹینڈرڈ ورلڈ یونیورسٹی رینکنگ 2010 کے مطابق دنیا کی 200 بہترین جامعات میں پاکستان کی صرف 2 جامعات شامل ہیں۔

ہماری سرزمین بانجھ ہوتی تو اس کے سپوت ایٹم بم بنانے سے قاصر رہتے

ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبل پرائز نہ ملتا۔'

ایوب امیہ نے نیورو سرجن کے طور پر اپنی فیلڈ میں بہت بہترین ریسرچز کیں ۔ کم و بیش 150 کے لگ بھگ ریسرچ پیپرز ان سے منسوب ہیں' انھوں نے ommaya reservoir medical procedure کی بھی بنیاد رکھی۔

مہاب الحق ایسے جہاندیدہ پاکستانی ماہر معیشت ہیں جنھوں نے ہندوستانی امرتیہ سین کے ساتھ مل کر ہیومن ڈویلپمنٹ انڈیکس کی بنیاد رکھی۔جو کہ جدید انٹر نیشنل معیار کے مطابق ہیومن ڈویلپمنٹ کو ماپنے اور ریٹنگ کرنے کا ذریعہ ہے۔

سائنسدان عطاء الرحمٰن نے اپنی فیلڈ نیشنل پروڈکٹ کیمسٹری میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان سے 935 ریسرچ پیپرز منسوب ہیں۔

چند دن قبل کراچی سے تعلق رکھنے والے ایک بچے حباب ادریس نے امریکا میں منعقد انٹیل سائنس'' کے میلے میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔اس آلے کی مدد سے واٹرٹینک'' اور دیگر اشیاء کا درجہ حرارت برقرار رکھا جا سکتا ہے۔اس کے ذریعے خشک پھلوں کا درجہ حرارت بھی برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

گزشتہ برس عمر انور جہانگیر نے عالمی اقتصادی فورم کے سب سے کم عمر مندوب کا
اعزاز حاصل کیا۔

لوڈشیڈنگ یا قتلِ عام؟؟

آہ! بے حسی کی حد ہو گئی' رمضان کے مبارک مہینے میں 842 انسان چل بسے اور ابھی تک لفظوں کی جنگ جاری ہے۔میتوں کیلیۓ بعض مقامات پر پانی دستیاب نہیں۔آج کے بشر نما جاندار کا دائرہِ انسانیت کبھی مذہب تک محفوظ ہوتا ہے کبھی فقہ و مسلک تک' مگران سیاسی گماشتوں کا نہ تو کوئی مذہب ہوتا ہے نہ لسانی' علاقائی محبت کا سمبندھ' یہ تو بس ایشوز پر سیاست کرتے ہیں' ہر پانچ سال بعد تگڑی پارٹی تلاش کرتے ہیں اور پھر وزیر شذیر کا عہدہ تراش خراش کے وطن کے وسیع تر مفاد میں ذاتی خزانے کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ان کے علاوہ کچھ ایسے تیر انداز ہیں جو کوچہ سیاست کو تو اکبر کا ''شیطان آباد'' تصور کرتے ہیں لیکن کسی ماہر ''بیربل'' کی طرح اس کوچے سے اپنا کام نکالنے کا بندوبست ایسی چابک دستی سے کرتے ہیں کہ کسی ''میر سامان'' کسی ''مرزا دلدار بیگ کو خبر تک نہیں ہوتی اور رہا شہنشاہ اکبر تو وہ اس لیۓ اس کے انسانیت کش جرائم اور روحانی وارداتوں سے چشم پوشی کرتا ہے کیونکہ ''بیربل'' نے اس کا ''دین الٰہی'' قبول کر لیا ہوتا ہے۔

سچ پوچھیۓ تو شاید پہلا کالم ہے جسے لکھتے ہوۓ ہاتھ رک رہے ہیں' الفاظ تلاش کر رہا ہوں کہ کیسے اس دردناک صورتحال کو بیان کروں جس کا دشنام میری ارضِ

پاک کے سیاستدان کسی گھریلو جھگڑالو عورت کی مانند ایک دوسرے کے سر دھر رہے ہیں ۔مانا کہ جمہوریت کے ثمرات یا پائیدار تبدیلی کسی دھرنے کسی نعرے یا اڑن کھٹولے کے ذریعے نہیں آتی پر جس بات کو بنیاد بنا کر بنو عباس نے بنوامیہ کو روندا' آج وہی صورتحال پھر درپیش ہے۔عباس السفاح کو حُبِ اہل بیعت نہیں بس اقتدار کی ہوس ہے۔عوام کو معلوم ہو چکا کہ کوئی پائیدار حل کی خاطر یا ان کی دستگیری کرنے نہیں بلکہ اپنے غم غلط کرنے آتا ہے' اگرچہ یہ عوام کی غلط فہمی ہے۔۔۔۔سیکھنے والے ایک ذرا سے واقعے سے سیکھ جاتے ہیں مگر اپنے آپ کو گرا کر سوچنا لوہے کے چنے چبانا ہے۔کوئی جا کر دیکھے تو معلوم ہو کہ کس قدر پیسہ تحصیل گجر خان کی بستیوں کی ترقی میں اُنڈیلا گیا' لٹایا گیا' بہایا گیا مگر عوام کو اندھیروں کا تحفہ دینے والے کسی بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح الیکشن کے بعد اپنے آپ کو کوستے رہے۔عوام اس قدر تو سنبھل چکے کہ قومی ایشوز اور کارکردگی پر کچھ نہ کچھ جواب ضرور دیتے ہیں۔ہم سوچ رہے ہیں کہ لفظوں کی جنگ میں ''پاکستان کھپے'' کا نعرہ لگانے والی ہستی کیوں شکستہ حال نظر آئی ؟کیا پاکستان کھپے کا نعرہ حب الوطنی کی نشانی نہیں تھا؟کیا سندھی جب محترمہ کی قبر پر ''نہ کھپے نہ کھپے'' کا جواب دے کر جب خاموش ہو گیا تو کیا یہ کسی کی زبان کی تاثیر نہ تھی؟ہم سمجھتے ہیں' عوام سمجھتی ہے مگر یہاں بھی وہی کچھ ہو رہا ہے جو جنگ پلاسی میں سراج الدولہ کے ساتھ ''میر جعفر'' کرتا رہا۔جب تک سیاسی جماعتیں اپنے اندر سے اقتدار کی ہوس میں کنوئیں کے لوٹے کی مانند گھومنے والے ''میر جعفروں''

اور نودولتیوں کو نہیں نکالتیں اسوقت تک یہ جنگ پلاسی ہارتی رہیں گی اور کراچی سے لیکر خیبر تک عوام امن کو ترستے رہیں گے۔ اکادکا سرِ وفاق لوگ بھی لفظوں کی جنگ میں شہداکے وارث ایسے بشر کے خلاف کھڑے ہوگئے جو ملک کو امن کا گہوارہ بنانا چاہتا ہے۔ جماعتوں کو اپنے اندر سے قابل افراد کو اوپر لانا ہوگا لیکن جوزمین ٹیپو سلطان اور جھانسی کی رانی کو یاد نہیں کرتی وہ ایسے لوگوں کو پارٹی میں کیونکر مقام دے گی؟ یہاں تو باغی 'داغی کہلاتے ہیں اور داغی لوگ باغی کہلاتے ہیں۔

جس ملک میں وقت کے حکمران مافیاز کو کنٹرول نہ کر سکیں 'جس ملک میں درویشوں کی متاع لُٹ جائے وہاں کس سے اُمید کی جائے؟ لوڈشیڈنگ کی سب سے بڑی وجہ مہنگے ذرائع سے بجلی کا حصول ہے۔ پانی سے بجلی پیدا کرنے کی قوت حکمران اسلیئے نہیں رکھتے کہ نجی پاور پلانٹس کے مالکان جنھیں آئی پی پیز کہا جاتا ہے بڑے اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ سستی بجلی پیدا نہیں ہوتی اور حکومت تیل سے پیدا ہونے والی مہنگی بجلی کی قیمت نجی پاور پلانٹس کو دینے کی سکت نہیں رکھتی کیونکہ ماشاءاللہ اخراجات ہی کافی ہیں۔ حیرت نہیں ہے کہ دنیا میں حکمرانی کا تصور اس لیئے قائم ہوا کہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کیلیئے کسی کو مقرر کیا جائے 'بس پھر کیا ہوا کہ نظام کوئی بھی قائم ہوا چاہے جمہور ہو' فاشزم ہو یا فلاں فلاں عوام حقوق کیلیئے ترستے رہے اور ان کے پیسے پر ان ہی کی جانب سے کھڑا کیا گیا چوکیدار ان کے حقوق

کا سب سے بڑا راہزن بن گیا۔ آج کراچی و سندھ کے وہ لوگ جن کو ممبران اسمبلی یا حقوق کا چوکیدار بنا کر عوام نے اسمبلی میں بھیجا، یا جو عوام کے ٹیکس سے تنخواہ لے کر سرکاری ملازم کہلاتا ہے کم وبیش سب ہی اس کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ کوئی پانی کی ترسیل میں رکاوٹ پیدا کرکے نوٹ کما رہا ہے تو کوئی بجلی کی سرکاری کمپنی کو نجی ملکیت میں دینے کا مجرم ہے؟ کوئی لینڈ مافیا میں ملوث ہو کر ٹارگٹ کلنگ کروا رہا ہے تو کوئی فیکٹریوں کو بھتہ نہ دینے کے جرم میں آگ لگا کر پاکستانی سرمائے کو بیرون ملک منتقل کرنے کا باعث بن رہا ہے۔

یہ وقت ہے کہ سیاست دان سوچیں کہ آخر کیوں ان کی سیاسی حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود عوام اپنے سپہ سالار کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہیں؟ آخر کیوں ان کو ووٹ دینے والے احتجاج کرتے ہیں؟ وجہ روزِ روشن کی مانند عیاں ہے کہ انھوں نے مسائل کی تسلی بخش مرمت کا کوئی مناسب بندوبست نہیں کیا بلکہ گلی کوچوں میں پھرنے والے انسانیت کے مجرموں سے بلیک میل ہوتے رہے جبکہ عوام کا اعتماد فوج پر بڑھتا چلا گیا۔ آج آرمی نے اپنے اندر ہی سے احتساب کا آغاز کر دیا ہے۔ کیا سیاستدان اپنی جماعتوں میں ایسا کرنا پسند کریں گے؟۔ آج اگر کراچی میں پی پی پی و متحدہ کی کارکردگی سوالیہ نشان بن رہی ہے تو کل کلاں یہی صورتحال پنجاب و خیبر پختونخواہ میں بھی دوبارہ سر اُٹھا سکتی ہے۔

لوڈشیڈنگ ایسا اژدھا ہے کہ یہ اس پارٹی کو نگل گیا جسے ڈنڈے کے زور پر حکومت کرنے والے نہ نگل سکے۔ کراچی کے لوگ ماہِ صیام میں کسی ڈرون سے نہیں 'کسی خود کش دھماکے سے نہیں 'کسی ٹارگٹ کلنگ سے نہیں بلکہ حکمرانوں کی کوتاہیوں 'لاپرواہیوں اور خرمستیوں سے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ حد یہ ہے کہ منگوپیر لیپروسی ہسپتال جہاں جذام یعنی کوڑھ جیسے موذی مرض کا علاج کیا جاتا ہے یا جناح وارڈ کا کینسر وارڈ سب ہی لوڈشیڈنگ سے متاثر ہیں۔ صحت کی سہولیات اور بروقت علاج معالجہ کی شکایات کا انبار ہے۔ حکومت نے کوئی گرمی سے بچاؤ کی آگاہی مہم نہیں چلائی۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق جناح ہسپتال میں 280 'سول 111 'عباسی شہید ہسپتال 94 لیاری جنرل ہسپتال 94 'بڑے نجی اسپتال 101 'دیگر سرکاری و نجی طبّی ادارے 55 ' جبکہ مجموعی طور پر 659 افراد کی موت کی سرکاری تصدیق ہوچکی ہے۔

تھر میں معصوموں کی ہلاکت ہو یا حبس 'غیر معیاری طبّی سہولیات 'لوڈشیڈنگ اور پانی کی قلت سے مرنے والے افراد کیا ان کے لیئے کوئی قانون سازی نہیں ہوگی کوئی بائیسویں یا تیئیسویں ترمیم جنم نہیں لے گی؟ کیا ان کے قتل کا مقدمہ درج نہیں ہوگا؟ رنی میڈ کا میدان منتظر ہے کہ کیا کسی میگنا کارٹا پر کوئی کنگ جان دستخط کرے گا؟ کیا سب اداروں کو درست کرنے کیلئے عوام افواج پاکستان کی طرف دیکھیں گے ؟۔ کیا سرکاری محکموں کو درست کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان کو کوڑیوں کے بھاؤ فروخت کر دیا جائے ؟ کیا خیبر سے لے کر کراچی تک کسی وزیر شذیر میں

اتنی اہلیت نہیں کہ سرکاری ملازموں کو راہِ راست پر لا سکے ؟کیا ترقی یافتہ ممالک میں جب کوئی محکمہ عوام کو سہولت دینے میں ناکام ہو جائے تو اس کے سیاسی سربراہ اپنے عہدے سے استعفٰی دیتے ہوئے قوم سے معذرت نہیں کرتے ؟۔اپوزیشن اور مرکز کو چاہیے کہ شیم شیم کے نعرے بلند کرنے کے بجائے سر جوڑ کر بیٹھیں اور پائیدار اور باوقار حل نکالیں۔ سوچیئے اس سے پہلے کہ خیمہ ہی کسی اور کا ہو جائے۔

العطش۔۔۔العطش اور خشک چھڑی

جنگ جاری تھی اور ’’العطش۔۔۔العطش‘‘ کی صدا گونجی۔خدمت کرنے والا بھاگ کر پانی لایا اور زخمی مجاہد کے ہونٹوں سے لگایا ہی تھا کہ قریب سے آواز آئی ’’العطش۔۔۔العطش‘‘۔زخمی مجاہد نے پیالہ اپنے منہ سے ہٹاتے ہوئے کہا کہ یہ پیالہ میرے ساتھی کو دے دیجئے۔پلانے والا بھاگ کر اس کے پاس پہنچا اور جلدی سے پانی سے بھرا پیالہ اُس کے ہونٹوں سے لگایا تو ایک اور بے چین آواز گونجی ’’العطش۔۔۔العطش‘‘ دوسرے زخمی نے ساقی سے کہہ دیا کہ لگتا ہے میرے بھائی کو میرے سے زیادہ پانی کی ضرورت ہے لہٰذا پانی میرے بجائے اسے دے دیا جائے۔ساقی دوڑتا ہوا تیسرے مجاہد کے پاس پہنچا۔جب پیالہ اُس کے منہ سے لگا تو اس کی روح قصر عنصری سے پرواز کر چکی تھی‘ ساقی دوڑتا ہوا دوسرے زخمی کے پاس آیا تو وہ بے داعی اجل لبیک کہہ چکا تھا‘ ساقی دوڑتا ہوا پہلے زخمی کے پاس پہنچا تو وہ بھی اس دنیا سے بے نیاز ہو چکا تھا۔قربانی وجاں نثاری کی عظیم مثال‘ اپنے اوپر اپنے ساتھی کی خواہش وضرورت کو مقدم ٹھہرانے کی انمول مثال قائم کرنے والے یہ اصحاب رسول ﷺ امت مسلمہ کیلئے ایک بیش بہا خزانہ چھوڑ گئے۔آج کراچی کی گلیاں العطش کی صدا سے گونج رہی ہیں۔اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ سیاستدان تو نہیں البتہ عوام گھروں سے پانی لے کر نکل آئے ہیں‘ اس عمل کو صاحب ثروت افراد

کو بڑھانا ہوگا کیونکہ اس مقدس ماہِ صیام میں اس سے بڑی کیا عبادت ہوگی کہ ایک انسان کی جان محفوظ کرلی جائے ۔ میرے پاک رسول ﷺ کا فرمان عالیشان ہے جس نے ایک انسان کی زندگی محفوظ کی گویا اس نے پوری انسانیت کو بچایا۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ایک طوائف کو محض اس لیئے بخش دیا کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا' یہاں تو معاملہ انسان کا ہے' سوچیئے کتنی بڑی نیکی 'کتنا بڑا عمل' اور وہ بھی اس ماہ میں جس میں ایک نیکی پر دس کا ثواب ملتا ہے۔ سرکارِ دوجہاں جب کسی مصیبت زدہ انسان کی پکار سنتے تو اپنی نماز مختصر کردیتے ۔ آج ہمیں اسی عمل کی ضرورت ہے ۔ علماء کو چاہیئے کہ دوران رمضان ایک سے زیادہ عمرہ کرنے والوں کی توجہ ان مظلموں کی طرف دلائیں جنھیں اسوقت امداد کی اشد ضرورت ہے ۔ ایک سے زیادہ حج کرنے کا ارادہ رکھنے والے بھی اگر اس کارِ خیر میں شرکت کریں گے تو یقیناً رب تعالی ان کی نیت کے صدقے انہیں دوگنا اجر دیں گے 'مگر اس سارے عمل میں علماء کا متفقہ فیصلہ زیادہ قابلِ ترجیح ہوگا اور اخبار کے صفحات پر ایک عامی کی تحریر کے بجائے اگر علمائے وقت اس عمل کی طرف عوام کو بلائیں گے تو یقیناً وہ متوجہ ہوں گے ۔ دین ہمیشہ انسان کی روح کا جسم سے تعلق قائم رکھنے کو ترجیح دیتا ہے پھر نیکی کا حکم دیتا ہے' تاریخ گواہ ہے کہ اگر مدینہ میں سرکار نے پہنچ کر بھائی چارہ جیسی عظیم مثال قائم کی اور اسی بھائی چارے کی بدولت اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوئیں' انصار نے

بلاتوقف اپنی جائیداد میں ان لوگوں کو شامل کرلیا جن سے ان کا خون نہ ملتا تھا۔

کراچی میں ہمارے اہل وطن 1400 کے قریب پانی کی عدم دستیابی، گرمی، حبس اور لوڈشیڈنگ کی وجہ سے جاں بحق ہو چکے ہیں۔ حکمران کہہ رہے ہیں کہ "گرمی کی وجہ سے اموات کا ذمہ ہمارا نہیں"۔ جبکہ سیدنا عمر کا فرمان عالیشان ہے کہ فرات کے کنارے کتا بھی بھوکا مرگیا تو اس کا جواب عمرؓ کو دینا ہوگا۔ آپ دنیا کے پہلے حکمران ہیں جنھوں نے غیر پالتو جانوروں کے کھانے کا بندوبست بھی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا، حیف ہے ایسے بشر پر جو اہل وطن کی ضروریات کو اپنا فرض خیال نہیں کرتا۔ لیکن یہ وقت حکمرانوں کو کوسنے دینے کا نہیں میدانِ عمل میں نکلنے کا ہے۔ سرد خانوں میں جگہ کم پڑ گئی ہے، پانی کمیاب ہے، بجلی کا حصول ممکن نہیں۔ الخدمت فاؤنڈیشن اور اس جیسے مخیّر اداروں اور سول سوسائٹی کے ہر فرد کا فرض ہے کہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس کارِ خیر میں حصہ ڈالے۔ پہلے مرحلے میں میتوں کیلئے سرد خانوں کی تعمیر، مریضوں کیلئے طبّی سہولیات اور بجلی کا مناسب بندوبست شامل ہیں۔ پھر ظاہر ہے جہاں میتوں کو دفنانے کیلئے پانی دستیاب نہیں وہاں اہل وطن کے پاس قبر میں اتارنے کیلئے جگہ خریدنے کے پیسے بھی نہ ہوں گے۔ اس سارے کام میں ہمیں آگے آنا ہوگا۔ تنگ وتاریک رہائشی سلسلوں کیلئے سولر پینل اور بجلی کے متبادل ذرائع بھی مصیبت زدہ لوگوں تک پہنچانا ہوں گے۔ ایک مرتبہ سرکارِ دوجہاں روزہ داروں کے ساتھ سفر پر تھے اور کچھ اصحاب

کو روزے نہیں تھے ۔ تو جب راستہ میں پڑاؤ پڑا تو تمام کام ان اصحاب رسول ﷺ نے کیا جنھیں روزے نہیں تھے تو سرکار نے کیا فرمایا: (مفہوم) آج روزہ نہ رکھنے والے روزہ داروں پر سبقت لے گئے۔

ماہِ صےام عبادت کا مہینہ ہے عبادت ضرور کیجئے لیکن سینئے ہم نے پڑھا ہے کہ ایک بزرگ خشک چھڑی زمین میں دبائے عبادت کر رہا تھے۔ راگیر نے پوچھا بابا یہ چھڑی کسی ہے ۔جواب دیا' جب رب راضی ہوگا تو یہ سبز ہو جائے گی۔ راگیر نے بھی ایک خشک چھڑی زمین میں دبائی اور عبادت میں مشغول ہوگیا' اس کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ کسی مصیبت زدہ نے پکارا' بزرگ اپنی جگہ بیٹھا عبادت میں مصروف رہا اور راہ گیر نے اُٹھ اس شکستہ حال بندے کی مدد کی ۔جب راہ گیر اپنی عبادت کی جگہ پر واپس آیا تو اُس کی چھڑی سبز ہو چکی تھی اور بزرگ کی چھڑی ہنوز خشک تھی۔۔۔

پاکستان کھپے

منہ سے ادا کیئے ہوئے الفاظ اور کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آ سکتے ۔انسان خاموش رہے تو چھپا رہتا ہے' جب بولتا ہے تو اسکے اندر کی شخصیت واضح ہو جاتی ہے۔ سیاست دانوں کے بعض بیانات ایسے ہوتے ہیں جن کی وہ اکثر تردید دچھپواتے پھرتے ہیں 'تاویلیں پیش کرتے ہیں اور بعض ایسا سجدہ سہو کرتے ہیں کہ پھر سر ہی نہیں اُٹھاتے۔ سابق صدر محترم زرداری کے بیان سے اگلے روز رات کے کھانے کے وقت ایک فوجی سے ہم نے پوچھا کہ فوج اب کیا کرے گی ؟بولے۔ ''اپنا کام جاری رکھے گی۔'' بعد میں آنے والے لمحات نے اس کی بات کی تصدیق کی ۔یہ فقط جملہ یا پیشن گوئی نہیں بلکہ اس تسلسل کا حصہ ہے جو فوج نے ضربِ عضب کے بعد اپنا رکھا ہے۔ سوچیئے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسوقت فوج میں بطور ادارہ مکمل ہم آہنگی ہے'ان کے جرنیل نے انھیں ایسی سمت رواں کیا ہے جہاں عزت وتوقیر ہے 'لوگ آنکھیں بچھاتے ہیں جبکہ سیاست کے کوچہ دشنام میں لیڈر کے بیان کے بعد' اکثر گیدڑ بھبکیاں سننے کو ملتی ہیں 'بات کی عوامی تائید ہو جائے تو مورثی سیاستدان سینہ تان کے ذمہ داری قبول کرتا ہے وگرنہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ بیان اس کارکن نے ذاتی حیثیت میں دیا اور اگر بیان ہی اعلی حضرت نے دیا ہو تو پھر تاویلیں گھڑی جاتیں ہیں ' مٹی پاؤ انڈسٹری سے رابطہ کیا جاتا ہے'کسی '' یجی بر مکی'' جیسے سیاس ومدبر کی تلاش کی

جاتی ہے جو کہ خواب ہی ہے کیونکہ ان جماعتوں میں توخوشامدیوں کی ہی جگہ بنتی ہے اگر یہ ''یحیٰ برمکی'' جیسادوراندیش 'فہم وفراست سے لبریز اورتدبر سے آشنابندہ مشیر رکھتیں توآج نہ ملک کی ایسی حالت ہوتی اور نہ ہی ان کو اپنے الفاظ واپس لینے جیسی کربناک اذیت وہزیمت کاسامنا کرناپڑتا۔

عوام کوسیلاب'آندھی 'طوفان 'زلزلے یا کسی بھی مشکلات کا شکار ہوتادیکھ کرآرمی ریاست کے حکم یادرخواست پر فورا میدان میں اُترجاتی ہے'اول تو محض کام ہی کرتی ہے اوراگرضرورت پڑے تو غمگساری کے الفاظ میں قوم کے ''رستے زخموں ''پر مرہم رکھتی ہے۔اسکے برعکس سیاسی جماعتیں چونکہ عوام کی توجہ حاصل کرنے میں بازی لے جانا چاہتی ہیں 'لہٰذا بہت کچھ کہہ جاتی ہیں'بسااوقات اقتدار ودولت کی ہوس میں ریاستی اداروں اور عوام کے خلاف ایسا معاندانہ رویہ اختیار کرتی ہیں کہ حیرت سے دیدے پھیل جاتے ہیں۔لوگ پیاس 'حبس 'گرمی اورغیر معیاری طبّی سہولتوں کی وجہ سے فوت ہوئے اوربیان آیاکہ ''کوئی حبس سے مرجائے توحکومت اسکی ذمہ دار نہیں۔''''سمندری ہوائیں نہ چلیں تو ہم جواب دہ نہیں۔''سیدناعمرفاروقؓ فرماتے تھے کہ (مفہوم)فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مرگیاتواسکاذمہ دارعمرؓ ہوگا۔سوچیئے کتنے وفاقی وصوبائی امراء جنازوں میں گئے'تعزیت کی'اورتدفین کے عمل میں عوام کی مدد کی؟؟؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ محترم سابق صدر کے بیان کے بعد جن تلخیوں نے جنم لیا ہے وہ اتنی آسانی سے ختم نہ ہوں گی لیکن جو لوگ یہ اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں کہ ''ٹھیک اوور'' ہوگا وہ شاید خیالی دنیا میں بستے ہیں کیونکہ آرمی جان چکی کہ اسکی اپنی توقیر اور ملکی فلاح اسی میں ہے کہ سول ادارے چلتے رہیں۔پی پی پی سندھ میں جڑیں رکھنے والی ایک وفاق پسند جماعت ہے' جس کی بہر طور پاکستان کو ضرورت ہے اور رہے
گی۔موروثیت' اقرباء پروری' میرٹ کا قتل' دولت کی ہوس' اور ایسی بہت سی خرابیوں کی مرہون منت ہمیں کچھ ہی عرصئے بعد جمہوریت سے تعفن اُٹھتا ہوا محسوس ہوتا ہے مگر یہ تطہیر کا ایسا عمل ہے جس سے گزرے بناء چارہ نہیں اور آخری حل بھی سول ادارے ہی ہیں۔اسوقت وفاقی ادارے ریاست کے حکم پر جمہوریت سے جڑے ایسے ناسور کے آپریشن میں مصروف ہیں جو پاکستانی معیشت کی ''شہ رگ'' میں ملوث ٹارگٹ کلنگ بھتہ خوری اور دیگر قبیح جرائم کی بیک بون تصور کیئے جاتے ہیں' اگر آج ان عناصر کو نہ روندا گیا اور سندھ حکومت نے رینجر کا کردار محدود کرنے کی کوشش کی تو اسکے نتائج سیاسی اور انتظامی طور پر اچھے نہیں آئیں گے۔گورنر راج کی بازگشت ان کے گھر سے اُٹھے گی اور بہت کچھ ملیامیٹ ہونے کا خدشہ پیدا ہو جائے گا۔
سابق صدر ایک مفاہمت کی علامت' دھیمے مزاج اور مضبوط اعصابی شخصیت کے طور پر جانے جاتے ہیں لیکن 17 جون کی تقریر نے انکی شخصیت کو بُری طرح

متاثر کیااور آپریشن کے دوران ایسے الفاظ کو عوامی حلقے ''بوکھلاہٹ'' سے مشابہت دے رہے ہیں۔کچھ ناعاقبت اندیش اسے موقع جان کر شہداکے وارث کو رزم گاہِ سیاست میں دعوتِ عام دے رہے ہیں ۔وہ بھول رہے ہیں مگر دلیر سپاہی ہر گزنہیں بھولا ہوگا کہ سابق جرنیل کے دور میں وہ وقت بھی آیا جب پاک فوج کے سپاہی وردی پہن کر عوام میں نہیں جاسکتے تھے۔فوج کا مورال سیاست کی دوری سے ہی بلند ہوا'جس میں اہم کردار ضرب عضب نے ادا کیا۔یہ عظیم سپاہی کی نیک خواہشات ہی ہیں جنھوں نے دھرنے ورنے جیسے گولڈن چانس کو کیش نہیں کرایا۔قوی امید ہے کہ تدبر اور فہم وفراست سے آشنا یہ مخلص سپاہی خوش آمدیوں کے نرغے میں نہیں آئے گا۔ہاں ! مگراب سیاست دانوں کو اپنی روش بدلنا ہوگی ۔اٹھارویں ترمیم کے بعد ایسے بہت سے ادارے ہیں جن میں کاروائی کا حق وفاقی ادارے نہیں رکھتے لیکن جب آپ نے ایپکس میں بیٹھ کر انہیں انتہاپسندوں کی لائف لائن مردہ کرنے کی ذمہ داری دی ہے تو پھر وہ کاروائی کریں گے 'کافی عرصہٗ تک وہ صوبائی حکومت کے منہ کی جانب تکتے رہے جب کوئی نتیجہ سامنے نہ آیا تو بالاآخر انہیں اپنا کام تو مکمل کرنا ہی تھا۔جہاں تک سندھ کا تعلق ہے تو ایسی کرپشن سبھی جگہ پر ہے 'کراچی سے خیبر تک سبھی کا احتساب بلاروک ٹوک ہونا چاہیئے 'مگر جیسی بدامنی کراچی میں ہے 'اُس کے کچھ اپنے تقاضے بھی ہیں۔
سیاسی جماعتیں بھی اگر اپنا اخلاقی مورال بلند کرنا چاہتی ہیں تو انہیں اپنی

سطحی خواہشات کا گلا گھونٹ کر آگے آنا ہوگا۔پارٹی میں عہدوں اور ٹکٹوں کا معیار ملک سے وفاداری اور ایمانداری سے جوڑنا ہوگا' کیونکہ شفاف سول ادارے ہی ملکی بقاء کے ضامن ہو سکتے ہیں۔ کرپٹ افراد کو جماعتوں سے چلتا کرنا ہوگا۔اسوقت پاکستان کے صوبہ پنجاب میں ن لیگ اور سندھ میں پی پی ایسی جماعتیں ہیں جو صوبوں میں گہری جڑیں رکھتیں ہیں اور وفاق پر یقین رکھتی ہیں 'ہمیں ایک ایسی جماعت بلوچستان میں بھی چاہیئے جو وفاقِ پاکستان کی علمبردار ہو اور ملکی مسائل کو کسی تعصب کی نگاہ سے نہ دیکھے اور یہ اسوقت ہی ممکن ہوگا جب ہم بلوچستان کی محرومیاں دور کریں گے۔جب ہم کسی صوبہ سے زیادتی کریں گے تو اس کے عوام و دردمند حضرات کا عصبیت رکھنا فطرتی رد عمل ہوگا' بلوچستان کا واحد حل توجہ اور تعلیمی میدان میں سہولیات فراہم

کرنا ہے۔رہا خیبر پختوانخواہ تو وہاں مستقل تو کسی جماعت کی جڑیں قرار نہیں دی جا سکتیں البتہ وہ لوگ ہزار ہا تکالیف کے بعد بھی وفاق مخالف نہیں ہیں۔اگر فوج اپنا مورال واپس لا سکتی ہیں تو سیاسی جماعتیں جو کہ اسوقت افواج پاکستان کے مقابلے میں اپنا اخلاقی مورال کھو چکی ہیں 'وہ بھی ایسا کر سکتی ہیں۔پی پی جو کے ایک مزدور کی جماعت سمجھی جاتی تھی' اس کے چیئرمین نے اسوقت پاکستان کو سہارا دیا جب سندھ جل رہا تھا' سندھ کے نگر نگر اور گلی گلی میں آگ لگی تھی۔مجھے یاد ہے کہ ستائیس دسمبر 2007 کی شام جب میں نیند کی آغوش میں تھا تو والد صاحب کی گلوگیر آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''سمیع'' بی بی شہید'' ہو گئیں۔بس پھر ریڈیو تھا اور ٹیلی ویژن ہر سو تباہی ''

جنون اور حواس باختگی کا عالم تھا۔پی پی کے جیالے چہار سو دیوانے ہوئے پھرتے' تھے'جرائم پیشہ عناصر اور بی بی کے متوالوں نے سندھ کو پاکستان سے الگ کر رکھا تھا'مداری.بڑی عیاری سے کہہ رہے تھے کہ پنجابیوں نے ہمارے دوسرے وزیراعظم کو قتل کر دیا۔ایسے وقت میں محترمہ کی قبر پر ایک بشر نے ایک نیا نعرہ دیا:''پاکستان کھپے'' (پاکستان چاہیئے) جواب میں سندھی بھائی نے عالم جذبات میں کہا نہ کھپے مگر پھر یہ باغیانہ آوازیں اس خوب صورت نعرے کے آہنگ کا مقابلہ نہ کر سکیں اور فضا میں'' پاکستان کھپے'پاکستان کھپے'' ہی کی صدائیں گونجتی رہیں'بلند ہوتی رہی۔سابق صدر کو چاہیئے کہ ہر دوست'عزیز'رشتہ دار'انا اور خواہشات کو آج بھی بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے اُس نعرے کا پاس رکھیں جس نے پاکستان کو ایک بہت بڑی تباہی سے بچالیا تھا۔اُس پارٹی کو بچائیں 'جس کی وفاق کو ضرورت ہے اور اگر ہو سکے تو پی پی کی زمامِ اقتدار بلاول اور جونیئر بھٹو کے حوالے کر دیں اور یہ حوالگی نظریاتی اساس پر ہو نہ کہ مورثیت پر تاکہ پاکستان میں جمہوریت پنپ سکے۔

پہچان سے غداری تک

مستشرقین ان مغربی لکھاریوں کو کہا جاتا ہے جو کہ مشرق کے بارے میں جانتے ،لکھتے اور پڑھتے ہیں۔اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جب پہلا مغربی لکھاری لکھ رہا تھا تو سمجھیئے کہ ''وکی لیکس''کا وجود قائم ہو چکا تھا۔ان لکھاریوں نے بڑی چالاکی سے اپنی لکھت کو حقائق کے لبادے میں ڈھال کر مشرق کی ایسی دردناک اور کریہہ منظر کشی کی کہ اگر کوئی نازک مزاج ولاعلم بشر پڑھ لے تو تعریف کیئے بغیر نہ رہ سکے۔ان لکھاریوں نے ایسی معاندانہ روش اختیار کی کہ اہل مشرق کو ان کی خوشہ چینی کیلئے عرق ریزی سے کام لینا پڑا۔اس حقیقت سے تو انکار ممکن نہیں کہ یہ کسی حدتک سچائی ہی بیان کرتے ہیں لیکن ان کے بیان کرنے کا انداز اور''وقت''ایسا ہوتا ہے کہ قاری کے چودہ طبق روشن ہوجاتے ہیں اور وہ لاشعوری طور پر ان کے بنے بنائے جال میں جا پھنستا ہے۔اگر آپ کو رائن ہاٹ ڈوزی کی اسلامی سلطنت سپین سے متعلق کتاب پڑھنے کا موقع ملے تو آپ کے سامنے یہ حقیقت روزِروشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔اس کتاب میں مصنف ملوکیت کے دور کے ایک مسلمان بادشاہ کا پورا حال بیان کر دیتا ہے لیکن اس کے ہاتھوں ہونے والے قتل کے واقعے کو کہیں نہیں لکھتااور پھر جب اس مسلمان بادشاہ کے وقتِ وفات کے متعلق لکھتا ہے تو

بتاتاہے کہ اس شخص نے اپنے ہاتھوں سے فلاں معصوم شخص کو قتل کیا۔ وقتِ وفات کواسطرح بیان کرنے سے ظاہر ہے اسکامقصد یہی تھاکہ اس نازک موقع پر بھی قاری کے دل میں بادشاہ کے متعلق شمہ بھر بھی محبت کا جذبہ کارفرماہوتووہ جل کر راکھ ہوجائے اوراس کی جگہ نفرت کامادہ لے لے۔ بادشاہ کانام غالبا معتضد تھا۔ اسکے برعکس جب معتضدکے ہم عصرعیسائی بادشاہ کر موت کاتذکرہ کرتاہے تولفاظی سے بھرپورایسی روحانی تصویرکشی کرتاہے کہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والا قاری بادشاہ کے تزکیہ نفس اورانسان دوستی کا قائل ہوتا نظرآتا ہے۔ یہ ہے وہ انداز جس میں بیان تو سچ ہی کیاجاتاہے مگراس کے بیان کرنے کاانداز اور وقت ایساہوتاہے کہ اس سے منفی تاثرپھیلے اوراہل مشرق کا نقصان ہی ہو۔

اس سارے واقعے کی یاد دراصل اسوقت آئی جب ایم کیوایم کے متعلق بپتا سنائی گئی۔ اس کہانی ''کادوبارہ احیاء ایسے وقت میں کیاگیاجب بھارت اورپاکستان میں پہلے ہی سے تناؤ'' کی کیفیت ہے' پاک چین اقتصادی راہداری کامنصوبہ اپنے آغاز کیلئے منتظرہے اوربھارت اسکی رقابت میں جل رہاہے۔ چین اورروس میں قربتیں بڑھ رہی ہیں۔ کراچی میں آپریشن جاری ہے اورپی پی پی اور متحدہ ایک خاص حدتک بڑھ کر اپنے تحفظات یایوں سمجھئے کہ ''مفادات ''کااظہار کررہی ہیں۔ بلوچستان 'خیبر پختونخواہ میں بھی آپریشن کامیابی کے قریب ہے۔ اس لیئے اس رپورٹ کو مختلف زاویوں سے پرکھنا ہی ملک کے بہتر مستقبل کی ابدی ضمانت

ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے اس سے۔برطانیہ اپنے ''حصے''کی آگ کہیں اور منتقل کرنا چاہتا ہو۔ متحدہ کے متعلق چارج شیٹ کوئی نئی بات نہیں' جون 1992 میں بھی ''غدار''کی بازگشت سنائی دی پھر بات آئی گئی ہو گئی۔آپریشن میں حصے لینے والے فوجی تو محفوظ رہے البتہ پولیس والوں کو نجانے کس نے چن چن کے اگلے جہان پہنچادیا۔ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کہ کراچی کو دہشت گردوں کے ساتھ ساتھ ''سیاسی ہتھکڑیوں''نے بھی نقصان پہنچایااور شاید زیادہ ہی پہنچایا۔یہ وفاق اور افواجِ پاکستان کی دانش مندی کا کھلا ثبوت ہے کہ کراچی آپریشن صوبائی نگرانی میں ہو رہا ہے اور وفاق کے بجائے افواج سامنے ہیں'اس سے وفاق اور صوبے کے درمیان کم رقابتیں جنم لیں گی اور آپریشن جاری رہنے کے زیادہ امکانات ہیں کیونکہ اس کی ڈوریں ایک پرعزم بشر کے ہاتھ میں ہیں۔''غداری''کاتمغہ تقسیم کرنے سے پہلے ہمیں سوچنا ہوگاکہ کراچی کے زمینی حقائق کس انداز میں آپریشن کی حمایت کرتے ہیں۔ہم پہلے ہی لکھ چکے کہ کراچی کے فرزند صولت کو تو سزا مل گئی لیکن صولت کے مجرموں کو کون سزا دے گا'کون تھا جو صولت کو اس مقام تک لایا کہ اس نے ''حقوق''کی خاطر کسی سے جینے کا''حق''ہی چھین لیا؟؟؟ہم یہ بھی عرض کرچکے کہ کراچی کو صدیوں سے غلام بنانے والوں کو کب سزا ملے گی؟سندھ جو کہ مجموعی طور پر قدامت پرست اور غریب عوام پر مشتمل صوبہ ہے اسکی عوام وڈیروں'

پیروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھ مقہور و مجبور ہے۔انہی ظالموں نے اردو بولنے والوں' کو اس نہج تک پہنچایا کہ وہ سہانے سپنوں کے شیدائی بن کر لسانیت میں غرقاب ہو گئے ۔لفظ''مہاجر''ایک مقدس لفظ ہے لیکن جب اسے کوئی ایسا شخص ادا کرتا ہے جس کے آباؤاجداد نے ہجرت کی تھی تو یہ بے موقع سی بات ہے۔ہم تو بلاتامل ایسے جوان بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ''بھائی !آپ نے ادھر جنم لیا'آپ کے والد نے ادھر جنم لیا'آپ مقامی ہیں 'آپ تعارف میں اپنی ذات بتایا کیجئے۔''مجھے پچھلے دنوں ایک پچاسی سالہ بزرگ ملے'میں انہیں بڑی محبت سے ملا'اس سے پہلے کہ وہ میرے اندازِ گفتگو اور والہانہ پن پر کچھ کہتے میں نے کہہ دیا بزرگو''آپ کی محبت اس دل میں اس لیئے ہے کہ اس سرزمین کی خاطر آپ نے قربانی دی'لہو بہایا'آپ کی بدولت ہم آزاد ہیں۔اس سرزمین پر آپ کا ہم سے زیادہ حق ہے۔''پھر جب وطن کی محبت کا سوال کیا تو انھوں نے کہا''جالندھر''کسے یاد نہیں آتا'جن گلیوں میں کھیلے' پلے بڑھے'مگر بیٹا! دین کی خاطر میرا سب کچھ آج بھی حاضر ہے۔''ان کے موخرالذکر الفاظ انتہائی عقیدت واحترام میں ڈوبے ہوئے تھے۔ایک بی زیڈ یو کے اردو بولنے والے پروفیسر صاحب سے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟ بولے یار کچھ لوگ آج بھی ہمیں اپنا نہیں سمجھتے 'لیکن جس طرف کراچی کے اردو بولنے والوں کی حمایت چل نکلی ہے'وہ ہمارا مقصود نہ ہے۔ایک رپورٹر سے پوچھا''ووٹ کسے دیا''اس نے کہا''ووٹ انہی۔۔ کو دینا تھا لیکن جب الیکشن بوتھ پہنچا تو مجھے دیکھ کر یار لوگ مسکرانے لگ گئے'ایک نے کہا کیا کرنے آیا ہے؟میں نے کہا ووٹ

دینے' جواب میں قہقے بلند ہوئے اور اسی "لے" میں ایک دوست نے کہا اب پاگل تیرا ووٹ تو صبح سے کاسٹ ہو چکا ہے۔" ایک نہیں ایسے بہت سے اردو بولنے والے اور بالخصوص کراچی کے لوگوں سے اُٹھتے بیٹھتے' راہ چلتے' دوران سفر' مل چکا ہوں جو کراچی کی اس حالت سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں لیکن یاسیت کی جو فضا بیانوے کے ادھورے آپریشن نے قائم کی' اور پھر اس کے بعد اس آپریشن کے حامیوں کا جو حال ہوا' وہ کسی نہ کسی حد تک آج بھی خوف کے سائے میں رہتے ہیں۔

ایسا ہرگز نہیں کہ متحدہ میں اچھے لوگ نہیں' اس کے ورکرز کی بیشتر تعداد جذبہ لیئے ہوئے مخلص سیاسی کارکنان کی مانند ہے مگر اب جب کہ میڈیا ٹرائل کا آغاز ہو چکا تو ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ پاکستان کے بااختیار افراد کا فرض ہے کہ عالمی معیار کی تحقیق و تفتیش کریں' اگر متحدہ قصوروار ثابت ہو تو بلاتامل کاروائی کریں اور اگر ایسا ثابت نہ ہو سکے تو رپورٹ نشر کرنے والے کے خلاف پاکستان حکومت کو بھی کاروائی کرنی چاہیئے کیونکہ متحدہ ایک پاکستانی سیاسی جماعت ہے اور بغیر ثبوت کے کسی کو یہ حق نہیں دینا چاہیئے کہ جماعت پر الزام و دشنام کے تیر برسا سکے۔۔ ایم کیو ایم کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے اندر نظام احتساب کے ذریعے کالی بھیڑوں کو نکال باہر کرے اور برطانیہ میں بی بی سی کے خلاف قانونی کاروائی کرے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو سکے۔ برطانیہ میں عمران فاروق قتل کیس و منی لانڈرنگ کیس

اختتام کے قریب ہیں' ایم کیوایم کے دوسرے بڑے سیکرٹریٹ میں بھی کاروائی کی بازگشت سنائی دے رہی ہے' پاکستان میں آپریشن کادارومدار عسکری اداروں کی صوابدید پرہے اور جنرل راحیل شریف جنھوں نے خیبر سے لے کر کراچی تک سب صاف کرنے کا تہیہ کررکھاہے' اُمید ہے کہ وہ اس قصہ کو بھی انجام تک پہنچائیں گے لیکن عرض ہے کہ اردو بولنے والوں کیلئے پلیٹ فارم موجود رہنا چاہیئے' چاہے وہ کسی بھی نام سے ہو' اگر تعصّبات کو مٹانا مقصود ہوتو پھر سندھی' سرائیکی' بلوچ' پختون سب ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں کو ایک ہی ترازو میں تولا جائے۔ یہ آپریشن ایسے نازک وقت میں اپنے عروج پر جا پہنچاہے جب بلوچستان' سندھ' خیبر پختونخواہ سمیت ہر گوشے میں ایسی ہی کاروائی جاری ہے اور ''علامہ صاحب'' بھی تشریف لاچکے ہیں' لہٰذا ملکی سلامتی کیلئے ہر قدم پھونک کر رکھنا ہوگا' اگر وفاق کسی اندرونی خطرے کے پیش نظر حد درجہ محتاط ہوتاہے توپھر کراچی کے امن کا بھاری فرض مکمل طور پر ایک ہی ادارے کو اپنے کندھوں پر اُٹھانا ہوگا جسے وہ پہلے ہی احسن طریقے سے نبھا رہاہے۔

آم "رمضان کے بعد کھائیں گے"

ابوجہان بن حذیفہ نے ایسا ناقابلِ فراموش واقعہ سنایا کہ رہتی دنیاتک یہ انسانیت وہمدردی کی عظیم مثال بن کر قائم رہے گا۔یرموک کی جنگ میں ابوجہان بن حذیفہ اپنے چچیرے بھائی کی تلاش میں نکلے جو اگلی صفوں پر لڑرہے تھے۔سپاہیوں کوجنگ میں پانی پلانے والے ابوجہان نے عم زاد بھائی کو شدید زخمی حالت میں پایا۔وہ قریب المرگ تھے۔جونہی ابوجہان نے پانی کاپیالہ اپنے چچازاد بھائی کو پیش کیا' اسی اثناء میں ایک اور زخمی مجاہد ہشام بن ابعل کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز گونجی

"العطش" (پانی)'ان کے عم زاد نے پانی کاپیالہ ہشام کودینے کا کہا۔جب وہ ہشام کے قریب پہنچے توانہوں نے ایک تیسرے مجاہد کی تشنگی سے لبریز آواز سنی۔ہشام بن ابعل نے شدید پیاس کے باوجود ابو سے کہاکہ پانی اس مجاہد کو دے دیاجائے'لیکن جب ابوجہان تیسرے مجاہدکے پاس پہنچے تو وہ درون وبرون کی خواہشات سے بے نیاز ہوکر اپنے خالقِ حقیقی کے پاس جاپہنچا۔ابوجہان پھرتی سے ہشام کی جانب پلٹے لیکن ہشام بھی اللہ کوپیارے ہوچکے تھے۔پھرابومزید تیزی سے اپنے چچاکے فرزندکے پاس پہنچے تووہ بھی اللہ کی راہ میں جان دے کر شہادت کے رتبے پر فائز ہوچکے تھے۔

یہ تھا وہ عمل 'وہ جذبہ جس کے بارے شاعر نے کہا تھا

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر

اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

آج کیا ہم اصحاب رسول ﷺ کے اس واقعہ کے تناظر میں اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں تو ہم کس حد تک وہ جذبہ ایثار لیئے ہوئے ہیں جو کہ ایک صاحبِ ایمان کی نشانی ہے؟کیا ہم اپنی خواہشات پر اپنے بھائیوں کی خواہشات کو مقدم ٹھہراتے ہیں؟ہر گز نہیں۔عام دن تو کجا ہماری فروتر طبیعت ہمیں اس مبارک ماہِ صیام میں بھی شتر بے مہار بنائے ہوئے ہے۔رمضان آتے ہی ہمارے گرد و پیش میں اشیائے خورد و نوش کی قیمتیں آسمان کو چھونے لگتی ہیں۔ہم کیسے مسلمان ہیں کہ رمضان جیسے مبارک ماہ میں جو در حقیقت ہمیں محروم لوگوں کا احساس دلانے کیلیئے ہے'ہم اس قدر گر چکے کہ گوشت'سبزی اور پھلوں تک کو عام آدمی کی پہنچ سے دور کر دیتے ہیں۔

رمضان بازار اور سستا بازار میں اکثر جاتا رہتا ہوں'وہاں بسا اوقات ایسے

دلدوز مناظر دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں کہ اپنے مسلماں ہونے پر بھی

شر مسار ہو جاتا ہوں۔اس مرتبہ بھی گیا اور وہی رونا دھونا سنا'ہمیں منڈی سے اسی نرخ پر مال ملا ہے'منڈی جایئے تو وہ بھی یہی بپتا سناتے ہیں'مان لیا کہ اصل مجرم ذخیرہ اندوز سرمایہ کار ہے مگر کیا ہم اپنے حصے کی مہنگائی کو کم نہیں کر سکتے؟؟کوئی ہے ایسا جو اس ماہ میں کم منافع لے؟۔ایک پھلوں کی دکان پر

باپ ' بیٹا مختلف پھلوں کے نرخ پوچھ رہے تھے ' دکان دار نے بتایا آڑو ایک سو پچاس روپے ' ۔بیٹے نے باپ سے کہا امی نے کافی عرصہ بعد آڑو کہے ہیں ' لے لوں ؟ باپ نے اجازت دی اور آڑو خرید لیئے گئے ۔چلتے ہوئے بیٹے نے باپ سے کہا: ''ابو ! آپ نے کہا تھا کہ تنخواہ پر آم لے آنا تو وہ بھی لے لیتے ہیں ۔'' باپ نے کہا: ''بیٹا ! مہنگے ہوں گے ۔'' بیٹے نے دکان دار سے نرخ پوچھے تو جواب سن کر وہ خاموش ہو گیا۔نرخ تھا ایک سو دس روپے۔اور پھر اس فرزند نے اپنے باپ کے قریب ہو کر التجائیہ و شرمسار لہجے میں ایک ایسا فقرہ کہا کہ جسے ادا کرتے ہوئے بھی تکلیف ہو رہی ہے ' جو ہماری معاشرتی زندگی اور مسلمان کہلائے جانے پر ایک طمانچہ رسید کرتا ہے۔اس نے کہا۔ ''ابو ! آم بہت مہنگے ہیں ' پہلے آڑو خرید چکا ہوں ' جیسے رمضان ختم ہو گا پھر خوب آم کھائیں گے۔''

دوسری جانب جہاں رمضان کے تقدس میں افطار پارٹیاں منعقد کی جا رہی ہیں ' اگر ان کا بغور جائزہ لیا جائے تو وہ بھی تعلق بنانے ' اثر و رسوخ اور نمائش کا آلہ بنی ہوئی ہیں ۔ایسا تو نہیں کہ معاشرے میں اچھے لوگ ختم ہو گئے ۔ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو افطار کا سامان روزہ افطار ہوتے تک تقسیم کرتے رہتے ہیں لیکن بحثیت مجموعی ہماری کارکردگی منفی ہے۔ہمارا ہمسایہ پانی سے روزہ افطار کر رہا ہے اور ہم انواع و اقسام کے کھانوں اور پھلوں سے اپنے دستر خوان کو سجائے بیٹھے ہیں 'کیا روزہ یہی سبق دیتا ہے؟ جو لوگ مخلوق کی خدمت سے

روگردانی اختیار کرتے ہیں انکے بارے اللہ سورہ مدثر میں فرماتے ہیں۔اہل دوزخ دوزخ میں جانے کاایک سبب یہ بتائیں گے کہ ''ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے۔''مدثر۔74/44۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سب اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اپنے قرب وجوار میں رہنے والے انسانوں کی اللہ کی ذات کی خاطر دلجوئی کریں مدد کریں۔عید قریب ہے اپنے قرب وجوار میں دکھیاری ماؤں 'بیوہ بہنوں کے بچوں' کیلئے بھی کپڑے خریدیں تاکہ ان کی عید بھی اچھی گزرے 'ان کے بچے احساسِ محرومی کاشکارنہ ہوں۔سرکارِ دوجہان 'رحمت اللعالمین کافرمان ہے۔مجھے رمضان بھر کے روزے رکھنے اور اس مہینے میں مسجد حرام میں اعتکاف پر بیٹھنے سے یہ زیادہ عزیز ہے کہ میں اپنے بھائی کی بوقت ضرورت مدد کروں۔ایک اور جگہ سرکار کافرمان ہے کہ سب مومن فرد واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ بیمار ہو تو سارا جسم بیمار ہو جاتاہے۔اگر اس کا سر بیمار ہو تو جسم بیمار ہوجاتاہے۔

شاعر نے سچ کہا تھا

مبتلائے درد کوئی عضو ہو 'روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہم کیسے مسلمان ہیں کہ سندھ کے تھر میں بھوک سے مرتے بچوں سے لے کر بلوچستان میں مسخ شدہ لاشوں تک 'کراچی میں ٹارگٹ کلنگ سے لے

کرڈرون حملوں سے شہید ہوتے بچوں تک کی خبریں سن کر ہماری سماعت تک متاثر نہیں ہوتی ' ہمیں ٹیکنالوجی کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی ' کوئی یمنیوں کے قتلِ عام کو جہاد کہتا ہے تو کوئی ایران کی ہر پالیسی کو راہ مستقیم قرار دیتا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں ہم اپنے مفادات ' نام نہاد نظریات کی دنیا میں غرقاب ہو کر اندھے ' گونگے ' بہرے تو نہیں ہوگئے ؟ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر ہم معاشرہ کی صورت نہیں گروہ کی صورت رہ رہے ہیں ' کیونکہ زندہ معاشرہ تو تب ہی تشکیل پاتا ہے جب ایک دوسرے کی ضروریات پوری کی جائیں ' ہر بات کو بلا تفریق انصاف کے ترازو میں تولا جائے۔ جس معاشرے کا حکمران رات کو گلیوں میں گھوم کر لوگوں کی ضروریات پوری کرتا ہو ' جس معاشرے کا فرد حکمران بننے کے بعد کاروبار ترک کر دیتا ہو ' جس معاشرے میں زخموں سے چور اور تشنگی سے نڈھال انسان اپنے ہونٹوں کے قریب آئے پانی کے پیالے کو اپنے بھائی کی جانب روانہ کر دیں ' بس وہی زندہ معاشرے ہوا کرتے ہیں۔

بس الطاف بھائی' بس !

''الطاف بھائی'' کو پاکستانی میڈیا نے کوریج دی' اخبارات نے ان کے بارے مثبت سرخیاں لگائیں' سیاستدانوں نے ہمیشہ قدرے نرم رویہ اختیار کیا مگر نہیں الطاف بھائی نے پاکستان کو ہمیشہ لعن طعن کی۔ الطاف بھائی ہم آپ کے مسلمان بھائی ہیں' افواج والے بھی مسلمان و پاکستانی بھائی ہیں لیکن یہ تو بتایئے. برہمن سے کیا رشتہ ہے ہمارا؟ ہم پیار کرنے والے ہندوستانی مسلمانوں اور بھارتی مظلموں کا نہیں کہہ رہے ہم اس. برہمی پالیسی کا ذکر کر رہے ہیں جس نے پاکستان پر جب حملہ کیا تو چاہے وہ 65 کی جنگ تھی یا 71 کی اس نے کبھی تخصیص نہیں کہ کہ کون کس زمین کا بیٹا ہے ؟اس کے گولے پر پاکستانی اور مسلمان کیلئے شہادت کا پیغام تھا' تھا یا نہیں ؟اس نے ہر محاذ پر چاہے امریکہ ہو یا اقوامِ متحدہ ہمیں نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ ہم نے جذبہ خیر سگالی اختیار کیا تو اس نے ہمیں فتح کرنے کی ٹھانی' ہم نے ماہی گیروں کو آزاد کیا تو اُس نے ورکنگ باؤنڈریز پر آپ کے پاکستانی بھائیوں کو گولیوں سے روندا؟ روندا یا نہیں؟ پاکستانی دریاؤں پر بند باندھ کر ہماری فصلوں کو ویران اور مویشیوں اور اس زمین پر پلنے والی ہر ذی روح کو پیاس کی شدت سے روشناس کرایا یا نہیں؟ کیا کسی کارگل میں' کسی کشمیر جنگ میں ؟ اس نے اعلان کیا کہ وہ ہندوستان سے آنے والے کسی شخص کو بخش دے گا اور اس کا فائر

اس کا میزائل ‘اس کا بارود صرف اُسی شخص کو مارے گا‘صرف اُسی کے وجود کو پارہ‘ پارہ کرے گا‘ جو پاک سرزمین کے اناج سے پلا ہو؟کیا ایسا ہے ؟ اگر نہیں ہے تو پھر الطاف بھائی‘‘آپ کو اُن کی محبت کی کون سی ایسی لوری ملی ہے جو آپ کی روح میں’’ سرایت کر گئی ہے؟جس کی ’’لے‘‘نے آپ کے انگ انگ میں پاکستان کی حفاظت کرنے والی افواج کے لیئے کدورت بھر دی ہے؟’’الطاف بھائی‘‘کیا آپ ہی کی پرزور فرمائش پر کراچی میں آپریشن شروع نہیں کیا گیا؟کیا آپ نے بارہا نہیں کہا کہ جنرل صاحب ! اقتدار سنبھال لیجئے۔۔۔۔

الطاف بھائی‘‘یہ بتایئے کہ کیا کراچی آپریشن سے ٹارگٹ کلنگ میں پچاس فیصد ‘بھتہ’’ خوری میں ستاسی فیصد کمی نہیں آئی ؟کیا اس دوران کوئی اغوابرائے تاوان کا واقعہ ہوا؟ نہیں ہوا۔تو پھر آپ بتایئے یہ کون سے عناصر تھے جن کے خلاف کاروائی کرکے زخمی کراچی کے مرہم مندمل ہونا شروع ہوگئے ؟کیا اس آپریشن سے ہر شہری شاداں وفرحاں نہیں ہوا؟پھر آخر آپ کو کیوں اعتراض ہے؟آپ ہی تو کہتے تھے کہ اگر کوئی بھتہ خور‘ٹارگٹ کلر‘تاوان لینے والا ایم کیوایم میں ہوا تو ہم اس کا ساتھ نہیں دیں گے ؟کیا آپ اپنے لاپتہ کارکنان کی فہرست عوام کے سامنے پیش کر سکتے ہیں ؟تاکہ عوام کو بھی پتہ چلے کتنے معصوم لاپتہ ہوئے ؟’’الطاف بھائی‘‘ یہ بتایئے کہ کیا کراچی میں پی پی پی اور جماعت اسلامی سمیت متعدد جماعتوں سے تعلق رکھنے والے جرائم پیشہ افراد گرفتار نہیں ہوئے ؟

اگر ہوئے تو صرف شام و سحر آپ ہی کی دلدوز آوازیں کیوں لرزلرز کر اپنا دکھڑا رو رہی ہیں؟

درحقیقت الطاف بھائی''آپ عوام کے دکھ کو سمجھ نہیں پا رہے یا آپ کے کارکنان آپ کو درست رپورٹ نہیں پیش کر رہے۔اتنی دور سے بیٹھ کر کوئی بھی آپ کو غلط رپورٹ بھجواسکتا ہے۔آپ پاکستان تشریف لے آیئے اور ان مظلموں کا مقدمہ لڑیئے

کیا نیٹو کو پکارنا؟پاکستان کی حفاظت کرنے والے ادارے پر طنزو تشنیع کے تیر برسانا؟بھارت کو امداد کے لیئے طلب کرنا؟ یہ حب الوطنی ہے؟کیا آپ ان روحوں کو تکلیف نہیں دے رہے؟جو اپنا گھر'مال'جائیداد حتی کہ عزت بھی قربان کر کے پاکستان تشریف لائے؟کیا آ پاکستان میں پیدا ہونیوالے کو آج بھی ہندوستانی سمجھتے ہیں؟ الطاف بھائی''کیا آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے آباؤاجداد نے ہمارے آباؤاجداد سے'' زیادہ اس پاک سرزمین کیلیئے قربانیاں دیں؟کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ایسے ہندوستانی بھائی بھی تحریک پاکستان میں خون میں نہا گئے یا اپنا گھر بار لٹا بیٹھے جنھیں معلوم تھا کہ ان کا علاقہ 'شہر یا ضلع وصوبہ پاکستان میں شامل نہیں ہونا؟کیا آپ کی ہندوستان و نیٹو افواج سے ایک خود مختار ملک پر

حملے کی خواہش ان نایاب مسلمانوں کی روحوں پر نمک پاشی نہیں جنھوں نے کلمہ ء توحید کی بناء پر بنے ملک کیلئے سب کچھ قربان کیا اور کراچی 'سکھر' حیدرآباد اور ملک کے دوسرے علاقوں میں آکر آباد ہوگئے۔

آخر میں ہم ان اردو بولنے والے محب وطن پاکستانیوں سے گزارش کرتے ہیں کہ اُنھیں اور اپنی ہی تحریک میں اپنے قائد ''الطاف بھائی'' کو بتادیں کہ ہم اس سرزمین سے محبت کرتے ہیں جسے محمد علی جناح نے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے نام پر حاصل کیا۔آپ ایم کیوایم کو قائم رکھیں مگر اپنی تحریک کے پلیٹ فارم سے کسی بھی قسم کی ایسی کاروائی اور تقریر کی حمایت نہ کریں کہ آپ کی حب الوطنی متاثر ہو'آپ کے آباؤاجداد کی قربانیاں آپ سے سوال کرتی رہیں۔آپ الطاف بھائی کو بتادیں کہ ہم آپ کی ہر ایک ایسی بات پر سر تسلیم خم کردیں گے جو اس وطن کی محبت میں ہوگی لیکن پاک وطن کی مخالف 'اپنے جوانوں کا خون دے کر اس وطن کو قائم رکھنے والی افواج پاکستان پر طنز اور اسکی مخالف نہیں کریں گے۔

اے اہل کراچی !اُٹھو کہ پاک افواج کہ جنرل اور جوان ریاست پاکستان اور سیاسی جماعتوں کے متفقہ فیصلے کی بنیاد پر تمہیں خوف کی فضا سے نکالنے چلے ہیں 'اے اہل کراچی !رب ذوالجلال کے آگے سربسجود ہوجاؤ کہ وہ پاک افواج کی مدد کرے اورپاکستان کی شہ رگ کراچی کا ہر بشر سکھ کا سانس لے'ہر بہن'ماں اور بیٹی کی

آبرو محفوظ ہو جائے۔

بس ''الطاف بھائی'' بس ! بہت ہوگیا' اب ایسا نہیں ہونا چاہیئے وگرنہ اس سرزمین کا ہر بشر آپ کے خلاف ہو جائے گا۔ پھر آپ کس سے خطاب کریں گے ؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ بھی اُن شاعروں کی مانند خود کو حرفِ آخر سمجھ رہے ہیں جو نوشہ دیوار نہ پڑھ سکے ؟اب وہ وقت لدگیاجب کراچی کو یرغمال بنادیا جاتا تھا' اسلام آباد کو مفلوج کردیا جاتا تھا' اب عوام میں بھی شعو۔۔۔۔۔ر آچکا۔

حکومتِ پاکستان کو چاہیئے کے ایم کیوایم کی وطن میں موجود قیادت سے بامعنی مذاکرات کریں اور انھیں اس بات پر آمادہ کریں کہ تحریک کا جو کوئی رکن پاکستان یا اس کے اداروں کے خلاف بولے گا' اُس کی رکنیت معطل اور پھر ختم کردی جائے گی۔ حکومتِ پاکستان کو چاہیئے کہ ہر اس فرد کہ خلاف تادیبی کاروائی عمل میں لائے جو افواجِ پاکستان کے خلاف جھوٹے الزامات لگاتا اور بے بنیاد سوال اُٹھا کر ملک کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے' چاہے اس کا تعلق کسی جماعت' علاقے' زبان اور فقہ سے ہو۔

فاصلاتی نظامِ تعلیم وقت کی ضرورت مگر؟؟؟

تعلیم کا مقصد کسی فرد کو جہالت کی عمیق گہرائیوں سے نکال کر روشنیوں کی جانب گامزن کرنا ہے۔ تعلیم لاعلمی کی سیاہ شب کو طلوعِ آفتاب میں بدلنے کا نام ہے، تعلیم جسدِ خاکی کو معصوم نوری مخلوق پر برتری دلانے کا نام ہے، تعلیم کسی بھی قوم کی شہ رگ ہے اگر یہ درست اور معیار کے مطابق کام کر رہی ہو تو پھر وہ قوم مضبوط و توانا رہتی ہے، دوسری صورت وہی ہے جو آج کشمیر، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، قبرص اور باقی مسلم علاقوں کی ہے۔

تعلیم کا سب سے پہلا مقصد ہی یہی ہے کہ انسان کی باطنی وظاہری صلاحیتوں کو اُجاگر کر کر اُسے معاشرتی وجدید تقاضوں کے مطابق ایک پُر کیف و بامعنی زندگی گزارنے کا راستہ مہیا کرے اور معاشرہ بھی اس سے برابر مستفید ہوتا رہے۔

کسی بھی قوم کے عروج وزوال میں تعلیم کا اہم کردار ہوتا ہے۔ روزِ اول سے لے کر آج تلک جس معمولی سی قوم نے بھی تعلیم کا زیور پہنا اور اسکی حفاظت کی تو وہ قوم دیکھتے ہی دیکھتے تحت الثریٰ سے عروج ثریا تک پہنچ گئی۔ جب تلک اسلامی ریاستوں میں علم کو پہلی ترجیح حاصل رہی اور اس اُمت کا مامون الرشید مترجم کو

کتاب کے وزن کے برابر سونا دیتا رہا تو اس وقت تلک اس اُمت کی کشتی پانی کے اوپر ہی رہی اور جب اس نے اس حدیث کو بُھلادیا ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔'' تو پھر زوال و پستی اس کا مقدر ٹھہری۔

زوال کی تلخ داستان خونِ دل سے لکھتی ہے کہ یورپ میں چودویں صدی عیسوی میں ایجاد ہونے والا چھاپہ خانہ اسلامی دنیا (استنبول) میں 1739 کو پہنچا اور اُسے اس شرط پر لگانے کی اجازت دی گئی کہ اس شیطانی مشین پر قرآن و حدیث کو نہیں چھاپا جائے گا۔اس کام کی ہمت بھی ہنگری سے تعلق رکھنے والے ایک نو مسلم ابراہیم متفرقہ نے کی۔آہ! یہ اس اُمت کا حال ہے جس کی بنیاد قرآن مجید میں ''علم'' اور تعلیم کے الفاظ چار سو پچیس سے زائد مرتبہ آئے ہیں۔

پاکستان تعلیم پر اپنی آمدنی یعنی جی ڈی پی کا جو حصہ خرچ کرتا ہے' اُس حساب سے ہم دنیا میں 125 نمبر پر آتے ہیں۔قدیم چین کے بادشاہ گر فلسفی کنفیوشس (پیدائش 551 قبل مسیح' وفات 479 قبل مسیح) سے ایک والئی ریاست نے پوچھا'' آقا! یہ بتلائیں کہ اچھی حکومت کی نشانی کیا ہے؟'' کنفیوشس نے جواب دیا۔''اخراجاتِ حکومت کی کمی۔'' اگر حکومت اپنا نام و مقام بنانا چاہتی ہے تو اقتدار کے ایوانوں کو سادہ بنا کر سب کچھ تعلیم پر خرچ کر دیا جائے۔

اسوقت پاکستان میں 91 سرکاری اور 72 نجی جامعات ہیں، جن میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد کم وبیش گیارہ لاکھ، پچھتّر ہزار، پانچ سوستاسی ہے، جس میں فاصلاتی نظام تعلیم کے ذریعے تعلیم کی روشنی سے اپنے من کو منور کرنے والے طالباء کی تعداد کم وبیش پونے پانچ لاکھ ہے۔

ڈاکٹریٹ کی سطح پر دیکھا جائے تو سرکاری جامعات میں پی ایچ ڈی اساتذہ کی تعداد 7500 اور نجی جامعات میں یہ تعداد اٹھارہ سوتک محدود ہے، اس سے آپ پاکستان میں علم کی پیاس، اس کے معیار، حکومتی ترجیحات اور ریاست کی تعلیمی اصلاحات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

فاصلاتی نظام کا پس منظر

سب سے پہلے اس نظام کا تصور 1728 میں متعارف ہوا، جب طالب علموں کو ہفتہ وار خط وکتابت کے ذریعے تعلیم دینے کا آغاز ہوا۔

ماضی قریب میں پہلے باقاعدہ فاصلاتی کورس کی ابتداء 1840 میں sir isaac pitman نے کی۔ جس کے تحت وہ شارٹ ہینڈ کے ذریعے اپنے لیکچر طلباء کو بھجواتے اوران کے طلباء کی مشقیں پوسٹ کارڈز کے ذریعے ان تک پہنچتیں جس کی وہ اصلاح کرتے۔

university of londonکو فاصلاتی نظام کی پہلی ڈگری دینے کا اعزاز حاصل ہے جس نے اپنے ایکٹ ایکسٹرنل پروگرام کے ذریعے 1858 میں شروع کیا۔

کینیڈا میں پہلی اوپن یونیورسٹی 1970 میں قائم ہوئی، سپین میں 1972 میں، جرمنی کے شہر ہیگن میں 1974 جبکہ پاکستان کی پہلی اوپن یونیورسٹی بھی 1974 میں قائم ہوئی۔اور 2002 میں پاکستان کی پہلی جدید انفارمیشن اور کمونیکیشن ٹیکنالوجی کی بنیاد پر حکومت پاکستان کی جانب سے 22002 میں ایک پبلک سیکٹر کے طور پر قائم کی گئی۔

اندراگاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی 1985 میں قائم ہوئی، یہ ہندوستان کی سب سے بڑی اوپن یونیورسٹی ہے جس کے تین ہزار سٹڈی سنٹرز اور نوسو امتحانی مراکز کام کر رہے ہیں اور سالانہ لاکھ 35 کے قریب طالب علم اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ڈاکٹر بی آر امبیڈ یونیورسٹی، حیدرآباد 1983، کوٹا یونیو سٹی راجھستان 1987، نالڈا، لیشونت روا چوہان، مدھیہ پردیش بوجھ، ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر، کرناٹک سٹیٹ، نیتاجی سبھاش، یوپی راج رشی ٹنڈن اوپن یونیورسٹیز اور اسکے علاوہ بیس سے زائد جامعات نے ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن کے ڈیپارٹمنٹ ہندوستان میں قائم کیئے ہوئے ہیں۔

فاصلاتی نظامِ تعلیم کے فوائد

اس نظام کے آنے سے شرحِ خواندگی میں اضافہ ہوا ہے۔اس نظام کے تحت سرکاری و نجی ملازم،کاروباری حضرات سمیت وہ تمام لوگ تعلیم حاصل کر رہے ہیں جو روایتی نظامِ تعلیم تک کسی بھی وجہ سے نہیں پہنچ پاتے۔ بعض لوگ گھریلو پریشانیوں، مالی مجبوریوں یا کم عمری میں شادی کی ذمہ داریوں کی وجہ سے اپنا تعلیمی تسلسل برقرار نہیں رکھ سکتے یا کسی بھی مجبوری کی وجہ سی ایک لمبے عرصے کیلئے تعلیمی سرگرمیاں معطل کر دیتے ہیں، تو چونکہ وہ عمر کی ایک خاص حد گزرنے کے بعد روایتی تعلیمی نظام کے تحت چلتے اداروں میں داخلہ حاصل نہیں کر سکتے تو وہ فاصلاتی نظام تعلیم ہی سے مستفید ہوتے ہیں، جہاں عمر کی کوئی حد مقرر نہیں۔

خواتین کی بڑی تعداد مذہبی اصولوں اور رسم و رواج کی وجہ سے مخلوط نظامِ تعلیم میں جانا پسند نہیں کرتی ،فاصلاتی نظامِ تعلیم ان کیلئے بھی زندگی کے مراحل میں پیش قدمی کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

ہفتہ وار، ہفتہ میں دو روز، تین روز یا اپنے حالات کے مطابق مختلف جامعات نے تعلیمی دنوں اور اوقات کا تعین کر رکھا ہے۔ مختصر وقت کی وجہ سے طالب علموں کیلئے کرایہ رہائش، لباس اور میس کی مد میں بہت سی بچت ہو جاتی ہے اور یوں،

مفلس طلباء بھی اس نظام سے برابر مستفید ہو رہے ہیں۔

فاصلاتی نظام کے طلباء کے مطالبات

اس تحریر کو مرتب کرنے سے پہلے ہم نے پاکستان کی مختلف جامعات کے طلباء سے رابطے کیئے 'بعض جامعات میں خود جاکر طلباء کے مسائل اوران کے مطالبات سنے 'جس کاخلاصہ فاصلاتی نظام کی خامیوں' اربابِ اختیار کی غفلتوں 'اور تعلیمی نظام کی پیچیدگیوں کا اظہار کرتا ہے۔

1: فاصلاتی نظامِ تعلیم کیلیئے اساتذہ کی مستقل اسامیاں ہونی چاہیئے اوراساتذہ کی بھرتی میں عالمی معیار کا خیال رکھاجائے نہ کہ ادھر اُدھر سے پکڑ دکڑ کر ڈگری نما کاغذ رکھنے والوں کو بھرتی کیاجائے۔ یا ریگولر پروفیسرزان کو پڑھائیں۔

2۔ ہفتہ واتوار کو جامعات کی لائبریری فاصلاتی نظام کے طلباء کیلیئے کھولی جائے۔

3 ۔ فاصلاتی نظام میں چونکہ طلباء دور دراز سے آتے ہیں' ۔وہ بہر طور یونیورسٹی کے طالب علم ہیں 'اس لیئے مینجمنٹ کافرض ہے کہ ورکشاپ 'پرچہ جات اور کلاسز کے دوران انہیں مناسب معاوضے پر جامعہ میں ہی جگہ دے۔

4. ۔ طلباء نے اس بات پر بھی دکھ کا اظہار کیا کہ کچھ جامعات اپنا پہلا مڈٹرم مختلف حیلے کرتی رہتی ہیں تاکہ طلباء کی زیادہ سے زیادہ تعدادextend کرکے

شامل ہو اور وہ اپنی تجوریوں کو بھر سکیں۔جس کی وجہ سے طلباء کا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔

بعض جامعات کے طلباء نے بتایا کہ ان کی کے چار سمسٹر مکمل ہو چکے ہیں لیکن چار' پانچ ماہ گزر جانے کے باوجود جامعہ نے ان کا کمپرہینسو لے کر ان کو ڈگری جاری نہیں کی۔تعلیمی عرصۂ اڑھائی سے تین سال کی شکایت فاصلاتی نظام میں بکثرت پائی جاتی ہے۔

۔فاصلاتی نظامِ تعلیم میں مستحق طلباء کیلئے رعایت یا قسطوں کا پراپر طریقہ کار وضع 4
کیا جائے۔کیونکہ کچھ جامعات کے فاصلاتی پروگرامز کی فیس ریگولر سے دگنی ہے' اس لیئے طلباء کیلئے یکمشت ادا کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

۔لیپ ٹاپ 'ٹیبلٹ' سکالرشپس اور فیس کی واپسی جیسی سکیمیں فاصلاتی نظامِ تعلیم کیلئے 5
بھی ہونی چاہیں۔

۔مختلف ناجائز ذرائع کی بنا پر طلباء کے مشقوں اور پرچہ جات میں نمبر لگوانے کی حوصلہ 7
شکنی کی جائے'اس سے محنت کرنے والے طلباء کی محنت بے ثمر رہتی ہے اور جامعہ میں طلباء کی حاضری پر بھی اسکے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۔جامعات کو سائنس کے شعبے میں کلاس کا آغاز کرنا چاہیئے تاکہ بی ایس سی کرنے 8
والے طلباء آرٹس میں ماسٹر کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

۔فاصلاتی نظام کے تحت چلنے والی جامعات کے تمام شعبوں اسٹڈی سنٹرز اور اساتذہ کی 9
کا سخت طریقہ کار check and balance حاضری 'امتحانی طریقہ کار میں

ہونا چاہیئے '۔کیونکہ طلباء کو تو اچھے نمبروں کے حصار میں لے کر رسن بستہ حالت میں سنہری سپنوں کے جال میں مقید کر دیا جاتا ہے۔

۔اوپن یونیورسٹی میں سالانہ چودہ لاکھ طلباء وطالبات تعلیم حاصل کرتے ہیں۔اوپن 10 یونیورسٹی کے ملک بھر میں 44علاقائی دفاتر قائم ہیں اور ستر ہزار ٹیوٹر اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں' ایک اندازے کے مطابق جامعہ سے 52 فیصد دیہی اور 48 فیصد شہری علاقوں سے تعلق رکھنے والے تشنگان علم فیض یاب ہو رہے ہیں 'طالبات کی شرح پچاس فیصد سے زائد ہے۔اسکے ساتھ ساتھ اس یونیورسٹی کو اپنے نظام کو جدید اور طلباء تک کتب کی ترسیل کے نظام میں بہتری لانا ہوگی 'اسکے بہت سے کورسز اپ ڈیٹ ہونے کا تقاضا کرتے ہیں۔

ورچوکل یونیورسٹی سالانہ نوسے دس ہزار افراد کو تعلیم سے آراستہ کرتی ہے'اب تک دس لاکھ افراد کو انرول کر چکی ہے اور اسکے 200 سٹڈی سنٹرز ہیں۔ملک کے قابل ونامور اساتذہ سے ویڈیو لیکچرز ریکارڈ کروا کے اپنے چار چینلز سے ہمہ قوت نشریات جاری کرکے اس نے فاصلاتی نظام تعلیم کو ایک نئی جہت دی ہے 'اس کا طالب علم اپنی ڈیٹ شیٹ خود سلیکٹ کرتا ہے' جبکہ اسکے سٹڈی سنٹرز کی تعداد محدود ہے جسے بڑھاوا دینے کی اشد ضرورت ہے۔

ڈیپارٹمنٹ کی بنیاد مارچ 2011 میں رکھی گئی اور پروفیسر dde گومل یونیورسٹی کے

جمیل کو انچارج بنایا گیا' یہ جامعہ سالانہ بارہ سو علم کے پیاسوں کی تشنگی بجھاتی ہے۔ بارہ مضامین میں ماسٹر کی تعلیم دیتی ہے جس میں پانچ ٹیوٹوریل اور چار دنوں کی ورکشاپ شامل ہے۔ اسوقت اس کے ڈائریکٹر ڈاکٹر عمر علی خان پر عزم ہیں کہ اس پروگرام کو خوب سے خوب تر بنائیں گے۔ ان کی معقول فیس کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایم اے انگریزی جیسے مضمون کو کم وبیش تینتیس ہزار میں مکمل ہوجاتے ہیں۔

اسکے علاوہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور' بہاؤالدین زکریا ملتان' جی سی فیصل آباد' پنجاب' جی سی لاہور' سرحد یونیورسٹی اور کشمیر یونیورسٹی نے بھی فاصلاتی نظام کا الگ شعبہ قائم کیا ہوا ہے' جو ملک کی شرح خواندگی میں اضافہ کر رہا ہے۔

فاصلاتی نظامِ تعلیم کی اہمیت وافادیت سے انکار ممکن نہیں لیکن اس کی ڈائنوسار جتنی چھوٹی چھوٹی خامیوں پر اگر توجہ نہ دی گئی تو وہ دن دور نہیں جب لوگ ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے کے باوجود ان پڑھ ہی رہیں گے۔ ہر کسی کو ڈگری کا حق دینا احسن قدم ہے مگر معیاری اور بامقصد تعلیم ہی ملک وقوم کیلئے سودمند ہوسکتی ہے۔ اگر اربابِ اختیار نے اس جانب توجہ نہ دی تو ہماری اگلی نسل کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور ہزاروں پی ایچ ڈی افراد ماسٹر کی سطح پر بھی تعلیم دینے کے لائق نہ ہوں گے اور ہمیں دوسرے ملکوں کے سامنے گھٹنے

ٹیکنے پڑیں گے۔

.برگِ حنا پر لکھ دی ہے دردِ دل کی بات
شاید کے دھیرے دھیرے لگے دل رُوبا کے ہاتھ

پاکستان میں تو پٹاخے تونہیں چھوٹے ہاں مگر بہار میں بی جے پی کے دل ٹوٹے

پاکستان میں تو پٹاخے تونہیں چھوٹے ہاں مگر بہار میں بی جے پی کے دل ٹوٹے۔

انتہا پسندی کا بت پاش پاش ہوگیا

بہار میں، بی جے پی بہار کو ترستی ہوئی خزاں رسیدہ پتوں کی مانند بکھر گئی۔ کشمیری سیاستدان عمر عبداللہ نے ٹویٹ کیا کہ "یہ دھوں سا اُٹھ رہا ہے"۔ یاد رہے کہ الیکشن مہم کے دوران بی جے پی کے صدر امیت شاہ نے اخلاق سے گری ہوئی سیاسی پھلجڑی چھوڑتے ہوئے کہا تھا کہ بہار کے لوگو! اگر بی جے پی ہار گئی تو پٹاخے پاکستان میں چھوڑے جائیں گے، پاکستان میں پٹاخے تو نہ چھوٹے لیکن بہار میں بی جے پی والوں کے دل ضرور ٹوٹے۔

بہار" کا لفظ سنسکرت اور پالی زبان سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب، مسکن یا "قیام گاہ" ہے۔ بہار مشرقی انڈیا میں واقع ہے، جس کا دار لحکومت پٹنہ ہے۔ رقبہ کے لحاظ سے" تیرہویں بڑی ریاست ہے، اس کا رقبہ 94,136 مربع کلومیٹر ہے ۔ 2012 کی مردم شماری کے مطابق اسکی آبادی 99.02 ملین ہے، اس طرح آبادی کے لحاظ سے تیسری بڑی ریاست ہے۔

آٹھ نومبر کی شام کو سورج ڈھلتے ہی بی جے پی کا سورج بھی ڈھل گیا اور مہا گٹھ بندھن کے اتحاد نے (جنتادل یونائیٹڈ ۔آر جے ڈی ۔کانگریس) بہار کی کل 243 میں سے 178 نشستیں حاصل کرلیں۔ مرکز کی حکمران جماعت اپنے اتحادیوں سمیت اسوقت تک 58 کے ہندسے تک پہنچ پائی تھی جب کہ بہار میں حکومت بنانے کا جادوئی ہندسہ 122 ہے۔ ۔ مہا گٹھ بندھن میں شامل نتیش کمار کی جماعت جنتادل یونائیٹیڈ 101 نشستوں پر امیدوار کھڑے کیئے اور 71 نشستیں جیت پائی 'لالو پرساد کی جماعت راشٹریہ جنتادل نے میں سے 80 نشستیں حاصل کیں اور لالو پرساد کے دونوں فرزند بھی کامیاب رہے101 کانگریس نے 71 سیٹوں کا خواب دیکھا اور41 کو حقیقت کا روپ دے سکی ۔اسی طرح این' ڈی اے کے اتحاد میں شامل بی جے پی نے 53 نشستیں جیتیں اوراسکے اتحادی پانچ سیٹوں پر قبضہ جماسکے جبکہ مجموعی طور پر مسلمانوں کے حصے میں 24 نشستیں آئیں جو کہ کل 243 کا دس فیصد بنتا ہے۔ گزشتہ اسمبلی میں مسلمانوں کی 19 نشستیں تھیں ۔ان 24 میں سے گیارہ لالو پرساد' چھ کانگریس اور پانچ کا تعلق نتیش کمار کی جماعت سے ہے یوں یہ سب مہا گٹھ بندھن سے تعلق رکھتے ہیں' صرف ایک مسلم رکن' کیمونسٹ پارٹی آف انڈیا مارکسسٹ لیننسٹ کے ٹکٹ پر منتخب ہوا ہے۔

پانچ مرحلوں پر مشتمل اس الیکشن میں ووٹرز کی تعداد 6 کروڑ‘ 68 لاکھ‘ 26 ہزار‘ چھ سو اٹھاون تھی۔ جس میں 3,56,46,870 مرد‘ 3,11,77,619 عورتیں اور 2,169 تھرڈ جینڈر شامل تھے۔ 9 لاکھ‘ 13 ہزار اور 561 ووٹرز نے کسی کو ووٹ نہ دینے کا آپشن ”نہیں“ استعمال کیا‘ جو کہ تناسب کہ لحاظ سے کل ووٹرز کا 2.5 فیصد رہا۔ 2014 کے لوک سبھا کے الیکشن میں ساٹھ لاکھ بھارتی شہریوں نے ”نہیں“ کا آپشن استعمال کیا تھا۔ حالیہ الیکشن میں ریاست بہار کی تاریخ کا سب سے زیادہ ٹرن آؤٹ ہوا جو کہ 56% رہا۔

اس سے قبل 2010 کے بہار کے انتخابات میں جنتادل یونائٹڈ نے 115‘ بی جے پی 91‘ آر جے ڈی 22‘ کانگریس 4 اور دیگر نے گیارہ نشستیں حاصل کی تھیں۔ سال 2010 میں ووٹرز کا ٹرن آؤٹ 52.7 اور مشرقی بہار میں سب سے زیادہ ٹرن آؤٹ 56.8 رہا تھا۔

حالیہ انتخابات میں بی جے پی کی عبرت ناک شکست پر تبصرہ کرتے ہوئے نیویارک ٹائمز لکھتا ہے کہ ”وزیر اعظم مودی کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا جبکہ بہار کے پرجوش رائے دہندگان نے جو ملک کی ایک تہائی آبادی رکھتے ہیں نے بھاری تعداد میں ان کی پارٹی کو ریاستی اسمبلی انتخابات میں مسترد کردیا ہے“۔ بی بی سی کچھ یوں گویا ہوئی کہ ”مودی نے گزشتہ سال کے انتخابات میں ایک بڑی کامیابی حاصل کی تھی‘ تاہم یہ انتخابات ان کے معاشی پروگرام پر

ایک ریفرنڈم ہیں''۔دی گارڈین سمیت عالمی میڈیا نے اسے مودی کی بدترین شکست قرار دیا۔

مودی سرکار جس کا سورج گجرات میں اصلاحات اور مسلمانوں کے قتل عام سے چمکا تھا اب شکست وریخت کا شکار ہوچکی ہے۔جہاں عالمی میڈیا نے بہار کے انتخابات کے بعد مودی کی ووٹ حاصل کرنے کی طاقت کو رفتہ رفتہ کمزوری کی جانب مائل قرار دے دیا ہے وہیں مغربی بنگال کی کے چیف منسٹر ممتا بینرجی نے کہا کہ بی جے پی کی شکست رواداری کی جیت ہے اور عدم رواداری کی شکست ہے۔کانگریس کے رہنماء راہول گاندھی نے اسے بی جے پی اور آر ایس ایس کے تفرقہ پسند ایجنڈا کی شکست قرار دے دیا۔جب کہ شیوسینا نے کہا کہ مودی سرکار کو اپنی شکست تسلیم کرنی چاہیئے۔شیوسینا کہ رہنماء نے نتیش کمار کو مہانایک (اعلی ہیرو)کا خطاب دیا'شیوسینا کے لیڈر' سنجے راؤت نے کہا کہ یہ ایک لیڈر کے زوال کی کہانی ہے اور اگرابھی مہاراشٹرا میں انتخابات کروائے جائیں تونتائج مختلف نہیں آئینگے۔ہم سمجھتے ہیں کہ اس خطاب کے بعد نتیش کمار کو بھی سنبھل کر چلنا ہوگا اور اگر وہ بھی چکنی چپڑی باتوں میں آئے تو تنگ نظر لوگ انہیں بھی انتہاپسندی کی تاریک وپسماندہ وادی میں اتارنے میں کامیاب ہوجائیں گے اور پھر ان کا حشر بھی مودی سرکار سے ملتا جلتا ہی ہوگا۔۔جسے رواں برس دلی اور بہار میں دھچکے لگے۔

یہ ہار بی جے پی کے گلے میں ایسے ہے جیسے سانپ کے گلے میں چھچھوندر۔ایسے میں بی جے پی کے رہنماء باہم دست گریبان ہیں۔بی جے پی کے جنرل سیکرٹری ورجئے ورگی نے بی جے پی کے ناراض کارکن اور پٹنہ سے اسمبلی کے ممبر اداکار شتروگھن سہنا کو کتے سے تشبیہ دی ہے جب کہ سنہا کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے خلاف کاروائی کی جائے جو بی جے پی کی شکست کا موجب بنے ہیں۔مرکزی وزیر برائے آبی وسائل اوما بھارتی کہتے ہیں کہ بیف اور عدم رواداری کے نام پر پارٹی کیخلاف سازش تیار ہوئی یہاں وہ یہ بھول گئے کہ فرید آباد میں اچھوتوں کے جلانے پر انکے وزیر وی کے سنگھ نے لفظ "کتا" استعمال کیا۔اوما بھارتی ایوارڈ واپسی کو بھی ایک سازش قرار دیتے ہیں'تاریخ کا سبق ہے کہ زوال کی یہی نشانی ہے کہ انسان کو اپنی خطا کا احساس نہیں رہتا۔

مودی سرکار جب سے اقتدار میں آئی ہے اسوقت سے اس کی پروردہ جماعت آر ایس ایس نے مسلمانوں سمیت اقلیتوں کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کردیا ہے۔اسی بناء پر چند دن قبل سابق وزیراعظم من موہن سنگھ نے کہا تھا کہ انتہا پسندی کی جانب بڑھتا ہوا بھارت کا ہر قدم اسے معاشی موت کے اندھے کنوئیں کی جانب لیئے جارہا ہے۔ فنکاروں سمیت اہل ادب کی جانب سے فنی وادبی ایوارڈ کا حکومت کو واپسی کا سلسلہ جاری ہے اور اب تک 42 ایوارڈ لوٹائے جاچکے ہیں تاکہ انتہا پسندی

کے بڑھتے ہوئے منہ زور سیلاب کے آگے بند باندھا جاسکے مگر مجال ہے کہ مودی سرکار نے اپنے منہ سے ایک بھی مذمتی لفظ نکالنے کی جراء ت کی ہو۔
بہار کے انتخابات مودی سرکار کیلئے زہر قاتل سے کم نہیں ' اسمبلی میں مکمل کنٹرول اب بدلتے دنوں کے ساتھ ایک خواب میں بدل جائے گا کیونکہ جب بہار کی لوک سبھا سے سینٹرز منتخب ہو کر راجیہ سبھا جائیں گے تو حکومت کیلئے اپنے بل منظور کروانا دشوار ہوگا اور یوں مودی کا معاشی پیکج کا دیا ہوا ایجنڈا آگے نہیں بڑھ پائے گا۔ بہار میں انتخابات کی مہم بی جے پی کے امیت شاہ اور خود وزیر اعظم کی نگرانی میں ہوئی۔ مودی جن کی سیاسی کشتی ہی انتہا پسندی کے چپوؤں سے چلتی ہے خود ایک کٹر ہندو ہیں اور ریاست بہار کے لوگوں کے اندر تعصب کی آگ بھی جلانے کی کوشش کرتے رہے ۔ایک کروڑ' پچیس لاکھ کے پیکج کا اعلان بھی کیا گیا' کم وبیش چالیس ریلیوں کی قیادت کی دادری میں گائے ذبح کرنے کی افواہ پر مسلمان کے خون سے ہولی کھیلی اور تیرہ نچلی' ذات کے ہندو یعنی اچھوت بچوں کو موت کی وادی تک پہنچایا۔ یہ سب کچھ مذہبی نفرت پھیلا کر ووٹ حاصل کرنے کیلئے کیا گیا اور پھر آخر میں مقبوضہ کشمیر میں جا کر 12 بلین ڈالر کے پیکج کا اعلان کیا گیا جبکہ گزشتہ برس سیلاب میں کشمیریوں کا 16 بلین ڈالر کا نقصان ہوا تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ اپنے تئیں مودی سرکار نے ہندوؤں کا ووٹ پکا کرنے کے بعد جب مسلمانوں کا ووٹ ہاتھ سے نکلتے دیکھا تو کشمیر میں ایک ایسے پیکج کا اعلان کیا جس کا مقصد مسلمانوں کا ووٹ حاصل کرنا ہو سکتا ہے لیکن عوام شرپسند مودی کے

دام میں نہ آئے۔

بہار کے الیکشن میں مودی سرکار اس لیئے بھی فیل ہوتی دکھائی دی کہ 2014 میں جو معاشی ایجنڈالے کر وہ آئی تھی اسے پایہء تکمیل تک پہنچانا تو در کنار اس کا باقاعدہ آغاز بھی نہ کیا گیا اور ایک مرحلے پر تو امیت شاہ نے اپنے ایک وعدے کو سیاسی نعرہ بھی کہہ دیا' جس میں بی جے پی نے کالے دھن والی رقم عوام کے اکاؤنٹ میں منتقل کرنے کا عندیہ دیا تھا۔ بہار میں شکست کی دوسری وجہ یہ بنی کہ نتیش کمار نے بہار کی حالت بدل دی۔ ایک وہ وقت بھی تھا جب ہندوستان کی گلیوں میں مزاح کے طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ پاکستان اگر کشمیر لینا چاہتا ہے تو لے لے لیکن پھر اسے بہار بھی ساتھ لینا پڑے گا مگر آج اسی بہار کو نتیش کمار نے تعمیر کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نتیش کمار کی 71 اور آر جے ڈی کی 80 نشستوں کے باوجود لالو پرساد یادو نے یہ اعلان کیا کہ نتیش کمار میرے چھوٹے بھائی ہیں اور وہی بدستور وزیر اعلی رہیں گے اور میں دلی جا کر مودی کو واپس گجرات بھجوانے کی مہم چلاؤں گا۔

a switch in time saves nine انگریزی محاورہ ہے کہ ترجمہ وقت پر لگایا ہوا ایک ٹانکا' نو ٹانکے لگنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ مودی سرکار کی مقبولیت پہلا داغ عام آدمی پارٹی نے دلی میں لگایا لیکن بی جے پی کا نشہ بدستور برقرار رہا' اب بہار

نے دھچکالگایا ہے تو دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں کھلتی ہیں یا نہیں' اگر نہ کھلیں تو پھر نو تو کیا اٹھارہ ٹانکے لگانے سے بھی مقبولیت کا وہ گراف لانا ناممکن ہوگا جس کا مزہ بی جے پی چکھ چکی ہے۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ بھارت جس میں اسوقت آزادی کی 30 تحریکیں چل رہی ہیں 'اسے انتہاپسندی کی بھینٹ چڑھانااس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے مترادف ہوگا۔لالوپرسادنے بھی اپنی پریس کانفرنس میں یہی کہاکہ مودی سرکار کو جتوانا ایسے ہے جیسے دیش کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔اسوقت بھارت میں چالیس کروڑ سے زائد مسلمان آباد ہیں جنھیں انتہاپسندی کا سامنا ہے۔اسکے علاوہ سکھوں 'نچلی ذات کے ہندؤوں اور عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں تک کو جلانے کاانسانیت سوز جرم اسی دور میں ہوا۔پاکستان اورنیپال کے ساتھ تعلقات میں سردروی اس خطے کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچارہی ہے۔

مودی جو 12 نومبر کو برطانیہ پہنچ رہے ہیں ۔ان کی آمد پر نچلی ذات کے ہندو' دلت مسلمان 'سکھ اوردوسری ہندوستان کی اقلیتیں جمعرات کو 1 سے 5 بجے تک برطانوی' پارلیمنٹ کے سامنے احتجاج کریں گی اورجمعہ کے دن نارتھ لندن میں مودی کے پہنچنے پر بھی یہ سب اقلیتیں اپناپرامن احتجاج ریکارڈ کریں گی۔ایسے میں جب ویمبلے کے سٹیڈیم میں دیوالی کی تقریب ہوگی اورباہراحتجاج ہوگاتوعالمی

میڈیا کی توجہ اس جانب ضرور جائے گی اور نسلی تفاوت ‘مذہبی عدم برداشت اور نفرت کی سیاست کرنے والے مودی کیلئے یہ سب کچھ سہنا مقدر بن چکا ہے۔

انتہا پسندی کے گرد تنگ ہوتا گھیرا اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ ہندوستان کی عام عوام تنگ نظر نہیں ہیں بلکہ ایک محدود طبقہ ہی ایسی فضا کا ذمہ دار ہے۔ایسے وقت میں پاکستان کو بھی آگے بڑھ کر عالمی فورم پر بھارتی دراندازی اور اسکے اقلیتوں کے ساتھ انسانیت سوز رویے کو اجاگر کرنا ہوگا تاکہ مظلموں کو ان کا حق دلایا جاسکے اور پاکستان کو محفوظ تر بنایا جاسکے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ 2016 میں کیرالہ ‘مغربی بنگال ‘پانڈی ‘تامل ناڈو ‘اور آسام کا الیکشن مودی کس طرح لڑتے ہیں ۔ ممکن ہے کہ مغربی بنگال اور کیرالہ میں وہ ہندو کارڈ کھیلنے کی کوشش کریں اگر انھوں نے ایسا کیا تو انھیں بہار اور دلی کا نتیجہ ذہن میں رکھنا ہوگا۔ اور مودی سرکار جتنا انتہا پسندی کو سپورٹ دیتی جائے گی اتنا ہی بھارت کی سلامتی اور اپنی سیاست کے تابوت میں کیل ٹھونکتی چلی جائے گی۔

مودی کا دورہ برطانیہ

نریندر مودی کی شخصیت ایسی پرسرار ہے کہ جہاں قدم رکھتے ہیں وہیں موسم خزاں چھا جاتا ہے۔آسٹریلیا'نیپال' چین' جرمنی کینیڈا' دبئی جہاں گئے وہیں آفت آئی۔ بارہ نومبر کو یورپ میں قدم رکھا اورچودہ نومبر کو یورپ کی سرزمین (پیرس) دھماکوں سے لرزاٹھی ۔کوئی انسان مستقل نحس تونہیں ہوتاہاں البتہ اس کے اعمال کی وجہ سے ایسا ممکن ہے کہ وہ دوسری کیلئے بھی شامت بن جائے جیساکہ سوکھی لکڑی کے ساتھ گیلی بھی جل جاتی ہے'بس ! مودی صاحب ایسے ہی ہیں۔

سفارت کاری کا شوقین یہ بھارتی وزیراعظم اپنے اقتدارکے 544دنوں (21 نومبرتک) میں سے 72دن اپنے ملک سے باہر گزارچکا ہے۔وہ کم وبیش 29دورے کرچکے ہیں'جن میں امریکہ اورنیپال ایسے ممالک ہیں جہاں وہ دومرتبہ گئے۔یاد رہے مودی کا یہ دورہ گزشتہ دس برس میں کسی بھارتی وزیراعظم کا پہلادورہ ہے جبکہ ڈیوڈ کیمرون 2010سے ابتک تین مرتبہ بھارت کا دورہ کرچکے ہیں۔

گزشتہ تعلقات پرایک نظر

اسوقت برطانوی بھارتیوں کی تعداد 15 لاکھ کے قریب ہے اور 21 ہزار بھارتی طالب علم برطانیہ میں زیر تعلیم ہیں۔ ٹاٹا جیسا بھارتی صنعتکار گروپ جسے ہم نے رد کیا اسوقت اسکے برطانیہ میں ملازمین کی تعداد 65 ہزار ہے' برطانیہ میں ہندوستانیوں کی سرمایہ کاری یورپی یونین سے بھی زیادہ ہے۔

2013ء کی موقر برطانوی جریدے دی گارڈین اور عالمی بینک کی مشترکہ رپورٹ کے مطابق بھارت کیلئے برطانوی ترسیلات کی رسمی و غیر رسمی انداز کو دستاویز اور بناء دستاویز کے ملا کر دیکھا جائے تو یہ شرح 3.9 امریکی ڈالر جا بنتی ہے۔ برطانیہ' بھارت میں براہِ راست سرمایہ داری کرنے والا تیسرا بڑا ملک ہے جبکہ بھارت میں موجود برطانیہ کا سفارتی نیٹ ورک' دنیا کا سب سے بڑا سفارتی نیٹ ورک ہے۔ سنگاپور' مارشیس اور برطانیہ کے بعد گزشتہ پندرہ برس میں ہندوستان سب سے بڑا سرمایہ کاری کرنے والا ملک ہے جس نے 22.2 بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہے۔

2002ء کے گجرات فسادات میں مسلمانوں کے قتلِ عام کی وجہ سے 2012 تک برطانیہ کا مودی سے رویہ نہایت ''سرد'' رہا مگر دنیا میں بزنس کی طاقت زیادہ ہے چونکہ اسی برطانیہ نے مودی کو انسانی حقوق کی تنظیموں کے دباؤ کے باوجود گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اس موقع پر ڈیلی ٹیلی گراف نے سرخی لگائی ''سب کچھ معاف مسٹر

مودی‘‘۔دو سو سے زائد برطانوی ادیبوں نے برطانوی وزیراعظم کو خط لکھا کہ مودی سے بھارت میں اظہار رائے پر قدغن کے حوالے سے استفسار کیا جائے۔اسی طرح 130 برطانوی جامعات کے ماہرین اور اساتذہ نے ایک موقر برطانوی جریدے کو خط لکھا جس کے ذریعے انھوں نے مودی سے انسانی حقوق کے متعلق اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ گزشتہ دنوں ہی بھارت ہی کے مجسمہ ساز انیش کمار نے برطانیہ کے جریدے دی گارڈیئن میں مودی کی پالیسی کے حوالے سے ایک تنقیدی مضمون لکھا۔ایمنسٹی انٹر نیشنل اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے دباؤ ہی کی بناء پر مودی کا ریڈ کارپٹ استقبال نہ ہو سکا اور ایک وزیر نے انھیں خوش آمدید کہا۔ایمنسٹی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ریڈ کارپٹ استقبال کی جگہ سرخ جھنڈے لہرائے جائیں۔البتہ برطانوی پارلیمنٹ سے خطاب کرنے والے پہلے وزیراعظم ہونے کا اعزاز مودی کے حصے میں آیا ہاں البتہ ایسا ضرور ہے کہ ابھی مودی دورہ ء برطانیہ کیلئے روانہ ہی نہ ہوئے تھے کہ مودی کے آبائی علاقے گجرات کے 150 تاجروں‘سول سوسائٹی ‘وکلاء ‘فن کاروں اور ادیبوں نے بھارتی صدر پرناب مکھر کو مودی کی انتہاپسندانہ روش کے خلاف خط لکھا اور کاروائی کا مطالبہ کیا۔

لیبر پارٹی کے سربراہ سمیت 50 ارکانِ پارلیمنٹ نے احتجاج کرتے ہوئی مودی کی تقریبات کا بائیکاٹ کیا۔ جبکہ ویمبلے سٹیڈیم کے باہر موجود بھارتی امن پسندوں کی جانب سے کیئے گئے احتجاج میں سابق برطانوی رکن پارلیمنٹ جارج گیلوے نے بھی شرکت کی۔ مظاہرین کی زیادہ تر تعداد مودی کے آبائی علاقے گجرات

نیپالی، کشمیری، سکھوں اور دلت ہندوؤں پر مشتمل تھی‘ لارڈ نذیر اور بیرسٹر سلطان ان‘ کی راہنمائی میں پیش پیش تھے۔ نیپالیوں نے نیپال کا محاصرہ ختم کرنے کا مطالبہ کیا تو باقی مظاہرین نے بھارت میں انسانی حقوق کی دھجیاں بکھیرنے پر مودی کیلئے شیم شیم کے نعرے بلند کیئے۔ ٹین ڈاؤننگ سٹریٹ میں تو موصوف نے دریادلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیم شیم کے جواب میں ہاتھ بھی لہرایا مگر شرم نام کو نہ آئی۔ موصوف نے سٹیڈیم کی تقریر میں کہا کہ ستر برس بعد بھی بھارت کے 18 ہزار دیہاتوں میں بجلی نہیں اور میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چائے بیچنے والے کا بیٹا بھارت کا وزیراعظم بنے گا جبکہ موصوف نے یہ نہیں بتایا کہ دیہاتوں میں بجلی کس وجہ سے نہ پہنچ سکی؟ بھارت اسلحہ و بارود کم خریدے تو کہیں کوئی سہولت پہنچے‘؟ بھارت کے جنون ہی کی وجہ سے پاکستان کو بھی دفاع پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ رہی بات چائے بیچنے والے کی تو اس میں تو شک نہیں کہ بھارت میں الیکشن کمیشن ایک مضبوط ادارہ ہے مگر جناب کو تو سخت گیر تنظیم کی گود کی حدت نے اس مقام تک پہنچایا۔ مودی نے کہا کہ بھارت ہمسایہ ممالک سے اچھے تعلقات چاہتا ہے‘ جبکہ اسی دن مودی ہی کے حلقے بنارس میں 23 سالہ روسی سیاح لڑکی پر تیزاب پھینک دیا گیا اور لبرل بھارت کے صدر پرناب مکھرجی نے آٹھ ماہ بعد ریاست ہریانہ میں گائے ذبح کرنے پر پابندی عائد کر دی جس کی خلاف ورزی پر ایک لاکھ جرمانہ اور دس سال جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارنا ہوں گے‘ اپنے مذہبی قانون لاگو کرنے سے اسے کون روک سکتا ہے مگر پھر لبرل

ازم کا نقاب تو اتار پھینکے ۔ڈیوڈ کیمرون نے دانستہ مکھن لگاتے ہوئے کہا کہ ایک دن بھارتی نژاد برطانوی 'برطانیہ کا وزیراعظم بنے گا۔ سٹیڈیم سے جب تماشائی نکلے تو مودی کے حامیوں اور مخالف بھارتیوں میں شدید نعرے بازی ہوئی اور پولیس نے بہ مشکل مظاہرین کو پرامن رکھا۔ لیبر پارٹی کے سربراہ جریمی کاربائن کو سمیت 46 ارکان نے ایک پارلیمانی موشن پر دستخط کیئے جس میں مودی سے انسانیت کی تضیحک پر وضاحت طلب کرنے کا کہا گیا۔

یورپ اور مشرقِ وسطیٰ میں آباد کشمیری جوان اپنے پندرہ ملین کشمیری بھائیوں کی آزادی کیلئے آج اس بنیاد پر اپنا حق مانگ رہے ہیں 'جسے نہرو نے بخوشی قبول کیا تھا اور اقوامِ متحدہ میں کشمیر کاز کو لے جانے والا بھی تو بھارت ہی تھا۔ لکسمبرگ اور جرمنی کے شہر برلن میں بھی کشمیریوں نے مودی کے خلاف مظاہرہ کیا۔۔ ''آوازنیٹ ورک'' سے منسلک بھارتیوں کا کہنا تھا کہ مودی بھارت کے لبرل ازم کیلئے خطرہ ہیں 'کچھ مظاہرین کا کہنا تھا کہ مودی ''ایشیا'' کیلئے خطرہ ہیں ۔ایک موقع پر تو مودی کو مظاہرین کی وجہ سے اپنا راستہ ہی بدلنا پڑا۔

نوے منٹ کی بات چیت کے بعد پریس کانفرنس میں دونوں ملکوں کی جانب سے 9 ارب پاؤنڈ کی نئی شراکت داری کا اعلان کیا گیا۔ ٹیکنالوجی' تجارت' ثقافت' دفاع' موسمی حالات' سول نیوکلیئر معاہدہ سمیت متعدد معاہدے ہوئے جن کی کل لاگت 14 کھرب اور 44 ارب روپے ہے۔ڈیوڈ کیمرون نے کہا کہ بھارت 'برطانیہ کا امریکہ سے

بڑا اقتصادی پارٹنر ہے اور وہ اسلحہ درآمد کرنے والا بڑا ملک ہے۔اس دوارن انھوں نے اقوام متحدہ میں بھارت کی مستقل نشست کی بھی حمایت کا اعلان کیا۔اس ملاقات میں سمارٹ سٹیز بنانے پر بھی اتفاق کیا گیا جبکہ ڈیوڈ کیمرون نے بھارتی سرمایہ کاری کے فوائد بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس سے برطانیہ کی سرزمین پر 8 ہزار افراد کو روزگار ملا۔

مودی ملکہ برطانیہ الزبتھ سے ملاقات کیلئے بکنگھم پیلس پہنچے تو ملکہ کے نمائندے نے ان کا استقبال کیا۔ مودی نے ملکہ کو 1961 کی تصاویر' شہد اور کشمیری شال پیش کی مگر افسوس کہ کشمیری شال کو دیکھ کر بھی ملکہ کو برطانیہ کی جانب سے برصغیر پر کیا گیا وہ ظلم یاد نہ آیا جس کی وجہ سے آج تک اس خطے کے باشندے باہم دست و گریباں ہیں۔

اس دورے پر ایک برطانوی اخبار نے دعوی کیا کہ بھارت میں ہندو طالبان ہیں' جن کا اثر ورسوخ بڑھتا چلا جارہا ہے اور وہ اپنے مخالف کو کچل کر اپنی قوت اور ارادوں کا اظہار کر رہے ہیں۔اخبار نے لکھا کہ برطانوی شہری' بھارت کو کشمیر پر ظلم وستم کرنے اور کشمیریوں کی عورتوں کی تذلیل کرنے کے حوالے سے جانتے ہیں ۔اخبار نے لکھا کہ بھارت نے ''ابھرتی ہوئی معیشت''کا نعرہ چین سے چرایا ہے۔اخبار کہتا ہے کہ ڈیوڈ کیمرون کو انسانی حقوق کے دشمنوں سے معاہدے نہیں کرنے چاہیئے تھے ۔اخبار کو کوئی یہ جا کر بتائے کہ طالبان کی اصطلاح اس علاقے میں وجود میں

آئی ہے جہاں غیر ملکی اثرو رسوخ تھا'ایک ملک دوسرے ملک پر قابض تھاجبکہ ادھر تو ہندو اکثریت میں ہیں اور طاقتور ہیں۔

مقامِ افسوس ہے کہ جس بھارتی وزیر اعظم کیخلاف .برطانیہ کے شہریوں نے اس قدر احتجاج کیا کہ اسے ٹین ڈاؤننگ سٹریٹ کے عقبی دروازے سے اندر جانا پڑا اسی .برطانیہ کے امراء نے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا۔ یہ وہ .برطانیہ ہے' یہ وہی یورپ ہے جس کے دروازے کچھ عرصۂ قبل مودی پر بند تھے۔ کیا دنیا نہیں جانتی کہ یہ وہی مودی ہیں جن کے دور میں سخت گیر ہندو تنظیموں آر۔ایس۔ایس اور وی ایچ پی نے حکومتی آشیر باد سے ''گھر واپسی'' جیسی مہم شروع کی اور مسلمانوں اور عیسائیوں کو جبری طور پر ہندو بنانے کا عمل شروع کیا۔ کیا دنیا نہیں جانتی کہ گجرات میں مودی کے وزیر اعلیٰ ہوتے ہوئے دو ہزار مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا؟ اور ڈیڑھ لاکھ بے گھر ہوئے ؟ پھر امریکہ کے بعد اب .برطانوی وزیر اعظم اور ملکہ نے اسے اس قدر پروٹوکول کیوں دیا؟ عوام نے تو یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایسے انسان کو سخت ناپسند کرتے ہیں جو انسانوں کا قاتل ہو لیکن .بڑی قوتوں نے اپنے دہرے معیار سے یہ ثابت کیا کہ وہ انسانی حقوق کے حوالے سے دہرا معیار رکھتی ہیں۔ نریندر مودی کو اہمیت دینا بھارت میں اسکے کارناموں کو .بڑھاوا دینے کے مترادف ہے۔ عالمی قوتوں کو چاہیئے کہ مودی کو اسوقت تک اہمیت نہ دیں جب تک وہ انسان دشمنی سے توبہ نہ کریں ورنہ وہ دن دور نہیں جب ہندوتوا' گھر واپسی جیسی تنظیموں کا ہر ملک میں راج

ہوگااور ہر سوتعصب کی بو سے انسانی محبت رکھنے والوں کے نتھنوں میں زہرناکی ہوجائے گی۔ ممکنات میں سے ہے کہ گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کیلئے بھارت میں پھر کوئی انسان دشمن کاروائی کرواکر ہندوؤں کے جذبات کو بھڑکایا جائے یا کسی نئے کھیل کی بنیاد رکھی جائے۔ بالی عمر سے جو بچہ انتہاپسندی کے جھولے میں جھولتا رہا ہو اس سے ہر انسان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ بھارت ''کولڈ ڈاکٹرائن'' کے تحت اپنی جنگی حکمت عملی ہمہ وقت تیار کیئے بیٹھا ہے۔

حکومتِ پاکستان کو بھی اس ضمن میں میدان میں باقاعدہ اترنا پڑے گا اگر ہم بروقت سفارتی تعلقات پر نظرثانی کرکے بھارت کی دراندازی اور ایل او سی پر اس کی کھلی جارحیت کے ثبوت حکمرانِ عالم سمیت عالمی میڈیا کے سامنے رکھ دیتے تو آج مودی کو ٹین ڈاؤننگ سٹریٹ کا راستہ نہ بدلنا پڑتا بلکہ ڈیوڈ کیمرون ان سے ملاقات کیلئے کسی اور ملک کا انتخاب کرتے۔ پاکستان پر کسی بھی ملک کے ساتھ سول ایٹمی معاہدے کرنے پر پابندی ہے جبکہ اسی خطہ میں پاکستان مخالف بھارت کو آزادی ہے اور اس نے ایک اور معاہدہ کرلیا ہے' دہشت گردی کی جنگ میں پاکستان نے پانچ ہزار فوجیوں سمیت 60 ہزار شہریوں کی قربانی دیتے ہوئے فرنٹ لائن اتحادی ہونے کا ثبوت دیا مگر اسے کچھ نہیں ملا۔ عرصۂ سے بھارت دورہ برطانیہ کی تیاری کر رہا تھا پاکستان کی سفارت کاری کیوں نہ حرکت میں آئی؟ کیا پاکستان اب بھی آنکھیں بند کیئے رکھے گا جب کہ سابق بھارتی وزیر خارجہ سلمان رشید نے بھی

کہہ دیا کہ بھارت پاکستان کی جانب سے امن کوششوں کا مثبت جواب نہیں دے رہا۔ آج بھارت ہمارا پانی روکنے کیلئے سینکڑوں ڈیموں کے منصوبے پر تیزی سے عمل پیرا ہے' بلوچستان' فاٹا اور شمالی علاقہ جات سمیت کراچی میں اسکی مالی معاونت کے ثبوت مل چکے ہیں۔ ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ دنیا معیشت ہی کو اہمیت دیتی ہے' سو ہمیں بھی لسانی' علاقائی' نسلی اور فقہ وارانہ تعصبات سے نکل کر ملک کو ایک طاقتور معیشت کے روپ میں بدلنا ہوگا اور یہ کام محض حکومت کا نہیں اس میں سب کو اینٹیں اٹھانا ہوں گی تب ہی ایک پائیدار و دیدہ زیب مکان تعمیر ہوگا۔

الیکشن کمیشن کو مزید سخت اقدامات کرنا ہوں گے

جمہوری نظام کی تکمیل کے لیئے ایک موثر مقامی حکومتوں کا قیام ضروری ہوتا ہے جس میں نہ صرف عوام اقتدار میں شرکت کرتی ہے بلکہ گلی ' محلّے کے مسائل بھی بڑی حدتک حل ہوجاتے ہیں۔پاکستان کی گلیاں ' محلے اس بات کے گواہ ہیں کہ سابق جرنیل کے دور میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں جو گلیاں اور سڑکیں تعمیر ہوئی تھیں اس کے بعد سے ابتک نچلی سطح پر کوئی خاص کام دیکھنے میں نہیں آیا جس نے محلوں کی صورت حال کو بدلا ہو۔یہ سب اس لیئے ہوا کہ جمہور پسند جماعتوں نے ''نہ معلوم قومی مصلحتوں'' کی بنیاد پر بلدیاتی انتخابات کو نظرانداز کیئے رکھا۔

پہلے مرحلے کے بلدیاتی انتخابات کی نسبت کسی حدتک یہ انتخابات بہتر ثابت ہوئے'کم جانی نقصان ہوا مگر بے ضابطگیاں دیکھنے میں آئیں اور کچھ مقامات پر غلط نشانات چھپنے اور مختلف مسائل کی بنیاد پر الیکشن ملتوی کرنے پڑے۔پی ٹی آئی اور ن لیگ کے حامیوں کا آمناسامنا پھر ایک دلخراش واقعہ رقم کرگیا۔

19نومبر کو منعقد ہونے والے یہ انتخابات کامیابی کے تناسب سے پہلے مرحلے کاری پلے ثابت ہوئے جبکہ سندھ اور خصوصا پنجاب میں آزادامیدواروں کی جیت نے بھی

سوالیہ نشان کھڑے کردیئے۔آزاد امیدوار کی کامیابی جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ الیکشن کا نظام بڑی حد تک ترقی کرچکاہے وہیں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ملک کی بڑی جماعتوں سے لوگ نالاں ہیں یاپھر سیاست کے شاطر کھلاڑی دگنی قیمت پر کسی جماعت میں شامل ہوں گے۔ مسلم لیگ ن سمیت تحریک انصاف اور سندھ سے پی پی پی کے ناراض اراکین نے بھی الیکشن لڑاجس میں پنجاب میں آزاد امیدوار دوسرے نمبرپر جبکہ سندھ میں ڈاکٹر ذوالفقار مرزانے بدین شہر میں پی پی پی کو شکست سے دوچار کیا۔

دوسرے مرحلے میں پنجاب کی 2399 نشستوں میں سے غیر سرکاری وغیر حتمی نتائج کے مطابق حکمران جماعت مسلم لیگ ن نے 1105'آزاد امیدواروں نے 920' تحریک انصاف نے 332'مسلم لیگ ق نے 18' پیپلزپارٹی نے 15 نشستیں حاصل کیں۔سندھ میں حکمران جماعت پیپلزپارٹی نے 1448 نشستیں حاصل کرکے سندھ میں اپنی گہری جڑیں ہونے کاثبوت دیا'آزاد امیدوار 117 جبکہ 114 نشستوں پر ایم کیوایم نے کامیابی حاصل کیں'ن لیگ 111 'فنکشنل لیگ 43'عوامی اتحاد 33اور تحریک انصاف کے مقدر میں محض آٹھ نشستیں آئیں جبکہ بدین کے شہر سے ڈاکٹر ذوالفقار مرزانے میدان مار کر پی پی کو ایک بڑا دھچکادیاہے' بلاول زرداری کیلئے بھی بدین کی شہری نشستیں ہارنا کوئی اچھاشگون نہیں کیونکہ انہوں نے بنفس نفیس نہ صرف خود الیکشن میں حصہ لیابلکہ بدین میں جلسہ بھی کیا۔دوسری جانب پی پی کے حامیوں کا کہنا ہے

کہ ڈاکٹر ذوالفقار مرزا نے بی بی کے نام پر ووٹ حاصل کیئے اور اس طرح ان کے ڈبے میں اینٹی زرداری ووٹ بھی شامل ہو گیا۔

دوسرے مرحلے کی تکمیل اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ ن پرانی جماعتیں ہونے کے ناطے الیکشن کے تمام ترحربے جانتی ہیں اور ووٹ کو کس طرح گھر سے اٹھا کر ڈبے میں ڈالنا ہے یہ گر ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ الیکشن نے ثابت کیا کہ پنجاب میں مسلم لیگ کا تنظیمی ڈھانچہ نچلی سطح تک مضبوط ہے اور اس کی میڈیا ٹیم نے بھی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا گو کہ اسوقت مسلم لیگ ایک روایتی جماعت ہونے کے ناطے ایسے افراد کی کثیر تعداد اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو بذات خود جیتنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن اس کی سیاسی عصبیت پیدا کرنے کی صلاحیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔ بلدیاتی انتخابات میں فیصل آباد سمیت مختلف اضلاع میں مسلم لیگ کے اندر موجود متحارب گروپوں نے اپنے علیحدہ علیحدہ امیدوار کھڑے کیئے مگر جماعت کے اندران کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ رہنماؤں کی گرفت مضبوط ہے۔

پنجاب کی سطح پر ن لیگ نے تحریک انصاف کو لوہے کے چنے چبانے پر مجبور کر دیا ہے اور خان صاحب کی الیکشن مہم کو بھی ان کے سیاسی حلقوں تک ہی محدود رکھا۔ ضلع میانوالی کی تحصیل عیسی خیل جو کپتان کا آبائی حلقہ ہے اس میں تحریک انصاف

کا سترہ میں سے پندرہ نشستیں ہار جانا اس کیلئے سوچنے کا مقام ہے۔ مجموعی طور پر ن لیگ کو میانوالی میں اندازا دس' تحریک انصاف کو اکیس اور آزاد امیدواروں کو 18 نشستیں ملیں۔اس طرح اگر آزادامیدوارن لیگ کے ساتھ شامل ہوتے ہیں تو پھر تحریک کیلئے اپنے ہی ضلع میں مشکل صورتحال پیدا ہوجائے گی۔نئے لوگوں کی آمد سے تحریک انصاف کے نظریاتی کارکن ناراض ہیں' ٹکٹس کی تقسیم پر بھی کچھ لوگوں کے من پسند افراد کو نوازنے کی داستانیں تحریک کی ناکامی کا رونا رو رہی ہیں' اسکے علاوہ جس طرح ن لیگ الیکشن ڈے کو منظم انداز میں گزارتی ہوئی کامیاب نتائج سمیٹی ہے اس طرح کی حکمت عملی کا تحریک میں فقدان نظر آتا ہے۔خان صاحب کو اپنی حکمت عملی' نظریاتی کارکنوں کی حوصلہ افزائی' گراس روٹ لیول تک مربوط و منظم تنظیمی ڈھانچہ اور ملک گیر سیاسی مہم چلانا ہوگی وگرنہ دوسری صورت میں تنزلی میں اضافہ ہوسکتا ہے' تحریک نے بلدیاتی انتخابات میں بے ضابطگیوں پر خیبر پختونخواہ میں کاروائی کرتے ہوئے ایک ممبر اسمبلی کو گھر بھیجا لیکن کیا پنجاب کے اثرورسوخ اور روایتی سیاسی پس منظر رکھنے والوں کے خلاف بھی ایسا کچھ ہوگا؟ یہ وقت بتائے گا۔۔ گوکہ بلدیاتی انتخابات اور جنرل الیکشن میں ووٹر اپنے امیدوار کو مختلف پیمانوں پر پرکھتا ہے لیکن بلدیاتی انتخابات بھی ایک فضا ضرور قائم کرتے ہیں' جسے ہم احتساب کے پیمانے پر بھی شاید تول پائیں۔ناقدین کا کہنا ہے کہ تحریک اسوقت مختلف نظریات رکھنے والوں سے مالامال ہے
اور آدھا تیتر آدھا بٹیر کی کیفیت سے گزر رہی ہے' اس حقیقت سے مخلص

ارکان بھی پریشان ہیں اور پی ٹی آئی کی ہزیمت پر پرامید ہیں کہ خان صاحب جماعت میں سے ''گند'' صاف کرتے ہوئے ان سخت الفاظ اور بے ربط تقریروں کا بھی ازالہ کریں گے جو دھرنوں کی صورت میں لائیو نشر ہو کر سنجیدہ لوگوں کے دلوں پر نشتر چلاتی رہیں۔ ن لیگ نے اپنی پرانی ساکھ بحال رکھتے ہوئی دوبارہ پنجاب میں پہلی پوزیشن تو بحال رکھی مگر پنجاب میں دوسرے نمبر پر آنے والے امیدواران اس کیلئے بھی الارمنگ پوزیشن رکھتے ہیں۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آزاد امیدوار ن لیگ کی بی ٹیم ہیں مگر کیااس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ ان آزادامیدواران کو جماعت میں شامل کرنے کیلئے بیشتر مقامات پر ن لیگ کو ان کی طرف جانا ہوگا۔دوم سندھ میں ن لیگ نے ایک سو گیارہ نشستیں حاصل کیں ہیں مگراندرون سندھ اس نے اپنے امیدوار یا تو کھڑے نہیں کیئے یا پھر بھرپور سیاسی مہم نہیں چلائی گئی ۔اس سب صورتحال کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ پنجاب ،سندھ ،کراچی ،بلوچستان وخیبر پختونخواہ میں اثر رکھنے والی کوئی بھی جماعت اسوقت منظر عام پر نہیں ۔ہر جماعت اس علاقے تک محدود ہو چکی ہے جہاں اسکی صوبائی حکومت ہے ۔یہ وہ پوزیشن ہے جو ملکی مفاد میں نہیں ۔ان جماعتوں کو چاہیئے کہ پورے ملک میں اپنی سیاسی مہم چلائیں ورگرنہ یہ علاقائی جماعتیں بنیں گی اورآزادامیدواروں کے گینگ پھر انھیں بلیک میل کرتے پھریں گے۔کسی زمانے میں

پی پی کو ملک کی زنجیر کہا جاتا تھا مگر اب وہ اندرون سندھ تک محدود ہو چکی ہے۔ بلاول زرداری اگر پورے اختیارات کے ساتھ جلوہ گر ہوں اور سندھ میں اپنی ساکھ کو بہتر بنا لیں تو آتے الیکشن میں انھیں بہتر نتائج مل سکتے ہیں' اسی طرح تحریک انصاف کے مستقبل کا فیصلہ ایک بہتر خیبر پختونخواہ ہے کرے گا۔ قوی امید ہے کہ تیسرے فیز کے انتخابات میں کوئی انہونی نہ ہو گی اور ایم کیو ایم سمیت تمام جماعتیں اپنے ہی حصار میں مقید رہیں گی اور رہے 2018 کے انتخابات میں تبدیلی کے آثار تو وہ کسی نئی دبنگ سیاسی جماعت کی آمد سے ہی ممکن ہیں یا پھر پرانی جماعتیں نئی روش اختیار کریں وگرنہ پرانے کارتوسوں سے کہاں نئے محاذ جیتے جا سکتے ہیں۔

بلدیاتی انتخابات کو جمہوریت کی نرسری کہا جاتا ہے' اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس نرسری کو لگاتے ہوئے. برادری' نسلی' علاقائی' لسانی اور مختلف قسم کے تعصبات کا سہارا لیتے ہیں۔ کیا ایسی نرسری لگاتے ہوئے ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ ان پودوں سے کیسے خاردار درخت پرورش پا کر معاشرے کو کس قدر لہولہان کریں گے؟؟؟۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکومت پنجاب و سندھ ان عوامی کہلانے والے نمائندوں کو کتنے اختیارات سے نوازتی ہیں۔ شنید ہے کہ خیبر پختونخواہ میں بلدیاتی نمائندے اپنے حقوق کیلئے سراپا احتجاج ہیں اگر پنجاب میں بھی یہی طرز عمل دھرایا گیا تو پھر ادھر بھی ایسا ہی

ہوتا نظر آتا ہے۔امید ہے دونوں جب بہتری لائے جائے گی اور اپنے آپ کو جمہوری کہنے والی جماعتیں آمروں جتنے نہ سہی ،برائے نام سے کچھ زیادہ حقوق ان نمائندوں کو عنایت کریں گی۔

الیکشن کی دوسری بساط پر تبصرہ کرتے ہوئے فافن کے عہدیداروں کا کہنا تھا کہ الیکشن میں بڑے پیانے پر بے ضابطگیاں ہوئیں۔فافن نے الزام عائد کیا کہ ناقص انتظامات حکومتی امیدواروں کی کامیابی اور الیکشن آبزرورز کو کارڈ کے حصول میں مشکلات نے ' الیکشن کی شفافیت پر سوالیہ نشان لگادیا ہے۔فری اینڈ فیئر نیٹ ورک کی جانب سے یہ بھی دعوی کیا گیا کہ اکثر اضلاع کے ڈی آر اوز نے الیکشن کمیشن کے احکامات ماننے سے انکار کردیا' عملہ میں تربیت کی کمی تھی'ضلع بدین میں ان کے آبزرورز کو ڈرایا دھمکایا گیا' پولنگ سٹیشنز پر پولنگ سکیم کی کمی کی وجہ سے بھی ووٹرز کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔خواتین کو ووٹ نہ دینے کی اطلاعات اور ریٹرننگ آفیسرز کی جانب سے بعض افراد کو فائدہ پہنچانے کیلئے امیدواروں کے کاغذات مسترد کرنا بھی شامل ہے۔جبکہ دوسری جانب الیکشن کمیشن نے کہاہے کہ غلط پرنٹنگ اور قوانین کی خلاف ورزی سمیت تمام بے قاعدگیوں کے ذمہ داران کے خلاف کاروائی عمل میں لائے جائے گی اور اس کے نتیجے میں انہیں چھ ماہ جیل کی سزایاملازمت سے برطرف بھی کیا جاسکتا ہے۔

تیسرے مرحلے میں کراچی میں پی پی کے ووٹ بینک پر ڈاکٹر ذوالفقار کا دھاوا اور ایم کیوایم کی پوزیشن ہاٹ ایشو ہیں۔ہم سمجھتے ہیں کہ کراچی میں سیاسی عصبیت اور لسانی تقسیم اس قدر واضح ہے کہ ایم کیوایم کا کارکن جماعت سے نکلتے ہوئے اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتا ہے'اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے حلقوں میں بھر بھاری اکثریت سے جیتے گی۔ تحریک انصاف کو اگر اس کا مقابلہ کرنا ہے تو اسے اپنی کراچی کی صفوں میں مصطفیٰ کمال بھی پیدا کرنا ہوگا اور تنظیمی ڈھانچہ بھی ایم کیوایم سے بڑھ کر ترتیب دینا ہوگا۔ذرائع کے مطابق اب آئندہ آنے والے دو تین ماہ میں ممکن ہے ایم کیوایم میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں رونما ہوں ۔اس طرح تیسرا مرحلہ اور آنے والے چند ماہ ایم کیوایم'پی پی کے مستقبل کے حوالے سے بہت اہم ہوں گے اور تحریک انصاف اگر اپنی کوتاہیوں کو نہ جان سکی اور اسی حالت میں اپنے آپ کو نوجوانوں کی پہلی ترجیح سمجھتی رہی تو وہ دن دور نہیں جب پرندے کسی اور شاخ پر جابیٹھیں گے اور نئی قوتیں میدانِ عمل میں پاکستان کی سیاسی بساط میں تبدیلیاں لے آئیں گی۔

دہشت گردی کی جنگ میں پاک فوج کا کردار

دنیا اگر پاکستان کو میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتی تو اس کی سب سے بڑی وجہ ایک منظم وجذبہ سے سرشار پاک فوج ہے۔جس نے قیام پاکستان کے بعد ہمسائے کی شرانگیزیوں کے جواب سے لے کر دہشت گردی کی جنگ تک ہر لمحہ ہر آن اپنا کردار بخوبی نبھایاہے۔پاک فوج کا جذبہ حب الوطنی ہی ہے کہ پاکستان کو ہر مقام پر نقصان پہنچانے کی تقریب میں یہ time lit fest نے as dulat والے بھارت کے سابق چیف اعتراف کیا کہ اس وقت دنیا کی قابل ترین خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی ہے۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ نے اسوقت ایک ٹرن لیا جب وزیراعظم پاکستان نے ٹی ٹی پی کے ساتھ مذاکرات کا آغاز کیا۔اس ضمن میں آل پارٹیز کانفرنسز ہوئیں جہازوں پر سفر کرکے ان سے ملاقاتیں ہوئیں،خفیہ ملاقاتیں کی گئیں،حتی کے عمران خان نے طالبان کو دفتر تک کھولنے کی اجازت دینے کا کہامگر بد قسمتی کہیئے یا اغیار کی سازشیں طالبان نے ہر موڑ پر ریاست کی نرمی کو للکارااوراپنی صفوں میں موجود نااتفاقی کو ریاست کے سر تھوپنے کی ناکام سی کوشش کی۔انتہاپسند اپنے گروہوں کو کسی ایک بات پر متفق نہ کرسکے۔ملاقات کے تعطل کی وجہ انتہاپسندوں کی طرف سے ہٹ دھرمی کاوہ سنگدلانہ اقدام تھاجس میں

انہوں نے 23 فرنٹیئر سپاہیوں کو شہید کردیا اور پھر 17 اپریل 2014 کو ٹی ٹی پی نے سیز فائر کے خاتمے کا اعلان کردیا۔ 9 جون کو جناح انٹرنیشنل ائیرپورٹ کراچی پر حملہ کردیا' جس کی ذمہ دار آئی ایم یو اور ٹی ٹی پی نے قبول کرلی۔ جسے انہوں نے اپنے ایک رہنماء کی موت کا انتقام قرار دیا۔

جون 2014 کو پاکستان کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے جب 15 ان تمام انتہاپسند قوتوں کے خلاف پاک افواج نے ''آپریشن ضربِ عضب'' کو ریاستی اداروں کی سرپرستی میں لانچ کیا۔ اس آپریشن کو کم وبیش تمام مکاتیبِ فکر کے جہاندیدہ علماء کی سپورٹ حاصل تھی اور انہوں نے اسے ''جہاد'' قرار دیا۔

العضب''اس تلوار کا نام ہے جو سرکارِ دوجہاں 'رحمت اللعالمین' سرورکائنات نے جنگِ'' بدر اور جنگِ احد میں استعمال کی۔ ''عضب'' کا مطلب کاٹنا ہے اور پاک افواج نے اس آپریشن میں غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انتہاپسندوں کی جڑوں کو جگہ جگہ سے کاٹ ڈالا ہے اور ان کی ریڑھ کی ہڈی میں مختلف مقامات پر کاری ضربیں لگائی ہیں۔

دہشت گردی کے خلاف اس جنگ میں ایک اندازے کے مطابق ابتک پاک افواج نے حب الوطنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے 6360 نوجوانوں کی قربانی دی۔ دہشت گردی کے دوران ہلاکتوں کا اعداد و شمار رکھنے والے ''ساؤتھ ایشیا ٹیرارزم پورٹل'' کے

مطابق 2003 سے لے کر 29 نومبر 2015 تک پاکستان کے کل 20805 سویلین' باغی ودہشت گرد اور چھ ہزار' تین سو ساٹھ پاک آرمی کے سپاہی شہید ہوئے۔32342 اسی پورٹل کے مطابق 2006 کے بعد سے ابتک موجودہ دور میں شہریوں اور سپاہیوں کی شہادتیں کم ہوئی ہیں۔

جون 2015 کو اپنی سالانہ کارکردگی کے حوالے سے پاک فوج کے ترجمان میجر جنرل 13 عاصم باجوہ صاحب نے کہا کہ انٹیلی جینس کی بنیاد پر نوہزار چھوٹے بڑے آپریشنز میں عسکریت پسند مارے گئے' جس میں انکے 218 کمانڈر بھی شامل تھے۔اسی 2763 دوران عسکریت پسندوں کے 837 ٹھکانے تباہ کیئے گئے جبکہ 253 ٹن دھماکہ خیز مواد ری کور کیا گیا۔اس عرصۂ میں پاک افواج نے انتہاپسندوں سے اٹھارہ ہزار' سینتیس ہتھیار بازیاب کرائے جن میں' ہیوی مشین گنز' لائٹ مشین گنز' سنیپرز اور' راکٹ لانچرز شامل تھے۔آئی ایس پی آر کے مطابق اس دوران پاک افواج کے 347 آفیسرز اور سپاہی جامِ شہادت نوش کر گئے۔

پاک آرمی نے نہ صرف شوال' دتہ خیل' مہمند' سوات' شمالی وزیرستان بلکہ ملک کے مختلف علاقوں میں امن کی کوششوں میں بھرپور کردار ادا کیا۔''دھرنا کی سیاست'' کے جانباز جب پی ٹی وی پر چڑھ دوڑے تو اسوقت پاک افواج ہی تھی جس نے آرٹیکل کے زمرے میں پی ٹی وی کے سٹیشن پہنچ کر اسے ان ناہنجار لوگوں سے 245 آزاد کروایا۔این اے 122 ہو یا کراچی کا این اے 246 ان میں رینجرز کے ذریعے ہی پرامن انتخابات کا انعقاد کیا گیا' معدودے چند خرمغز سیاستدانوں کے نانوے

فیصد سیاستدان ہر موڑ پر پاک فوج کو ثالث تسلیم کرتے آئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ چند ماہ قبل ایک سینئر امریکی اہلکار کو کہناپڑا کہ کچھ معاملات میں سویلین ادارے ڈیلیور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لیئے ان معاملات کو افواج پاکستان کے چیف جنرل راحیل شریف چلارہے ہیں'اگر اس بات کو ہمیں کہناپڑے تو ہم کہیں گے کہ سیاستدان چونکہ مختلف سیاسی مجبوریوں کی بناء پر سامنے نہیں آسکتے اس لیئے انھوں نے فرنٹ لائن آرمی کو کردیاہے جس کامفاد بس ملکی مفاد ہے۔

بلدیاتی انتخابات جنھیں جمہوریت کی نرسری کہاجاتاہے 'ان کے تینوں مراحل میں پرامن انعقاد کیلیئے بھی رینجرہی کی خدمات حاصل کی گئیں۔اس سب کے باوجود چند عناصر ایسے ہیں جنھیں اس ادارے کی نیک نامی سے خداواسطے کابیر ہے چونکہ وہ اغیار کی گودوں میں پل رہے ہیں اس لیئے انھیں جب بھی ریاستِ پاکستان کے اس واحد منظم ادارے کی خوشہ چینی کا موقع ملتاہے تو وہ اسے غنیمت جان کے سویلین اورریاستی اداروں کے مابین محاذ آرائی کا شوشہ کھڑاکرکے یاتو کسی جانب اپنی قیمت لگوانا چاہ رہے ہوتے ہیں یا پھر اپنے کسی سرپرست کو خوش کرکے مفادات کے ڈالر بذریعہ چتھر حاصل کرناچاہتے ہیں کیونکہ ان کے آقاؤں کے گھرکے راستے میں کوئی کہکشاں تونہیں۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے کسی بھی نظام میں اصلاحات کی گنجائش موجود رہتی ہے۔

کراچی جسے ''چھوٹا پاکستان'' بھی کہا جاتا ہے دو کروڑ تیس لاکھ کا شہر آسیب زدہ تھا' اس کی رونقیں گزشتہ دو دہائیوں سے ماند پڑ چکی تھیں' دنیا کی مختلف ایجنسیاں ادھر اپنا کھیل کھل کے کھیل رہی تھیں' کوئی دن ٹارگٹ کلنگ' بھتہ خوری یا واردات کے بغیر مکمل نہیں ہوتا تھا مگر یہ پاک افواج ہی تھی جس نے نیشنل ایکشن پلان پر عمل کرتے ہوئے کراچی کی رونقوں کو چار چاند لگائے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر ملکی ذرائع ابلاغ نے بھی پاک افواج کی کارکردگی کو سراہا۔ امریکی اخبار ''وال سٹریٹ جرنل'' نے تجزیہ نگاروں اور حکام کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ ''جنرل راحیل شریف (پاک افواج) نے افغان امن عمل' عسکریت پسندوں کے خلاف جنگ اور اہم سیکورٹی معاملات میں دیگر ملکی قوتوں کو گرہن لگا دیا ہے۔'' شاید اسے بھی جنگی پالیسی ہی کا عمل قرار دے سکتے ہیں کہ منتخب قوتیں بوجہ حکمت پیچھے ہیں اور عوامی حمایت اور دلوں کی دھڑکن پاک افواج ہیں۔ سینٹر فار ریسرچ اینڈ سیکورٹی سٹڈیز نے اپنی تیسری سہ ماہی رپورٹ جو کہ اکتوبر 2015 میں شائع ہوئی کہا کہ گزشتہ تین ماہ کے عرصہ میں فقہ وارانہ وارداتوں میں واضح کمی دیکھنے میں آئی۔ رپورٹ کے مطابق اگر حالیہ وارداتوں کا گزشتہ دو سال سے موازنہ کیا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی قسم کی عسکری کاروائیوں میں کمی آئی ہے۔ خصوصاً کراچی میں گینگ وار' باغیوں کے ساتھ جنگ اور فقہ وارانہ دشمنیاں اپنا دم توڑ رہی ہیں۔ اگر صوبائی سطح پر دیکھا جائے

توکے پی کے اور سندھ میں بھی کافی حدتک امن رہا' پنجاب میں گزشتہ سال کے مقابل آدھا جانی نقصان ہوا اور بلوچستان میں بھی انسانی جانوں کے ضیاع میں ایک نمایاں کمی نظر آئی۔اس رپورٹ کے مطابق بلوچستان میں کل 188 افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور 56 زخمی ہوئے۔فاٹا میں 497 افراد جان کی بازی ہار گئے اور ایک سو بارہ زخمی ہوئے۔

کے پی کے میں 127 افراد کی روحوں نے ان کے جسم کا ساتھ دینا چھوڑ دیا اور 75 افراد زخمی ہوئے۔اسی طرح پنجاب میں اموات کی تعداد 118 اور زخمیوں کی 116 رہی جبکہ سندھ میں دہشت گردی کی لہر کے زیر اثر 280 افراد اللہ کو پیارے ہوئے اور اکتالیس زخمی ہوئے۔اسلام آباد اور گلگت بلتستان میں ایک ایک جانی نقصان ہوا۔اگر ضلعی سطح پر موازانہ کیا جائے تو پہلا نمبر شمالی وزیرستان ایجنسی اور دوسرے نمبر پر زیادہ جانی نقصان کراچی میں ہوا مگر اس نقصان کو گزشتہ برس کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ درد آدھا کم ہو چکا ہے۔کراچی میں مختلف کاروباری حضرات نے پاک افواج سے اپنی عقیدت ومحبت کا اعتراف کرتے ہوئے مختلف ہوڈنگز بورڈ پر ''شکریہ راحیل شریف'' جیسے لفظ درج کر رکھے ہیں۔سوشل میڈیا ہو' تجزیہ نگار یا دیہاتوں کی مجالس ٹاک شو ہو یا شہروں کے تھڑوں پر بیٹھنے والے ''تجزیہ نگار'' سب کے سب پاک افواج' کے کردار اور حکومتی اداروں میں موجود ہم آہنگی کو سراہتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ذرائع کے مطابق کراچی میں آپریشن کی

تیزی کی وجہ سے بڑے مگرمچھوں کی گرفتاری کی شنید ہے 'جس سے کراچی کے ماحول میں واضح تبدیلی کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

گزشتہ دنوں جنرل راحیل شریف کے دورہ امریکہ کے دوران امریکی سینٹ میں آرمڈ فورسز کی کمیٹی کے چیئرمین جان مکین نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی آرمی کی کارکردگی کو سراہتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کیا۔انہوں نے شہدائے آرمی کو سلام پیش کیا اور دہشت گردی کی جنگ میں جنرل کی اہل قیادت پر انکی تعریف کرتے ہوئے انکا شکریہ ادا کیا۔

بعض حلقے ''پاک چین راہداری'' کے منصوبے کی تکمیل کو بھی ریاستی اداروں 'سیاست دانوں سمیت پاک افواج کی محنت کا ثمر قرار دیتے ہیں کیونکہ جب تک امن نہیں آئے گا روٹس کی تکمیل سے بھی وہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا جو کہ امن کی کشش سے سرمایہ کار کیلئے پیدا ہوتا ہے۔ گزشتہ برس سانحہ پشاور نے انسانی ہمدردوں کے دل دہلا دیئے تھے اور اپنے پرائے سب ہی اس ہولناک و بہیمانہ اقدام پر ششدہ تھے مگر پاک افواج کی قابلیت ہی تھی کہ تمام سیاسی عناصر انکی پشت پر کھڑے ہوگئے اور دہشت گردوں کو لوہے کے چنے چبوا دیئے گئے۔اس حقیقت سے تو انکار ممکن نہیں کہ دہشت گردوں کی واپسی کے امکانات ہیں مگر پاک افواج ایسی حکمتِ عملی پر عمل پیرا ہیں کہ ان کے عزائم شرمندہ تعبیر نہ ہو سکیں گے۔ مستقبل میں دہشت

گردی کے خلاف آپریشن کا دائرہ کار بڑھتے ہوئے ملک کے مختلف صوبوں تک پھیل سکتا ہے جس سے ہمہ قسم کے جرائم پیشہ عناصر کی کمر ٹوٹ جائے گی اور ہر سو امن کا راج ہوگا۔

پاکستان وہندوستان کے تعلقات میں موجود بیریئرز کو پالش کرنے والے عناصر کو کیا بھارت نکیل ڈال پائے گا؟

دنیا میں ''ہم خیال'' بنانے اوروسائل کی جنگ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ کبھی سرد اور کبھی گرم انداز میں جاری رہتی ہے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ مذہبی لوگوں کو قدامت پرست کہنے والا یہ روشن خیال طبقہ سائنس کو اس قدر منفی انداز میں استعمال کرتا آیا ہے کہ آج بین الاقوامی منظرنامہ اس قدر بدل چکا ہے کہ سوافراد کو حق دلوانے کی خاطر دوسو کی جان کو خطرہ لاحق ہوجاتا ہے مگر کیااس خوف سے حق کی پالیسی سے دستبردار ہوجانا چاہیئے ؟کیا مظلوم کو بے آسرا چھوڑدینا چاہیئے ؟کیا کینسر کے مریض کو اس لیئے لاعلاج چھوڑ دیا جائے کہ اس رقم سے ہزاروں ''بخار'' کے مریضوں کاعلاج ہوسکتاہے؟

وزیراعظم محترم نواز شریف نے اقتدار سنبھالتے ہی بھارت کی جانب قدم بڑھایااور مودی سرکار کی تقریب حلف.برداری میں دامے درمے سخنے جاپہنچے۔ مودی سرکارکارویہ سرد رہا۔پھر یہ بادل اسوقت چھٹتے محسوس ہوئے جب سشما سوراج'' پاکستان آئیں اور کہاکہ امن کا پیام لائی ہوں جبکہ بھارت جاکروہی'' اٹوٹ انگ'' والی رٹ لگاتی رہیں پھر بھارتی معیشت کوآسمان تک لیجانے کی خواہش'' رکھنے والے مودی نے کابل سے رائے ونڈ تک کاسفر کرکے عوامی حلقوں کو حیران وپریشان کردیاجب کہ

باخبر حلقے جانتے تھے کہ یہ سب پاپڑ افغانستان کالوہالیجانے کی خاطر بیلے جارہے ہیں۔در حقیقت بھارت کو افغانستان کالوہاد کھانے کا خواب ''زمینی پاورز'' نے دکھایاہے جسے لیجانے کیلئے پاکستان سے زمینی راستہ درکار ہے۔

بھارت وپاکستان قریبی ہمسایہ ممالک ہیں ۔ان کی عوام کے صدیوں پرانے رشتے ہیں جنھیں تقسیم بھی تقسیم نہ کر سکی۔دونوں ممالک کے مابین دشمنی کازہر عوامی غربت کی اذیت ناک تصویر بنتا جارہاہے۔اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ قریبی ہمسایوں کے ساتھ پرامن وخوشگوار تعلقات ہی اس خطے کوایک طاقت ورمعیشت میں بدل سکتے ہیں مگر کیااس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ دونوں ممالک کے عوام کوملانے والی سمجھوتہ ایکسپریس کے ملزم بھارت کے اندر ہیں؟کیااس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ سر کریک سیاچن 'اور کشمیر کے مسئلے کے بغیر حالات ہمیشہ کیلئے معمول پرآجائیں گے ؟ابھی کچھ' عرصہ قبل ہی 2010 سے بھارت کی جانب سے کشمیر کے ترجمان پروفیسر رادھاکمار نے کہاکہ بھارت کو سوچناہوگاکہ کشمیری 27اکتوبر کو''بلیک ڈے کیوں مناتے ہیں 'یہ وہ دن ہے جب بھارت کی افواج کشمیر میں داخل ہوئی تھیں ۔انہوں نے کہاکہ یہی صورتحال رہی توآئندہ دس برس تک کشمیر بھارت کے ہاتھوں سے نکل جائیگا۔کیااس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ آج کشمیر کے سکھ بھی کشمیری مسلمانوں کے ساتھ احتجاج میں شامل ہورہے ہیں ؟

بھارتی وزیراعظم کی رائے ونڈیاترا بھارتی وزیر خارجہ 'سشما سوراج کی آمد' اور پاکستانی قومی سلامتی کے مشیر ریٹائرڈ جنرل ناصر جنجوعہ اور انڈین سلامتی کے مشیر اجیت دوول کی بنکاک ملاقات یہ سب تانے بانے اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ دونوں جانب اسلحہ پر خرچ ہونے والا خزانہ اب عوام پر خرچ ہوگا مگر پھر کیا ہوا کہ پٹھان کوٹ کا واقعہ پیش آ گیا۔ پاکستان میں اعلیٰ سطحی میٹنگز ہوئیں' بھارت کی جانب سے شواہد دیئے گئے' پاکستان کی جانب سے ایک کالعدم مذہبی جماعت جیش محمد کے خلاف بڑے پیمانے پر کریک ڈاؤن ہوا' اس جماعت کے سربراہ کو حفاظتی تحویل میں لیا گیا لیکن بھارتی ہٹ دھرمی یا چالاکی کی وجہ سے نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ جب پاکستان نے اعلان کیا کہ پاکستان کی جانب سے تفتیشی ٹیم بھارت جائے گی تو اس کا خیر مقدم کیا گیا مگر بعد میں بھارتی وزیر دفاع جناب منوہر پاریکر نے بیان داغا کہ اب ہماری قوتِ برداشت جواب دے چکی ہے اور دنیا دیکھے گی کہ ایک سال کے اندر کیا ہوگا''۔ بھارت کی جانب سے پاکستانی تفتیشی ٹیم کو شواہد لینے یا موقع واردات دیکھنے کی پابندی عائد کر دی گئی۔ بعض تجزیہ نگار یہ کہہ رہے ہیں کہ منوہر پاریکر کا یہ بیان بی جے پی کی ''سیاسی ضرورت'' کی وجہ سے دیا گیا جب کہ بعض حلقے اس بات کی تائید کر رہے ہیں کہ بھارت میں موجود ''اینٹی پاکستان لابی'' کے زیر اثر ایسے بیانات آتے ہیں یا پٹھان کوٹ کے حملے ہوتے ہیں تاکہ دونوں ممالک کو دور رکھ

کر اپنا "سودا" بیچا جاسکے۔ تعصبات سے بالاتر ہو کر دیکھا جائے تو دونوں جانب کچھ ایسے عناصر و مسائل موجود ہیں جن کی بنیاد پر دونوں ممالک کے مابین غلط فہمیاں آسانی سے پھیلائی جاسکتی ہیں۔ کچھ حلقے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ فی الحال کشمیر جیسے مسئلے کو بھی پسِ پشت ڈال کر باہمی تجارت کو فروغ دیا جائے۔ بھارت سے تجارت کی مخالف سود مند نہیں مگر اندھی تجارت ضرور ضرر رساں ہے۔ اگر اس تجارت پر غور کیا جائے تو 2008 سے 09 میں 719-85 ڈالر خسارہ 2015 تک دو بلین ڈالر تک پہنچ چکا ہے۔ بھارت و پاکستان کی تجارت میں بھارت کی جانب سے ایسے بہت سے ٹیرف اور نان ٹیرف بیریئرز ہیں جنھیں کم کرنے کے بجائے بھارت بڑھاتا رہتا ہے۔ حالیہ تجارت میں بھارت نے اپنی سپننگ انڈسٹری کو اتنی رعایت دی کہ جب انھوں نے اپنا مال پاکستان میں ٹھونسا تو پاکستانی سپننگ انڈسٹری کو خسارہ ہوا۔ پاکستان سے انڈیا کو کپڑا بڑے پیمانے پر بھیجا جاسکتا ہے مگر بھارت نے ایسے غیر ضروری ٹیسٹ مقرر کیئے ہیں کہ یہ کام تقریباناممکن ہو کر رہ گیا ہے اور اس ضمن میں یورپی یونین کے ٹیسٹ کی شیٹ بھی مسترد کردی گئی ہے بھارت کی جانب سے۔ اسی طرح "ڈیمرج" چارجز' نقل و حمل کیلئے ٹرانسپورٹ اور سیمنٹ کی مد میں غیر ضروری ٹیسٹ بھی تجارت کو روک لگا رہی ہیں اور بھارت نے اس ضمن کبھی سنجیدہ اقدامات نہیں کیئے۔

سیاسی منظر نامے کی صورتحال بھی مختلف نہیں بھارت نے آزاد کشمیر میں ہونے والی عالمی کشمیر کانفرنس میں مقبوضہ وادی کے حریت رہنماؤں کو شرکت کی

خاطر ویزا جاری کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ جس پر آزاد کشمیر کے صدر یعقوب خان نے پاکستان، مشرقی وسطی اور دیگر ممالک کے دانشوروں اور سیاسی قائدین سے معذرت کرتے ہوئے کانفرنس کو غیر معینہ مدت کیلئے ملتوی کر دیا ہے۔ بھارت کو چاہیے تو یہ تھا کہ اس عمل کو تقویت دیتا تاکہ مسئلہ کشمیر کا کوئی مناسب حل تجویز ہوتا اور دونوں ممالک کے بیچ تناؤ میں کمی واقع ہوتی مگر اس کی ہٹ دھرمی کا کیا کیا جائے جو کشمیر میں کشمیری مجاہدین کی سرگرمیوں کو اخلاقی امداد دینے پر پاکستان کو کراس باڈر ٹیرارزم کا الزام دیتا ہے اور ''آزاد کشمیر'' کو مقبوضہ کشمیر کہتا ہے۔

دوسری جانب اگر پٹھان کوٹ مسئلے کا قانونی جائزہ لیا جائے تو بین الاقوامی قانون کے ماہر احمر بلال صوفی کا کہنا ہے کہ پاکستان و بھارت کے مابین ملزمان کی حوالگی کا کوئی قانون اب تک موجود نہیں ہے۔ البتہ اسلام آباد کا ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ملزم کو کسی دوسرے ملک کے حوالے کر سکتا ہے بشرطیکہ حکومت اس کے سامنے ٹھوس شواہد رکھے اور اس معاملے میں سپریم کورٹ بھی مداخلت کر سکتی ہے۔ مگر ظاہر ہے شواہد لینے کیلئے جائے وقوعہ کا معائنہ ضروری ہے جسے بھارت رد کر چکا ہے۔ حکومت پاکستان کیلئے اب رمزی یوسف کی طرح کسی کی حوالگی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ دوسری جانب کالعدم تنظیم کے سربراہ حفاظتی تحویل میں ہیں جس کی مدت تیس دن ہے، جس کے اندر اندر ملزم کیخلاف ثبوت جمع کرنا ہوتے ہیں البتہ

حکومت مزید تیس دن کی مہلت بھی حاصل کر سکتی ہے لیکن افسوس کہ پاکستان کی جانب سے موثر کاروائی اور بہتر رسپانس کا جواب سخت اور روایتی انداز میں دیا جارہا ہے۔

جب تک پاکستان وبھارت کے مسائل طے نہیں ہونگے اسوقت تک دونوں ممالک دفاعی بجٹ کے بوجھ تلے دبے رہیں گے۔اب بھارت ہی کو لیجیئے وہ کرناٹک ریاست میں برصغیر کا سب سے بڑا جوہری شہر بسا کر ہائیڈروجن بم کی تیاریوں میں مصروف نظر آتا ہے ۔اطلاعات کے مطابق اس کی نگرانی وزیراعظم ہاؤس سے کی جارہی ہے۔بھارت میں شدت پسندی کو عالمی سامراج بھی تقویت دے رہا ہے جو مشرق وسطی میں پاکستان کے کردار کو محدود کرنا چاہتا ہے۔عالمی طاقتیں شطرنج کے کھیل کی طرح بازی پلٹی رہتی ہیں۔روس کو اس قدر مجبور کردیاگیا ہے کہ وہ شام میں اپنی فوجیں اتار دے ۔چین وروس نے افریقہ کے بعد سب سے زیادہ سرمایہ کاری شام میں کر رکھی تھی جسے عالمی طاقتوں نے نیست ونابود کردیا۔اسی طرح داعش کے ذریعے نورالمالکی

اور صدر بشارالاسد کو سبق سکھانے کے بعد اسی کے خلاف کاروائی کی جارہی ہے۔کوشش کی جارہی ہے کہ روس کریمیا وبحیرروم کے ذریعے اسرائیل کے سر تک نہ پہنچ سکے ۔بڑی تگ ودو کے ساتھ مشرق وسطی میں مسلم ممالک اور چین وروس کی صلاحتیوں کو جنگ زدہ کرنے کی خاطر کوشش کی گئی ہے اوراب پاکستان کو اس لیئے دور رکھا جارہا ہے تاکہ وہ اس گند کو صاف نہ کرسکے۔اسی لیئے بھارت میں

انتہاپسندی کو بھی شہ دی جارہی ہے تاکہ اگر پاکستان کی طبیعت میں مسلمانوں کی حالت دیکھ کر تکدر آئے تو اسے بھارتی انتہاپسندی کے ذریعے دبادیا جائے۔

پاکستان کی اقتصادی راہداری اس کی تاریخ کا سب سے بڑا اکنامک منصوبہ بننے جارہاہے۔پاکستان اپنے اندر ہی دہشت گردی کی جنگ لڑ رہاہے ایسے حالات میں پاکستان کسی ملک میں مداخلت کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔سوال اگر یہ ہے کہ اجمل قصاب پاکستانی تھایانہیں ؟توکیایہ سوال نہیں ہے کہ اجمل قصاب کا جرم کتنا تھایا بمبئی حملے کی سازش میں کس خفیہ ایجنسی کا ہاتھ تھا؟اگر بھارت بمبئی حملہ پر تحقیق کرے تو شاید اس کا ہاتھ اپنوں کے ہی گریبان تک جائے۔اقتصادی راہداری بھارت سمیت دنیا کو نہیں بھارہی ۔عالمی سامراج پاکستان کو مشرقِ وسطی کے معاملات سے دور رکھنا چاہتاہے کیونکہ اس نے بڑی تگ ودو کے ساتھ وہاں شعیہ سنی فساد کا ماحول تیار کرکے عرب وعجم کو تباہ کرنے کا منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچاناہے ۔چین وروس نے افریقہ کے بعد سب سے بڑی سرمایہ کاری شام میں کی تھی ان ممالک کو سبق سکھانے کیلئے اس نے شام کو تباہ کردیاہے۔پاکستان کو قضیئے سے دور رکھنے کیلئے بھارت میں انتہاپسند طبقے کو تیار کیا جارہاہے۔پاکستان اس تبدیل ہوتی صورتحال میں اقتصادی راہداری کی تکمیل سے فائدہ اٹھاسکتاہے کیونکہ اقتصادی راہداری سے چین کے معاشی فوائد بڑے پیمانے تک پاکستان سے منسلک ہوجائیں گے اور وہ کبھی بھی پاکستان کے امن

کو خراب نہ ہونے دے گا۔

ان تمام مسائل جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے کا پر امن حل وقت کی اشد ضرورت ہے۔پاکستان نے پٹھان کوٹ مسئلے میں تعاون کا یقین دلایا ہے نہ کہ یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ہمارے علاقے کی حدود یا لوگ استعمال ہوئے ہیں یا کیئے گئے ہیں ابھی تحقیقات ہونا باقی ہیں۔ماضی کی نسبت اس لیئے مذاکرات تگڑے نظر آ رہے ہیں کہ وزیر اعظم پاکستان سمجھتے ہیں کہ مودی سرکار با اختیار ہے۔دونوں ممالک کو اپنے تمام پیچیدہ مسائل بات چیت کے ذریعے ہی حل کرنا ہونگے اور الزام تراشی کی فضا سے بچنا ہوگا۔کیا بھارت نے کبھی سوچا ہے کہ ستمبر 2015 میں بڈھ بیر سانحہ کو پاکستان نے کسی ملک سے نہیں جوڑا تو پھر وہ کیوں بناء ثبوت کے چڑھ دوڑتا ہے۔

ان تمام تر حالات میں اگر دونوں ممالک سمجھ بوجھ کا مظاہرہ کریں تو امن مذاکرات کو کامیاب کروا کر انتہا پسندوں کے منہ پر طمانچہ رسید کر سکتے ہیں۔اس کیلئے یہ مصرعہ یاد رکھنا ہوگا

یہ کیسے ممکن ہے بھلا کہ ظلم بھی رہے اور امن بھی ہو

وزیراعظم کا دورہ سرن

سائنس اور اقتصادیات کی ترقی کے بغیر ترقی کا خواب کسی شاعر کی تخلیق کردہ ریاست سے بھی زیادہ خیالی معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ انتہاپسندی نے زور پکڑا ہے جس پر گرفت حاصل کرکے ہی اپنی معیشت کو چار چاند لگائے جاسکتے ہیں۔ پاکستان سمیت دنیا اسوقت جس مرحلے سے گزر رہی ہے اس حقیقت کے آئینے میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان کو ایسے حالات میں اندرونی حالات کو بہتر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی خارجہ پالیسی میں ہنگامی اصلاح اور بین الاقوامی فورم پر اپنا ایجنڈا' مسائل اور اپنی تگ و دو پیش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اقوام عالم حقیقی حالات سے آشنا ہوں اور امن کی جانب پاکستان کے بڑھتے ہوئے قدموں کی حوصلہ افزائی کریں تاکہ یہاں سرمایہ کاری کے مواقع بڑھیں اور جدید دنیا کی ٹیکنالوجی سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملے۔

وزیراعظم پاکستان اپنے طے شدہ دورے پر یورپی ایٹمی ادارے سرن پہنچے جہاں سرن کی ڈائریکٹر جنرل نے ان کا استقبال کیا۔ ورلڈ ویب کی تخلیق سرن کی سب سے بڑی کاوش ہے جس سے گرڈ کی راہ میں موجود بیریئرز کا خاتمہ ہوا ہے۔۔ اس موقع پر انہوں نے پاکستان کے سائنسدانوں اور انجینئرز کو سراہا جن کی کاوشوں کی بدولت

جولائی 2015 کو پاکستان اس ادارے کا پہلا غیر یورپی ایسو سی ایٹ ممبر بنا۔ سرن کی 31 ممبر شپ کی بدولت پاکستانی سائنسدان اس ادارے کے رکن بن سکیں گے نیز سرن کی ٹریننگ 'کیریئر ڈویلپمنٹ پروگرام اور سرن کونسل میں بھی شرکت کر سکیں گے۔ وزیر اعظم نے سرن کے مختلف سیکشن کا دورہ بھی کیا اور اسکی ستائیس کلومیٹر لمبی سرنگ بھی دیکھی۔ پاکستان 2003 سے ایکوپمنٹ فراہم کرکے سرن پروگرام کی سپورٹ کر رہا ہے جبکہ سرن سے پاکستان کا تعلق 1994 سے شروع ہوا۔ پاکستان کا ہیوی مکینیکل کمپلیکس 2006 میں سرن کا بیسٹ انڈیسٹریل پارٹنر کا ایوارڈ بھی جیت چکا ہے۔ یورپی ایٹمی ادارے سرن کی ڈائریکٹر جنرل نے کہا کہ پاکستان کی ایلیمنٹری پارٹیکل فزکس میں جستجو و تحقیق کی بڑی لمبی تاریخ ہے۔ پاکستان نے اس شعبہ میں ڈاکٹر عبدالسلام اور معروف سائنسدان پیدا کیئے۔

سرن کا یہ دورہ کسی بھی بڑی پاکستانی شخصیت کا پہلا دورہ ہے۔ وزیر اعظم کا یہ دورہ ان کی سائنس وطبیعات میں دلچسپی اور ترقی کے عزم کو ظاہر کرتا ہے۔ اس دورے میں وہ یو۔ ایس کے وائس پریزیڈنٹ جو بائڈن 'سیکرٹری سٹیٹ جان کیری' ورلڈ بینک کے صدر اور مختلف بڑی شخصیات سے ملے اور پاکستان کے مفادات 'تحفظات اور پاکستان میں قیام امن سمیت ملکی مفاد کے بہت سے مسائل زیر بحث لائے۔ اس دوران وزیر اعظم نے سرن میں دنیا کے سب سے بڑے پارٹیکل کولائیڈر سی ایم ایس کا دورہ کیا۔ اس دورے میں وزیر اعظم نے کفایت شعاری کا مظاہرہ کیا اور چھوٹے جہاز پر

سفر کیا۔ وفد کے ارکان کی تعداد بھی کسی حد تک محدود تھی۔ جب کہ اسی دورے کے دوران وہ دو اسلامی ممالک میں گرم ہوتی ہوئی سرد جنگ کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا نیک فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ عرب و عجم کی جنگ درحقیقت اسلام کی قوت کو پاش پاش کرنے کی منظم سازش ہے جس میں ہماری حماقتوں کا دخل بھی ہے اور ان ممالک کے توسیع پسندانہ عزائم کا نتیجہ بھی۔ سعودیہ عرب اور ایران کی جنگ جہاں پاکستان کے اندر فقہی لہرا سکتی ہے وہیں پاکستان کے سٹیٹجک اور معاشی معاملات کو بھی زک پہنچا سکتی ہے' اس تصفیے کے ساتھ ساتھ پاکستان کو ہر دو ممالک کے پاکستانی عوام پر اثرانداز ہونے والے عوامل کو زیر غور لانا ہوگا اور اس اثر کو کسی حد تک زائل کرنے کی سعی بھی کرنا ہوگی۔

۔جینیوا روانگی سے قبل میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان کو قائداعظم کے خوابوں کی تعبیر بنارہے ہیں۔ یوتھ لون سکیم میں عورتوں کیلئے پچاس فیصد مختص کیئے۔ سوئٹزرلینڈ میں موجود سرن کی ڈائریکٹر جنرل فلیبی اولاگنوتی نے جناب میاں محمد نواز شریف کو سائنس اور طبیعات کے شعبے میں یورپی ادارے سرن کی خدمات کے بارے آگاہ کیا۔ وزیراعظم نے کہا کہ پاکستان کی اس ایسوسی ایٹ رکنیت نے باہمی تعاون کی مزید راہیں ہموار کی ہیں اور اس کے نتیجے میں سرن اور پاکستان سائنٹیفک کمیونٹی کے مابین طویل المدتی شراکت داری قائم ہوگی۔

ورلڈ اکنامک فورم ایک ایسا مقام ہے جہاں 2500 سے زائد اکنامک ' مذہبی' آرٹ ' سول سوسائٹی سے تعلق رکھنے والے افراد شرکت کرتے ہیں۔ یہ فورم اپنے موسم سرما میں ہونے والے سالانہ اجلاس کے تئیں مشہور و معروف ہے جو کہ ہر سال باقاعدگی سے پانچ دن جاری رہتا ہے۔ اس اجلاس کی مدت انیس سے تئیس جنوری تک تھی جس میں دو سو پچاس کے قریب نشستیں ہونا تھیں۔ ڈیوس میں ہونے والے اس 46 اجلاس کا اصل ایجنڈا ''چوتھا صنعتی انقلاب '' تھا۔ ورلڈ اکنامک فورم کے بانی اور ایگزیکٹو چیئرمین پروفیسر کلاؤس شوآب کہتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں بہت سے مسائل کا سامنا ہے مگر جو اصل چیلنج ہے وہ چوتھے صنعتی انقلاب کی آمد کا راستہ ہموار کرنا ہے۔ یہ فورم دنیا کو ایک ایسی سوچ فراہم کرتا ہے جس سے دنیا میں اشتراک کے ساتھ چلنے کی سوچ جنم لیتی ہے اور انفرادیت کے بجائے اجتماعیت کی جانب راغب کرنا اس کے قیام کا سبب بتایا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں جب نفسا نفسی کے اس عالم میں ریاستیں اپنے مفادات کی جنگ لڑ رہی ہیں ' تیسری دنیا کے سیاستدان جدید نظریات اور قابلِ عمل و دیرپا اصلاحات کے بجائے وقتی فوائد کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایسے اقدامات کر رہے ہیں جس سے اقوام عالم کو خطرات لاحق ہے تو ایسے میں کسی نیوٹرل' غیر ریاستی و غیر جانب دار ادارے کی موجودگی فائدہ مند ہو سکتی ہے۔

وزیر اعظم پاکستان نے ورلڈ اکنامک فورم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اسوقت دہشت گردی سے پاک ملک بن چکا ہے۔ اکا دکا واقعات کا یہ مطلب نہیں کہ

پاکستان کو دہشت گردی نے یرغمال بنایا ہوا ہے یا انتہا پسندی فروغ پا رہی ہے۔ دنیا بھر سے آئے ہوئے اقتصادی ماہرین کے سامنے وزیر اعظم نے ضرب عضب کے مثبت نتائج کا موثر انداز میں ذکر کیا۔ وزیر اعظم نے اس بات کا اعتراف کیا کہ کسی بھی ملک میں تعمیر و ترقی کیلئے امن و امان بنیادی ضرورت ہے۔ ورلڈ اکنامک فارم نامی یہ تنظیم کسی ملک 'لابی کے زیر اثر نہیں' یہاں سرمایہ کاری کے مواقع 'اقتصادی حالات اور اس سے جڑے دیگر امور بین الاقوامی ماہرین کے زیر بحث آتے ہیں۔

وزیر اعظم پاکستان نے بین الاقوامی اور سوئس سرمایہ کاروں کو پاکستان کے ٹیلی کام 'اربن ڈویلپمنٹ 'زرعی انڈسٹری' ٹیکسٹائل اور انفراسٹریکچر میں سرمایہ کاری کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ ان تمام شعبوں میں بہترین و پر کشش مواقع موجود ہیں۔ سرمایہ کاری کرنے والوں سے تجارتی مرحلوں پر حکومت مکمل تعاون کریگی۔ وزیر اعظم نے عالمی ماہرین کو پاک چین اقتصادی راہداری سے متعلق آگاہ کیا اور ان کے اعتماد میں اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان و چین کا یہ منصوبہ خطہ میں گیم چینجر ثابت ہوگا۔ اس منصوبے سے شاہراہوں کی تعمیر 'ٹرانسپوٹیشن' اور توانائی کے شعبوں میں ترقی ہوگی جس سے نہ صرف یہ دو ہمسایہ ممالک بلکہ وسط ایشیا سے لے کر مشرقی وسطی بلکہ افریقہ تک کے ممالک کیلئے یہ منصوبہ سود مند ثابت ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر شو آب نے پاکستانی

ترقی کی تعریف کی جب کسی اور کے منہ سے بندہ تعریف سنتا ہے تو زیادہ اچھا لگتا ہے۔
نے اپنی حالیہ برس کی رپورٹ میں سب سے زیادہ ((wef ورلڈ اکنامک فورم یعنی
تشویش وپریشانی کا سبب تیزی سے بدلتی ہوئی موسمیاتی صورتحال کو قرار دیا ہے۔اس خطہ
ء زمین اور اس پر موجود تخلیقات کو تباہ کرنے والے ہتھیاروں اور جبری ہجرت کو عالمی
امن کیلئے خطرہ قرار دیتے ہوئے اس پر قدغن کے بارے سوچ بچار کی گئی ہے۔اس
دوران ٹیکنالوجی کی رفتار اور اس سے سیاست کی مطابقت ٗ بے روزگاری ٗ عدم
اعتماد اور سائبر سپیس پر سیر حاصل بحث کو ضروری قرار دیا گیا۔

ڈیوس 2016 میں افغان صدر اشرف غنی ٗ جرمن صدر جوشم گاؤک ٗ برطانوی وزیر اعظم
ڈیوڈ کیمرون ٗ ترک صدر احمد اوگلو ٗ سری لنکن وزیر اعظم رانیل وکرم سنگھے ٗ جنوبی
افریقا کے صدر جیکب زوما ٗ اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو ٗ کینیڈین وزیر اعظم جسٹن
ٹروڈو ٗ جرمن صدر جوشم گاؤک ٗ امریکہ کے وزیر خارجہ جان کیری ٗ نائب
صدر جو بائیڈن ٗ وزیر دفاع ایشن کارٹر ٗ وزیر اعظم پاکستان اور وزیر خزانہ اسحٰق ڈار کے
علاوہ سینکڑوں بزنس مین ٗ اعلی حکام اور سربراہان مملکت شریک ہوئے۔

سائیڈ سٹوری:

سرن کو انگریزی زبان میں یورپیئن آرگنائزیشن فور نیوکلیئر ریسرچ

کہاجاتاہے۔جبکہ فرانسیسی زبان میں Organisation européenne pour la
کہاجاتاہے۔آج سے 61برس قبل 1954 میں بارہ بانی recherche nucléaire
ممالک نے اس کے قیام میں حصہ لیا۔اسکی سرکاری زبانیں انگریزی اورفرانسیسی
ہیں۔دنیامیں ’’ذراتی طبیعات‘‘کی یہ سب سے بڑی تجربہ گاہ جینیواکے شمال مغربی
مضافاتی علاقے میں فرانس وسوئس باڈرکے قریب واقع ہے۔اس وقت اس کے رکن
ممالک کی تعداد 21 ہے جن میں اسرائیل مکمل رکنیت والاواحد غیریورپی ملک ہے جبکہ
پاکستان اورترکی معاون رکن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ترکی نے بارہ مئی 2014
اورپاکستان نے 19دسمبر 2014 کوایسوسی ایٹ ممبرکے معاہدے پردستخط کیئے۔اس کے
بانی ارکان میں بیلجیئم
ڈنمارک‘فرانس‘جرمنی‘یونان‘اطالیہ‘نیدرلینڈ‘ناروے‘سویڈن‘سوئٹزرلینڈ‘مملکت‘
متحدہ اوریوگوسلاویہ شامل ہیں جنھوں نے 29 ستمبر 1954 کواسکی بنیادرکھی۔جبکہ اسکے
منظورارا کین میں آسٹریا(1959) ہسپانیہ)1983(۔پرتگال(1986) فن
لینڈوپولینڈ انیس سوا کیانوے‘مجارستان 1992‘چیک جمہوریہ وسلواکیہ1993‘بلغاریہ
اوراسرائیل 2014 میں مکمل رکن بنا۔1999
سرن کی اصطلاح عمومی طورپرایک ایسی تجربہ گاہ کیلئے استعمال کی جاتی ہے جہاں2013
تک 608جامعات وتحقیقاتی اداروں کا‘دوہزارپانچ سوتیرہ افرادپرمشتمل عملہ‘
معاونین عملہ‘شاگرد‘مہمان‘سائنسدان اورانجینئرشریک ہوچکے 12,313

تھے (وکی پیڈیا)۔

سائیڈ سٹوری:

ورلڈاکنامک فارم کی بنیاد جرمن نژاد پروفیسر کلاؤس شوآب نے آج سے 45برس قبل 1971 میں رکھی۔اس کاپہلانام ''یورپین مینجمنٹ colongy میں جینیوا کے مقام فورم'' تھاجسے 1987 میں تبدیل کرکے ڈبلیو۔ای۔ایف کردیاگیااوراسکے ساتھ ہی اسکے ویژن میں دنیامیں موجود تمام تنازعات کو مشترک اندازسے حل کرنے کاعندیہ دیاگیا۔یہ ایک غیر منافع بخش وغیر سرکاری تنظیم ہے۔جسے اس کی ممبرایک ہزار کمپنیاں فنڈفراہم کرتی ہیں۔

یہ تنظیم ''ڈیوس''میں ہونے والی سالانہ میٹنگ سے معروف ہے جوکہ پانچ دنوں پرمشتمل ہوتی ہے۔جبکہ یہ 6 ریجنل میٹنگز لاطینی امریکہ اورایسٹ ایشیامیں بھی بلاتی ہے اورمزید دوسالانہ میٹنگزچائنہ اور عرب امارات میں ہوتی ہیں۔اسی ادارے کے تحت 2001 میں گلوبل انفارمیشن ٹیکنالوجی ریسرچ رپورٹ شائع ہوئی'گلوبل جینڈرگیپ رپورٹ جس میں دنیامیں مرد وعورت کے درمیان نابرابری پر تحقیق تھی'گلوبل رسک رپورٹ 2006جس میں دنیاکو درپیش خطرات کاجائزہ لیاگیا'اور2007میں اسی ادارے کے تحت گلوبل ٹریول اورٹوارزم رپورٹ پیش کی گئی۔

سیدہ رابعہ بصری

سیدہ رابعہ بصری کی ولادت بصرہ کے نہایت متقی وپرہیزگار زاہد شیخ اسماعیل کے گھر 95 یا ننانوے ہجری میں ہوئی۔ شیخ اسماعیل ایک سفید پوش بزرگ تھے' تنگ دستی اس انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ گھر میں موجود ہر شخص کے کپڑوں کے پیوند بھی بوسیدہ ہوچکے تھے' شیخ اسماعیل کے ہاں تین بیٹیاں تھیں' جب چوتھی کی پیدائش ہوئی تو چراغ میں جلانے کیلئے تیل بھی موجود نہ تھا' تین بیٹیاں موجود تھیں اسی نسبت سے آپ کا نام رابعہ رکھا گیا' عربی میں رابعہ چوتھی چہارم کو کہتے ہیں۔زوجہ نے کہا کہ ''جایئے! کسی سے تیل لے آیئے'' شیخ اسماعیل جنھوں نے کبھی کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کیا تھا تذبذب کا شکار ہوگئے لیکن موقع ہی نازک تھا چنانچہ ہمسائے کے گھر دستک دی اتنی رات گئے بھلا مخلوق کہاں مخلوق کی تشنگی بجھایا کرتی ہے یہ کام تو خالق کا ہے ناکام' لوٹ آئے اور بیوی کے اس سوال پر کہ ہمسایہ نے تیل نہیں دیا' فرمایا! بھلا جو غیر اللہ کے آگے ہاتھ پھیلائے اسے پہلے کبھی کچھ ملا ہے جو اب ملے گا؟۔اسی رات رحمت العالمین' سرورِ کائنات' محبوبِ خدا سیدنا محمد ﷺ کا دیدار نصیب ہوا' سرکار دوجہاں ﷺ نے خواب میں شیخ اسماعیل کو فرمایا: (مفہوم) اسماعیل! غم نہ کر! تیرے ہاں اس باسعادت بچی کی ولادت ہونے والی ہے جو میری امت کے ہزارہا لوگوں کے لیئے مشعلِ راہ ثابت ہوگی' اس کے

روحانی مرتبہ سے اہل دنیا کو فیض پہنچے گا' تم عسرت و تنگدستی کی وجہ سے افسردہ ہو تو کل صبح حاکمِ بصرہ کے پاس چلے جانا' ہماری طرف سے ایک خط حاکم کے نام لکھنا' اس میں لکھنا کہ تم ہر روز 100 مرتبہ درود ہم پر بھیجا کرتے تھے اور ہر جمعرات تم ہم پر چار صد مرتبہ درود بھیجا کرتے تھے' گزشتہ جمعرات تم نے ہم پر درود نہیں بھیجا لہٰذا کفارہ کے طور پر ہمارے اس بندے کو چار سو دینا دے دو۔ افسردگی و بے بسی کے آنسو لیئے جو شخص رات کو سویا تھا' اگلی صبح اسکی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے کہ سرکارِ دو عالم نے یاد فرمایا' بشارت دی' اور اپنے ہی در سے دیا۔ اپنی حیات میں صابر و شاکر رہنے والے اور خدا کے سوا کسی کے آگے سوال نہ کرنے والے شیخ اسماعیل اب حسنینؑ کریمین کے نانا کے حکم پر حاکمِ بصرہ عیسیٰ زروان کے پاس پہنچے تو خط پڑھ کر وہ آبدیدہ ہو گیا اور آنے والی مبارک ہستی کو شکریہ کے ساتھ چار سو دینار دیئے' دس ہزار غرباء میں تقسیم کیئے اور شیخ اسماعیل سے ادب سے کہا کہ پھر بھی ہمارے لائق ہو تو ہمیں یاد فرمایئے گا آپ کی وجہ سے مجھے میرے محبوب نے یاد فرمایا۔

دورِ ابتلاء و آزمائش

شیخ اسماعیل اس چوتھی معصوم دختر کے عادات و اطوار سے متاثر ہوتے' اسکی بے نیازی' اندازِ گفتگو اور طرز عبادت دیکھا تو پکار اُٹھے یہ لڑکی مختلف ہے۔ ابھی عفت ماب رابعہ کی عمر مبارک بمشکل پانچ برس ہی تھی کے والد کا سایہ شفقت

سر سے اُٹھ گیا‘کچھ عرصہ بعد والدہ ماجدہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔اسکے بعد ان چار بہنوں کا گزربسر کس طرح ہوااس حوالے سے معتبرومصدقہ روایات سامنے نہیں آتیں۔ قیاس کیاجاتاہے کہ کسی عزیزکے زیرسایہ یہ وقت گزرا۔اورپھر105ہجری کے نزدیک بصرہ نے وہ خون آشام شامیں دیکھیں کہ بقول سعدی یار لوگ عشق وعاشقی کرنا بھول گئے

یکے قحط سالی شد اندر دمشق

کہ یاراں فراموش کردند عشق

اسیری وآزادی

ایک روایت کے مطابق آپ کوآپ کے رشتہ داروں نے فروخت کردیا۔دوسری روایت کے مطابق جب چاروں بہنیں بھوک پیاس سے تنگ آکر ہجرت کررہی تھیں توکسی ڈاکونے آپ کو اغواکرلیااورپھر’’عتیق‘‘نامی تاجرکے ہاتھوں فروخت کردیا۔

آپ کادورِغلامی شروع ہوا۔تصوف کی دنیاکی پہلی باقاعدہ خاتون دن رات اپنے دنیاوی مالک کے گھرکے کام کاج کرتی اورتھکاوٹ سے چورہونے کے باوجود شب بھراپنے حقیقی مالک کی بارگاہ میں حاضررہتی۔نوبرس کی عمر‘حزن وملال‘والدین کی ہمیشہ کیلئے جدائی‘بہنوں سے بچھڑنااورظالم آقاکی غلامی کوئی شہ بھی اس

گوہر کو نایاب بننے سے نہ روک سکی 'مگر بالی عمر میں اس قدر بوجھ نے کمزور کر دیا' مالک نے کہا کیا تم بیمار ہو؟ فرمایا! کیوں کیا کام میں کوتاہی ہوئی ہے؟ مالک نے نفی میں جواب دے کر آپ کے کام کی تعریف کی اور صحت کا خیال رکھنے کو کہا تو آپ نے خاموشی اختیار کر لی۔ عتیق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے زیرِ تسلط افراد سے بہت مشقت کراتا اور جبر واستبداد اسکی فطرت میں شامل تھا۔

ایک رات عتیق کی آنکھ کھلی تو گھر میں سے مناجات کی آوازیں سنیں۔ تجسس سے آواز کی طرف بڑھا اور قدم اسے سیدہ رابعہ کے کمرے تک لے گئے۔ ادھر جا کر کیا دیکھتا ہے کہ دن بھر مستعدی سے کام کرنے والی معصوم بچی بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہے اور اپنے رب سے عجز وانکساری سے مخاطب ہے "اے میری حقیقی معبود و محبوب! میں تیری بارگاہ میں دیر سے حاضر ہوتی ہوں مجھے معاف فرما۔ تجھے معلوم ہے کہ میں اپنے لمحہ لمحہ کو تیرے ذکر اور تیری یاد کے موتیوں سے سجانا چاہتی ہوں مگر دن کو مجھے دنیاوی مالک کی فرمانبرداری تیری جانب آنے سے روکتی ہے 'اگر تو نے مجھے اپنی مخلوق کی غلامی میں نہ دیا ہوتا تو ایک لمحہ بھی تجھ سے غافل نہ رہتی"۔ آواز میں اس قدر سوز و گداز اور خلوص تھا کہ رب کی محبت سے سرشار اس معصوم بچی کے الفاظ نے تاجر کے دل پر قیامت ڈھا دی ۔اب وہ بدل چکا تھا اور شب بھر توبہ کرتے گزار دی۔ صبح آپ سے معافی طلب کی اور عرض کی کہ اس گھر میں رہنا چاہیں تو آزاد رہیں اور اسے میں اپنے لیئے خوش بختی تصور کروں

گااور اگر جانا چاہیں تو میری طرف سے اجازت ہے۔۔ عشق و محبت کی اس تصویر نے فرمایا مگر میرے پاس تیری ادا کی ہوئی قیمت نہیں ہے۔تاجر نے کہا ”قیمت یہی ہے کہ مجھے معاف کر دیجئے“۔آپ نے اسے معاف کر دیا اور کہا میں تنہا رہ کر خدا کی عبادت کرنا چاہتی ہوں اور وہاں سے رخصت ہو گئیں۔

حصولِ علم

عتیق سے رہائی پا کر آپ اپنی علمی تشنگی بجھانے کیلئے بصرہ سے کوفہ تشریف لے گئیں۔کوفہ اسوقت تعلیمی میدان میں سورج کی مانند چمک رہا تھا' آپ نے اس روشنی سے اس قدر اپنے آپ کو منور کیا کہ آپ کے معاصر فقیہ و محدث' آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کو باعثِ فضیلت سمجھتے تھے۔حضرت سفیان ثوری جیسے معتبر و جید محدث بڑی عقیدت سے سیدہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے۔

حضرت رابعہ ذہین و فطین تھیں۔آپ حافظہ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی علوم اور حدیث پر عبور رکھتی تھیں۔بصرہ میں رہائش پذیر ہوئیں تو آپ کے زہد و تقوی اور علمی کمالات کی خوشبو ہر سو پھیل گئی' جید علماء کی ایک بڑی تعداد آپ کی مجلس سے فیض یاب ہوئی'اسی طرح اپنے زمانے کے مستند' جید' اور قابل اساتذہ کی محفلوں میں شریک ہو کر آپ بھی اپنی علمی تشنگی بجھاتی رہتیں۔

قلندری

بعض سیرت نگاروں نے اپنی روایات سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سیدہ کا تعلق تصوف کے قلندری مسلک سے تھا۔ قلندری ایسے صوفیاء کو کہتے ہیں جو بظاہر عبادت نہیں کرتے مگر سیدہ کا تو کوئی لمحہ 'کوئی سانس بھی رب ذوالجلال کے ذکر سے خالی نہ گئی۔ اسی حوالے سے آپ کو آدھی قلندر بھی کہا جاتا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ دنیا میں اڑھائی قلندر ہوئے ہیں 'جن میں سے ایک حضرت بو علی قلندر 'دوسرے حضرت لعل شہباز قلندر اور آدھی سیدہ رابعہ۔

سیرت کے واقعات

ایک مرتبہ امیرالمومنین فی الحدیث حضرت سفیان ثوری آپ کی عیادت کیلئے خدمت میں حاضر ہوئے اور بصدادب خاموش بیٹھے تھے کہ چمنِ حیدری کی برگزیدہ ہستی نے خود ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

'' فرمایئے

حضرت سفیان نے کہا

''اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کو اس دکھ سے نکالے''

سیدہ رابعہ نے فرمایا

''کیا تمہیں علم نہیں کہ یہ بیماری مالک کے حکم سے ہے؟''

حضرت سفیان نے فرمایا

''آپ نے بالکل درست فرمایا''
آہستہ سے سیدہ نے فرمایا کہ پھر ''میں اس رفیق کی مرضی کےخلاف کیسے عرضی گزار سکتی ہوں''
حضرت سفیان نے سوال کیا کہ آپ کو سب سے شدید تمنا کیا ہے؟
سیدہ یوں گویا ہوئیں ''سفیان تم اہل نظر ہو کہ ایسی گفتگو کیوں کرتے ہو۔مجھے گزشتہ بارہ برس سے تازہ خرمے کھانے کی خواہش ہے اور تم یہ بھی بخوبی جانتے ہو کہ اس دھرتی پر خرمے کس قدر ارزاں ہیں اور کتنی بے مائگی سے فروخت ہوتے ہیں مگر تم بہتر جانتے ہو کہ میں غلام ہوں اور غلام اور خواہش کا جوڑ نہیں۔اگر میں کسی شہ کی تمنا کروں (اور وہ میرے آقا کو پسند نہ ہو تو پھر یہ سراسر انکارِ یار ہوا۔'' (مفہوم
درِ حیدر کی اس عارفانہ گفتگو کو سن کر سفیان ثوری نے عرض گزاری کہ میں آپ کے معاملات میں دخل دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔
حضرت فریدالدین عطار نے حضرت رابعہ بصری کی کرامات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غزلانِ صحرا دوڑ دوڑ کر سیدہ کی بارگاہِ مقدس میں حاضری دیتے۔لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ یہ تو بنی آدم سے دور بھاگتے ہیں پھر آپ سے اس قدر انس کی

کیاوجہ ہے؟سیدہ نے فرمایا''ہرنیاں ان سے خوفزدہ ہوتی ہیں جوان کا گوشت کھاتا ہے۔
''

ایک مرتبہ ایک گروہ نے سیدہ کوتکلیف دینے کی خاطر پردے کی آڑ میں آپ سے تین سوال کرتے ہوئے کہاکہ مردوں کو عورتوں پر اللہ نے تین فضیلتیں دی ہیں۔اول: مردوں کی عقل کامل ہوتی ہے اور عورتوں کی ناقص۔اسی بناء پر ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کے برابر ہے۔دوم: عورتیں ناقص الدین ہوتی ہیں کہ انھیں ہر ماہ کچھ دن نماز سے محروم رہناپڑتاہے۔سوم یہ کہ کسی عورت کوآج تک نبوت کے مقام پر فائز نہیں کیاگیا۔
کم عقل آپ کو علمی مات دے کر مسرور وشادماں ہوناچاہتے تھے یہ نہ معلوم تھاکہ اس ہستی کی رگوں میں اس مبارک آشیانے کامقدس خون ہے جس نے دربارِ یزید میں لہجہِ حیدر میں بات کی'جس نے ابنِ زیاد جیسے رعونت بھرے متکبر حکمران کو للکارا۔سیدہ نے نہایت صبر و تحمل کامظاہرہ کرتے ہوئے فرمایاکہ اللہ نے تین ایسی فضیلتیں عورتوں کو عطا کی ہیں جن سے مرد کامل محروم ہیں۔اول آج تک کسی عورت نے خدائی کادعوی نہیں کیا۔یہ کام بھی مردوں ہی نے انجام دیا۔دوم عورتوں کے ہاں مخنث نہیں ہوتے۔سوم یہ تودرست ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں بنی لیکن یہ بات بھی عیاں ہے کہ جتنے بھی شہدا'انبیاء اور صدقا گزرے ہیں انھوں نے

عورت ہی کے بطن سے جنم لیا ہے۔ سیدہ کی بات نے انھیں لاجواب کردیا اور وہ خاموشی سے اُٹھ کر چلے گئے۔

سیدہ کم گو تھیں۔ مختصر اور مدلل گفتگو فرماتیں۔ زیادہ وقت تنہا رہ کر اپنے رب کی عبادت کرتیں۔ دوسری صدی ہجری کو صوفیاء کی صدی کہا جاتا ہے اس میں سیدہ رابعہ کی ہستی نے جو مقام حاصل کیا وہ رہتی دنیا تک عورتوں کیلئے باعثِ فخر رہے گا۔

بہار کے دنوں میں ایک مرتبہ موسم نہایت ہی خوشگوار تھا' مگر محب کو محبوب سے فرصت ہو تو کسی اور شہ کو دیکھے۔ آپ کی خدمت گار خاتون نے کہا کہ سیدہ باہر تشریف ''لا کر صانع حقیقی کی قدرت کا نظارہ کیجئے

سیدہ نے فرمایا ''تو اندر آ اور آ کر صانع حقیقی کو دیکھ۔ میرا کام صانع کو دیکھنا ہے نہ کہ صانع کی صنعت کو''۔

اندازِ عبادت

سیدہ کا عبادت کرنے کا انداز والہانہ و عجیب تھا۔ معرفت کا یہی منفرد انداز آپ کی پہچان بنا۔ سیدہ حالت جذب میں ایک ہاتھ میں آگ اور ایک میں پانی لے کر دوڑی جا رہی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا ''یہ پانی کس لئے ''فرمایا ''اس سے جہنم کی آگ بجھاؤں گی کہ لوگ اس کے خوف سے عبادت کرتے ہیں۔ پھر لوگوں نے پوچھا ''تو یہ

آگ کس لئے ''فرمایا''اس آگ سے جنت کو جلا کر راکھ کردوں گی کہ لوگ اس کے لالچ میں میرے محبوب کی عبادت کرتے ہیں''۔آہ! کیسی کمال محبت عطاء ہوئی۔

وفات

عفت ماب محترمہ رابعہ نے 180 ہجری میں بصرہ میں ہی وفات پائی۔

زہدوعبادت'محبت الٰہی 'سرشاری'جذب وکیف میں یکتااورایسی باعصمت خاتوں تھیں کہ بقول شاعر

دامن نچوڑ دیں توفرشتے وضو کریں۔

مطالعہ : سیرت رابعہ بصری'وکی پیڈیا

حضرت سلطان باہو

حضرت سلطان باہو 17 جنوری 1630 بمطابق 1039 ہجری 'یکم جمادی الاول کو قصبہ شور کوٹ ضلع جھنگ (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔وقتِ سحر جنم لینے والی اس مادرزادولی ہستی کے والد مغل شہنشاہ شاہجہان کی افواج میں ایک معزز عہدے پر فائز تھے۔مغل شہنشاہ نے آپ کے والد جناب بازید محمد کو شور کوٹ کے نزدیک ایک گاؤں قہرگاں کی جاگیر عطا کی ہوئی تھی'آپ کے خاندان کی نسبت سے بعد میں اس جاگیر کے علاقہ کو ''اعوان شریف''کے نام سے پکارا جانے لگا۔آپ کی والدہ ماجدہ ایک عفت ماب وعابدہ زاہدہ خاتون تھیں'ایک روایت کے مطابق انہیں آپ کی پیدائش سے قبل آپ کو ملنے والی منزل کا پتہ دیا گیا تھا'جس کا حوالہ آپ کے کلام میں ملتا ہے

نام باھو مادر باھو نہاد

زانکہ باھو دائی باھو نہاد

ترجمہ: باہو کی ماں نے اس کا نام باہو رکھا کیونکہ باھو ہمیش ''ھو''کے ساتھ رہا (واللہ اعلم)

شجرہ نسب

آپ علوی ہیں'جن کا شجرہ نسب شیر خدا'دامادِ رسول ﷺ 'فاتحِ خیبر سیدنا علی

مرتضی سے جاملتاہے۔آپ حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد میں سے ہیں۔

مرشد کی تلاش

آپ نے ابتدائی تربیت اپنی والدہ ماجدہ حضرت راستی بی بی سے حاصل کی۔ سلوک کی راہوں کے اصول کے مطابق آپ کو مرشد کی تلاش لازم تھی' اس لیئے آپ نے پہلے پہل بغداد شریف کے ایک بزرگ حبیب اللہ قادری کی بیعت کی مگر سمندر کی طلب رکھنے والے اس طالبِ حق کو قرار نہ آیا اور خوب سے خوب تر کی جستجو انہیں دیارِ وطن سے دور لے چلی۔

اس کے بعد آپ تلاشِ حق میں دہلی جا پہنچے اور پھر حضرت عبدالرحمٰن دہلوی کے دستِ مبارک پر بیعت کرکے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ راہِ حق کو پانے کے بعد آپ اپنے مرشد کے حکم پر تبلیغ اسلام کے داعی بن گئے۔

ایک روایت کے مطابق لڑکپن میں آپ کو حسنین کریمینؑ کے باباسرکارِ دوجہاں کی محفل میں لے گئے جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپ نے روحانی طور پر سرورکائنات' رحمت اللعالمین' محبوب خدا کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

مرشد کا تصور

آپ سلوک کی پہلی منزل فنافی شیخ ہی قرار دیتے ہیں۔آپ اپنے مرشد سے بے انتہا محبت کرتے اور اس عشق والفت اور والہانہ عقیدت کا اظہار آپ کی تخلیقات وابیات میں جا بجا انمول پھولوں کی مانند بکھرا ہوا نظر آتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ مرشد وہی ہے جو مرید کے اندر سے میل کچیل ایسے نکال دیتا ہے جیسے ایک پیشہ ور دھوبی کپڑوں کو اُجلا کر دیتا ہے۔

فرماتے ہیں

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلن پر آئی ہو
جیوے مرشد کامل باھو جیں ایہہ بوٹی لائی ہو

آپ شیخ عبدالقادر جیلانی سے تعلق رکھنے والے سروری قادری سلسلے سے بیعت تھے۔

علم و عمل کا نظریہ

آپ کے نزدیک ایسا علم فضول ہے جس پر عمل نہ کیا جائے بلکہ وہ عالم کیلئے تباہی کا باعث بنتا ہے کہ وہ جانتے بوجھتے بھی اچھائی سے کنارہ کش رہتا ہے۔آپ کے نزدیک جب تک باطنی صفائی مکمل نہ ہو، محض کتابوں کے انبار نگل جانا کچھ معنی نہیں رکھتا۔آپ اپنے اشعار میں اس دور کے حرص کے مارے عالموں کو للکارتے بھی ہیں اور محبت بھرے انداز میں راہِ عشق کی دعوت بھی ایسے مفکرانہ ومشفقانہ

انداز میں دیتے ہیں کہ دشمن بھی مداح سرائی پر مجبور ہو جاتا ہے۔

فرماتے ہیں

جے کر دین علم وچ ہوندا تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ھو

اٹھاراں ہزار جو عالم آہا' اوہ اگے حسین دے مردے ھو

جے کچھ ملاحظہ سرور ﷺ دا کردے تاں خیمے تمبو کیوں سڑدے ھو

جے کر مندے بیعت رسول تاں پانی کیوں بند کردے ھو

پر صادق دین تنہاندے باھو جو سر قربانی کردے ھو

مگر عبادت کے ساتھ علم کی اہمیت بھی اجاگر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ خود اللہ کا قرآن فرماتا ہے کہ (مفہوم) کیا علم والے اور بغیر علم والے برابر ہو سکتے ہیں؟ آپ خود بھی باقاعدہ تعلیم نہ حاصل کرنے کے باوجود پنجابی' عربی اور فارسی میں کمال درجے کو پہنچے ہوئے تھے اور تصوف' حدیث و فقہ پر عبور رکھتے تھے۔

فرماتے ہیں

علمے باجھ جو کرے فقیری کافر مرے دیوانہ ھو

سے ورہیاں دی کرے عبادت رہے اللہ کنوں بیگانہ ھو

ترجمہ: علم کے بناء جو عبادت کرے چاہے وہ سالوں پر محیط ہو فضول ہے یعنی محبوب کے کلام کا' اس کے حکم کا' اس کی منشاء کا علم ہونا ضروری ہے۔

علمی کاوشیں

آپ کی مکمل تصنیفات کے متعلق تو حتمی رائے نہیں قائم کی جا سکتی البتہ ابتک

کی تحقیق کے مطابق آپ نے 140 کتب سفرِ عشق کے مسافروں کی راہنمائی کیلئے تصنیف فرمائیں۔ جس میں سے ایک پنجابی ابیات پر مشتمل شاعری کی کتاب ہے جو ''ابیات باھو'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے' اس میں آپ نے اپنے ہر بند کا آغاز حروف تہجی کے حرف سے کیا ہے' پنجابی میں آپ کا کلام ادب عالیہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

آپ کی تصنیفات میں مشہور کتب یہ ہیں : ابیات باہو' رسالہ روحی' نورالہدیٰ' عقل بیدار' اورنگ شاہی' توفیق ہدایت' کلیدالتوحید' اسرارِ قادری' کلیدِ جنت' حجت الاسرار' مجلس نبی' کشف الاسرار اور دیوان باھو۔ مقامِ حیرت نہیں کہ باقاعدہ تعلیم نہ پانے والا بشر ایک سو چالیس کتابوں کا مصنف ہو گزرے؟ بس! عشق ہی ہے جو مخفی اسرار کے دروازے کھولتا ہے تو علم لدنی' باطنی وظاہری علوم کے ایسے ایسے پرت عیاں ہوتے ہیں کہ دلوں میں اترنے والی تخلیقات کے انبار لگ جاتے ہیں۔

عشق کا تصور

راہِ عشق کانٹوں بھری راہ کا نام ہے۔ فنا کے متعلق ایک شعر میں فرماتے ہیں کہ باھو یار ''اسوقت تک نہیں ملتا جب تک کہ اپنا آپ یعنی نفسانی خواہشات کا قلع قمع نہ کر دیا جائے ''تریٔ چوڑ نہ کیتی ہو''۔ آپ کے نزدیک عشق ایک لطیف جذبہ ہے جو انسان کو ہر دو عالم سے بیگانہ کر دیتا ہے اور انسان کے
اندر اخلاص' صداقت' اخوت' قربانی' اور ایثار ایسے جنم لیتا ہے جیسے بہار میں پھول کھلتے ہیں مگر عشق کی کٹھن راہ پر چلنا ہر ایک بشر کے بس کا روگ نہیں کیونکہ اس

میں ہزارہا صدمے یک لخت برداشت کرنے پڑتے ہیں

فرماتے ہیں

عشق سو کھلا جے ہوندا باہو سبھے عاشق بن بہندے ھو

ترجمہ: عشق آسان ہوتا تو ہر بندہ عاشق بن جاتا۔

پھر رب کائنات 'محبوب حقیقی اور کائنات کے مالک کی محبت کی جزئیات بیان کرتے ہیں کہ سچا عاشق ہمیش راہ عشق میں آنے کے بعد دنیا سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ یہ ایک آفاقی سچائی بھی ہے کہ جب انسان کے اندر کسی بھی چیز کی محبت گھر کر جاتی ہے تو وہ باقی دنیا سے غافل ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث شریف کے مفہوم میں ہے کہ اگر انسان کے اندر کسی بھی شہ کی محبت اتر جائے تو وہ محبت اسے اندھا گونگا اور بہرہ کر دیتی ہے اب ظاہر ہے کہ اندھا دیکھ نہیں سکتا' گونگا بول نہیں سکتا اور بہرہ کسی کی کوئی بات سن نہیں سکتا۔

عاشقوں' 'دیوانوں کی ایک اپنی زبان 'اپنا انداز' تشبیہات 'تلمیحات 'استعارے اور محاورے ہوتے ہیں جو کہ عامی نہیں سمجھ سکتا۔ حضرت باھو اسی بات کو اس انداز میں بیان فرماتے ہیں

عشق جنہاں دی ہڈی رچیاں اوہ پھردے چُپ چپاتے ہو

لُوں لُوں دے مڈھ لکھ زباناں اوہ کردے گنگی باتے ہو

مندرجہ بالا شعر باطنی اندازِ گفتگو اور معرفت کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

مصر و مراکش کے مشہور صوفی سلسلے ''سلسلہ محمدیہ

ادریسیہ'' کے بانی بزرگ حضرت ادریس نے ایک مرتبہ اپنے کسی مرید سے کہا کہ ہم نے تمہیں لعل وگوہر عطاء کیئے ہیں اسے کسے عامی کی گردن میں نہ ڈال دینا''۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں

جو دم غافل سو دم کافر سانوں مرشد ایہہ پڑھایا ھو
سُنیا سخن گئیاں کھل اکھیں' اساں چت مولا ول لایا ہو
کیتی جان حوالے رب دے' اساں ایسا عشق کمایا ہو
مرن تھیں اگے مرگئے باھوتاں مطلب نوں پایا ھو

ترجمہ: جو سانس محبوب کی یاد کے بناء گزر جائے سو وہ لمحہ عشق کے انکار کا لمحہ تصور ہوگا' یہ سبق ہمیں ہمارے مرشد نے پڑھایا ہے۔جب دنیا کی بے مائیگی و عارضی وجود کا سبق مرشد نے کامل اخلاص سے ہمیں دیا تو ہمارا دل دنیا سے بیگانہ ہو کر رب سچے کے عشق میں محو ہوگیا' اپنی جان یعنی ہر لمحہ اس کے حوالے کرکے اپنی جان بھی اسی کے سپرد کردی' ہم مرنے سے پہلے مرگئے یعنی رب کی چاہت کو اپنی چاہت بنالیا تو پھر ہمیں اپنی منزل یعنی محبوب حقیقی کا قرب نصیب ہوا۔

دنیا کی بے ثباتی کا ذکر

حضرت سلطان باھو تاحیات پابند شریعت رہے اور مریدوں کو بھی شریعت کی پابندی کی تلقین فرماتے رہے۔آپ نے اپنی فارسی تصنیفات اور پنجابی شاعری کے توسط سے ہمیشہ شریعتِ محمدی کی اہمیت کو اجاگر کیا اور سورہ العصر کی تفسیر کو اپنے شعروں

کارنگ دیا۔

آپ دنیاکے عارضی ٹھکانے کے متعلق بڑے خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں

شالا مسافر کوئی نہ تھیوے باھو ککھ جنہاں تھیں بھارے ہو

اب ظاہر ہے مسافر سرائے میں یا سفر میں اسباب جمع نہیں کرتا اس کیلیئے تو ''ککھ'' بھی وزن رکھتا ہے اور وہ تو اپنی منزل کی جستجو میں مستغرق رہتا ہے اور آس پاس کی مادی اشیاء سے بے نیاز رہتا ہے۔

فرماتے ہیں

ادھی دنیا تائیں اُتے ساری دُنیا داراں ہو

جیں راہ صاحب دے خرچ نہ کیتی لین غضب دیاں ماراں ہو

پیوواں کولوں پتر کہاوے بھٹھ دنیا مکاراں ہو

جنہاں ترک دنیا کیتی باھو لیسں باغ بہاراں ہو

پیشہ و سخاوت

جوانی میں آپ کھیتی باڑی کرتے تھے اور انتہائی ضرورت کا غلہ رکھ کر باقی ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادیتے۔

کرامات

روایت کے مطابق اللہ تعالی نے بچپن سے ہی آپ کے چہرے میں ایسی تاثیر رکھی تھی کہ آپ کو دیکھنے کے بعد لوگوں کی حالت متغیر ہو جاتی اور وہ حق کی راہ اپنا لیتے۔

ایک مرتبہ کسی سفید پوش کو کسی نے مالی حالات کی بہتری کیلئے آپ کی جانب بھیجا۔ جس وقت وہ آپ کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ حضرت تو خود زمین میں ہلا چلا رہے ہیں اور انکی پشت اس امیرزادے کی جانب ہے۔ اس نے دل میں سوچا کہ جو خود ہل چلا کر روزی کماتا ہے مجھے کیا دے گا۔ جیسے ہی وہ مڑا تو آپ نے اس آواز دی اور پھر ایک ''وٹ'' والے پتھر کو مٹی کے ٹیلے پر دے مارا تو وہ سونے میں بدل گیا۔ آپ کی کرامت دیکھ کر امیرزادے کے دل کی حالت بدل گئی اور اسے ہاتھ سے روزی کمانے کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوگیا۔

وصال و عرس

حضرت سلطان باہو فرماتے ہیں کہ ''میں تیس سال ایسے طالبِ حق کی تلاش میں رہا جسے میں وہاں تک پہنچا سکتا جہاں تک میں ہوں لیکن مجھے ایسا طالبِ حق نہ مل سکا''۔ آپ کا وصال یکم جمادی الثانی 1102 ہجری بمطابق 1691 عیسوی میں ہوا۔ آپ کا جسد مبارک دو مرتبہ دریائے چناب کا رُخ بدلنے کی وجہ سے شفٹ ہوا ہے' آج کل آپ کا مزار گڑھ مہاراجہ ضلع جھنگ میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ آپ کے وصال کے بعد سید عبداللہ شاہ مدنی نے آپ کی جانشینی کے فرائض انجام دیئے۔

ہر سال یکم جمادی الثانی کو آپ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں پاکستان سمیت دنیا بھر سے آپ کے عقیدت مند شریک ہوتے ہیں۔ یکم محرم سے دس محرم تک آپ کے

دربار پر کربلائے مقدس میں پیش آنے والے دنیا کے سب سے بڑے غم واندہ میں
ڈوبے ہوئے واقعے کی یاد منائی جاتی ہے۔

میجر شبیر شریف

جس قوم کے جوان اپنی سرزمین کی سرحدوں کو اپنی سانسوں کے تسلسل سے زیادہ اہمیت دیں وہ سرزمین نہ ہی کبھی بانجھ ہوتی ہے اور نہ ہی کبھی محکوم۔الحمداللہ پاکستان کی زمین زرخیز ہے اور اس کا ہر فرزند وہر سپاہی حب الوطنی وجذبہ حریت سے لیس ہے بقول شاعر

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

مگر چند ایسے ''انمول'' بشر ہوتے ہیں کہ جن کی فطرت'مزاج'رہن سہن اور انداز واطوار شروع ہی سے کسی عظیم منزل کی جانب پیش قدمی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ان کی رگوں میں گردش کرتا خون انہیں کسی عظیم مقام تک پہنچانے کیلئے ہمیش سرگرم رکھتا ہے۔وہ ہم ہی میں سے ہوتے ہیں لیکن وہ۔۔۔۔ہم سے جدا ہوتے ہیں'وہ عوام میں سے ہوتے ہیں لیکن وہ۔۔۔خواص ہوتے ہیں'وہ عجز وانکساری کا پیکر ہوتے ہیں لیکن وہ۔۔۔۔انسانیت کے بلند وبالا اور قابلِ فخر مرتبے پر فائز ہوتے ہیں'حلقہ یاراں میں ہوں تو ریشم کی مانند نرم ہوتے ہیں لیکن رزمِ حق وباطل ہو تو وہ۔۔۔فولاد ہوتے ہیں'بس ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ انساں ہوتے ہیں لیکن فرشتوں سے افضل ہوتے ہیں۔

وہ بظاہر تو کسی محاذ' کسی مشن' کسی بٹالین' یا کسی درسگاہ سے دور پرے ابدی دنیا میں جاچکے ہوتے ہیں لیکن دل کی آنکھ سے دیکھا جائے تو وہی تو ہوتے ہیں جو ہمیں دوڑا رہے ہوتے ہیں' بچا رہے ہوتے ہیں' سمجھا رہے ہوتے ہیں اور کسی عظیم مقصد کی خاطر آخری قطرہ خون تک دینے کی آرزو ہم میں پیدا کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ امر ہوتے ہیں' جن کا نام' جن کا کام' جن کی ادائیں' جن کی وفائیں' جن کی دعائیں' جن کی آہیں ہر لمحہ ہر سو' ہر آن و ہر لحظہ ہمیں روحانی کیف' سکونِ قلب اور ولولہ و جوش عطاء کرتی ہیں۔ ان لوگوں کی حیات کے واقعات ہمیں سستی و کاہلی' بے عملی و بے دینی سے نکال کر ایسی دنیا میں لے جاتے ہیں جہاں سے ہم اپنی سرزمین' اپنی ماؤں' اپنی بہنوں' اپنی دھرتی کے پھولوں سے لے کر کانٹوں تک کی حفاظت کرنے کو اپنی جسدِ خاکی سمیت دنیا کی ہر نعمت پر ترجیح دیتے ہیں۔

ذرا دیکھئے تو۔۔ذرا سمجھیئے تو۔۔۔ذرا سوچیئے تو۔۔۔کہ جس فرزندِ آدم کے سینے کو بارود نے چھلنی کر دیا ہے' جس کے جسم پر گولی نہیں بارود کا گولا لگا ہے' جس کے جسم کا ہر عضو چھلنی ہے' جس کے' ہر انگ سے خون رس نہیں رہا بلکہ برس رہا ہے' متاعِ حیات کے آخری لمحات ہیں' زمین و جسم سے جُڑی ہر نعمت سے جدائی کا سفر قریب آ چکا ہے' وہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے طبّی امداد دی جائے' اس کی وصیت' اس کی نصیحت' اسکے چہرے کے تاثرات سب اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی حقانیت پر مہر ثبت

کر رہے ہیں' وہ کہہ رہا ہے اور بات دلوں میں اتر رہی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ مٹھی بھر لوگوں کو فوج کی بڑی کمک مہیا ہو چکی ہے۔۔۔ان کے لبوں سے نکلے ہوئے آخری الفاظ یہ تھے ''پل پر قبضہ نہ ہونے دینا۔۔''

ان ولولہ انگیز و وطن و دین کی محبت سے سرشار الفاظ کے خالق' میجر شبیر شریف نے 28 اپریل 1943 کو گجرات کے قصبہ کنجاہ میں برٹش راج کے دوران میجر محمد شریف کے گھر میں جنم لیا۔آپ کے والد ماجد کا نام میجر محمد شریف تھا جو خود بھی فوج سے منسلک تھے۔آپ برصغیر کے معزز خانوادے ''راجپوت'' سے تعلق رکھتے تھے۔میجر شبیر شریف کو باڈی بلڈنگ میں بھی گہری دلچسپی تھی جبکہ بطور سوار موٹر بائیک کو پسند کرتے تھے۔آپ میانہ قد' سانولی رنگت' کشادہ پیشانی 'اور بڑی آنکھوں کے مالک تھے۔خوش گفتار و باکردار شخصیت کے مالک تھے۔عجز و انکساری کا پیکر اور تصنع و بناوٹ سے پاک سادہ طبیعت آپ کے حصہ میں آئی ۔ملنسار اور بااخلاق انسان تھے ۔

آپ نشانِ حیدر پانے والے میجر عزیز بھٹی شہید کے بھی قریبی عزیز تھے۔انہوں نے لاہور کے سینٹ انتھونی سکول سے اولیول کا امتحان پاس کیا۔ سینئر کیمبرج کرنے کے بعد محض چھ ماہ کا قلیل عرصۂ گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کر کے کہ انہیں پاکستان کی عسکری درسگاہ ملٹری اکیڈمی کاکول میں شمولیت کا اجازت نامہ

ملا۔وطن سے محبت آپ کی سرشت میں شامل تھی چنانچہ 19اپریل 1964کوفوج میں کمیشن حاصل کیا۔ایک پیشہ ور فوجی کے فرزنداور ہونے کی حیثیت سے احساسِ ذمہ داری'اپنی زمین سے الفت کاپاک جذبہ 'جراء ت 'استقلال'ثابت قدمی اور بہادری آپ کی ذات کاحصہ بن چکے تھے۔یہی وجہ ہے کہ 1965کی پاک بھارت جنگ میں جراء ت وبہادری کامظاہرہ کیااورآپ کو''ستارہ ٔ جراء ت ''سے نوازاگیا۔آپ کی مثالی کارکردگی کودیکھتے ہوئے ملٹری اکیڈمی کاکول کی جانب سے بھی ''شمشیر''عطاء کی گئی۔اس کے علاوہ ان کو تیغ جنگ سے بھی نوازاگیا۔گیارہ ستمبر انیس سوپینسٹھ کوآپ کو کمپنی کاکمانڈر مقررکیاگیا۔

جراء ت وبہادری کے ساتھ ساتھ انتظامی صلاحیت وقابلیت بھی آپ کی شخصیت کاخاصہ تھیں۔ 1967 میں آپ کوتربیت دینے کیلئے کاکول اکیڈمی میں تعینات کردیاگیا۔یہاں آپ کی شخصیت میں موجود راہنمائی کی صلاحیتوں کوجلاملی اوروہ مزید نکھر کرسامنے آئیں۔آپ کومیجرکے عہدے تک ترقی بھی ملٹری اکیڈمی کاکول میں ہی ملی۔

1971 میں جب جنگ اندرون ملک وبیرون ملک چھاچکی تھی ۔اپنے بیگانے بن چکے تھے۔دشمن کے خونخوار سپاہی مکتی باہنی کاروپ دھار کرمشرقی پاکستان میں انسانیت کی دھجیاں اُڑارہے تھے 'مغربی پاکستان میں فضاسوگوار تھی ۔ایسے نازک لمحات میں کسی بھی وطن کوجانبازوفرض شناس مجاہد میسرنہ آئیں تواس کی بقاء

خطرے میں پڑ جاتی ہے' اسکی ردا' عزت' آنچل اور بچوں کا مستقبل سب کا سب وطن کی حفاظت کرنے والے جانثاروں کی محبت وایثار پر آکر رک سا جاتا ہے۔ایسے لمحات میں آپ کی پیشہ وارانہ صلاحیتوں' فرض شناسی' مادرِ وطن سے الفت اور کمانڈ کرنے کی صلاحیتوں کو مد نظر رکھ کر آپ کو ہیڈ سلیمانکی کے قریب چھ فرنٹیئر فورس کی کمانڈ کا فریضہ دسمبر کو سونپا گیا۔جہاں سے دو گاؤں مکھ کھیڑہ اور بیری والا زد میں آ سکتے ۳ تھے۔۔آپ کے ذمہ ایک اونچے بند پر قبضہ کرنا تھا۔دشمن پہلے اس پوزیشن پر قابض تھا۔عسکری نقطہ نگاہ سے اس جگہ کی بڑی اہمیت تھی ۔اسی واسطے بھارت نے یہاں آسام کی ایک رجمنٹ مقرر کی تھی جسے ٹینکوں کا ایک سکوارڈن بھی کمک فراہم کر رہا تھا۔

تین دسمبر کو پانچ بج کر پینتالیس منٹ پر میجر صاحب نے گرم کھیڑا پل پر حملہ کر دیا۔بیری والا پہنچنے سے قبل ان کے پاس سو کی نفری تھی۔ان گاؤں کی عسکری لحاظ سے حفاظت کی گئی تھی اور اس میں بارودی سرنگیں بچھائی گئیں تھیں۔پاکستانی فورس جانتی تھی کہ یہاں بارودی سرنگیں ہیں مگر محفوظ راستے کا علم بھی نہ تھا۔خطرناک زون میں داخل ہونے سے پہلے سیکنڈ لیفٹیننٹ فاروق افضل نے میجر شبیر شریف سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیا آپ کو علم ہے کہ جس راہ سے ہم گزرنے لگے ہیں وہاں بارودی سرنگوں کا جال بچھا ہوا ہے؟شبیر شریف نے جواب دیا۔"جی مجھے معلوم ہے"فاروق افضل نے پھر پوچھا"کیا کسی محفوظ راستے کا علم

ہے آپ کو ''جواب ملا ''نہیں''۔فاروق افضل ''پھر'؟؟'' قوم کے جری سپوت میجر شبیر شریف نے جواب دیا ''جب تک آپ رسک نہ لیں' جنگیں نہیں جیت سکتے 'ایسی جگہوں پر اموات کا ریٹ دس فیصد کے قریب ہوتا ہے۔اللہ پر بھروسہ کیجئے ۔ہم آخری سپاہی تک لڑیں گے''۔اس فرض کی نگہبانی اور عملی محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے بہادر ساتھیوں سمیت تیس فٹ چوڑی اور دس فٹ گہری دفاعی ''سبونہ
نہر'' کو عبور کیا۔آپ اور آپ کے دلیر سپاہی اس دوران دشمن کی بچھائی گئی بارودی سرنگوں سے بھی گزرے مگر ایک لمحہ بھی پائے استقلال متزلزل نہ ہوئے۔

جذبات کی سچائی اور رگوں میں دوڑتے فرض شناس خون کی کرشمہ سازیاں ہی تھیں کہ آپ نے محض ایک گھنٹے میں اپنے سے بھاری اور جدید اسلحہ سے لیس دشمن کے 43 سپاہیوں کی زندگی کا چراغ گل کر دیا اور اسکے ساتھ ہی ان کے چار ٹینکوں کا مکمل طور پر ناکارہ بنا ڈالا۔دشمن کی اہم دستاویزات پر قبضہ کیا اور 38 فوجیوں کو قیدی بنالیا۔آپ کے مقابلے میں دشمن کی دو بٹالین لڑ رہی تھیں۔ جن کو ٹینکوں کا ایک پورا سکوارڈن امداد مہیا کر رہا تھا۔

کمالِ جراءت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے پانچ اور چھ دسمبر کی شب اپنے مورچے سے نکل کر دشمن کی فوج کے کمپنی کمانڈر۔چار۔رجمنٹ کے میجر نرائن سنگھ
کو پکڑا اور پھر دست بدست لڑائی کے بعد اس کی سانسوں کی ڈور بھی منقطع کر ڈالی۔ان کے مورچے کو تباہ کیا۔آپ اینٹی ایئر کرافٹ گن سے دشمن کے ٹینکوں کو

ناکارہ بناتے رہے۔ چھ دسمبر 1971 کو رات گیارہ بجے کے قریب دشمن کے ٹینک کا ایک گولا انکے سینے کے دائیں جانب آکر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ بقول شاعر

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

عجب اتفاق ہے کہ اسی شب انکی والدہ محترمہ رات گیارہ بجے اپنے گھر میں کھانا پکا رہی تھیں اور انکے لبوں پر یہ مصرعے رقص کر رہے تھے "اے مرد مجاہد اب جاگ ذرا۔اب وقت شہادت ہے آیا۔"

آپ کی شہادت کے وقت آپکے والدین لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ جبکہ آپ کی اہلیہ محترمہ ضلع اٹک میں تھیں۔ میجر شبیر شریف کی نصیحت کے مطابق ان کو انکے دوست کے پہلو میں میانی قبرستان لاہور میں مکمل فوجی اعزاز اور نم آنکھوں دے سپرد خاک کیا گیا۔ ان کا یہ قول آج بھی ہر فوجی جوان و ہر پاکستانی کے قلوب کو گرماتا ہے کہ "میں دشمن کی غلامی قبول کرنے کے بجائے وطن کیلیے قربان ہو جانا زیادہ پسند کروں گا۔" آپ کی شہادت اوکاڑہ کے قریب ہوئی اور اسوقت آپ کی عمر اٹھائیس برس تھی۔ آپ موجودہ آرمی چیف جنرل راحیل شریف کے بڑے بھائی تھے۔ آپ وہ واحد شخصیت تھے جنھیں قدرت نے نشانِ حیدر اور ستارہ جراءت سے نوازا۔ آپ کی بے مثال جراءت کی وجہ سے اکثر آپ کو آرمی کا سپرمین بھی کہا جاتا تھا۔

28اپریل 2016 کو ان کا پینتالیسواں یوم شہادت ہے۔جو اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اگر آج بھی اس ارض وطن کی جانب کسی نے میلی آنکھ سے دیکھا تو شہیدوں کے جانشین اپنی جانیں نچھاور کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔اس وطن کا بچہ بوڑھا اور جوان سب ہی اس پر اپنی جان نثار کرنے کو ہر آن تیار ہیں۔مگر یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ میجر راناشبیر شریف جیسے ''انمول ہیرے'' کبھی کبھی جنم لیتے ہیں۔بھاری بھر کم اسلحہ کے ساتھ تیس فٹ گہری اور دس فٹ گہری نہر عبور کرنا اور کروانا' آخری سانس تک ملک کی فکر' یہ وہ اوصاف تھے جو ان کو دوسروں سے ممتاز کر گئے اور جب تک اس قوم کا آخری فرد باقی ہے اس کے دل میں اپنے شہدا کی عزت وتوقیر قائم ودائم رہے گی۔اللہ ہمیشہ اس پاک سرزمین کو شاد آباد رکھے۔آمین۔

رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو

یہ لہو سرخی آزادی کے افسانے کی

یہ شفق رنگ لہو۔۔۔

رب توں پہلاں میں ماں کہنا سکھیا

رب تو پہلاں میں ماں کہنا سکھیا''اس پنجابی بول میں جس قدر ماں کی اہمیت بیان کی'' گئی ہے شاید کسی اور زبان میں اس قدر موثراندازِ بیان نہ ہو۔وہ الگ بات کے ماں''توسب کی سانجھی ہوتی ہے اور''ماں'' کسی کی بھی ہو قابلِ احترام ٹھہرتی ہے۔''
عباس تابش نے بڑے دلکش انداز سے ماں کی محبت کا نقشہ کھینچا ہے

ایک مدت سے میری ماں نہیں سوئی تابش

میں نے اک روز کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

جب کہ ماں کی کمی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے اختشام جمیل شامی رقمطراز ہیں

غم دی رات نہ لمی ہوندی

لنگ جاندی جے امی ہوندی

وہ باہمت ورحمدل خاتون تھیں جنھوں نے امریکن سول وار میںanna jarvis دونوں طرفین کے زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کا بیڑا اُٹھایا۔اینا جاروس ہی مادرڈے''کی بانی وخالق ہیں۔انھوں نے اپنی والدہ محترمہ کی وفات کے برس'' سے ہی ''مادرڈے'' منانے کی مہم کاآغاز کردیا تھا۔اینا جاروس نے پہلی1905 بار باقاعدہ طورپر''مادرڈے''کی

تقریب کاآغاز 1908 میں مغربی ورجینیاکے شہر گریفٹن میں کیا۔یہ تقریب سینٹ اینڈریو میتھوڈسٹ چرچ میں ہوئی جسے اب international mothers day کامقام حاصل ہے۔1873میں تعمیر شدہ اس چرچ کو یہ مقام پندرہ مئی shrine کودیاگیا۔ 1962

یو۔ایس کی کانگریس نے 1908میں مادرڈے کو سرکاری سطح پر منانے کے بل کی مخالفت کردی اورمذاقاً کہاکہ پھر ''بیوی کی ماں''کادن بھی منایاجائے گا۔1910میں ایناجاروس کی پیدائشی ریاست مغربی ورجینیامیں اس دن سرکاری چھٹی کردی گئی پھر رفتہ رفتہ یہ رواج باقی ریاستوں کواپنی لپیٹ میں لیتاگیا۔1914میں woodrow wilsonنے اس بل پر دستخط کردیئے جس میں مئی کی دوسری اتوار کو''مادرڈے''کے طورپر منانے کی درخواست کی گئی تھی۔پھر وہی ہواجو دنیامیں ہر اچھے کام کی بنیادرکھنے والوں کے بعد کیاگیا۔اس دن کوکاروباری کمپنیوں نے اُچک لیااوراس دن روایتی کارڈز چھاپنے کی طرح ڈال دی گئی۔اس ساری صورتحال نے ایناجاروس کودلبرداشتہ وآزردہ کردیاوہ چاہتی تھیں کہ ماں کواپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریردے کرہمیں اپنی محبت اورتشکرکااظہار کرناچاہیے کیونکہ انکے بقول ''ماں ایک ایسی ہستی ہے کہ جودنیامیں سب سے بڑھ کرآپ کیلئے کچھ کرتی ہے''۔ایناکاکہناتھاکہ ان کاروباری لوگوں نے مادرڈے کی اہمیت ختم کی ہے'اس دن کی عظمت کو مسخ کیاہے'یہ دن خالص

جذبات سے منانے کا ہے نہ کہ منافع کمانے کا' کیونکہ ماں تو سبھی کی سانجھی ہوتی ہے' تاجر' سیاستدان' انسان' حیوان' بیوروکریٹ یا سپاہی سب ہی کو ماں سے محبت کا احساس اجاگر کرنا ہوتا ہے۔

زمانہ بعید کی جانب نظر دوڑائی جائے تو لوگ ہری گوہ والی دیویوں فرٹائل گوڈیس کے مجسمے بنا کر اُس کی پرستش کرتے۔ جس کے ذریعے اپنے معاشرے میں عورت کی اہمیت کا اُجاگر کرنا مقصود ہوتا۔ مشہور فرانسیسی ادیب سڈونی گیری ایلا کالیٹ نے ایک مرتبہ کہا تھا ''ہم عورتوں کی زندگی صلیب سے عبارت ہے۔ جب اپنی والدہ کے بارے سوچ آتی ہے تو شدت سے احساس ہوتا ہے کہ وہ بھی تاحیات خاندان' معاشرے' رسومات اور تنگ دستی کی صلیبیں اُٹھائے خندہ پیشانی اور صبر و تحمل سے حیاتی کی دشوار گزار راہوں پر محو سفر رہیں اور دوسروں کیلئے زندگی کی راہوں کو روشن کرتی رہیں۔''

کویت جامعہ کے معلم یاسین سامی رقمطراز ہیں: ''ماں کا لفظ ان گنت وحساب معانی کا مرقع' لاتعداد و شمار خوبیوں کا مرصع ہے۔ ''ماں'' دنیائے الفاظ کا سب سے خوب صورت ترین گوہر ہے' کلمات کے بیکراں محیطوں کا نفیس یاقوت و مرجان ہے' اس لیئے جب حسن الفاظ کا مقابلہ ہوتا ہے تو صدارت کی کرسی اسی کیلئے مختص کی جاتی ہے اور صدرِ کلام کے لقب سے ملقب ہوتا ہے' الفاظ کی دنیا میں سب سے زیادہ استعمال

ہونے کا شرف بھی لفظ ''ماں'' کو ہی حاصل ہے۔ کسی بھی زبان میں پرکھیں تو لفظ ماں ''سب سے پیارا اور جاذبیت بھرا ہوتا ہے۔ بالاجمال چند زبانوں میں ملاحظہ '' ''فرمائیں: ماں' الام' مادر' ماتا' والدہ' ماما' مام۔۔۔ وغیرہ کیا ہی خوب الفاظ ہیں۔ لفظ ''ماں'' سے بڑھ کر کوئی سُریلا لفظ کیا ہوگا' اس سے بڑھ کر ردھم' لے' راگ' راگنی کوئی' نہ ہوگی جو روح کو تسکین' قلب کو طمانیت' نینوں کو چاشنی' اور دماغ کو قوت عطاء کرتی ہو۔ ''ماں'' ہی تو ہے جس کے لفظ ''اُٹھ میرا پتر'' اک زخموں سے چُور فرد کو بھی دنیاکے سامنے لڑنے کی قوت عطاء کر دیتے ہیں۔ ''ماں'' ہی تو تھی جس نے ابنِ زبیر کو چند ساتھیوں سمیت حجاج جیسے سفاک اور بھاری افرادی قوت اور جدید اسلحہ سے لیس فوج سے لڑنے کی قوت عطاء کی'۔ ماں ہی تو تھی جس کے لب سے الفاظ نکلے کہ اُٹھ مردِ مجاہد اب جاگ ذرا۔۔۔ اب وقت شہادت ہے آیا'' اور خدا نے عین انہی لمحات میں مادرِ وطن کی خاطر میجر شبیر شریف کی قربانی کو قبول کر لیا۔ تب ہی تو نپولین نے ''کہا تھا کہ ''تم مجھے اچھی مائیں دو' میں تمہیں بہترین قوم دوں گا۔

بس ''ماں'' ہی تو ہے جس کے ذریعے رب کریم اپنی محبت کا اظہار فرماتے ہیں: ''میں اپنے بندے سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہوں۔'' ملاحظہ ہو کہ کائنات میں محبت کی مثال دینے کیلئے سیدنا محمد ﷺ کے خدا نے فقط لفظ ''ماں'' کی

ہی مثال دی۔

ماں ''ایک ایسا لفظ ہے اسے جس زبان میں بھی ادا کیا جائے دو ہونٹ ایک دوسرے ''کو چوم لیتے ہیں۔ماں ایک ایسی چھت ہے جس کے بعد کوئی چھت راحت نہیں پہنچا سکتی ماں ایک ایسا آسرا ہے جس کے بعد رب کریم بھی پکار اُٹھتا ہے ''اے موسیٰ ! سنبھل کے' آنا۔اس کائنات میں اب وہ ہستی موجود نہیں رہی جو تمہارے طور پر آنے کے دوران سر بسجود ہو کر ہم سے ایک ہی دعا مانگتی رہتی تھی ''اے سب جہانوں کے مالک میرے فرزند سے کوئی خطاء ہو جائے تو اسے معاف کر دینا۔''

ڈائپرز کا دور ہو یا پرانا زمانہ ''ماں'' جتنی تکالیف کوئی ہستی خندہ پیشانی سے نہیں سہہ سکتی۔حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا ''میرے حسن صحبت کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟آپ نے فرمایا: تیری ماں۔اس نے عرض کیا پھر کون ؟آپ نے فرمایا: تیری ماں۔اس نے عرض کیا پھر کون ؟آپ نے فرمایا: تیری ماں۔اس نے عرض کیا پھر کون ؟آپ نے فرمایا تیرا باپ۔'' صیحح بخاری 5971۔ صیحح مسلم 2548۔یہی بات ایک اور روایت میں اسطرح ہے کہ ''تیری ماں' پھر تیری ماں' پھر تیری ماں' پھر تیرا باپ پھر جو شخص تیرے زیادہ قریب ہے' وہ اسی قدر زیادہ مستحق ہے۔'' مذکورہ بالا حدیث اس بات کی تائید و تصدیق کر رہی ہے کہ دنیا میں ایک فرزند پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے

یعنی ماں کا تین حصے اور باپ کا ایک حصہ 'کیونکہ دنیا میں اولاد کی افزائش 'پیدائش پرورش 'لڑکپن سے لے کر جوانی تک جس قدر کلفتیں ماں کی ہستی برداشت کرتی ہے ' اتنی کوئی ذی روح نہیں کر سکتی 'باپ کا چوتھا حصہ اس کے نان و نفقہ کے بندوبست اور الفت کی وجہ سے۔

ہمارا دین ہمیں ماں 'باپ کی کسی بھی لغزش پر ''اُف ''تک کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ سورہ اسرائیل کی آیت بائیس اور تیئیس میں فرمانِ خداوند کریم ہے ''اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو۔ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی ''اُف'' بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا 'اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور انکے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا 'اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسے ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے''۔ ابنِ ماجہ میں حضرت ابوامامہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رحمت اللعالمین ﷺ سے دریافت کیا کہ والدین کا اولاد کے ذمے کیا حق ہے؟ فرمایا: وہ تیری جنت اور دوزخ ہیں (مطلب خدمت کرے گا تو جنت کا حقدار ٹھہرے گا اور اگر حکم عدولی کرے گا 'ان کو ستائے گا تو جہنم کی آگ تیرا مقدر ٹھہرے گی)''

افسوس! صد افسوس! آج وہ زمانہ آگیا ہے کہ ہم ''ماں'' جیسی ذیشان ہستی کو بوجھ

سمجھنے لگے ہیں۔وہ ماں جو درجن بھر بچوں کو پالتی ہے اسکو آج پندرہ دنوں بعد کسی اور بیٹے کے گھر رہنا پڑتا ہے'وہ ماں جو اولاد کی خاطر خاوند کا ہر ظلم ہر عیب سہتی رہی'آج اولاد اسکی خاطر بیوی کی کج ادائیاں بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔

بیسویں صدی سے شروع ہونے والے اس ''مادرڈے'' کو آج 103 برس بیت چکے ہیں مگر اولڈ ہاؤسز کی تعداد بڑھ رہی ہے'اولاد کی ماں سے ناروا سلوک کی شکایات کا حساب نہیں'اکثر ٹی وی چینلز پر فٹ پاتھ پر موجود مائیں ہماری بد قسمتی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ہماری کج روی'اخلاقی بدتری'سماجی گراوٹ اور روحانی زوال کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

بات یہ نہیں کہ ہم ''مدرڈے'' منائیں یا نہ منائیں۔بات یہ نہیں کہ یہ یورپ کا تہوار ہے یا مشرق کا۔بات یہ ہے کہ ہم اس سارے عمل سے کیا کشید کر رہے ہیں۔جس تہذیب سے ہم نے یہ رسم مستعار لی ہے وہ آج ''ماں'' کو کتنا مقام دے رہی ہے؟اسکے پاس کتنے ایسے فرزند ہیں جو ماں کے قدموں کو اپنی جنت سمجھتے ہیں؟اس کے پاس کتنی مقدس روایات ہیں یا وہ کتنی ایسی مقدس روایات پر عمل پیرا ہے جو ماں کا اصل مقام پہچانتی ہیں۔یہ سب وہ سوالات ہیں جن کے حوالے سے موجودہ مغربی تہذیب کسی بھی پیمانے پر پورا اترتی نظر نہیں آتی۔اینا جاروس نے ایک اچھی بنیاد ڈالی مگر افسوس کہ اس کے حقیقی مقصد کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

ہم عجب مقام پر کھڑے ہیں ۔ہم یورپ کی قابلِ تقلید باتوں کو توپس پشت ڈال دیتے ہیں مگران کی نا قابلِ اصلاح رسموں اور رواجوں کو من وعن اپنے جسم سے لے کر روح تک میں سمولیتے ہیں۔

یہ دن اس لیئے نہیں رکھاگیاکہ ''ماں'' کوسال بعد یاد کرلیاجائے بلکہ یہ دن رکھنے کامقصدیہ تھاکہ جولوگ ماؤں کو بھلاچکے ہیں ان کواس دن اپنااحتساب کرناچاہیئے اورسرکاری'قومی یاعلاقائی سطح پرایساماحول اپنایاجائے جس سے ماں کی قدرومنزلت بڑھے مگرسوال یہ پیداہوتاہے کہ کتنے لوگ اس دن اپنی ماؤں کواولڈہاؤسز سے واپس اپنے گھرلے جاتے ہیں؟کتنے لوگ ماؤں سے حقیقی معافی کے طلب گار ہوتے ہیں؟کتنے لوگ اپنی جنت کوپالیتے ہیں؟اگراس کاجواب نفی میں ہے توپھرکیوں نہ ہم دینِ حق کی جانب لوٹ جائیں'جہاں سے ہمیں ایسی لافانی تربیت اور تعلیم ملتی ہے جواس جہان میں اوراس زمانے میں کسی دوسرے کے پاس ممکن ہی نہیں۔

اتناضرورہے کہ اس دن کچھ مشرقی اورکچھ مغربی لوگوں کے دل نرم ضرورپڑتے ہیں ۔اسی دن توہمیں معلوم ہوتاہے کہ شاخِ نازک پربناآشیانہ دیدہ زیب ضرورسہی مگرناپائیدارہے ۔یہی دن توہیں جوہمیں سمجھاتے ہیں کہ ارے ماں کیلئے ایک دن نہیں ہوتابلکہ ہرسال'ہرماہ'ہرہفتہ'ہردن'ہرگھنٹہ'ہرلمحہ'ہرساعت ہمیں ماں

کا ممنون رہتا ہے۔ اس کی چاکری کرنی ہے مگر حق پھر بھی ادا نہ ہوگا۔

ایک جوان نے ایک درویش سے پوچھا کہ ماں کو کندھوں پر بٹھا کر حج کروالایا ہوں' کیا میں نے ماں کا حق ادا کر دیا؟ جواب ملا تو ں تو ایک اُس شب کا حساب بھی بے باک نہ کر سکا جب یخ بستہ رات کو تیرے پیشاپ والی جگہ پر ماں سوئی اور تجھے خشک 'بستر پر سلایا۔

دونوں تہذیبوں کے مندرجہ بالا حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہم باآسانی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ''ماں'' کو جو رتبہ' مقام' عزت' عظمت' بڑائی اور شرف اسلام جیسے فطرتی وابدی مذہب وتہذہب نے بخشا ہے اسکی دوسری مثل موجود نہیں کیونکہ باقی الہامی کُتب کے مقلد اپنی حقیقی تہذیب اور اصل متن سے کٹ چکے ہیں۔ ہمارے پاک نبی نے جس خوبصورت' جامع اور پر کیف انداز میں ''ماں'' جیسی ہستی کی عظمت کا ئنات کو بتلائی دوجہان اس کی مثال لانے سے قاصر ہے۔ ا'

مادرِ وطن بھی ایک اصطلاح ہے کیونکہ زمین بھی کھانے کیلئے اناج' رہنے کیلئے جگہ اور بڑھنے کیلئے قوت فراہم کرتی ہے۔ جو لوگ اپنی ماں یعنی اپنی زمین سے دھوکہ کرتے ہیں انھیں آتی نسلیں بھی لعنت ملامت کرتی ہیں اور انکے نام برائی کی مثال بن جاتے ہیں۔ سینکڑوں برس بیت گئے مگر برصغیر کی زمین نے آج تلک

میر جعفر اور میر صادق کو معاف نہیں کیا اور آج بھی کسی بے وفا کا تذکرہ انہی ناموں سے کیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ مادرِ وطن سے محبت میں اپنی حیات کا سب سے ''انمول رتن'' پیش کر دیتے ہیں انھیں تاریخ سنہری حروف میں لکھتی ہے۔ کیا بر عظیم کے لوگ ٹیپو سلطان شہید اور جھانسی کی رانی کی قربانی کی آج تک قدر نہیں کرتے؟ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنی دھرتی ماں کی حفاظت کی خاطر اپنا لہو تک بہا دیا۔ ہمیں چاہیئے کہ وطن سے محبت کریں اور اپنے ملک پاکستان سے کسی شے کو عزیز تصور نہ کریں۔ لفظ ملک کا آغاز بھی ''میم'' سے ہی ہوتا ہے۔

ماں'' کی دعا جنت کی ہوا' ایسا فقرہ ہے جو آج بھی ہمارے ٹرکوں' رکشوں اور ذاتی '' سواریوں پر لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ جو اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اس راکھ میں چنگاریاں موجود ہیں اور یہ تہذیب ابھی زندہ ہے' موہنجوڈرو اور ہڑپہ نہیں۔ لفظ ''ماں'' پوری کائنات کا احاطہ کرتا ہے۔ ماں کی دعا اثر رکھتی ہے چاہے وہ کسی جانور کی ماں ہی کیوں نہ ہو۔ کیا ہم تاریخ سے اس واقعہ کو خارج کر سکتے ہیں کہ ایک غلام زادہ ''سبکتگین'' ایک ہرن کی ماں کی دعا کے سبب بادشاہ بنا۔

شاعر نے سچ ہی تو کہا تھا کہ

پھولوں کی خوشبو بہاروں کی برسات ماں ہی تو ہے
مہک رہی ہے جس سے میری کائنات ماں ہی تو ہے
سچی ہیں جس کی محبتیں سچی ہیں جس کی چاہتیں

سچے ہیں جس کے پیار کے جذبات ماں ہی تو ہے

مشکوۃ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ساقیء کوثرﷺ نے فرمایا: جو شخص والدین کا فرمانبردار ہو اسکے واسطے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں۔اور اگر ان میں سے ایک ہو تو ایک۔اور جو بشر والدین کا نافرمان ہو تو اسکے لیئے جہنم کے دو دروازے کھل جاتے ہیں'اور اگر ان میں سے ایک ہو تو ایک۔ایک شخص نے عرض کیا خواہ والدین اس پر ظلم کرتے ہوں؟فرمایا: خواہ'اس پر ظلم کرتے ہوں'خواہ اس پر ظلم کرتے ہوں'خواہ اس پر ظلم کرتے ہوں۔

ماں''نو ماہ بچے کو پیٹ میں رکھتی ہے''''حمل''جس کے معنی بوجھ اُٹھانے کے'' ہیں'پھر دودھ پلانا'پرورش یہ کٹھن مراحل ممتا کے بغیر ممکن ہی نہیں۔سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ : نعمت جب پاس ہو تو مجہول ہوتی ہے جب کھو جائے تو معلوم ہوتی ہے۔اسی طرح ماں''کی اصل قدر ان لوگوں کو معلوم ہے جن سے یہ ساگر چھن چکا ہے اور انکی تشنگی'' کا اب قیامت تک کوئی سدباب نہیں'جن سے یہ سایہ چھن چکا ہے اور وہ ائیر کنڈیشنڈ روم میں بھی تپش محسوس کر رہے ہیں۔خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی جنت اس دنیا میں انکے پاس ہے انھیں چاہیئے کہ مادرڈے ضرور منائیں لیکن اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس جنت سے حقیقی فائدہ اُٹھائیں اور اولڈ ہاؤسز والی تہذیب کی غیر اخلاقی سرگرمیوں کو دھتکار دیں۔

سائیڈ سٹوری

''ماں''

میری والدہ کو اس دنیا سے گزرے ہوئے طویل عرصہ بیت چکا ہے لیکن جب اسکی یاد آتی ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ کام میں مصروف ہے۔ آ رہی ہے جا رہی ہے۔ ڈانٹ ڈپٹ رہی ہے سمجھا رہی ہے مسکرا رہی ہے میری ماں کا فانی جسم منوں مٹی کے نیچے چلا گیا لیکن ممتا زندہ رہی اور وہ اس وقت تک نہیں مر سکتی جب تک میری سانسیں باقی ہیں (جی کنگ)۔

(آسمان کا بہترین اور قیمتی تحفہ ماں ہے۔ (ملٹن

(ماں کے مختصر لفظ میں کتنی وسیع دنیا پوشیدہ ہے (کہاوت

ماں 'باپ کی مسرتیں اور خوشیاں پوشیدہ ہوتی ہیں اور وہ اپنے غموں اور اندیشوں کا بھی اظہار نہیں کرتے۔ (بیکن 'دی فادر آف انگلش essay)

(ماں کی عظمت کا احساس مسرت اور خوشی میں زیادہ ہوتا ہے۔ (نپولین بونا پارٹ

ماؤں کی خوبصورتی ان کی محبت میں ہوتی ہے۔ میری ماں دنیا کی خوبصورت ماں ہے۔ مولانا محمد علی جوہر

اوہ' خدایا!۔۔۔ہم نے کیا کر دیا!!!؟

"baby is born" یہ وہ خفیہ الفاظ تھے جن کے ذریعے پوٹسڈم میں موجود امریکی صدر ٹرومین کو پہلے ایٹم بم کی کامیاب تکمیل کی اطلاع دی گئی۔ پھر "انولاگے" اور بی۔ 29 طیاروں نے نہ صرف دوسری جنگ عظیم کے نتائج کا پانسہ پلٹ دیا بلکہ "اولادِ آدم" میں سے دو لاکھ کے قریب لوگ بھی پل بھر میں تڑپتے' سسکتے' بلکتے لقمہ اجل بن گئے۔

انسان اپنی ابتداء ہی سے دوسروں پر اپنی دھونس جمانے' اپنی برتری منوانے اور طاقت کے نشے میں اپنے محل کی خاطر دوسروں کی "کٹیا" گرانے میں جانداروں میں سب سے آگے تصور کیا جاتا ہے۔ایسا ہی حالات کا سامنا سرزمین پاکستان کو رہا ہے۔ جنم دن سے لیکر آج تلک ہمسایہ ملک کی ریشہ دوانیاں' سازشیں' سمجھوتہ ایکسپریس و بابری مسجد کی شہادت جیسی کریہہ صورت و بھیانک منصوبہ بندی اور انسانیت سوز اقدامات سہتا پاکستان محدود وسائل سے بہ امر مجبوری دفاع پر رقم خرچ کر رہا ہے۔ حیدر آباد دکن' جوناگڑھ اور منادر تک بات نہ ٹھہری بلکہ کشمیری عوام کے حقوق غضب کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ارضِ وطن کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کیلئے 1965 میں حملہ آور ہوا اور منہ کی کھائی۔ پھر بین الاقوامی سازش کے آسرے

میں پاکستان کو دولخت کردیا گیا اور اندرا گاندھی نے ہرزہ سرائی کی کہ ہم نے 1971
نظریہء پاکستان" کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو مشرقی پاکستان بھارت"
میں ضم ہوتا لیکن ایک اور آزاد مسلم ریاست قائم ہوئی اور وہ بھی چانکیائی چال بازیوں
سے۔ بھائی بھائی سے الگ ضرور ہوا' مگر نہ تو اس نے شناخت بدلی' نہ مذہب بدلا نہ ہی
کسی مخلوط نظریہ کا غلام بنا۔ 18 مئی 1974 کو بھارت نے پاکستان کی سرحد سے محض
میل کی مسافت پر راجھستان میں پہلا ایٹمی تجربہ کیا تو ایسے حالات میں اپنے سے کئی 93
گنا بڑے اور مکار و عیار دشمن سے محفوظ رہنے کی خاطر پاکستان نے بھی "ایٹم بم" کے
حصول کیلئے دن رات ایک کردیا۔

اسوقت کے وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے منیر احمد خان کو یہ فریضہ
سونپا۔ بعد ازاں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی سربراہی میں کھوٹہ ریسرچ لیبارٹریز کا قیام عمل
میں لایا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے بعد اقتدار جنرل ضیاء کے ہاتھوں میں آیا مگر ایٹمی
پروگرام پر کوئی اثر نہ پڑا۔ بالآخر دس دسمبر 1984 کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جنرل
ضیاء الحق کو تحریری طور پر مطلع کیا کہ ہم بفضلِ خدا اس قابل ہو گئے ہیں کہ ایک ہفتے کہ
نوٹس پر ایٹمی دھماکے کرسکیں۔ قوت حاصل کرنے کے باوجود پاکستان نے اس کا اظہار نہ
کیا کیونکہ پاکستان "شو آف" کا قائل نہیں اور ایک پر امن ملک ہے۔

گیارہ مئی 1998 کو بھارت نے پوکھران کے مقام پر تین ایٹمی دھماکے کیئے
۔دوروز بعد یعنی 13 مئی کو بھارت کی جانب سے دواور ایٹمی دھماکے کر دیئے
گئے۔عددی حساب سے بھارت کے پاس تیسری بڑی فوج'چوتھی بڑی فضائیہ اورپانچویں
بڑی بحریہ ہے مگر توسیع پسندانہ عزائم اوراحساسِ برتری جیسے سفاک ومکروہ احساسات
اورخطے میں سیاہ وسفید کامالک بننے کاخواہش مند بھارت 'حاصل شدہ قوت کے اظہار کے
بناء کیسے اپنی بے چین روح کو تسکین دیتا؟دھماکوں کے وقت بھارت میں بنیاد پرست
جماعت بھارتی جنتاپارٹی کی حکومت تھی اوراٹل بہاری واجپائی وزیراعظم تھے۔دنیاکی
چھٹی بڑی ایٹمی قوت بننے کے بعد بھارتی حکمرانوں کالب ولہجہ رعونت سے
بھرپور'شقاوت قلبی کامظہراورآدم خورہوگیا۔پاکستان کودھمکیاں دی جانے لگیں'لائن
آف کنٹرول پربڑے پیانے پر کاروائی کی بازگشت سنائی دینے لگی اورپاکستان کو کشمیر کاز
یکسر بھلادینے کی متکبرانہ نصیحتوں کاتانتابندھ گیا۔

پاکستان میں اسوقت جناب میاں نوازشریف کی حکومت تھی ۔مغربی ممالک کاضمیر جاگ
اُٹھاتھااورپاکستان کوایف سولہ طیاروں کی دلفریب پیشکش کی جانے لگی ۔کبھی بیرونی
امداد کی ہنڈیا کواُبالادیاجاتااور کبھی بین الاقوامی پابندیوں سے ڈرایادھمکایاجاتا۔ایسے
حالات میں عوام میں جوش وجذبہ عروج پر تھااوروہ ہمیشہ کی طرح اپنی افواج
اورحکومتِ پاکستان کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔رقبہ کے لحاظ سے پاکستان کے سب سے
بڑے ضلع چاغی کے پینتیس کلومیٹر طویل راس کوہ ہل کاانتخاب

ہوا۔زلزلہ کوماپنے والے تمام آلات کا بیرونی دنیا سے رابطہ منقطع ہوا۔چیف سائنٹفک آفیسر محمد ارشد کو دھماکہ کرنے کا نظام وضع کرنے کا فریضہ سونپا گیا اور اسی آفیسر نے یکم صفر' 28 مئی 1998 کو صبح کاذب سے قبل ۳ بج کر سولہ منٹ پر ''نعرہ تکبیر'' بلند کرتے ہوئے ''بٹن'' دبادیا اور یوں تیس سیکنڈ کے مختصر وقفہ میں سیاہ گرینائٹ کی چٹانیں دودھیا رنگ کی ہوگئیں ۔دعا کرتے لب اور نم آنکھیں شاداں وفرحاں ہوئیں 'فضا نعرہ تکبیر کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی ۔اب پاکستان دنیا کی ساتویں بڑی ایٹمی قوت بن چکا تھا۔30 مئی 1998 کو پاکستان نے بلوچستان ہی کی وسیع صحرائی وادی خاران میں چھٹا ایٹمی دھماکہ کرکے دنیا کی ''چھٹی بڑی ایٹمی قوت'' بھارت کو ''چھٹی ''کا دودھ یاد دلا کر اپنی برتری واضح کردی۔ چند دن پہلے پاکستانیوں کو ''گردن جھکا'' کر چلنے کا مشورہ دینے والے سورما یک لخت گنگ ہوگئے' خشم ناک نگاہوں سے تاکنے والے نظریں چرانے لگے اوراٹل بہاری واجپائی کو کہنا پڑا کہ ہم پاکستان کے ساتھ تمام معاملات بات چیت کے ذریعے حل کرنے کے خواہشمند ہیں۔

اس دن کو پاکستانی عوام نے ''یوم تکبیر ''کے نام سے موسوم کیا۔تکبیر عربی زبان کا لفظ ہے۔جس کے معنی بڑائی وعظمت کے ہیں۔مسلمان اللہ کی ذات کو سب سے برتر واعلی سمجھتے ہیں اوریہی انکی ایسی اساس ہے جو انکو بدر سے لیکر باٹا پور تک کامیابی وکامرانی کے جوہر عطا کرتی آئی ہے'۔قرآن حکیم میں 750

سے زائد مقامات پر خدائے بزرگ وبرتر نے مسلمانوں کی توجہ سائنس وعلم کی جانب دلوائی ہے' یہی وجہ ہے کہ مسلم امہ کے ہوش مند طبقات نے ہمیشہ مطالعہ کائنات کو اہمیت دی۔ یوم آزادی کے بعد پاکستان کی دفاعی تاریخ میں یہ دن سب سے بڑا ہے جس کی وساطت سے پاکستانی سرحدیں ناقابلِ تسخیر ٹھہریں۔ یہ سب کچھ رب تعالی کی کرم نوازیوں 'ڈاکٹر قدیر 'ڈاکٹر ثمر مبارک مند و دیگر عملہ کی انتھک محنتوں اور ذوالفقار علی بھٹو کے عزم اور جنرل ضیاء کی توجہ سے نصیب ہوا۔

قیامِ پاکستان سے ہی پاکستان کی خارجہ پالیسی میں امن کا پرچار 'مظلوم و محکوم قوموں کی آزادی اور ہمسایوں کے ساتھ برابری کی سطح پر بہترین تعلقات جیسے عوامل بنیادی ماخذ کی حیثیت سے شامل رہے ہیں۔ پاکستان اپنے محدود وسائل کے باوجود دفاعی بجٹ پر اپنی بقاء کی خاطر خرچ کرتا ہے۔ دوسری جانب بھارت پر جنگی جنون سوار ہے اور اسکے توسیع پسندانہ عزائم میں لکھاریوں کی فلسفہ سازیاں بھی اپنے عروج پر ہیں۔ بھارتی لکھاری پی این اوک اپنی کتاب some blunders of indian historical research میں رقمطراز ہیں کہ ''کسی زمانے میں ہندو مہاراجہ بکرماجیت کی سلطنت جزیرہ نمائے عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ مہاراجہ نے اٹھاون برس قبل مسیح مکہ میں رام مندر تعمیر کیا (استغفراللہ) جسے بعد میں مسلمانوں کے نبی محمد (ﷺ) نے خانہ کعبہ میں تبدیل کردیا۔ ہندوؤں کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ مکہ انکا شہر ہے۔ جس میں انکے دیوتا کا مندر تھا۔ لہٰذا ضروری ہے

کہ ہندو اس مندر کو دوبارہ حاصل کرنے کی سعی کریں۔'' یہی وجہ ہے کہ بھارتی سرکار اپنے ملک کے غریب عوام کا پیٹ بار بار ''کند آلہ'' سے کاٹ رہی ہے۔ 2006 سے 2010 اور 2011 سے 15 کے درمیان بھارت کی اسلحہ خریداری میں کم و بیش نوے فیصد اضافہ ہوا۔ سٹاک ہوم انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے مطابق بھارت دنیا میں بکنے والے اسلحہ میں سے 14 فیصد خریدتا ہے۔ 2016-17 کے بھارتی دفاعی بجٹ میں گزشتہ برس کے مقابلے میں نو اعشاریہ سات فیصد اضافہ ہوا ہے جو کہ 2.58 لاکھ کروڑ ہے اور اگر اس میں ملٹری پنشنز کو شامل کیا جائے تو یہ رقم 3.41 لاکھ کروڑ جا بنتی ہے۔ یہ ہیں وہ حقائق جو اس بات سے پردہ اُٹھا رہے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا مقصد توانائی کا حصول اور اپنی سرحدوں کی حفاظت ہے جبکہ بھارت کا نصب العین حقوق غصب کرنا' بین الاقوامی حدود کی خلاف ورزیاں اور بنگلہ دیش' مالدیپ' بھوٹان' چین' پاکستان اور نیپال پر دست درازیاں کرنا ہے۔

قابلِ استعجاب و قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ دفاعی اخراجات میں اس قدر اضافے کے باوجود بھارت اپنے ایٹمی پروگرام و آلات کو محفوظ نہیں بنا پایا۔ بھارت جیسے متنوع ملک میں جہاں ایک سو زائد انتہا پسندی کی تنظیمیں اور بیسیوں آزادی کی تحریکیں چل رہی ہیں' سکھ' مسلم' عیسائی' پارسی کو تنگ نظری و بربریت کا سامنا ہے' ہاشم پورہ و گجرات فسادات میں آدم خور شہر کا شہر ہڑپ کر جاتے ہیں' جہاں نسلی' علاقائی' لسانی' طبقاتی اور معاشی اونچ نیچ نفرت انگیز حدوں

کو چھو رہی ہے وہاں ایٹمی پروگرام کی حفاظت اشد ضروری ہے مگر حالات اسکے برعکس ہیں۔

پاکستان ایٹمی سیکورٹی کے قوانین کو بہتر اور جدید تر بنانے کیلئے عمل درآمد کر رہا ہے جس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آرہے ہیں۔دنیا کے کل نو ایٹمی ممالک میں سے پاکستان نے ایٹمی سکیورٹی کے قوانین اور ان پر فوری عمل درآمد کو اسقدر سبک رفتاری سے بہتر بنایا ہے کہ پاکستان کے درجہ میں ۳پوائنٹس کی بہتری آئی ہے اور یوں پاکستان ایٹمی مواد کی حفاظت کی فہرست میں ہندوستان سے بہتر درجے پر فائز ہوا ہے۔اس بات کا اظہار 2014امریکہ کے ادارے کے مطالعاتی جائزہ میں کیا گیا۔این ٹی آئی انڈیکس میں زیادہ تر ممالک اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں اور بسا اوقات محض ایک پوائنٹ کی بہتری ممکن ہوتی ہے مگر پاکستان نے 2012کے مقابلے میں تین پوائنٹس کی بہتری کے ساتھ کسی بھی ملک کے حفاظتی اقدامات سے برتر ہونے کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ایٹمی مواد کے قابل استعمال ہتھیاروں کی سیکورٹی کے حوالے سے پاکستان کو مجموعی طور پر بائیسواں نمبر حاصل ہے جبکہ ہندوستان کا تئیسواں نمبر ہے۔این ٹی آئی انڈیکس نے پاکستان کی اس قابل قدر بہتری کو تسلیم بھی کیا ہے۔

کاؤنٹ ڈاؤن ٹو زیرو'' جیسی پالیسیاں بھی بھارت کو گراں گزرتی ہیں جبکہ ''

پاکستان نے سی ٹی بی ٹی پر کمال دانشمندی' وہوشمندی کامظاہرہ کرتے ہوئے اس پر دستخط کو اس بات سے مشروط کردیاکہ اگرمسئلہ کشمیر حل ہوجائے توہم دستخط کردیں گے۔یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ پاکستان وبھارت کی تین جنگیں اس وجہ سے ہوئیں کہ پاکستان مظلوم کشمیریوں کی اخلاقی وسفارتی مدد کرتاہے۔انکے حقوق کیلئے ہرپرامن پلیٹ فارم پرلڑتاہے اوریہی سب کچھ ''اکھنڈبھارت''کاخواب دیکھنے والوں پر غم کاکوہِ گراں بن کر گرتاہے۔

2012 میں بین الاقوامی فزیشن برائے امتناع ایٹمی جنگ اور فزیشن برائے معاشرتی ذمہ داری نے ایک نظرثانی شدہ مطالعاتی جائزہ کی رپورٹ پیش کی تھی جس کے مطابق اگرپاکستان وبھارت کے مابین جنگ چھڑتی ہے تو عالمی سطح پر قحط سالی پیداہوگی ۔دوارب کے قریب انسان موت کے منہ میں چلے جائیں گے ۔ساتھ ہی انسانی تہذیب اپنے انجام کو پہنچے گی۔رپورٹ میں یہ انکشاف بھی کیاگیاکہ پاک بھارت ایٹمی جنگ سے فضامیں سیاہ کاربن ایروسول کے ذرات شامل ہوجائیں گے۔جوامریکی مکئی اورسویابین کی پیداوارکم کردیں گے۔اس ایٹمی جنگ کے پہلے سال چین کی گندم پچاس فیصد کم ہوگی اورآتے عشرے میں بنیادی ہدف سے اکتیس فیصد نیچے رہنے کی توقع ہے۔اس رپورٹ میں یہ بھی کہاگیاکہ جوایٹمی ہتھیارجاپان پر گرائے گئے وہ موجودہ بموں سے بہت کم قوت رکھتے تھے ۔اس لیئے انکے حقیقی نقصان کااندازہ لگانا دشوار عمل ہے۔اس جنگ سے اس قدر تباہی ہوگی

کہ اس سے بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہ بچے گی۔رپورٹ کے مصنف ہیلفنڈ کا کہنا تھا کہ چین کے 1.3 ارب لوگ بھی رسک پر ہوں گے ۔ادارے نے تجویز پیش کی کہ پوری دنیا میں موجود ایٹمی ہتھیاروں کو تلف کر انسانی تہذیب کے بقاء کی جانب قدم اُٹھایا جائے۔

مندرجہ بالا تلخ حقائق واضح کرتے ہیں کہ پاک بھارت مخاصمت نہ صرف جنوبی ایشیا بلکہ عالمی امن کیلئے بھی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ایسے حالات میں اہل مغرب کو چاہیئے کہ بھارت کو دی ہوئی موجودہ ڈھیل ختم کریں اور مسئلہ کشمیر سمیت ہندوپاک کے پانی سمیت ہر مسئلہ کا حل مذاکرات کے ذریعے نکالنے کیلئے بھارت پر عالمی دباؤ بڑھائیں ۔دنیا کا ہر ملک امن کی جانب بڑھ رہا ہے اور ایک ہمارا ہمسایہ ہے کہ اسکا حاضر سروس ملٹری آفیسر رنگے ہاتھوں جاسوسی کرتا ہوا بلوچستان میں پکڑا گیا ہے۔عالمی ادارے ٗ اہل یورپ ٗ اور لبرل طبقہ نجانے اب کیوں پتھر کی مورت بنا بیٹھا ہے؟حالات نے پھر پلٹا کھایا ہے اور اب پھر پاکستان میں میاں نواز شریف کی حکومت ہے اور انڈیا میں بی جے پی کی ۔بھارت کو چاہیئے کہ روایتی ہٹ دھرمی چھوڑ کر مذاکرات کی میز پر آئے تاکہ امن قائم ہوسکے اور دونوں ممالک کے دفاعی اخراجات میں کمی لاکر عوام کی فلاح و بہبود پر رقم خرچ کی جاسکے۔

اب ہم جاپان پر گرائے پہلے بم کی کہانی کی جانب لوٹتے ہیں۔پہلے ایٹمی حملے کا کپتان
تھا۔لٹل بوائے یعنی ایٹم بم کو بی۔ 29 میںcolonel paul tibbets
لوڈ کیا گیا۔جہاز کا نام ''انولاگے'' رکھا گیا۔اس سے آگے دو جہاز پرواز کر رہے تھے جو کہ
ٹارگٹ پر موسمی کیفیات کا پتہ بتلا رہے تھے۔ٹارگٹ سے محض ایک گھنٹہ پہلے عملہ کو ایٹمی
حملے کے متعلق آگاہ کیا گیا۔پھر اچانک کرنل تبتبیس کی آواز گونجی ''this is
heroshema '' اور پھر انسانی تہذیب کے ایسے المناک واقعہ کا جنم ہوا کہ چنگیزیت
بھی شرما گئی۔آن کی آن میں ستر ہزار لوگ جل بھن کر خاک ہو گئے' پناہ گاہیں
ڈھونڈتے لوگوں کے ڈھانچے بھی پگھل گئے۔ہنستا بستا شہر ایسا اجڑا کہ بلند و بالا عمارات'
نقشے پر لگائے گئے سروئیر کے نشانات جیسی ہو گئیں'بہتر برس بیت گئے مگر
ہیروشیما و ناگاساکی کی نسلیں ابتک ناکردہ جرم کے اثرات سہہ رہی ہیں۔بعض مقامات
آج تک بنجر ہیں۔

انولاگے مشن مکمل کر کے لوٹ رہا تھا تو ساتھ موجود پائلٹ نے نیچے نگاہ ڈالی اور اپنی
ڈائری میں بے ساختہ یہ الفاظ درج کیئے ''My God !what have we done?
۔ترجمہ: ''اوہ'خدایا! ۔۔۔۔ہم نے کیا کر دیا!!!؟'' اور پھر یہ الفاظ امر ہو گئے۔

استعماری قوتوں کو اس بات کا ادراک ہونا چاہیئے کہ اب اگر جنگ چھڑی تو ممکن ہے
مائی گاڈ'' کے الفاظ کہنے کیلیئے بھی کوئی بشر نہ بچے'اس لیئے بہتر ہو گا کہ وہ بھارت کو''
پرامن پالیسی اپنانے پر مجبور کریں۔اسی میں پاکستان

وبھارت کی بھلائی ہے اور امنِ عالم کی بھی۔

رمضان، ''روزہ'' دینِ فطرت اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے

روزہ'' فارسی زبان کا لفظ ہے اور برصغیر میں رائج دوسری اصطلاحات کی مانند یہ بھی'' اپنے معنی ومفہوم میں پوری قوت کے ساتھ عربی لفظ ''صوم'' کے ہم معنی ومترادف کے طورپر اُردو زبان میں رائج ہے۔اسلام کی تیسری اہم عبادت ''روزہ'' کیلئے بنیادی عربی لفظ ''صوم'' ہے اوراس کا واحد یامصدر''صیام'' ہے۔ جس کے معنی ہیں ''روزہ رکھنا''۔دینِ اسلام کے پہلے دو بنیادی ماخذ ''قرآن وحدیث''میں یہ دونوں لفظ''صوم وصیام ''ہی استعمال ہوئے ہیں۔ماہِ صیام ترتیب کے لحاظ سے اسلامی تقویم کا نواں مہینہ ہے۔

ہجری میں فرض قرار دی گئی اس عبادت ۲

صوم''کا لغوی معنی کسی چیز سے مطلق رک جانایااسے ترک کرنا ہے۔شریعت کی'' اصطلاح میں اس لفظ کامطلب صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک خالص اللہ کی رضاوخوشنودی کی خاطر کھانے پینے' ازدواجی تعلق اور ہراُس شے سے پرہیز جوروزہ کوتوڑنے والاہوسے مکمل دستبرداری کانام روزہ ہے۔رمضان المبارک محض سلبی پہلو منفی) نہیں رکھتاکہ جس کے مطابق اس ماہ میں ''نہ کرو''کی ہی تکرار ہوبلکہ اس کے) باطن میں بہت سے ایجابی (مثبت) پہلو بھی پوری قوت کے ساتھ جلوہ گرہیں' جیسے اس بابرکت مہینہ میں بہت سی عبادات کیلئے ''ضرور کرو''کاحکم

نامہ یا ترجیحی پہلو بھی شامل ہے۔جس میں انفاق فی سبیل اللہ 'خیرات صدقات 'تلاوت قرآن مجید فرقان حمید بھی شامل ہیں۔'

وقت سحر سے متعلق سورہ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے ''اس کے علاوہ رات کو اسوقت تک کھاپی سکتے ہو جب تک کہ صبح کی سفید دھاری 'رات کی کالی دھاری سے الگ ظاہر ہو جائے۔''

سحری کرنا سنت بھی ہے اور یہ مسلمانوں کے امتیازات میں بھی شامل ہے۔ حضرت عمر بن عاصؓ کی روایت کے مطابق ساقیء کوثر ﷺ نے فرمایا ''ہمارے اور اہل کتاب (کے روزوں کے درمیان میں فرق سحری کا کھانا ہے۔'' (مسلم

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان مبارک ہے سحری کھایا کرو'اس لئے کہ سحری کھانے میں یقیناً برکت ہے۔'' (بخاری و مسلم)۔''

۔سحری صبح صادق سے قبل اور آخری لحات میں کرنا سنت مبارکہ میں شامل ہے 'اسکی فضیلت بھی زیادہ ہے۔حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے شافعی روز جزا ﷺ کے ساتھ سحری کھائی 'پھر ہم نماز کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ان سے پوچھا گیا'سحری کے خاتمے اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟انھوں نے فرمایا پچاس آیات کی مقدار'' (بخاری و مسلم)۔

روزہ کے احکامات قرآن مجید کی سب سے طویل سورہ بقرہ کی آیت 183 تا185 میں اس طرح بیان ہوئے ہیں ''اے اہل ایمان! تم پر روزے فرض قرار دیئے گئے جیسے تم سے

پہلے لوگوں پر فرض کیئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤیہ روزے گنتی کے دن ہیں پھر تم میں سے اگر کوئی بیماریا مسافر ہو تو دوسرے دنوں میں قضاروزے رکھ کر تعداد پوری کرلے۔جن لوگوں کیلئے کسی اور عذر کی وجہ سے روزہ رکھنا دشوار ہو تو اس روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانادے پس جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دے دے تو اس کیلئے بہتر ہے اور ویسے روزے رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ دار ہو۔اسی رمضان کے مہینے میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور جس میں سیدھی راہ کی نشانیاں ہیں اور یہ حق وباطل میں فرق کرنے والا ہے۔اے مسلمانو!جب رمضان کا مہینہ آئے توتم میں سے جو مقیم ہو پس وہ روزے رکھے اور جو تم میں سے مریض یا مسافر ہو وہ دوسرے دنوں میں قضاروزے رکھ کر تعداد پوری کرلے۔اللہ تعالی تمہارے لئے آسانی چاہتاہے اور تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا تاکہ تم اس طرح روزوں کی تعداد پوری کرلو اوراللہ تعالی کی بڑائی بیان کرو جس نے تمہیں ہدایت بخشی تاکہ تم اس کی شکرگزاری کرو۔''

اسی رمضان کے مہینے میں قرآن نازل ہوا''قرآن کارمضان میں نازل ہونااس'' مبارک ماہ کی اہمیت وفضیلت عیاں کرتاہے۔اس آیت میں جہاں مسافر کاذکر ہے اس کیلئے علماء اڑتالیس میل کافاصلہ اورپندرہ دن سے کم قیام کی گرہ لگاتے ہیں۔

روزے کی شرعی اہمیت وفرضیت سرورکائنات کے اس مبارک قول سے مزید مترشح ہوجاتی ہے۔فرمان رحمت اللعالمین ﷺ ہے:بنی الاسلام علی خمس۔۔۔۔وصوم رمضان (متفق علیہ)

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ اشیاء پر ہے ان میں سے ایک رمضان کے روزے رکھنا ہے۔
ایک اور مقام پر حسنینؓ کے نانا فرماتے ہیں
روزہ ڈھال ہے (مسلم)۔
ایک شخص نے سرکار دوجہاں ﷺ سے پوچھا کہ رجب کا ثواب زیادہ ہے یا رمضان کا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماہ صیام کے ثواب پر قیاس ممکن نہیں۔ غفور ورحیم اس ماہ کے ذریعے بہانہ تراش رہا ہے کہ کسی طرح میرا بندہ میرے سامنے عجزوانکساری سے سر جھکائے تو میں اسے معاف کردوں۔ اس پر رحمتوں اور نعمتوں کا نزول کردوں۔
فرمان نبی کریم ﷺ ہے (مفہوم) اے لوگوں خدا کا مہینہ تمہارے پاس آیا ہے۔ جس کے دن بہترین، جس کی راتیں اعلیٰ ترین اور جس کی گھڑیاں سب سے بہترین گھڑیاں ہیں۔
اپنی اُمت کی بہتری کی خاطر سرور کائنات، فخر موجودات پھر لطف وکرم کے موتی عنایت فرماتے ہیں (مفہوم):
''اس ماہ میں تمہارا سانس لینا تسبیح اور تمہارا سونا عبادت شمار ہوتا ہے۔''
اس حدیث کی اہل بیت میں سے خوب صورت و دلنشین تصویر خاتون جنت، سیدہ فاطمۃ الزہرؓا کے پوتے سید سجادؓ تھے جو واقعہ کربلا میں اہل بیعت رسول ﷺ میں سے علالت کی وجہ سے جہاد میں شامل نہ ہونے والے اور حیات رہنے والے واحد مرد تھے۔
یہ فیضِ رسول پاک ﷺ کا ہی اثر تھا کہ امام زین العابدینؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ''جب رمضان کا مہنہ آتا تو امام کی زبان مبارک پر دعا، تسبیح

''استغفار اور تکبیر کے علاوہ کچھ جاری نہ ہوتا۔'

رمضان کے فضائل ایک اور حدیث مبارک میں اس طرح واضح فرمائے گئے۔ حدیث مبارک کا مفہوم ہے ''ماہ صیام عظیم مہینہ ہے جس میں اللہ نیکیوں کو دوسرا سرفرما دیتا ہے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات بلند فرماتا ہے''۔

رمضان المبارک ایسا بابرکت مہینہ ہے کہ اس میں باقاعدگی اور خضوع وخشوع کے ساتھ کی گئی عبادت کا نہ صرف ثواب بہت زیادہ ہے بلکہ اللہ کا جو بندہ اس ماہ میں خلوص دل سے روزہ سمیت تمام عبادات بجالاتا ہے' اللہ تعالی اس کے دل سے' اس کے باطن سے' اس کے شعور ولاشعور سے گناہ وبرائی کو ایسے خارج کر دیتے ہیں کہ باقی کے گیارہ ماہ بھی وہ محفوظ رہتا ہے۔ اس طرح رمضان کا احترام کرنے سے انسان نہ صرف تہذیب نفس سے آشنا ہوتا ہے بلکہ تزکیہ نفس کی دولت سے بھی مالامال کر دیا جاتا ہے۔ روزہ کے متعلق الفاظ باری تعالی ہیں (مفہوم) روزہ میرے لئے ہی ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ روزہ دار کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ دوران روزہ وہ اشیائے خوردونوش سمیت اپنی جبلی ضروریات سے بھی کنارہ کش رہتا ہے یوں وہ محبتِ خداوندی میں کچھ وقت کیلئے مزید پابندیاں برداشت کرکے محبوب کی خاطر اپنی محبت کا عملی اظہار کرتا ہے۔ ازدواجی تعلق سے متعلق احکام خداوندی اسی سورہ بقرہ کی آیت 187 میں اللہ کریم فرماتے ہیں :

اے مسلمانو! روزوں کی رات میں مباشرت تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہے تم اپنی''

بیویوں کے پاس جاسکتے ہو وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو ''۔
رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا جاتا ہے ۔اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کچھ اس طرح حکم فرماتے ہیں
اور جب تم مسجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو پھر رات کو گھر آ کر اپنی بیویوں سے ''ازدواجی تعلق قائم نہیں کر سکتے ۔یہ حدیں اللہ نے قائم کی ہیں ان کے قریب نہ جاؤ اس طرح اللہ اپنی آیات لوگوں کے لئے واضح طور پر بیان کرتا ہے تا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں''۔
البتہ متعکف جنازہ میں شامل ہو سکتا ہے اور کسی مریض کی عیادت کیلئے بھی جا سکتا ہے ۔اس ضمن میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آقا جی ﷺ نے ''فرمایا :''اعتکاف والا جنازے کے ساتھ جا سکتا ہے اور بیمار کی بیمار پرسی کر سکتا ہے۔
اسی طرح دیگر احتیاط بھی روزہ دار کیلئے لازم وملزوم ٹھہرتی ہیں ۔خاص طور پر زبان کا استعمال نہایت احتیاط سے کرنا چاہیئے۔
صحابی رسول پاک ﷺ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ محبوب خدا ﷺ نے فرمایا:''جب تم میں سے کسی کا روزے کا دن ہو تو نہ دل لگی کی باتیں کرے اور نہ شور وغل کرے۔چناچہ اگر اس کو برا بھلا کہے یا اس سے لڑے تو کہہ دے کہ میں تو (روزے سے ہوں۔'' (بخاری ومسلم
اسلام سچا دین ہے اور صداقت کی تلقین کرتا ہے ۔اپنے ماننے والوں کو حق بات

پرکٹ مرنے کی تلقین کرتا ہے۔ جھوٹ تو ویسے بھی تمام برائیوں کی جڑ ہے اور دین
اسلام میں اسکی سختی ممانعت کی گئی ہے مگر روزہ کی حالت میں اس کا استعمال انسان کو
حد درجہ پابندیوں کے ساتھ کی گئی عبادت سے بھی لطف اندوز نہیں ہونے
دیتا اور سیدنا محمد ﷺ کے خدا کے آگے بھی ایسے روزے دار کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی
۔حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہادی اعظم ﷺ نے فرمایا: ''جو کذب بیانی
اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے کہ یہ شخص
(اپنا کھانا پینا چھوڑے۔'' (بخاری

:اسی مفہوم کو ایک اور حدیث مبارکہ میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے
کتنے ہی ایسے روزہ دار ہوتے ہیں جنھیں اُن کے روزوں سے سوائے پیاس کے کچھ ''
''حاصل نہیں ہوتا۔

رمضان سے قبل یا نصف شعبان کے بعد احادیث مبارکہ میں روزہ نہ رکھنے کی تلقین کی
گئی ہے۔جس کا مطلب رمضان کی تیاری اور قوت کی بحالی ہے تاکہ تازہ دم
ہو کر بھرپور انداز میں رمضان المبارک جیسے بابرکت اور رحمتوں سے بھرپور مہینے
کا استقبال کیا جاسکے ۔امام ترمذی نے اس ضمن میں حدیث روایت کی ہے ''جب شعبان
''کا آدھا مہینہ باقی رہ جائے تو تم روزے نہ رکھو۔

اسلام انسانی فطرت کے عین مطابق دین ہے تب ہی اسے عالمگیریت حاصل ہے اور یہ
قیامت تک کا مذہب ہے۔ حدیث شریف میں ہے (مفہوم) میں ایسا دین لایا ہوں جس
میں دن ہے اور رات ہے ہی نہیں 'مطلب کہ اس میں انسان کیلئے آسانیاں ہی آسانیاں

ہیں۔روزہ کو قصداتوڑنے والے کیلئے توساٹھ مساکین کو کھانا کھلاناواجب ہے مگرجس شخص سے نسیان یا بھول چوک سے ایسی غلطی سرزد ہوجائے اسلام اسے انسانی کمزوری قراردے کر''استثنا'' دیتا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا''جب تم میں سے کوئی شخص بھول کھاپی لے تواسے چاہیئے کہ اپناروزہ (پوراکرے'کیونکہ اللہ نے اسے کھلایااورپلایاہے۔'' (بخاری ومسلم

رمضان کاپورامہینہ کائنات کے مالک کی جانب خصوصی لگاؤ کا تقاضا کرتا ہے مگراس کا آخری عشرہ اس ماہ مبارک کاعروج تصور کیاجاتا ہے۔یہ مغفرت کاعشرہ ہے۔حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ'' جب رمضان کاآخری عشرہ شروع ہوجاتاتو سرورکونین ﷺ شب بیداری فرماتے اوراپنے اہل خانہ کو بھی بیدار کرتے اور کمرکس لیتے۔''ان الفاظ سے آپ ﷺ کی آخری عشرے میں ریاضت وعبادت میں اضافے اورشب بیداری کے عمل کی جامع وضاحت ہوجاتی ہے جوہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

شیرخدا'حیدرکرار'صحابی رسول ﷺ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ''اے انسان ! تیرے پاس تین دن ہیں۔ایک وہ جوگذرچکاہے اوراس پر تیرااختیارختم ہوچکاکیونکہ اس دن کے حوالے سے جوتونے کرناتھاکرلیا۔دوسرادن کل والاہے اوراس کاکامل یقین نہیں کیاجاسکتاکہ وہ تیری حیات میں آکرتجھے کچھ کرنے کا موقع دے گایانہیں۔تیسرادن آج والاہے اوریہی دن تیرادن ہے اسلئے جوکرناہے آج ہی کرلے۔اگلارمضان المبارک ممکن ہے ہماری زندگی میں نہ آئے'اس لئے جونیکی کرنی ہے'کسی غریب کی مدد کرنی ہے'کسی بیمارکی عیادت کرنی ہے'منزل وتلاوت کرنی

ہے'ہمسایوں اور عزیز و اقارب پر خرچ کرتا ہے تو اسی رمضان ہی میں کرکے ڈھیروں نیکیاں لوٹ کر اپنے پیارے رب کی رضا حاصل کرلیں۔

فوائد رمضان

روزہ انسان کے اندر تحمل'برداشت و بردباری پیدا کرتا ہے۔انسان غصہ کی حالت میں رب کی رضا کی خاطر ہر بات.برداشت کرلیتا ہے اوریوں روزہ انسان کے اندر ضبط نفس کی قوت پیدا کرتا ہے۔ تحمل و برداشت اور ضبط نفس کی یہ ترتیب تیس دن قائم رکھنے کی وجہ سے یہ انسان کی طبیعت کا خاصہ بن جاتی ہے اور وہ باقی کے گیارہ ماہ بھی اس سے دینی و دنیاوی فوائد حاصل کرتا ہے۔

روزہ کی حالت میں انسان خالص رب کی رضا کی خاطر بھوک وپیاس برداشت کرتا ہے۔اس حالت میں اُسے غرباء ومساکین کی حالت زار کا اندازہ ہوتا ہے اور سختی وبے حسی کی جگہ جذبہ ترحم اس کے اندر پیدا ہوتا ہے۔جو نہ صرف اسے جود وسخا پر قائل کرتا ہے بلکہ اس سے معاشرے میں بھی اعتدال قائم ہوتا ہے اور عداوت وغصہ کی جگہ محبت ویگانگت'اخوت وبھائی چارہ کی مثالیں قائم ہو تی ہیں۔

بسیار خوری سے معدہ وپیٹ کی متعدد بیماریاں پیدا ہو تی ہیں۔ایک ماہ مسلسل دوپہر کا کھانا ترک کرنے سے ہر دو اعضاء کو مہلت میسر آتی ہے جس سے انسان متعدد موذی امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

روزہ جیسی عبادت انسان کے اندر اخلاص پیدا کرتی ہے۔ روزہ فقط اسکی ذات کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسی کیلئے ہوتا ہے۔یہ عبادت تصنع وبناوٹ سے پاک اور اخلاص

ومحبت کا مظہر ہوتی ہے۔
روزہ دار' روزہ کے دوران فقط رب کائنات کے خوف ومحبت میں منع کی گئی ہر شے سے احتراز برتتا ہے۔ وہ خدا کو حاضر وناظر تصور کرکے تنہائی میں بھی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا اسطرح مسلسل تیس دن کا عمل اس کی رگ رگ' لوں لوں میں یہ عقیدہ راسخ کردیتاہے کہ رب کائنات کی اس کے ہر عمل پر نظر ہے اوریوں وہ عصیاں کے قعرمذلت میں گرنے سے محفوظ رہتاہے۔
رمضان المبارک کو خدائے بزرگ وبرتر نے یہ فضیلت بھی دی ہے کہ وہ روز محشر پورے اہتمام سے روزہ رکھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔اس ضمن میں سیدہ فاطمہؓ کے ''بابا فرماتے ہیں ''رمضان اورقرآن دونوں شفاعت کریں گے۔
رمضان اورہم
ماہ صیام کے آغاز سے ہی مختلف نجی ٹی وی چینلز پر رمضان شریف سے متعلق مخلوط''پروگرام نشرکئے جاتے ہیں۔دوچار سال سے تو یہ معمول بن چکاہے کہ لوگ'' رات گئے تک ٹی وی کے آگے بیٹھ کرپروگرام تکتے ہیں اوراسے ہی عبادت سمجھتے ہیں ۔چند نام نہاد علماء خواتین کے ساتھ عامیانہ انداز میں گفتگوفرماتے ہیں اوراسلام میں رمضان کی اہمیت وافادیت بیان کرکے ایسا سحر طاری کرتے ہیں کہ عوام بیچارے تسبیح وتہلیل سے رہ جاتے ہیں۔ لیلتہ القدر کی رات جہاں ہزارہاراتوں سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہیں اس رات سے میڈیاچینلز بھی خوب کماتے ہیں اوراتنے دلفریب انداز میں پروگرام

کااشتہار چلاتے ہیں کہ لوگ ہاتھ میں موجود تسبیح کے دانے کو حرکت دینا بھی بھول جاتے ہیں اوراس رات ہمہ قسم کی عبادت سے محروم ہو کراس پروگرام کی جلوہ گریوں کو ہی جنت کا ٹکٹ سمجھ بیٹھتے ہیں۔

عمرہ کرنا بلاشبہ ایک دینی عمل ہے۔اس سے روح کو نفاست وپاکیزگی ملتی ہے مگرکیاہم نے فرائض کی ادائیگی کردی ؟رمضان المبارک میں جہاں عمرہ کرانے والی کمپنیوں کے ریٹ آسمان کو چھورہے ہوتے ہیں وہیں ہم بھی اپنے قرب وجوار سے بیگانہ ہو کرعمرہ کرنے تشریف لاجاتے ہیں۔

رمضان المبارک ہمیں ہمدردی واخوت کا سبق دیتاہے مگرہم اس بابرکت مہینہ میں اس قدربسیارخوری اپناتے ہیں کہ بعض افرادتوماہ مقدس میں ہی متعدد بارہسپتال کی ہواکھالیتے ہیں۔ہم کلی طورپراپنے ہمسائے سے بیگانہ ہو کرسحر وافطارمیں انواع واقسام کے کھانے سجاتے ہیں اوربیشتر کھاناضائع ہوجاتاہے مگرکسی بشرکی خوراک نہیں بن پاتا۔

رمضان کاآخری عشرہ صوم صلوۃ اورعبادت کاتقاضا کرتاہے مگرہم اس میں سے بیشتروقت عیدالفطر کیلیے خریداری کرتے ہوئے گزاردیتے ہیں۔اورعیدآتے ہی ہم تمام ترعبادات کوبھلاکراپنی پرانی عادتوں کی جانب لوٹ آتے ہیں جواس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ ہماری کی گئی عبادت میں کوئی کمی رہ گئی ہے وگرنہ خلوص نیت سے کئے گئے تیس دن کے عمل سے انسانی طبیعت اس قدرہم آہنگ ہوجاتی ہے کہ روگرداتی کاسوال ہی پیدانہیں ہوتا۔

رمضان شریف سے اخوت وہمدردی کا جو سبق ہم حاصل کرتے ہیں اسے عید کے دن تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا پاتے ' عزیز واقارب اور قرب وجوار میں بسنے والی بیوہ بہنوں 'یتیم بچوں 'نادار بیٹیوں ' بے آسرا ماؤں ' بیمار بھائیوں میں سے کسی کی امداد نہیں کرتے نہ ہی پہلی فرصت میں انہیں عید ملنے جاتے ہیں اگر ہم یہ عمل خالص اللہ کی محبت سے کر گزریں تو دلی سکون بھی میسر ہوگا اور سرور کائنات ﷺ کی مسرت کا باعث بھی بنے گا۔

سائیڈ سٹوری

حدیث شریف کے مطابق اللہ تعالی نے تمام مقدس صحیفے اور کتابیں اس ماہ مقدس میں نازل فرمائیں ۔ صحیفہ ابراہیمی 'تورات 'زبور 'انجیل 'قرآن مقدس بالترتیب یکم 'چھ 'بارہ 'تیرہ اور چوبیس رمضان المبارک کو زمین پر اتارے گئے۔ رمضان کے روزے ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد 'ماہ شعبان میں بمطابق 624 عیسوی فرض قرار دیئے گئے۔

رحمتوں کا عشرہ،کلمہ کا ذکر

مولانا راشد وحید قاسمی کان پوری لکھتے ہیں: ''روزہ کیلئے عربی میں صوم کا لفظ آیا ہے،صوم کے معنیٰ ہیں رکنا۔خاموشی کو صوم کہا جاتا ہے اس لئے کہ خاموش رہنے والا خود کو بولنے سے روکتا ہے۔ہوا کے بند ہونے کو بھی صوم کہتے ہیں اس لئے کہ وہ چلنے سے رکی ہوئی ہوتی ہے وہ گھوڑا جس کا دانہ پانی بند کرکے ایک جگہ باندھ دیا جاتا ہے اسے الخلیل الصائم کہتے ہیں۔لفظی اعتبار سے صوم کے معنیٰ ہیں چلنے پھرنے،کھانے پینے اور بات کرنے سے رکنا۔''

رمضان المبارک یوں تو سارے کا سارا اللہ کی خاص عنایت سے بھرپور ہے مگر کچھ گھڑیاں خاص بھی ہوتی ہیں،جیسے طاق راتیں،شب قدر وغیرہ۔اسی طرح رمضان کو حدیث مبارک میں تین حصوں میں تقسیم کرکے اس میں اللہ کی لطف وعنایات کو مزید دلفریب انداز میں پیش کیا گیا ہے تاکہ مومن کے جذبہ الفت کو مہمیز ملے،ولولہ وشوق بڑھے،روحانی تشنگی عروج کو پہنچے اور جسمانی پاکیزگی اپنی انتہا کو۔سرکار دو عالم فرماتے ہیں (مفہوم): رمضان کا پہلا عشرہ رحمت الٰہی،دوسرا مغفرت اور تیسرا عشرہ دوزخ سے نجات ہے۔''

روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ گیارہ ماہ جنت کو رمضان شریف کیلئے سجاتے رہتے ہیں ۔رمضان کی پہلی شب جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔اس ماہ مبارک میں رب کریم تمام شیاطین کو قید کر دیتے ہیں تاکہ وہ اس کے بندے کو راہ مستقیم سے نہ بھٹکا سکیں اور وہ رحمت برکت 'مغفرت کی اس ''لوٹ سیل'' سے خوب مستفید ہو سکے۔جنت کے دروازوں کے کھلنے کے بعد ایک فرشتہ صدا لگاتا ہے کہ ''اے نیکی کرنے والے !متوجہ ہو'اور اے بدی کے خوگر'بدی کرنے سے باز رہ۔'' ایک اور حدیث شریف جسے حضرت سہل بن سعدؓ نے روایت کیا ہے میں ہے کہ ''جنت کے آٹھ دروازے ہیں'جن میں سے ایک کا نام باب الریان ہے'جنت میں داخلے کیلئے ''باب الریان''کو فقط روزہ دار ہی استعمال کر سکیں گے۔''۔مشکوۃ المصابیح ۔حدیث نمبر1861۔

روایت میں آتا ہے کہ حسنین کریمینؓ کے نانا ﷺ رمضان کا چاند دیکھ کر فرماتے :''ھلال رشد و خیر'ھلال رشد و خیر امنت بالذی خلقک (مصنف ابن ابی شیبہ ۔رقم حدیث 9798)

علماء امت کہتے ہیں کہ پہلے عشرے میں مسلمان یہ دعا کثرت سے مانگے:''رب اغفر وارحم وانت خیر الرحمین ۔''ترجمہ:اے میرے رب مجھے بخش دے'مجھ پر رحم فرما'توسب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔''سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان ہے (مفہوم) کہ

پہلے عشرے میں کلمہ کے پہلے حصے کی کثرت کی جائے دوسرے میں استغفاراور تیسرے میں درود محمدﷺ۔

رمضان المبارک پورے سال کی عبادات پر حاوی ہے۔اللہ والے گو کہ پورا برس عبادت کرتے ہیں مگراس ماہ مقدس کی فضیلت کی وجہ سے ان کی عبادات بھی اس ماہ میں ایک خاص موڑ لیتی ہیں۔اسی طرح ہم سے گنہگار افراد کی روزمرہ کے معمولات میں ایک خاص تبدیلی واقع ہوتی ہے اور ہماری روحانیت بھی ایک نئی منزل کی جانب گامزن ہوتی ہے' اس طرح زاہد ورند' متقی وگنہگار سمیت ہم سب کی روحانیت اس ماہ کی پہلی تاریخ سے ایک نئے سفر کاآغاز کرتی ہے۔کسی بھی کام کاآغاز بھرپور ہوتاہے اورانسان اس کیلئے خصوصی انتظامات کرتاہے۔اسی انسانی فطرت کومدنظر رکھ کرسرکاردوعالم نے دین فطرت میں نصف شعبان کے بعدروزے رکھنے کوپسند نہیں فرمایاتاکہ تازہ دم ہوکربھرپورلگن سے رمضان کااستقبال کیاجاسکے۔

رمضان المبارک میں شانیء الزہرؓ کے ناناﷺ کامعمول تھاکہ آپ نماز عشاء اورتراویح کے بعد بستر مبارک پر تشریف لے جاتے اورپھر رات کے کسی حصے میں اُٹھ کر تہجد ادافرماتے اور قیام فرماتے۔رات کی عبادت کی اہمیت وفضیلت رب کریم سورہ مزمل میں اس طرح فرماتے ہیں"بے شک رات کااٹھنانفس کو سختی سے

روندتا ہے اور (اس وقت دل وزبان کی یکسانیت کے ساتھ) سیدھی بات نکلتی ہے۔'' حدیث مبارک میں سرور کونین ﷺ کافرمان ہے ''میری امت کے برگزیدہ افراد میں جو قرآن کو (اپنے سینوں میں)اُٹھائے ہوئے ہیں اورشب بیداری کرنے والے ہیں۔'' (شعب الایمان 2'557'رقم حدیث 9703)۔رمضان المبارک میں ہمارے پاس قیام لیل کانادر موقع ہوتا ہے۔ تہجد کیلئے عشاء کے بعد کچھ دیر سونالازم ہے ۔رمضان شریف میں ہم وقت سحر سے تھوڑا قبل اُٹھ کر تہجد بھی ادا کر سکتے ہیں اور قیام وتلاوت قرآن مجید فرقان حمید۔ تہجد سے متعلق ارشادباری تعالی ہے ''ان کے پہلوبستر سے دور رہتے ہیں اوروہ خوف اورامید کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے ہیں اورجو ہم نے ان کودے رکھا ہے اس کوراہ خدامیں خرچ کرتے ہیں۔''۔تاریخ سے ثابت ہے کہ اصحاب رسول ﷺ کے بعد تابعین 'تبع تابعین اوراسکے بعدکے اولیاء اللہ ایسے بھی ہو گزرے ہیں جو رمضان کی رات میں جب عبادت کرنے کیلئے کھڑے ہوتے تو ایک رکعت میں پوراقرآن مجید تلاوت کرڈالتے۔

حضرت شیخ الہند تہجد میں دوپارے پڑھتے تھے۔امدالمشتاق میں نوراللہ صاحب 'حاجی امداداللہ مکی صاحب کے رمضان کے معمولات کے بارے لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا''تمہاری تعلیم کے واسطے کہتاہوں کہ یہ فقیرعالم شباب میں اکثرراتوں کو نہیں سویا۔''شاہ عبدالرحیم رائے پوری تذکرہ الخلیل میں حضرت حاجی امداداللہ مکی کے متعلق لکھتے ہیں کہ رمضان میں دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے آپ

شاید گھنٹہ بھر سے زیادہ نہ سوتے تھے۔ حضرت مکی کا سحر وافطار دونوں کا کھانا بمشکل دو پیالی چائے اور آدھی یا ایک چپاتی ہوتا تھا۔'' حضرت نوراللہ کا تہجد میں دو قرآن کا معمول تھا۔ایک نوراللہ صاحب پڑھتے دوسرا مولانا محمد جلیل صاحب۔

شیر خدا حیدر کرار سیدنا علی مرتضیٰؓ کو گرمیوں کے روزے پسند تھے۔ عرب کا موسم گرما ہمارے موسم گرما پر قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا۔بنیادی طور پر روزہ کا مقصد مادیت کی کمزوری اور روحانیت کی مضبوطی ہے۔ روزہ رکھنے سے انسانی خواہشات وروحانیت میں صبح سے شام تک تکرار رہتی ہے اور بالآخر روحانیت کی یہ جیت انسان کے اندر اعتماد قائم کر دیتی ہے کہ وہ جبلی ضروریات کو پسند خداوندی کیلئے دبا سکتا ہے ''لعلکم تتقون ای تضعون (قرطبی)۔ قابل غور ہے یہ بات کہ سال میں ایک ایسا مہینہ بھی ہے جب اللہ کی رضاوخوشی کی خاطر انسان پر حلال اشیاء کے استعمال کی بھی ممانعت ہوجاتی ہے تو پھر باقی کے گیارہ ماہ ''ناجائز'' اشیاء وذرائع سے کس قدر بچاؤ اور گریز کی پالیسی ہوگی؟؟ قرآن کے مطابق جب سیدنا محمد ﷺ کے خدا نے حضرت موسیٰ پر توریت نازل کرنے کا فیصلہ کیا تو حضرت موسیٰ کو اس بابرکت کتاب کے حصول کیلئے انسانی آبادی سے دور پرے کوہ طور پر چالیس روز، روزے رکھ کر عبادت وریاضت کا حکم ہوا۔ چالیس دن کی اس عبادت کے بعد اللہ نے اپنے پیارے پیغمبرؑ کو توریت عطا فرمائی۔

روزہ کے افطار کے معمول میں بہت سے روایات ہیں۔آپ ﷺ اکثر کھجور سے روزہ افطار فرماتے اور اگر کھجور کی فراہمی ممکن نہ ہوتی تو ساقی کوثر ﷺ پانی سے روزہ افطار فرماتے ۔حضرت سلیمانؓ بن عمر سے روایت ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے تو اسے چاہیئے کہ کھجور سے کرے کیونکہ اس میں برکت ہے اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے کیونکہ پانی پاک ہوتا ہے۔''

اصحاب رسول ﷺ کے پاس اکثر کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو آدھی کھجور یا پانی سے افطار فرما کر رب کا شکرادا کرتے ۔دور حاضر میں ملتان شریف میں سلسلہ محمدیہ ادریسیہ جو کہ عرب الاصل ہے کہ بزرگ شیخ حافظ امین بن عبدالرحمٰن نے اصحاب رسول ﷺ کی یاد میں رمضان المبارک کی ترتیب ایسی رکھی ہے کہ پہلا روزہ کی افطاری میں صرف کھجور کا اہتمام ہوتا ہے 'دوسرے میں پانی اور تیسرے روز حسب توفیق اشیائے خورد ونوش ۔پورا رمضان انکے ہاں روزے اسی ترتیب کے ساتھ افطار کیئے جاتے ہیں ۔اس طرح مجموعی طور پر دس دن کھجور سے 'دس دن پانی سے اور دس دن مختلف نعمتوں سے ۔پانی سے روزہ افطار کرتے وقت جب محترم شیخ امین صاحب کو ''کربلا'' کی یاد آتی اور ستاتی ہے تو ان کے لب پر حب حسینؓ سے متعلق اشعار جاری ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہے۔وہ پانی و کھجور سے افطار کے دوران اپنے معتقدین سے فرماتے ہیں کہ اس افطاری پر غور کرو'اصحاب

رسول ﷺ کے پاس روزمرہ کی اشیاء کتنی کم تھیں 'ان کے دسترخوان پر محض کھجور یا پانی ہوتا مگر ان کے قیام لیل 'تلاوت اور زہد و عبادت میں ذرا برابر فرق نہ پڑتا۔ رمضان شریف کے دوران ہمیں چاہیئے کہ پہلے عشرے سے ہی اپنی تمام تر حرکات و سکنات کو اللہ کی خوشنودی و رضا میں ڈھال لیں۔ رمضان ہمدردی و محب کا درس دیتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ افطار پارٹیز کا اہتمام اللہ کی رضا کی خاطر کریں 'مستحق افراد کو اس میں شامل کریں 'تصنیع بناوٹ اور دکھاوے سے پرہیز کریں کیونکہ ریاکار کیلئے سخت وعید ہے۔ درس قرآن سنیں 'قرآن و رمضان کی اہمیت و فضیلت سے متعلق اکابر کی کتب کا مطالعہ کریں 'ان کی سیرت کو پڑھیں کہ وہ کیسے رمضان گزارتے تھے۔ افطار پارٹیز میں وقت افطار سے آدھ گھنٹا قبل درس قرآن کا پروگرام رکھ کر ہم اس پروگرام کو مزید روحانی تقویت پہنچا کر اپنی جنت کا راستہ مزید آسان کر سکتے ہیں۔

سائیڈ سٹوری

روزہ اللہ کیلئے ہے اور بلاشبہ وہی اسکا اجر عطا کرنے والا ہے مگر یہ ہمدردی و اخوت کا مہینہ بھی ہے۔ کسی کا روزہ افطار کرانے کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ دوسرے سرمایہ داروں اور حاکموں کیلئے بھی روزہ دار سے بھلائی کے صلے میں

انعام کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حدیث شریف ہے (ترجمہ): ”یہ ایسا مہینہ ہے جس کے آغاز میں رحمت‘ درمیان میں مغفرت اور آخر میں دوزخ سے نجات ہے۔ اور جس کسی نے اس مہینے میں اپنے غلام (روزہ دار) سے کم کام لیا‘ اللہ تعالیٰ اسے بخش کر دوزخ سے نجات دے گا۔“